تاریخ یورپ

۱۴۵۳ء — ۱۷۸۹ء

www.KitaboSunnat.com



ایس ایم شاہد

نیو بک پیلس
اُردو بازار، لاہور



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

تاریخ یورپ

(1453-1789)

خریدا ہوا مال واپس یا تبدیل نہیں ہوگا۔
3 NOV 2004
ACC No 376386

ایس ایم شاہد

فیکلٹی آف ایجوکیشن
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
اسلام آباد

قیمت 90/=

نیو بک پیلس
اردو بازار، لاہور (فون: 042-7224925)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تالیف : تاریخ یورپ
مولف : ایس ایم شاہد
کمپوزنگ : لکھت کمپوزرز' ملتان روڈ' لاہور۔ (فون : 7571207)
ناشر : نیو بک پیلس' اردو بازار' لاہور۔
پرنٹرز : ندیم یونس پرنٹرز' لاہور۔
قیمت : -/90 روپے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتساب

بے حد خلوص کے ساتھ

"عبدالودود"

کے نام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مندرجات

پیش لفظ 6

☆ حصہ اول: انقلاب کلیسا

1- کلیسا کا زوال 9
2- نشاۃ ثانیہ 18
3- پروٹسٹنٹ ازم 29
4- مارٹن لوتھر کی تحریک اصلاح کلیسا 43
5- تحریک اصلاح کلیسا زونگلی، کیلون 53
6- اصلاح کیتھولک ازم 60
7- نئی بادشاہیاں، ہسپانیہ 65
8- نئی بادشاہیاں، فرانس 70
9- نئی بادشاہیاں، انگلستان 75

☆ حصہ دوم: مذہب جنگ

10- مذہب جنگ--- ایک جائزہ 84
11- کیتھولک اسپین کی یلغار 99
12- فرانس کی ٹوٹ پھوٹ اور تعمیر نو 106
13- تیس سالہ جنگ 118

☆ حصہ سوم: مغربی یورپین قیادت کا قیام

14- شاہی نظامت اور طاقت کا توازن 127
15- برطانیہ--- پیورتن انقلاب، پارلیمنٹ 136
16- لوئی چہار دہم کا زمانہ 150

☆ حصہ چہارم: مشرقی یورپ کی کایا پلٹ

17- پرشیا اور آسٹرین بادشاہت 168
18- یورپ کی توسیع 180
19- فرانس، ہالینڈ، انگلستان 185
20- بحرالکاہل کی طرف پیش قدمی 193
21- روس کی مغربیت اور پولینڈ کی تقسیم 197

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ حصہ پنجم: دولت اور بادشاہت کے لئے جدوجہد

-22	اٹھارویں صدی کی عالمی معیشت	208
-23	مغربی یورپ مابعد یوٹریکٹ	219
-24	وسط اٹھارویں صدی کی عظیم جنگ	233

☆ حصہ ششم: دنیا کا سائنسی منظرنامہ

-25	دنیا کا سائنسی منظر--- ایک نظر	249
-26	سائنسی مدنیت کے پیام بر--- بیکن اور ڈیکارٹ	258
-27	آئزک نیوٹن--- کشش ثقل کا قانون	263
-28	گلیلیو--- سائنسی انقلاب	268
-29	مکتبہء طبعی قانون	278

☆ حصہ ہفتم: روشن خیالی کا دور

-30	روشن خیالی کا دور--- فلسفے	286
-31	روشن خیالی دور کی ثقافت	300
-32	روشن خیال مطلق العنان فرمانروا	311
-33	امریکن انقلاب	326

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

میں اپنے اللہ کا صد بار شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھ جیسے گناہ گار، عاجز اور ناچیز بندے کو "تاریخ یورپ" پر چند اوراق اکٹھے کرنے کی ہمت اور توفیق دی۔ اگر قاری کو اس میں خامیاں نظر آئیں تو اسے میری کم علمی اور کوتاہ نظری جان کر درگذر فرما دے۔ خدا اجر عظیم دے گا۔

کتاب مرتب کرنے کے بعد پیش لفظ لکھنا ضروری ہے مگر میں سوچتا ہوں کیا یہ لکھنا واقعی ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ واحد صفحہ ہوتا ہے جس پر طلبہ نظر ڈالنا بھی پسند نہیں کرتے ——— تو پھر یہ کیوں لکھا جاتا ہے؟؟

بچے صحن میں
جنگ کھیل رہے تھے
وہ اپنی جنگ
بے پناہ شور شرابے سے کھیل رہے تھے
میں نے انہیں کھڑکی میں سے
پکار کر کہا
امن کا کھیل کھیلو!
مجھے امید تھی کہ اس طرح
وہ کم شور مچائیں گے
بچے صحن میں
بے حد خوش ہوئے
آؤ امن کا کھیل کھیلیں!
انہوں نے جیسے ایک منہ
سے پکار کر کہا
اور سوچنے لگے کہ
امن کا کھیل کیسے کھیلا جائے
سوچتے رہے اور پھر
ایک دوسرے کے گلے پڑنے لگے
تب ایک نے پکار کر کہا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چچا! امن کیسے کھیلا جاتا ہے؟

میں اعتراف کرتا ہوں کہ
مجھے بچے کے سوال پر کوئی
جواب نہ سوجھا' اس لئے
میں یہ سوال
آگے آپ سے کر رہا ہوں
امن کیسے کھیلا جاتا ہے؟

فیکلٹی آف ایجوکیشن
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
اسلام آباد

ایس ایم شاہد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ اول

انقلاب کلیسا 1453-1560

(THE REVOLUTION IN THE CHURCH)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 1

1- کلیسا کا زوال
(DECLINE OF THE CHURCH)

"نشاۃ ثانیہ" کے باعث یورپ میں جو ہمہ گیر تبدیلیاں رونما ہوئیں ان میں سب سے اہم تبدیلی مسیحیت اور کلیسائی نظام سے متعلق تھی جس نے ایک طرف مذہب کے دائرہ کار کو گوشوں کے اندر محدود کیا اور دوسری طرف کلیسائی نظام کی برتری کو اتنا شدید صدمہ پہنچایا کہ پھر وہ توانائی حاصل کرنے کے قابل نہ رہا۔ یہ تبدیلی ایک تحریک کے نتیجے میں آئی جسے تحریک اصلاح مذہب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جس کے اسباب و علل اور کردار و نتائج کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مسیحیت اور کلیسائی نظام کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جائے تاکہ اس کی نوعیت اور اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

مسیحیت کبھی یہود سازشوں اور کبھی رومی دہشت گردیوں کا شکار ہوئی۔ آخر 324ء میں "قسطنطین اعظم" نے اس کی سرپرستی قبول کی اور پھر 395ء میں "تھیوڈوسیس" نے باضابطہ اسے سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس طرح مسیحیت ایک سلطنت کی پناہ میں آگئی اور اس کی کوششوں سے رفتہ رفتہ پانچویں صدی عیسوی کے اختتام تک پورے یورپ میں پھیل گئی یہاں سے مسیحیت کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا اور اس کی آزمائش کا صحیح وقت آیا۔ اس سے پہلے جب تک وہ افراد کا مذہب بنی رہی اور محض انفرادی تزکیہء نفس اور اصلاح اخلاق کا فرض انجام دیتا اس کے سپرد رہا اس کی وسعت کا کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔ جب اسے سرکاری مذہب قرار دیا گیا اور اس کی بنیادوں کا سوال پیدا ہوا' تو اس کی تنگ دامنی سامنے آئی اور یہ اندازہ ہوا کہ اجتماعی نظام سے متعلق نہ اس کے پاس قوانین ہیں اور نہ ہی ایسے اصول ہیں جن کی روشنی میں قوانین وضع کئے جا سکیں۔ حکومت اپنے قیام اور اپنی بقا کے لئے طاقت اور جنگ کا مطالبہ کرتی تھی اور مسیحیت اس کے برخلاف عدم تشدد' عاجزی اور مسکنت کی مبلغ تھی۔ اجتماعی زندگی ایک نظام معیشت کی متقاضی تھی۔ اور ادھر حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول تھا "نہ سونا اپنے کیسہ میں رکھو نہ چاندی نہ پیتل ـــــ سفر میں جھولی بھی نہ لو ـــــ اور نہ جوتیاں اور نہ لاٹھی"۔ "میں سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔"

اسی طرح نظام معاشرت عقدونکاح' طلاق و خلع اور میراث و ترکہ کے قوانین کا مطالبہ کرتا تھا اور دوسری طرف حضرت عیسیٰؑ کی زندگی تجرد کی روایات کی حامل تھی۔ مسیحی اقوال کے مطابق آپ نے عورت کو تمام برائیوں کا ذمہ دار قرار دے کر اس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی تھی اور رہبانیت کو فلاح آخرت کا ذریعہ بتایا تھا۔

غرض ان حالات میں جبکہ مسیحیت کا دفتر اس طرح کے تمام معاملات اور مسائل سے متعلق احکام و ہدایات سے خالی تھا' اس کی بنیادوں پر کسی حکومت و سلطنت کا چلانا اور کسی نظام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معیشت و معاشرت کو منظم کرنا کسی طرح ممکن نہ تھا' یہ تو بہرحال مسیحیت کی ہستی دامنی کا عالم تھا' اس کے بعد ضروری ہے کہ کلیسائی نظام کا جائزہ لیا جائے تاکہ بات مبہم نہ رہے۔

کلیسائی نظام : پہلی صدی عیسوی میں جب کلیسائی نظام وجود میں آیا تو سب سے پہلا کام اس نے یہ انجام دیا کہ مسیحی آبادی کو دو طبقوں میں "اہل دین" (Clergy) اور "اہل دنیا" (Laity) میں تقسیم کر کے ان کے درمیان امتیاز قائم کیا' اور آخر الذکر طبقہ کی آخروی نجات کو اول الذکر طبقے کی دعا' مغفرت پر منحصر کیا' دوسری طرف اہالی کلیسا' اپنے مذہب کی ہستی دامنی کا اعتراف کرنے کے بجائے' بزعم خود اس کے ہمہ گیر اور مکمل ہونے کے مدعی ہوئے ایسی صورت میں ضروری تھا کہ وہ خود اپنی خواہشوں کے مطابق قوانین بنا بنا کر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں اور مذہبی تقدیس کا جامہ پہنا کر ان کے نفاذ کا مطالبہ کریں' پھر بھی ان قوانین کی مقبولیت چونکہ مشتبہ تھی اس لئے یہ بھی ضروری تھا کہ یورپ کی روحانی اور مافوق البشری عظمت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھائیں اور ایک مذہبی عقیدہ کی حیثیت سے یہ بات ذہنوں پر جمائیں کہ "پوپ غلطی نہیں کر سکتا" چنانچہ ابتدائی چند صدیوں کے اندر ان کی کوششیں کامیاب رہیں اور "پوپ کی معصومیت کا عقیدہ مسیحی دنیا میں تسلیم کر لیا گیا' مگر یہ کامیابی بہرحال پائدار ثابت نہ ہو سکی اور نہ ہو سکتی تھی چونکہ عہد وسطیٰ میں عام جہالت چھائی ہوئی تھی قبائلی یورشیں ہو رہی تھیں' حکومتیں کمزور تھیں اور ترقی یافتہ تہذیبوں سے اہل یورپ کا تصادم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اہالی کلیسا کو برتری حاصل کرنے کا موقع مل گیا اور وہ الٹے سیدھے قوانین نافذ کرتے رہے۔ لیکن جب "نشاۃ ثانیہ" کے باعث یورپ میں ہمہ گیر انقلابات رونما ہوئے تو کلیسا کی بالادستی بھی زد میں آئی ایک طرف اس کا تصادم حکومتوں سے ہوا اور دوسری طرف اس کے خلاف عوامی تحریک اٹھی جس نے اس کی برتری کے علم کو سرنگوں کر دیا۔

کلیسا کی حالت : اگرچہ کوپرنیکس نے اپنی کتاب پوپ سے منسلک کی تھی' لیکن مسیحیت کو وہ نظریہ خواشگوار معلوم نہ ہوا جو کائنات کے متعلق پرانے آرتھوڈکس نظریئے کے خلاف سائنٹیفک الحاد کی حیثیت رکھتا تھا۔ پرانے نظریئے کے مطابق زمین اور انسان ہی کائنات کا مرکز تھے۔ کوپرنیکس کی کتاب شائع ہونے تک منظم مسیحیت دو محارب فریقوں میں بٹ چکی تھی یعنی کیتھولک اور پروٹسٹنٹ۔ پروٹسٹنٹوں کی تحریک اصلاح کلیسا مذہب میں ایک بہت بڑی بحرانی حرکت تھی۔ ایک لحاظ سے یہ چیزیں پیدا ہوئی کہ دور احیاء علوم سے مذہبی مسائل لا ینحل چلے آتے تھے۔

اگر کیتھولک کلیسا چودھویں صدی کے دوران میں "پندرھویں صدی کے اوائل میں مستحکم' صحت مند اور خرابیوں سے نسبتاً" محفوظ ہوتا تو احیاء علوم کے بعد' کلیسا کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہسپانیہ کے سوا کلیسا ہر جگہ نہ تو مستحکم تھا اور نہ صحت مند۔ حریص بادشاہوں کو کلیسا کی کمزوری حاصل رہی۔ اس کی ایک کلاسیکی مثال وہ منشور سلطانی ہے' جو بورجز سے 1438ء میں جاری کیا گیا۔ اس کے مطابق فرانسیسی بادشاہ لو فرانسیسی کلیسا پر زیادہ اقتدار حاصل ہو گیا۔ اس اثنا میں کلیسائی نظام کے نقائص و عیوب اور خرابیوں میں اضافہ ہوتا رہا اور نکتہ چینیوں کو اسے ہدف اعتراض بنانا چنداں مشکل نہ رہا۔

سولھویں صدی کے حکمرانوں میں سے کئی ایسے تھے۔ جو حد درجہ عیش پرست بھی تھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور حد درجہ پابند مذہب بھی۔ برگنڈی کے ڈیوک فلپ نے علاقے بھی حاصل کئے اور اس کے ناجائز لڑکے بھی بہ کثرت پیدا ہوئے۔ وہ ایک طرف اس دربار کا صدر تھا' جو اعلیٰ معیار حیات بلکہ عیش و راحت کے لئے مشہور تھا دوسری طرف کئی گھنٹے نماز و دعا میں صرف کرتا۔ غالباً" بوکیشیو اور ریبیلانس ہی دراصل مسیحی روح کے اصل دشمن تھے' لیکن ڈیکامران کے لطائف نیز گارگینچو اور پنٹاگروال میں جس چیز کا مذاق اڑایا گیا' وہ پادریوں کی غلط روی تھی اور یقیناً" اس غلط روی کو ہدف اعتراض بنانا ضروری تھا۔

بہ ہرحال یوکشیو اور ریبیلانس ہیومانزم کے صرف ایک پہلو کے نمائندے تھے۔ اکثر اہل علم اور فلسفیوں نے حقیقی مسیحی قدروں کا مذاق شاذ ہی اڑایا۔ میکیاولی اور ولا جیسے پادریوں کے کھلے دشمن بھی صرف پوپ کے ان دعاوی کی شدید مخالفت کرتے رہے جن کا مقصد دنیوی اقتدار تھا۔ پاپایت کے سیاسی جوڑ توڑ پر حملے کے سلسلے میں انھوں نے دانتے پیکو اور ایرسمس جیسے صادق العقیدہ مسیحیوں کی پیروی کی' جو مسیحیت کی قدروقیمت میں افزائش اور اس کے تزکئے کے خواہاں تھے۔ وہ مسیحیت کو برباد کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ایرسمس ہیومانزم کا حد درجہ نمائندہ مفکر تھا۔ وہ کیتھولزم سے انتہائی وابستگی رکھتا تھا اور اعتدال مزاج کے باعث انقلابی نہیں بن سکتا تھا۔

لہٰذا دور احیاء علوم کے بعد مذہبی بحران پیدا ہوا' اس میں کلیسا بالکل نادانستہ ان بڑی سیکولر قوتوں کا ہدف بن گیا' جو اس کے ضبط و نظم سے باہر تھیں' لیکن اسے زیادہ تر نقصان اپنی کوتاہیوں کے باعث اٹھانا پڑا۔ کلیسا ضروری اصلاحات انجام نہ دے سکا۔ ان کے بغیر وہ سیکولرزم کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا' جو احیاء علوم سے پیدا ہوئی تھی۔ کلیسا کے مسائل اتنے خارجی نہ تھے' جتنے داخلی تھے۔

مذہبی گروہ کی خرابیاں : دور احیاء علوم کے کلیسا میں اخلاقی حالت اوپر سے نیچے تک پست ہو گئی تھی۔ چودھویں صدی کے اواخر اور پندرھویں کے اوائل میں رومہ کی نئی شان و شوکت میں حد درجہ اضافہ ہو گیا تھا اور اس کی سیاسی اہمیت صرف عارضی طور پر قائم رہی۔ روحانی قیادت میں تدریجاً" زوال آتا گیا' کیوں کہ پے در پے دنیا اور پوپ مذہبی گدی سنبھالتے رہے۔ سکسٹس چہارم (1471ء 1481ء) ایک فرانسسکی درویش تھا' لیکن اس پوپ اور فرانسسکی نظام کے بانی میں بعد المشرقین تھا۔ یہی سکسٹس تھا' جس نے سسٹائن گرجا بنایا اور اب تک یہ اسی کے نام سے منسوب ہے۔ اس کا پورا وقت اپنے بھتیجوں' بھتیجیوں' بھانجوں کی وسیع تعداد کو ترقی دینے کے لئے وقف رہا۔ بورجیا پوپ الیگزانڈر ششم (1492ء - 1503ء) کے بارے میں اس کے سوا کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس نے کھلم کھلا اپنے بچوں کا اعتراف کرایا' جولیس دوم 1503ء-1513ء) سکسٹس چہارم کا بھتیجا تھا۔ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالتا۔ سرگرمی سے اس میں لگا رہتا اور خاصی کامیابی حاصل کرتا۔ اس نے لڑائیاں بھی کیں' سیاسی اقتدار کا دائرہ بھی بڑھایا۔ فنون لطیفہ کی سرپرستی بھی کی' مگر اپنے اصل کلیسائی فرائض بالکل پورے نہ کئے۔ لیوداہم (1513ء - 1521ء) لورنیزودی میڈیچی کا بیٹا تھا۔ اس نے فلارنس میں فیسنو سے تعلیم پائی اور افلاطونی اکادمی کی تربیت یافتہ ہیومانزم فلارنس سے رومہ لے گیا' لیکن وہ بھی اس حقیقت کا شاذ ہی خیال رکھ سکا کہ وہ مسیح کا نائب ہے۔

عہد حاضر کی دنیا دور احیاء علوم کے ان مشہور پوپوں کے لئے ممنون ہے کہ ان کی سرپرستی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں و یٹیکن کا کتب خانہ بنا۔ سسٹائن گرجے کی چھت پر تصویریں بنائی گئیں اور سینٹ پیٹر کے گرجے کا باملیق تعمیر ہوا۔ یہ واقعی گراں بار قرض ہے، لیکن اگر یہ اصحاب، جو خودغرض اور فنون کے مبصر تھے، پیٹر کی گدی کے لئے منتخب نہ ہوتے تو رومن کیتھولک کلیسا اس حالت میں کیتھولک ہی رہتا۔ ان کی شان و شوکت پر بے اندازہ رقمیں خرچ ہوئیں۔ کلیسائی محاصل کا بار بہت بڑھ گیا۔ ساتھ ہی وہ رنج و غصہ بھی پیدا ہوا، جو محاصل بڑھانے سے طبعاً" پیدا ہوتا ہے۔ ان کی بے توجہی نے کلیسا کو ایسے موقع پر کمزور کر دیا، جب اس کے لئے محکم اور مخلصانہ ضبط و نظم کی ضرورت تھی۔

مذہبی نظام میں پوپوں سے نیچے بھی حالات ویسے ہی تھے۔ بہت سے بشپ ازمنہ وسطیٰ کے عام حالات پیش نظر رکھتے ہوئے آدمیوں کی نہیں، بلکہ سیاست دانوں کی گردش اختیار کئے رہے۔ ایک فرانسیسی آرچ بشپ کو سیاسیات نے اتنا الجھائے رکھا کہ وہ پہلی مرتبہ اپنے گرجے میں اس وقت پہنچا، جب اس کی نعش کے لئے دعائے تدفین کی ضرورت تھی۔ پادری عموماً" جاہل اور غیر تعلیم یافتہ، بلکہ بعض اوقات بداخلاق بھی ہوتے تھے، گویا وہ اپنے دائرے کے فرائض انجام دینے کے بالکل قابل نہ تھے۔ بعض راہب اور درویش ایسے تھے کہ انھوں نے اساتذہ کے ضروری، اوصاف ہی پیدا نہیں کئے تھے۔ وہ نئی ہیومانزم کے مقابلے میں زوال پذیر اور فرسودہ کلامیت کا دفاع چاہتے تھے، حالانکہ ہیومانزم سے پادریوں کی ذہنی زندگی میں ایک نئی روح پیدا ہو سکتی تھی۔ ان رجعت پسند معلموں نے دور احیاء علوم کا وہ شدید طنز پیدا کیا، جو غیر معروف آدمیوں کے خطوط کہلاتا ہے۔

ان خطوط کی کہانی سے ہیومانسٹوں اور ان کے مخالفت پادریوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ ضمناً" یہ پتا بھی چل جاتا ہے کہ اس زمانے میں سامیوں کے خلاف تعصب کیوں عام تھا۔ یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب جان ریوشلن (1455ء - 1522ء) نام ایک جرمن ہیومانسٹ پیکوڈلا سے فلارنس میں تعلم پا رہا تھا۔ پیکو مذہب کے تقابلی مطالعے پر بہت زور دیا تھا۔ ریوشلن نے پیکو کی روش سے متاثر ہو کر عبرانی سیکھی تاکہ یہودیت کے متعلق بڑی بڑی کتابوں پر خود غور کرے۔ جب وہ جرمنی واپس گیا تو وہاں کے دینی حلقوں میں غیظ و غضب بھڑک اٹھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ عبرانی جاننے والا اور یہودیوں کی مقدس تحریرات کا مطالعہ کرنے والا شخص ایسا آدمی بن جائے گا، جسے مسیحیت کے متعلق زیادہ معلومات ہوں گی۔ چنانچہ اس غریب کے خلاف شورش تیز تر ہوتی گئی۔ فرانک فورٹ میں یہودیوں کی خاصی تعداد آباد تھی۔ ان میں سے جو لوگ ملازم تھے، ان کے خلاف اشتعال پیدا ہو گیا۔ آخر یوشین کو ایک کلیسائی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اپنے دفاع میں مختلف ہیومانسٹوں کے شہادت نامے پیش کئے، جو مشہور آدمیوں کے خطوط کہلاتے تھے۔ پھر 1516ء اور 1517ء میں ریوشلن کے دو دوستوں نے غیر معروف آدمیوں کے خطوط شائع کئے۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ یہ خطوط ریوشلن کے مخالف مذہبی آدمیوں نے ایک دوسرے کو لکھے تھے، لیکن حقیقتاً" یہ ایک فریب تھا، مقصد یہ تھا کہ ریوشلن کے مخالفوں کا مذاق اڑایا جائے۔

بعض روشن خیال مذہبی آدمیوں نے ریوشلن کی حمایت کی اور غیر معروف آدمیوں کی ہنسی اڑائی۔ پسماندہ اور اخلاقی اعتبار سے ست پادریوں میں مستثنیٰ مثالیں موجود تھیں، لیکن بہ ہر حال وہ مستثنیٰ مثالیں تھیں اور ان کا اثر زیادہ وسیع نہ تھا۔ 1275ء میں ممالک زیریں کے اندر ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمیعت بنائی گئی جس کا نام تھا: "برادران حیات مشترک" انھوں نے خدمت کے اعلیٰ مسیحی مقاصد میں زندگی کی نئی روح پیدا کی۔ اس نیم خانقاہی نظام میں کچھ عام لوگ بھی شریک تھے۔ انھوں نے تعلیمی اور خیراتی کاروبار جاری رکھا' مگر اس کا اثر ممالک زیریں سے باہر نہ پہنچا۔ بعض سنجیدہ مزاج مذہبی آدمیوں نے سیکولر حکام کے ذریعے سے کوشش کی کلیسائی کونسلوں میں ان کے نمائندوں کے اختیارات بڑھ جائیں' لیکن وہ پاپائیت کی مخالف پر غالب نہ آسکے اور پاپاؤں ہی نے مذہبی مجالس کی ابتدائی کوششیں بھی ناکام رکھی تھیں۔ ملکہ ازابلا اور کاٹونیل زمینز نے کیسٹیل (قسطنہ) کے کلیسا میں زبردست اصلاحی تحریک جاری کی' لیکن یہ صرف ہسپانوی علاقوں تک محدود رہی۔ پھر نہایت شدید اسلامی لہریں اٹھیں' جن کا ذمہ دار سیوانروالا تھا' مگر یہ صرف تھوڑی مدت میں ختم ہو گئیں۔

پاپائی اقتدار اور شورشیں :

تیرھویں صدی مسیحی کے آغاز میں یورپ کے عیسائی باشندے روما کے پاپائے اعظم کو اپنا دینی پیشوا تسلیم کرتے تھے اور یورپ کے دنیوی اقتدار کے سامنے یورپ کے بادشاہ' نواب اور جاگیردار سب پانی بھرتے تھے۔ دسویں اور گیارھویں صدی میں پاپاؤں نے صلیبی جنگوں کے نام پر اپنا اقتدار بڑھانے کی کوشش کی لیکن صلیبی جنگوں کی پے در پے ناکامیوں کے باعث یورپ کے عوام پادری گردی سے بیزار ہونے لگے' بادشاہوں کے دل میں پوپ کی سیادت سے منحرف ہونے کے خیالات ترقی کرنے لگے' خود پادریوں میں آزاد خیال مصلح پیدا ہونے لگے۔ ان وجوہ کی بنا پر 1200ء سے 1500ء تک کے اس دور میں یورپ کی سرزمین میں دینی اور دنیوی حیثیت کی کئی تحریکیں اٹھیں جن کا مقصد ایک طرف پادریوں کے اقتدار سے نجات حاصل کرنا اور دوسری جانب نوابوں اور جاگیرداروں کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف احتجاج کرنا تھا۔ چرچ آف روم یعنی پاپائے اعظم کے کلیسائی نظام کی تنگ دلی تنگ نظری جاہ طلبی' اقتدار خواہی اور زرپرستی نے قسطنطنیہ کے بازنطینی کلیسائی نظام کو پہلے ہی سے بیزار کر رکھا تھا۔ تیرھویں صدی مسیحی میں جرمنی اور انگلستان کے بعض پادریوں نے پاپائی اقتدار کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اور انسانی ضمیر کی آزادی کے حق کا پروپیگنڈا کرنے لگے۔ دنیوی اقتدار رکھنے والے بادشاہوں' امیروں اور نوابوں نے جو پاپائے اعظم کی سیادت سے نالاں تھے' ایسی مذہبی تحریکوں کی حمایت شروع کر دی جن کا مقصد پوپ کے خدائی اختیارات کو کم کرنا تھا۔ جرمنی کا فریڈرک دوم (1212ء سے 1250ء تک) پہلا باغی بادشاہ تھا جسے پاپائے اعظم کے دربار سے کئی دفعہ مقاطعے کی سزا دی گئی لیکن اس نے پوپ کے احکام کو ہمیشہ بے اعتنائی کی نگاہ سے دیکھا۔ آخر 1230ء میں اس بادشاہ نے پوپ کو مجبور کر دیا کہ اس کے خلاف مقاطعے کے فتوے کو منسوخ کر دے۔ 1303ء میں پوپ بونفیس کو شاہ فرانس کے ایجنٹوں نے گرفتار کر کے قیدی بنا لیا؟ اس حادثہ عظمیٰ پر سارا مسیحی یورپ خاموش رہا اور فرانس کی رائے عامہ نے اپنے بادشاہ کے اس اقدام کی کھلم کھلا حمایت کی۔ فرانس والوں نے ایک فرانسیسی پادری کو پوپ بنا کر کھڑا کر دیا جس نے فرانس کے ایک شہر اویگان میں اپنا مذہبی اکھاڑا قائم کیا۔ 1378ء میں روما میں بھی ایک پوپ گدی نشین ہوا اور اس طرح دو پوپ بن گئے: ایک کا مرکز اویگان (فرانس) تھا جس کے فتوٰی فرانس' ہسپانیہ' سکاٹ لینڈ' پرتگال اور جرمنی کی متعدد ریاستوں میں چلتا تھا' دوسرے کا مرکز روما (اٹلی) میں تھا جسے انگلستان' ہنگری' پولینڈ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شمالی یورپ کے باشندے اپنا دینی پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ ایک متحدہ پوپ منتخب کیا گیا لیکن 1437ء میں پھر دو پوپ بن گئے جنھیں یورپ کے مختلف ملکوں کے بادشاہوں یا ایک ہی ملک کے مختلف لیکن باہم دگر حریف نوابوں کی حمایت حاصل تھی۔ پاپائی اقتدار سے نجات حاصل کرنے کی خواہش کے نتائج مختلف صورتوں میں رونما ہوتے رہے: عوام میں عیسائیت کو عقل پر پرکھنے کی تحریک جاگزیں ہونے لگی' عام لوگ پوپ یا اس کے مقرر کئے ہوئے پادریوں سے فتویٰ لینے کے بجائے خود بائیبل کا مطالعہ کرنے لگے اور عوام کی یہ خواہش ترقی کرنے لگی کہ مذہب اپنے اصلی رنگ میں جلوہ گر ہو کر انھیں مذہبی اور دنیوی جابروں اور ظالموں کے ظلم سے نجات دلائے۔ انگلستان کے شہر اوکسفورڈ کے ایک پادری وایکلف نامی اپنی زندگی میں (1320ء سے 1384ء تک) انگلستان اور جرمنی کے بہت سے پادری' امرا اور عوام اپنے ہم خیال بنا لئے۔ 1396ء میں ایک جرمن پادری جان ھیس نامی نے بوھیمیا (جرمنی) میں وایکلف کی حمایت میں تقریریں شروع کر دیں: 1412ء میں پوپ کے دربار سے جان ھیس کے خلاف "دانا پانی بند" کا فتویٰ صادر ہوا اور جان ھیس سے باز پرس کی گئی۔ اسے اپنے خیالات تبدیل کرنے کا حکم دیا گیا' جان ھیس کے انکار پر پوپ کے کلیسائی نظام نے 1426ء میں اسے اور اس کے ایک ساتھی اور دوست جیروم کو جو پریگ کا باشندہ تھا' زندہ جلائے جانے کی سزا دی۔ پاپائی غضب کی آگ اس پر بھی مطمئن نہ ہوئی بلکہ 1418ء میں وائیکاف کی ھڈیاں قبر سے نکال کر نذر آتش کر دی گئیں۔ 1419ء میں بوھیمیا میں جان ھیس کے پیروؤں نے پاپائی اقتدار کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ پوپ نے ان سب کو مرتد قرار دے کر دین داروں کو ان کے خلاف بھڑکایا اور فتویٰ دے دیا کہ ان کے خلاف لڑنا اور انھیں تباہ و برباد کرنا مقدس مذہبی فریضہ ھے۔ پوپ کو ماننے والے عیسائیوں کا ایک لشکر جان ھیس کے پیروؤں پر چڑھائی کی لیکن آزاد خیال عیسائیوں کے خلاف راسخ العقیدہ عیسائیوں کی یہ پہلی صلیبی جنگ ناکام رہی۔ 1421ء میں دوسری کوشش کی گئی' اسے بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا' اسی طرح دو اور مہمیں ناکام رہیں۔ 1431ء میں پوپ نے نوے ہزار پیادہ اور چالیس ہزار سواروں کا ایک لشکر جرار مرتدین کو سزا دینے کے لئے بھیجا لیکن یہ لشکر 14 اگست کو محض اھل بوھیمیا کی آمد کا شور سن کر بھاگ نکلا۔ 1434ء میں خود جان ھیس کے پیروؤں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ آپس میں لڑ پڑے۔ انتہا پسند فرقے کو جو دنیوی حیثیت سے مساوات جاری کرنے کا حامی تھا' شکست ہوئی: دوسرا فرقہ جس کی حمایت امرا کر رہے تھے قائم رہا۔ جرمنی کی طرح یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی عوام میں امرا کے ظلم سے نجات حاصل کرنے کی تحریکیں پیدا ہوئیں: مثلاً" 1360ء سے 1381ء تک کینٹ (انگلستان) کا ایک پادری جسے امرا نے دیوانہ مشہور کر رکھا تھا' معاشرتی مساوات کی تلقین کرتا رہا' 1381ء میں انگلستان میں کسانوں نے امرا کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ لندن کے میئر نے رچرڈ دوم شاہ انگلستان کی آنکھوں کے سامنے کسانوں کے سرغنے کو قتل کر دیا اور کسانوں کی تحریک فیل ہو گئی۔ اس طرح 1358ء میں فرانس میں کسانوں کی شورش برپا ہوئی جسے امرا نے اپنی فوجی طاقت سے دبا دیا۔ جرمنی میں 1480ء سے 1500ء تک کسانوں کی شورشیں رونما ہوتی رہیں جو اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ یورپ کے عوام کی یہ تحریکیں اور شورشیں ظاہر کرتی ھیں کہ اس دور میں یورپ کے باشندے پادری گردی اور امرا کے ظلم و جبر سے بہت تنگ آئے ہوئے تھے اور انھیں ان ظالموں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نجات حاصل کرنے کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔

کلیسا کے زوال کے اسباب

1- پوپ کی سیاسی برتری : عہد وسطیٰ میں پوپ نے اپنے لئے بلا قید مذہبی اختیارات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی برتری کے حصول کی بھی کوشش کی اور پہلے رومی کلیسائی کی تنظیم کو ایک ریاست کی شکل دی۔ پھر 1059ء میں پوپ "نکولس دوم" (Nicholas II) نے ایک فتویٰ کے ذریعے پوپ کے انتخاب کا حق بادشاہوں اور رومی شہریوں سے لے کر اہائی کلیسا کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد 1073ء میں پوپ "گریگوری ہفتم" (Gregory VII) نے ایک فرمان میں یہ اعلان کیا کہ "اساقفہ کو برطرف کرنے اور بحال کرنے کا حق صرف پوپ کو حاصل ہے وہ شہنشاہوں کو بھی تخت سے علیحدہ کر سکتا ہے اور عوام کو ان کی اطاعت سے آزاد کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس کے فتوے کو کوئی دوسرا حکم منسوخ نہیں کر سکتا اور وہ دنیا کے ہر شخص کے حکم کو منسوخ کر سکتا ہے کوئی اس کے اعما پر اپنے فیصلے صادر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس شخص کی مذمت کا پیشگی اختیار رکھتا ہے جس نے پوپ کی عدالت سے رجوع کیا ہو۔" اسی طرح پوپ نے اپنی عظمت کے سلسلے میں یہ دلائل بھی دیئے کہ اس کا تعلق چونکہ روحانی معاملات سے ہے جو دنیوی معاملات سے زیادہ اہم ہیں اس لئے اسے بادشاہ پر' جو صرف دنیوی معاملات کا ذمہ دار ہے۔ تفوق حاصل ہے ان دعاوی کے ساتھ ساتھ پوپ نے بعض حکمرانوں کے احکام کی تنسیخ بھی کی' بعض کو مذہب سے خارج کر دینے کی دھمکیاں بھی دیں اور بعض کو تخت سے معزول کرنے کا حکم بھی صادر کیا۔ چنانچہ 1075ء میں پوپ نے جرمنی کے بادشاہ "ہنری چہارم" کی معزولی کا فتویٰ جاری کیا رعایا کو اس کی نافرمانی کا حکم دیا۔ اسی طرح پوپ "انوسنٹ سوم" (Innocent III) نے انگلینڈ کے بادشاہ "جون" (John) کو تخت سے علیحدہ کرنے کا فرمان جاری کیا۔

غرض پوپ نے اپنے بلا قید اختیارات کے دعوے اور ان کے استعمال کے باعث کلیسا اور ریاست کے درمیان کشاکش پیدا کر دی اور یورپ کے حکمراں اپنے ذاتی مفاد کے پیش نظر بھی اس بات کے خواہشمند ہوئے کلیسا کے اختیارات کو محدود کیا جائے۔

2- کلیسا کی معاشی برتری : کلیسائی تنظیم نے ہر جگہ پر بڑی بڑی جاگیریں حاصل کرلی تھیں اور درکشی کے طرح طرح کے طریقے ایجاد کر لئے تھے۔ ہر حکومت اسے کثیر رقم بطور خراج سالانہ ادا کرتی تھی اور لوگ اپنے گناہوں کی معافی کے سلسلے میں یا حصول ثواب کی خاطر بڑی بڑی جائدادیں کلیسا کو وقف یا بطور نذرانہ پیش کرتے رہتے تھے۔ کلیسا کی دولت ہر طرح کے سرکاری محصول سے بھی بری تھی اور عوام یا حکومت کسی کو بھی یہ حق حاصل نہ تھا کہ اس کے حساب و کتاب سے متعلق کوئی سوال اٹھا سکتے نکاح ناموں اور وصیت ناموں کی فیسیں بھی کلیسا ہی وصول کرتا تھا۔ اس لئے کہ یہ مذہبی معاملات تھے اور ان کا تعلق حکومت سے نہ تھا۔

غرض مالی اعتبار سے اہالی کلیسا نے مہاجنوں اور ساہوکاروں پر سبقت حاصل کرلی تھی اور کروفر اور شان و شوکت کے لحاظ سے ان کا مقابلہ شہزادوں سے کیا جا سکتا تھا۔ زہد و ریاضت اور ترک دنیا ترک خواہش کے ان دعوؤں کے ساتھ اہالی کلیسا کا یہ انداز اتنا بے جوڑ تھا کہ ان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقلی توجیہہ کر کے روحانی عظمت کا برقرار رکھنا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اقوال و اعمال کا یہ تضاد ہی تنہا انہیں ہدف ملامت بنانے کے لئے کافی تھا۔

3۔ مسیحی خانقاہیں : مسیحی تعلیمات کے مطابق' حضرت عیسیٰ نے تجرد کی زندگی کو پسند فرمایا تھا۔ اس لئے آپ کے پیروؤں نے رہبانیت کو اپنے دین کا جزو بنا کر لوگوں کو تلقین شروع کہ وہ دنیا سے علیحدہ ہو کر خانقاہوں میں چلے آئیں۔ چنانچہ عورتوں اور مردوں کی ایک بڑی تعداد نے راہب (Monk) اور راہبہ (Nun) کی زندگی اختیار کر لی اور اس کے ساتھ ہی ان کی رہائش کے لئے کلیسا سے ملحق بڑی بڑی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ ان خانقاہوں نے اوائل میں پاکیزہ ماحول کی وجہ سے مذہب کی اچھی خدمات انجام دیں لیکن ان کی یہ پاکیزگی بہرحال زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکی۔ راہبانہ زندگی دونوں جنسوں کے لئے ایک آزمائش بن گئی اور ان کا اس آزمائش سے کامیاب گذر جانا ممکن نہ ہو سکا۔

4۔ اہالی کلیسا کی اخلاقی پستی : اہالی کلیسا نے زندگی کا جو انداز اختیار کیا تھا وہ غیر فطری تھا اس لئے وہ اس پر قائم نہ رہ سکے اور خیالی پاکیزگی کی تلاش میں نجات کے پست ترین مقام پر پہنچ گئے دولت کی کثرت اور سامان عیش کی فراوانی راہبانہ زندگی کے لئے سخت صبر آزما ثابت ہوئی اور خانقاہیں رفتہ رفتہ داد عیش کے مرکزوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ایسی صورت میں کلیسائی نظام کا نشانہء ملامت بن جانا ایک قدرتی امر بن گیا۔

5۔ عدالت تفتیش : اہالی کلیسا نے زرکشی' خود غرضی' نفس پرستی اور ہوس رانی کی جو راہ اختیار کر لی تھی۔ وہ حد درجہ قابل اعتراض تھی۔ چنانچہ اس پر اعتراضات شروع ہوئے اور کلیسا کو اپنی عظمت کے تحفظ کے لئے نئے اقدامات کرنے پڑے۔ 1215ء میں اس نے ایک عدالت قائم کی جس کا نام "مقدس عدالت تفتیش" (Holy In quisition) رکھا گیا اور اس کے سپرد یہ کام ہوا۔ کہ وہ لوگوں کے عقائد کی تفتیش کرے اور جن لوگوں پر گمراہی' الحاد اور کلیسا سے بغاوت کا الزام عائد ہو انہیں سخت ترین سزائیں دے۔ اس طرح کلیسا نے اپنے مخالفین کو کچل ڈالنے کا ایک نیا بہیمانہ طریقہ ایجاد کیا اور اس عدالت کے ذریعہ ہزاروں باشعور لوگوں کو زندہ جلا دینے کی سزا دی' اس کاروائی نے کلیسا کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبہ کو اور بھی بھڑکا دیا اور لوگ سمجھنے پر مجبور ہوئے کہ یہ نظام اب محض طاقت کے بل پر قائم ہے لہٰذا اسے طاقت ہی کے ذریعہ سرنگوں کیا جا سکتا ہے۔

6۔ قومیت کا احساس : "نشاۃ ثانیہ" کے جو گوناگوں نتائج برآمد ہوئے ان میں ایک نتیجہ قومیت کا وہ احساس تھا جو دوسری قوم کی برتری کو کسی عنوان سے بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا' چونکہ مغربی یورپ کے تمام کلیسا رومی کلیسا کے تابع فرمان تھے' جو اطالیہ میں واقع تھا اس لئے غیر اطالوی قوموں کو یہ بالا دستی بھی ناگوار گزرنے لگی اور وہ اس کے آزاد ہونے کی خواہش کرنے لگے۔

7۔ چند مسیحی نظریوں کا ابطال : مسیحی رہنماؤں نے بعض سائنسی نظریوں کو مذہبی اہمیت دیدی تھی اور ان کی تردید ان کے نزدیک گویا مذہبی عقائد کی تردید بن گئی تھی پندرھویں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدی عیسوی میں جب یورپ کے اندر علم کی شعاعیں پہنچیں تو تحقیقات سے وہ نظریئے غلط ثابت ہوئے مثلاً" اہالی کلیسا نے یہ نظریہ قائم کرلیا تھا کہ آفتاب حرکت کرتا ہے۔ لیکن جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ زمین اور دوسرے سیارے آفتاب کے گرد چکر لگاتے ہیں' ان نظریوں کے ابطال نے اہالی کلیسا کی تمام تعلیمات کو مشتبہ بنا دیا اور لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ ان کے تمام عقائد اور اصول تحقیق طلب ہیں۔

8۔ **معافی نامے**: گناہوں کی معافی کے سلسلے میں عیسائیوں کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ توبہ اور استغفار کے ساتھ اگر کچھ رقمیں خیرات میں دیدی جائیں تو ان کی بخشش ہو جاتی ہے اہالی کلیسا نے اس عقیدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو یہ ترغیبیں دیں کہ وہ رقمیں دے کر پوپ سے معافی نامہ حاصل کرلیا کریں اس لئے کہ گناہوں سے پاک ہو جانے کا یہ طریقہ سب سے اچھا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ معافی ناموں کے ذریعہ رقمیں حاصل کرنے کے رواج نے باضابطہ کاروبار کی شکل اختیار کرلی اور پوپ بڑے پیمانہ پر معافی نامے یا پروانہ جنت (Inaulyences) جاری کرنے لگے اس سلسلے میں یہ بات بھی بتائی گئی کہ جو لوگ مرچکے ہیں' درجنت میں پہنچنے کے بجائے اپنے گناہوں کی وجہ سے "مقام کفارہ" (Purgatory) میں پڑے ہیں۔ ان کی بخشائش کے لئے بھی ان کے ورثاء معافی نامے خریدیں تاکہ پوپ دعا و مغفرت کر کے انہیں اس مقام عذاب سے نجات دلائیں اور وہ جلد جنت میں داخل ہو جائیں۔

غرض معافی ناموں کی فروخت کا کاروبار تحریک اصلاح سے پہلے وسیع پیمانے پر جاری تھا اور وہ پوپ کی دولت میں اضافہ کا ایک اہم ذریعہ بن چکا تھا۔ 1517ء میں سینٹ پطرس (Peter St-) کے گرجے کی تعمیر کے سلسلے میں پوپ "لیوہم" (Les X) کو مزید رقموں کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس نے معافی ناموں ہی کے ذریعے اسے پورا کرنے کی کوشش کی' چنانچہ ایک پادری "جون ٹٹرویل" (John Tetzel) کو اس نے جرمنی کی ریاستوں میں انہیں فروخت کرنے پر مامور کیا۔ وہاں ایک راہب "مارٹن لوتھر" نے ان معافی ناموں پر سخت اعتراضات وارد کئے اور اپنے اعتراضات کو '95' نکات کی شکل میں تحریر کر کے "وٹن برگ" (Wittenberg) کے کلیسا کے دروازہ پر چسپاں کر دیا۔ یہاں سے یورپ کی تاریخ ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ کلیسا کے خلاف جو عام بیزاری اور نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ اسے پھٹ پڑنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ اس نے ایک انقلابی تحریک کی شکل اختیار کرلی اور "مارٹن لوتھر" کی قیادت میں مذہب کی اصلاح کا وہ کام انجام دیا کہ اہل یورپ کی زندگی کلیسا کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ باب 2

نشاۃ ثانیہ
(RENAISSANCE)

نشاۃ ثانیہ تاریخ عالم میں ایک ایسا زمانہ ہے جس کی آمد نے قرون وسطیٰ کے رجحانات میں انقلابی تبدیلیاں رونما کر دیں۔ کسی زمانے میں جب علماء کا یہ خیال تھا کہ قرون وسطیٰ ایک تاریک عہد تھا۔ تب یہ کہا جاتا تھا کہ اطالیہ میں 1300ء کے بعد تہذیب نے دوبارہ زندگی پائی۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ایک نئے عہد کا آغاز ہوا۔ جس کے دوران جدید زندگی کے خدوخال ظاہر ہوئے لیکن اب یہ باتیں قدیم ہو چکی ہیں اور نشاۃ ثانیہ کا مفہوم' تہذیب کی دوبارہ زندگی' نہیں رہا بلکہ اس سے مراد وہ تمام اہم ثقافتی ترقی ہے جو اطالیہ میں 1300ء کے بعد رونما ہوئی اور 1600ء سے قبل تمام یورپ میں پھیل گئی۔

محدود معنی میں نشاۃ ثانیہ کا مطلب احیائے علوم ہے۔ یعنی یونان اور روم کے علوم کی تجدید' کیونکہ ان علوم کو قرون وسطیٰ میں کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ اگر وسیع معنی میں دیکھا جائے تو نشاۃ ثانیہ کا دامن بہت ہی وسیع ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک تحریک کی حیثیت سے ایک ذہنی بیداری کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس ذہنی بیداری کے باعث یورپ میں جدید تہذیب کا آغاز ہوا۔ اس دور کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ انس میں لوگوں نے تہذیب اور کلیسائی کی قیود سے آزاد ہو کر غوروفکر کا طریقہ اپنایا۔ تحقیق اور مشاہدہ' استفسار اور دلائل کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا۔

نشاۃ ثانیہ کے فروغ کے اسباب : نشاۃ ثانیہ کے فروغ کے متعدد اسباب ہیں۔ جن میں سب سے اہم معاشی سبب ہے۔ 1200ء کے بعد صنعت وتجارت کو بے انتہا فروغ حاصل ہوا اور شہر دولت مند اور خوشحال ہو گئے۔ خاص طور پر شمالی اطالیہ کا شہر وینس (Venice) تجارت کا اہم مرکز تھا۔ ہر قسم کے مسالے جات اور اشیائے تعیش مشرق سے اس مرکز کے ذریعہ پہنچتی تھیں۔ میلان (Milan) بھی ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ یہاں زرہ بکتر (قیمتی کپڑا) اور لوہے کا سامان تیار ہوتا تھا۔ لوکا (Lucca) ریشم کی تجارت کا اجارہ دار تھا۔ فلورنس (Florence) بنکاری کا مرکز تھا۔ اونی اور ریشمی کپڑے کی ایک عمدہ منڈی بھی یہاں تھی۔ دوسرے شہروں میں بھی تجارتی کاروبار کا بے انتہا اثر ہوا۔ اور صنعتوں کو بھی بے حد ترقی ملے۔ 1300ء اور 1600ء کے درمیان اطالوی ریاستوں نے محنت اور جانفشانی کے بعد اپنی ہیئت میں انقلابی تبدیلیاں کرلیں۔ تجارتی راستے دریافت کئے گئے۔

واسکوڈی گاما نے براہ راس امید ہندوستان کا راستہ معلوم کیا۔ کولمبس نے امریکہ کا پتہ لگایا۔ 1521ء میں کورٹز (Cortes) نے میکسیکو فتح کیا اور اس طرح چاندی اور سونے کے وسیع ذخائر ان کے ہاتھ آئے 1532ء میں پزارو (Pizzaro) نے پیرو (Peru) فتح کیا۔ اسی طرح قیمتی دھاتوں کی افراط نے یورپ کی اقتصادیات میں انقلاب برپا کر دیا۔ اقتصادی ترقی معاشرتی ترقی کا باعث بنی اور جدید تہذیب کی بنیادیں با آسانی ڈالی جا سکیں۔

اہل یورپ کا عالم مشرق سے تعلقات پیدا کرنا بھی نشاۃ ثانیہ کے فروغ کا باعث بنا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تہذیب کی بہت سی اقدار یورپ نے مشرق سے سیکھیں۔ اس زمانے میں جب یورپ تاریکی کے غاروں میں گرا ہوا تھا' عالم مشرق عالم اسلام ترقی کی انتہائی معراج پر پہنچا ہوا تھا۔ تجارت کے سلسلے میں اور صلیبی جنگوں کے دوران یورپ کے لوگ' خاص طور پر مشرقی ممالک سے متعلق ہوئے اور انھوں نے تہذیب اور علم و ثقافت کے نئے سبق سیکھے۔ مسلم اسپین نے بھی اطالیہ اور سقلیہ وغیرہ کو تہذیب یافتہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ قرطبہ' اشبیلیہ اور غرناطہ کی اعلیٰ درسگاہوں میں یورپ کے عیسائی طالب علم حصول کے لئے گئے' اور جب وہ وہاں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے ملک واپس پہنچے تو انھوں نے علم کی شمعیں روشن کیں۔

قرون وسطیٰ کے اواخر میں "متکلمون" (Schoolmen) یعنی یونیورسٹی کے معلموں اور ایسے ہی دیگر علماء نے انسانی ذہن کو مذہبی قیود سے آزاد کیا۔ اور یہ بتلایا کہ تحقیق و مشاہدہ' دلائل و استفسار کے سبب حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے مذہب اور ادارک (Reason) کے درمیان ہم آہنگی قائم کرنے کی کوشش کی۔ ان معلمین نے بہت سی عربی کتابوں کا یورپین زبانوں میں ترجمہ کیا اور اسی طرح علم و عمل کی نئی راہیں کھولنے کی کوشش کی۔

ان لوگوں میں راجر بیکن' البرٹس میگنس' تھامس اکوئیناس اور ڈینٹی خاص تھے۔ ان لوگوں نے علم و فکر کی نئی راہیں کھولیں۔ انھوں نے تحقیق و مشاہدہ پر زور دیا اور علم کے حصول کی اہمیت کو واضح کیا۔ تھامس اکوئیناس نے اس بات پر بے حد زور دیا کہ انسان کو اپنی حقیقت کا احساس کرنا چاہئے۔ اور یہ احساس اسے جب ہی ہو سکتا ہے جب وہ خدا کو پہچان لے۔ خدا کو ادراک کے ذریعہ پہچانا جا سکتا ہے لیکن اسے مکمل طور پر حیات بعدالموت میں ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ ڈینٹی نے "ڈیوائن کمیڈی" تحریر کی۔ اس طویل نظم میں اس نے اپنے روحانی تجربات درج کئے ہیں۔

قرون وسطیٰ میں یونیورسٹی کے قیام نے بھی بڑی حد تک نشاۃ ثانیہ کی آمد میں مدد کی۔ ان یونیورسٹیوں میں طب' قانون اور بہت سی غیرمذہبی علوم کے مطالعہ کے باعث علوم و فنون کی ترقی ممکن ہو سکی۔

چودھویں صدی کے اوائل میں قومی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا۔ مثلاً" اطالوی' ہسپانوی' فرانسیسی' جرمن اور انگریزی زبانیں۔ ان قومی زبانوں کی ترویج نے علم کے حصول کو اور بھی آسان بنا دیا۔ ساتھ ہی ساتھ ان زبانوں نے قومی یک جہتی پیدا کرنے میں بھی بڑی مدد دی۔ اب ہر کس و ناکس مذہبی کتابوں کو پڑھ سکتا تھا اور مذہب کو سمجھ سکتا تھا۔ اسے پادریوں کی زنجیروں میں جکڑے رہنے کی قطعاً" کوئی ضرورت نہ رہی۔ جرمنی میں مینز کے شہر میں گٹن برگ (Guttenburg) نے چھاپہ خانہ قائم کر کے کتابوں کی اشاعت کا کام شروع کیا۔ جس کے باعث کتب کی فراہمی بے حد آسان ہو گئی اور اس طرح علم خصوصی کے بجائے عمومی ہو گیا۔

1453ء میں جب عثمانی ترکوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کیا تو بہت سے یونانی ترک وطن کر کے یورپ جا پہنچے۔ چونکہ یونان علم و تہذیب کا گہوارہ رہ چکا تھا اور یونانی علم و فن کے ماہر تھے۔ لہٰذا ان کا ایک بڑی تعداد میں ترک وطن کر کے یورپ کی سرزمین پر پہنچ جانا ایک قدرتی دین تھی۔ ان لوگوں نے بھی اہل یورپ کو تعلیم یافتہ اور تہذیب یافتہ بنانے میں کافی ہاتھ بٹایا' انھیں علم کی اقدار سے روشناس کرایا اور یورپ کے نظام تعلیم کو درست کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ اطالیہ صنعت و تجارت کے سبب کافی دولت مند ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس دولت کا خرچ بھی لازمی تھا۔ تاجروں اور صنعتکاروں نے دل کھول کر اپنی حاصل کی ہوئی دولت کو علم و فن کی ترقی پر خرچ کیا۔ انھوں نے عالی شان محلات، گذرگاہیں، حمام، تماشگاہیں اور ہر طرح کی لاتعداد عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اطالیہ کے شہروں کو بارونق بنایا گیا۔ سیاحوں کو نئے ممالک کا پتہ لگانے کی مہم پر روانہ کیا گیا۔ سائنسدانوں نے تجربے اور تحقیق کے ذریعہ نئے اصول دریافت کئے اور ان سے علمی فائدے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مصوروں نے مناظر قدرت اور معاشرتی زندگی کی تصویریں اتاریں۔ شعراء نے آزاد اور خوشگوار فضا میں اپنی نظمیں تحریر کیں۔ ان تمام علوم و فنون سے جو رائج ہوئے اس بات کی بو آتی ہے کہ دنیا کی ہر شے انسان کے لئے بنائی گئی ہے۔ لہٰذا اس کی اہمیت کا خاص خیال رکھا گیا۔ شعراء اور ادباء نے اسے اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔ معماروں نے اس کے رہنے کے لئے عمدہ مکانات تعمیر کئے۔ مصوروں نے عوامی زندگی کی تصویریں اتاریں۔ سائنسدانوں نے ایسے اصول دریافت کئے جنھوں نے عام انسان کی زندگی کو پر آسائش بنایا۔

نشاۃ ثانیہ اٹلی میں : فلسفہ انسانیت (Humanism) نشاۃ ثانیہ کی اہم خصوصیت ہے۔ اسی فلسفہ سے عہد جدید کا آغاز ہوتا ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق انسان کی ذات کائنات کا مرکز ہے۔ اس لئے بجائے عالم آخرت یا عالم طبعی کے، مجموعی انسانی زندگی کا مطالعہ اور اس کی ترقی کی کوشش انسان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ نشاۃ ثانیہ کے ذہنی اور ادبی پہلو کو بھی انسانیت کی تحریک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس تحریک کے علمبرداروں نے ایسے ادب کی تشکیل کی جسے انسان اور اس کے معاشرے سے زیادہ تعلق ہے، اور دقیانوسی مذہب سے کم، یہ تحریک قرون وسطیٰ کی دینیات کی دشمن ہے۔ کیوں کہ اس میں انسان مذہب، چرچ اور پادریوں کا غلام تھا۔ جو انسانی اقدار کے بالکل منافی تھا۔

پیٹرارچ (1304 تا 1374ء) : فرانسسکو پیٹرارچ تحریک انسانیت کا بانی تھا اور فلورنس سے ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا پیٹرارچ کی تعلیم و تربیت ایوگنان میں ہوئی۔ اس نے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے پہلے تو مانٹ پلیئر اور پھر بولون یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ لیکن اپنے والد کی وفات کے بعد اس نے قانون میں درس حاصل کرنا چھوڑ کر دینیات کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس کا مقصد دین کا حصول تھا جو اسے وکیل بن کر نہیں مل سکتا تھا۔ 1374ء میں اس کی وفات ہوئی۔

پیٹرارچ نے علم کے حصول اور اشاعت کی خاطر اپنی زندگی وقف کر دی۔ اس نے نظم کی ایک نئی صنف کی تشکیل کی جسے Sonnet کہتے ہیں۔ اس قسم کی نظموں میں عام طور پر چودہ 14 بند ہوتے ہیں۔ پہلے چار بندوں میں خیالات بہت جوشیلے اور تاثراتی ہوتے ہیں۔ دوسرے چار بندوں میں انہی خیالات کی توضیح ہوتی ہے اور آخری چھ بندوں میں امید اور ناامیدی، ارادہ یا صبر وغیرہ کی تلقین کے ساتھ اختتام ہوتا ہے۔

اس کی تصنیف "لارا" (Laura) بہت معرکہ ہے۔ پیٹرارچ نے اس طویل نظم میں جس لڑکی سے اپنے عشق کا ذکر کیا تھا وہ بتلاتا ہے کہ "عشق کی آگ میرے دل میں سلگتی رہی لیکن کبھی بھی میں نے اس پر ظاہر نہیں کیا حتیٰ کہ 1326ء میں چرچ کا پادری ہو گیا اور وہ "لارا" بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بغیر اس بات کے علم کے کہ پیٹرارچ اس سے عشق کرتا ہے' اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔"

پیٹرارچ کی زندگی ایک طرح زبردست تضاد تھی۔ چرچ کا پادری ہوتے ہوئے بھی اس کے دل میں عشق کی چنگاری دبی ہوئی تھی۔ یہ صرف پیٹرارچ کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ یہ مسئلہ نہ جانے کتنوں کے ساتھ درپیش تھا۔ سوال یہ تھا کہ کس حد تک انسانی حرکات دائمی اخلاقیات کے دائرہ کار کی پابند ہونی چاہئیں؟ سوال یہ تھا کہ انسان اپنی زندگی کو آخرت کے لئے تیار کرے یا اس دنیا کے علمی مطالبات کو پورا کرے؟ قرون وسطیٰ میں یہ خیال عام تھا کہ آخرت اس دنیا سے زیادہ اہم ہے۔ پیٹرارچ اس خیال کا مخالف تھا۔ لہٰذا اس کے خلاف اس نے جنگ کی۔ پیٹرارچ نے دنیاوی زندگی کی اہمیت پر زور دیا۔ بدلتے ہوئے زمانے کی پکار بھی یہی تھی۔ لہٰذا مذہب کی قیود سے آزادی تحریک انسانیت کی بنیاد قرار پائی۔ پیٹرارچ کی نظموں کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ اس نے اس رجحان کو پیش کیا۔ پیٹرارچ کی زندگی کا دلچسپ اور اہم پہلو اس کے قدیم روم سے لگاؤ تھا۔

وہ روم کے رسم و رواج' روم کے علماء، فضلاء اور روم کی ثقافت سے محبت رکھتا تھا اور محبت بھی عقیدت کے درجہ تک۔ روم سے متعلق اس کی متعدد تصنیفات نے عوام کو بے حد متاثر کیا اور عوام اب کثرت کے ساتھ غیر مذہبی ثقافت کی طرف متوجہ ہونے لگے اور یونان اور روم کے ثقافتی ورثہ کو اپنانے کی کوشش کرنے لگے۔ یونان اور روم کا ادب تعلیم یافتہ طبقے میں بے حد مقبول ہوا۔

پیٹرارچ میں حب الوطنی کا جذبہ بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ اطالیہ اور روم کو ایک ہی تصور کرتا تھا۔ لہٰذا ہمیشہ یہی سوچتا رہتا تھا کہ اطالیہ کسی زمانے میں ثقافت کی ملکہ اور ملکہ گیتی تھی۔ اب اس کی حالت اس قدر پسماندہ کیوں ہے؟ وہ اس بات پر بے حد ناراض تھا کہ زمانہ سازوں نے اطالیہ کے امن کو کس قدر تباہ و برباد کیا ہے اور ملک مقدس رومن سلطنت کے شہنشاہوں کا کھلونا بن گیا ہے۔

پیٹرارچ مناظر قدرت کا بھی پرستار تھا۔ اس نے بہت سیروسیاحت کی تھی۔ اور ان مناظر سے محظوظ ہوا تھا۔ اسے یونانی ثقافت سے بھی بے حد لگاؤ تھا۔ ہومر کی الیڈ اور اڈیسی پڑھنے کی خواہش رہتی تھی لیکن وہ یونانی زبان سے نابلد تھا۔

بوکیسیو (1313 تا 1375ء) : گیودانی بوکیسیو پر پیٹرارچ کے بے حد اثر پڑا لہٰذا اس نے یونانی اور رومن علوم کے مطالعہ پر کافی توجہ دی۔ اس نے جغرافیہ' قصہ کہانیاں اور سیرت وغیرہ پر چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھیں اور ٹیسی ٹس اور لیوی کا بغور مطالعہ کیا لیکن دنیا اسے کہانیوں کے لئے یاد کرتی ہے۔ جو اس نے اپنی تصنیف "ڈی کیمرون" (De Cameron) میں جمع کی ہیں۔ اس میں سو 100 کہانیاں ہیں اور دس دس کی کتاب بنائی گئی ہے۔ اس طرح اس میں کل دس کتابیں ہیں۔ زبان نہایت سادہ سلیس ہے۔ اور اطالوی نثر کی معراج تصور کی جاتی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب طاعون کی وبا 1348ء کے زمانے سے ہوئی جبکہ فلورنس اس وبائی مرض سے بری طرح متاثر ہوا تین نوجوان مرد اور سات نوجوان عورتیں وبا سے بچنے کی غرض سے فلورنس سے منتقل ہو کر ایک قریبی گاؤں میں چلے گئے۔ دس روز تک انھوں نے دس مسلسل کہانیاں بیان کیں۔ یہی سو 100 کہانیاں "ڈی کیمرون" میں درج ہیں۔ ان کہانیوں میں جدت ہے۔ ان کہانیوں کا موضوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاگیرداری عہد کے رومان اور عام کہانیاں ہیں اور ان میں بعض اوقات گہرا طنز پایا جاتا ہے۔ طنز کرتے وقت مرد میدان اور پادری کوئی بھی اس کی زد سے نہیں بچ سکا۔

تحریک انسانیت نے لوگوں میں یونانی زبان پڑھنے کا شوق پیدا کیا اور جب ایک یونانی بزنطینی شہنشاہ کا سفیر ہو کر اطالیہ آیا تو لوگوں کے ہجوم نے یہ ثابت کر دیا کہ یونان کی طرف رغبت بہت زیادہ ہے۔ اس شخص کو فلورنس آنے کی دعوت دی گئی (1393ء)۔ اس نے یونیورسٹی میں یونانی زبان کی تعلیم دی۔

نادر نسخوں (Manuscripts) کے اکٹھا کرنے، ان کی تلاش کرنے، پھر ان کو لائبریریوں میں جمع کرنے اور ان کی نقلیں کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔

تعلیم و تعلم میں بھی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ایک نئے زاویہء فکر کے مطابق تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک مرتبہ پھر سسرو (Cicero) کے خیالات کی ترویج ہوئی۔ اس کا کہنا تھا کہ لڑکوں کو اس طرح تعلیم و تربیت دی جانی چاہئے کہ وہ سماج کے لئے مفید ثابت ہو سکیں۔

وٹورینوڈا فلیرٹ نامی شخص کو ڈیوک آف مانٹوا نے اپنے دربار میں نئے انداز کا ایک اسکول قائم کرنے کی دعوت دی۔ یہ اسکول اس قدر کامیاب ثابت ہوا کہ اس شخص کی شہرت دنیا میں پھیل گئی۔

تحریک انسانیت کو فروغ دینے میں اہل ثروت حضرات کا بھی بڑا دخل رہا ہے۔ انھوں نے علوم و فنون کی سرپرستی کو بخوشی قبول کیا اور علماء فنکاروں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کی دل کھول کر مالی اعانت کی۔ اس سلسلے میں فلورنس کے حکمران خاندان میڈیسی کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ کاسموڈی میڈیسی اور لورینزو نامی دو حکمرانوں کو اس خاندان میں علماء اور فن کاروں کی سرپرستی کا بڑا شرف حاصل رہا ہے۔ ان کو دیکھ کر دوسرے حکمرانوں اور امراء نے بھی علوم و فنون کی سرپرستی کی۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ علوم و فنون کو بے انتہا فروغ ہوا۔

کیسٹی گلین (Castiglion - 1478 تا 1529ء) نامی شخص نے Courtier نامی جریدہ کے ذریعہ تحریک انسانیت کی ترویج اور جدید تہذیب کی نشوو ارتقاء میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ فلسفہ اور سیاست کے شعبے میں تصنیفات کی گئیں۔ اس سلسلے میں میکیاویلی کا نام اہم شمار کیا جاتا ہے۔

میکیاویلی : نکولو میکیاویلی (1469ء تا 1527ء) فلورنس میں پیدا ہوا تھا اور نئے انداز فکر کے اسکول میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس نے حکومت کے مختلف اہم سیاسی عہدوں پر فائز رہ کر سیاست اور سیاستدانوں کا بغور مطالعہ کیا۔ میکیاویلی نے اطالیہ کی بدقسمتی کا رونا رویا ہے کہ کس طرح غیر ملکیوں نے اطالوی تہذیب کو تباہ و برباد کیا ہے۔ اپنی تصنیف Prince میں اس نے فلورنس کے حکمراں لورینزو سے اس بات کی توقع کی ہے وہ غیر ملکیوں کو اطالیہ سے ملک بدر کردے گا۔ اس نے فلورنس کی تاریخ بھی مرتب کی۔ زبان کے معاملے میں وہ ڈینٹی اور پیٹرارچ کا ہم پلہ ہے۔ میکیاویلی میں حب وطن کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ اطالوی اتحاد کا علمبردار تھا۔ لہٰذا اہل اطالیہ آج بھی اسے محب وطن اور اطالوی اتحاد کے علمبردار کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اپنی تصنیف Art of War میں اس نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ حکمراں ایام جنگ میں کس کس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔ وہ اطالیہ کی متحدہ افواج کی کمی کو شدت سے محسوس کرتا ہے۔ اپنی کتاب Discourses of Livy میں وہ تاریخ اور حکومت و سیاست سے متعلق اپنے فلسفہ کو پیش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے۔ میکیاویلی کی تصانیف سیاسی افکار پر بے حد اثر اندا ہوئی ہیں۔

تحریک انسانیت کے زیر سایہ عورتوں کو اپنے حقوق حاصل کرنے اور اپنا صحیح مقام حاصل کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔ وہ اب مردوں کے شانہ بشانہ چل سکتی تھیں۔ لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ میلان' فرارا' مانٹوا اور فلورنس کے شاہی درباروں میں عورتیں اہم حیثیت کی حامل تھیں۔ آپ شیکسپیر کے ڈرامے "مرچنٹ آف وینس" کی ہیروئن پورشیا کو نشاۃ ثانیہ کی عورتوں کے طبقے کا مثالی نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔

نشاۃ ثانیہ کا آرٹ : جس طرح ادب کے شعبے میں تحریک انسانیت نے اپنا اثر دکھایا۔ ٹھیک اسی طرح آرٹ' فن تعمیر' فن مصوری اور فن سنگتراشی کے شعبے میں بھی بے حد تبدیلیاں ہوئیں۔ نشاۃ ثانیہ کا آرٹ کا مطالعہ کرنے کے لئے ہمیں اطالیہ (Italy) میں میلسیلو (Maccaccio) وفات 1429ء) سے لے کر مائیکل انجیلو (Michel Angelo) وفات (1564ء) تک کی تاریخ کا مطالعہ کرنا ہو گا۔ نشاۃ ثانیہ کے فن کاروں نے آرٹ کو ایک نئے انداز میں پیش کیا۔ مصوری کو تو اس قدر ترقی حاصل ہوئی کہ اسے مغربی دنیا کی معراج کہہ سکتے ہیں۔

مصوری : میکیسیو فلورنس کا ایک مایہء ناز فن کار تھا جس نے فن مصوری کو نئی اقدار سے روشناس کرایا۔ اس نے اس فن کے حقیقی معنی کو سمجھنے کی کوشش کی اور پھر اس کا اطلاق اپنے شاہکاروں پر کیا۔ اس کے Frescoes موسوم بہ Caesars Tribute جو کہ فلورنس کے کارمائن چرچ کی دیواروں پر پائے گئے ہیں نہایت لاجواب ہیں۔ ایسا پتہ چلتا ہے کہ اس نے Light اور Shade کا استعمال بھی شروع کر دیا تھا اس کے فن سے متاثر ہو کر فلورنس کے دیگر فن کار کارمائن چرچ پر بنے ہوئے Frescoes کو دیکھنے جاتے تھے۔

بوٹی سیلی (وفات 1510ء) نے فلورنس کے حکمرانوں کے کہنے پر Birth of Venus نامی تصویر بنائی۔ کلاسیکی کہانیوں کے مطابق وینس سمندر سے پیدا ہوئی تھی۔ اور وہاں سے قبرص کے سمندری ساحل کی طرف لے جائی گئی۔

نشاۃ ثانیہ کی مصوری جب اپنے بام عروج پر تھی تو لیونارڈو ڈاونسی' مائیکل انجیلو اور رفیل جیسے مایہ ناز مصوروں نے اپنے شاہکار پیش کئے۔

لیونارڈو ڈاونسی : لیونارڈو ڈاونسی (1452ء تا 1519ء) نشاۃ ثانیہ کے عہد کمال کی پیداوار ہے۔ لیونارڈو نے نشاۃ ثانیہ کے آرٹ کے بہترین شاہکار پیدا کئے۔ اسے فلورنس کے حکمراں لورینزو کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ اس کے شاہکاروں میں آخری طعام Last Supper بہت مشہور ہے۔ یہ منظر میلان کی ایک راہبانہ خانقاہ کی دیواروں پر بنایا گیا ہے۔ فلورنس میں اس نے Monalisa نامی شاہکار اعلی پیش کیا۔ موضوع 45 ڈگری کے زاویہ پر بیٹھی ہوئی ہے۔ کسی چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف پھیر لی ہے۔ اس کا سر دیکھنے والے کی طرف گھوم گیا ہے اور اس کی آنکھیں اس پر گڑی ہوئی ہیں۔ اس کا شاہکار Virgin of the Rocks بھی نہایت اعلیٰ پایہ کا ہے۔ اس نے فن مصوری پر ایک کتاب موسوم بہ Treatise on painting تحریر کی ہے۔

مائیکل انجیلو : مائیکل انجیلو (1472ء تا 1564ء) ریاست ٹس کینی میں پیدا ہوا اور بعد میں فلورنس چلا گیا۔ اسے بھی لورنیزو کی سرپرستی حاصل تھی۔ لورنیزو کی وفات کے بعد وہ روم چلا گیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں اس کی وفات ہوئی۔ اس کے شاہکاروں میں سب سے زیادہ مشہور "آخری فیصلہ" Last Judgement ہے۔ مائیکل انجیلو ایک مصور سے زیادہ ایک سنگتراش تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں "معماری اور مصوری پر سنگتراشی کو ترجیح دیتا ہوں۔ کیونکہ اس فن کے ذریعہ زندگی کو اچھی طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔"

رینفل : رینفل (1483ء تا 1520ء) پر لیونارڈو داونسی کے اثرات کار فرما تھے۔ لہٰذا ان سے مستفید ہوتے ہوئے اس نے اپنے شہرہ آفاق شاہکار موسوم بہ Sistine Madonnas ترتیب دیا۔ 1508ء میں پوپ جولیس دوم نے اسے روم مدعو کیا اور Sistine Chapel کے بغل کے کمروں کو آراستہ کرنے کا کام سپرد کیا۔ ایک کمرے میں اس نے دو Frescoes بنائے جو توجہ کا خاص مرکز ہیں۔ ان میں ایک Disputa اور دوسرا School of Athens کے نام سے مشہور ہے۔

ٹیٹین : وینس (Venice) کے مصوروں میں ٹیٹین (1477ء تا 1576ء) سب سے زیادہ اہم تھا۔ اس نے مصوری کی ان تمام خصوصیات کو اپنانے کی کوشش کی جسے لیونارڈو، انجیلو اور رینفل نے پیش کیا تھا۔ اس نے مناظر اور افراد کی تصویریں دونوں ہی بنائیں۔ اس کا شاہکار Assuming of Virgin کے نام سے مشہور ہے۔

وینس کے دیگر مصوروں میں Tintorltao اور Veronese کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وینس کا فن مصوری عوامی زیادہ تھا اور مذہبی کم۔ اس لئے اس نے افراد کی بے انتہا تصویروں کی عکاسی کی اور ایسے مناظر پیش کئے جو وینس کی زندگی کے ترجمان تھے۔ وینس کے لوگ بھی اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی تصویریں بنوانے میں بے حد دلچسپی لینے لگے تھے۔ لہٰذا Portrait Painting کو بہت عروج ہوا۔

سنگتراشی : نشاۃ ثانیہ کے سنگ تراشی کا پہلا نمونہ غالباً" لارینزو گبرٹی نے پیش کیا۔ فلورنس کے اصطباغ خانہ (Baptistry) کی شمالی سمت میں اس نے کانسے کے دو دروازے بنائے اور ان پر 18 تختیاں (Panels) لگائیں۔ جن پر عہد نامہء جدید (New Testament) سے مناظر پیش کئے لیکن اس کی کامیابی کی معراج شمالی سمت کے دو دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر پانچ تختیاں آویزاں ہیں اور اس پر تصاویر کا موضوع عہد نامہء قدیم (Old Testament) سے لیا گیا ہے۔ یہ تصاویر فطرت پسندی (Ralisnatu) کا عمدہ مظاہرہ ہیں۔ اور ان میں تناظر (Perspective) کا اثر کامیابی سے دیا گیا ہے۔ یہ دروازے اس قدر خوبصورت ہیں کہ مائیکل انجیلو بے اختیار پکار اٹھا کہ یہ تصاویر "جنت کے دروازوں کو مزین کرنے کے لئے نہایت موزوں ہیں۔"

پندرھویں صدی میں اطالیہ کا دوسرا مایہء ناز سنگتراش ڈونا ٹیلو تھا۔ ڈونا ٹیلو (وفات 1466ء) کے شاہکاروں میں فلورنس کے سان مائیکل کے چرچ میں نصب سینٹ چرچ کا مجسمہ ہے۔ کانسے سے تیار شدہ اس کا سب سے اہم شاہکار ڈیوڈ (David) ہے۔ یہ کلاسیکی خیالات کے تمام تر اثرات سے مرصع ہے۔ اس کا شاہکار موسوم بہ Gatamelatta ایک فوجی جرنل کو گھوڑے پر سوار پیش کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گھوڑا اپنے جرنل کی کامیابیوں پر خندہ زن، نہایت شاہانہ انداز میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

ایک دوسرے سنگتراش Mantegna نے تناظر کے مسائل پر عبور حاصل کیا۔ وہ علم الابدان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی کافی مہارت رکھتا تھا۔ اسی لئے اس کے شاہکار زیادہ متناسب اور مکمل معلوم ہوتے ہیں۔
مائیکل انجیلو' جس کا ذکر بحیثیت مصور بھی آچکا ہے' ایک مایہ ء ناز سنگتراش تھا۔ اس لئے سنگ مرمر سے ایک مجسمہ سینٹ پیٹر کے چرچ میں' موسوم بہ Pieta ترتیب دیا۔ اس مجسمہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مائیکل انجیلو نے کامیابی کے ساتھ روایاتی عیسائی جذبات کو کلاسیکی عینیت پسندی سے ملا کر پیش کیا ہے۔ اس کا شاہکار ڈیوڈ (David) بھی معرکتہ الارا ہے۔ ایک بہادر نوجوان فلسطینیوں کو گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔ وہ ایک زبردست پتھر ان پر پھینک کر انھیں تباہ کر دے گا۔ پوپ جولیس دوم کے مقبرے کے لئے بھی اس نے نادر نمونے تیار کئے۔

فن تعمیر : فن تعمیر میں بھی نیا رجحان کار فرما ہوا۔ قدیم رومن عمارتوں کے طرز کو گرجا گھروں اور محلات کی تعمیر میں اپنایا گیا۔ زیبائش کے لئے وہی طریقے استعمال کئے گئے جو روم کی عمارتوں میں اختیار کئے گئے تھے۔

پہلا معمار جس نے رومن فن تعمیر کو اپنایا برونیلیسکی (وفات 1446ء) تھا۔ وہ ایک زبردست معمار تھا۔ اور اس کی تعمیر کردہ متعدد خوبصورت عمارتیں فلورنس کے شہر کی زیبائش کا باعث بنیں۔ مرکزی گرجا گھر کے گنبد کا قطر 138-1/2 فٹ ہے۔ فلورنس میں محلات کی تعمیر پر کافی توجہ دی گئی ہے۔ ان کی تعمیر میں قرون وسطیٰ کے خیالات اور رومن خیالات کے امتزاج کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ یہ محلات تین منزلہ تعمیر کئے گئے ہیں۔ دوسری اور تیسری منزل پر عام طور سے رہائشی کمرے ہوتے تھے۔ مرکزی صحن بہت کشادہ اور خوبصورت ہوتا تھا۔ دروازے نہایت عالی شان بنائے گئے تھے۔ ان محلات میں میڈیسی خاندان کے حکمراں کا سمومیڈیسی کے لئے تعمیر کردہ محل محلاتی تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ اسے Michelezzo نے تعمیر کیا۔ بعد میں Albert نے اسی طرح کا ایک دوسرا محل Rucellai Palace تعمیر کیا۔ فن تعمیر کی تاریخ میں البرٹی کا نام کافی اہم تصور کیا جاتا ہے۔ برامانٹ Bramante نے نشاۃ ثانیہ کے روم میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ اس کے شاہکاروں میں Tempietoo کا چرچ خاص ہے۔

اس عہد کی سب سے اہم اور عظیم تعمیر سینٹ پیٹر کا چرچ ہے جو پہلے پہل شہنشاہ کانسٹائن نے تعمیر کرایا تھا اور جو اب بالکل خستہ حالت میں تھا۔ عیسائی زندگی کا محور یہ چرچ ازسرنو تعمیر کیا گیا۔ پوپ جولیس دوم نے مشہور زمانہ فن کاروں برامانٹ' مائیکل انجیلو اور رافیل کی خدمات حاصل کیں۔

ایک دوسرے معمار Palladio نے شہر Vicenza کا میونسپل ہال تعمیر کرایا۔ یہ عمارت گوتھک طرز تعمیر پر شروع کی گئی ہے۔ لیکن اس کی تکمیل کلاسیکی معلوم ہوتی ہے۔ یہ عمارت بہت خوبصورت اور دیدہ زیب ہے۔

سائنس : اطالیہ میں ادب اور آرٹ کی طرح سائنس کے شعبہ میں بھی کافی ترقی ہوئی لیونارڈو ڈاونسی جو ایک اعلیٰ پایہ کا مصور تھا' ایک بڑا سا نسدان بھی تھا۔ اس نے پودوں' جانوروں اور پرندوں کے جسم کا مطالعہ کیا۔ اس نے بندوق' اڑنے کی مشین' کاٹنے کی مشین اور ایسی ہی چند دیگر میکانیکی ایجادات عمل میں لائیں۔ وہ ایک ماہر علم نجوم بھی تھا۔ اس نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کیا کہ سورج گردش کرتا ہے۔ پولینڈ کے ایک باشندے نکولاس کاپرنیکس نے جو ترک وطن کر کے 1496ء میں اطالیہ آگیا تھا۔ ایک رصدگاہ قائم کی اور کافی تجربہ و تحقیق کے بعد یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتلایا کہ زمین اور دیگر سارے سورج کے گرد چکر کاٹتے ہیں۔ گلیلیو (1564ء تا 1641ء) اطالیہ کا ایک عظیم سائنسداں تھا۔ اس نے دوربین ایجاد کی۔ اس نے سیاروں سے متعلق بہت سی اطلاعات بھی جمع کیں' اور کاپرنیکس کے بتلائے ہوئے قول کو ثابت کر دیا۔ اطالیہ میں علم طب کو کافی ترقی ہوئی۔ دسویں صدی عیسوی سے بولون کی یونیورسٹی علم طب کے مطالعہ کا مرکز بنی اور لاتعداد طلبہ یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر خدمت کے لئے باہر نکلے۔ اطالوی اطباء نے بہت سے نئے تجربات بھی کئے۔ گرچہ دوران خون کا اصول بعد میں ہاردے نے پیش کیا۔ جراحی بعد میں عام ہوئی لیکن اس کی ابتداء اطالیہ میں ہو چکی تھی۔ سائنس اب تنگ نظر مذہبی رہنماؤں کی قیادت سے آزاد ہو چکی تھی اور عقل و دلائل کی یہ فتح اس عہد نو کی ترقیات کی آئینہ دار ہے۔ اطالوی سائنس یورپ کے دیگر ممالک میں بھی سائنس کی ترقی و ترویج کا باعث بنی۔

نشاۃ ثانیہ یورپ کے دیگر ممالک میں :

اطالیہ سے بہت جلد ہی تحریک انسانیت یورپ کے دوسرے ممالک میں پھیل گئی۔ اس تحریک کے علمبرداروں میں ایراسمس' کولیٹ' سرتھامس مور' ربیلا' فرانسس بیکن اور سروانٹز وغیرہ خاص ہیں۔

ایراسمس : شمالی یورپ میں ایراسمس نے مذہب کے شعبے میں اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے مذہب کے نئے تصور کو موثر انداز میں پیش کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ دنیاوی زندگی کے ساتھ ساتھ مذہبی فرائض کی انجام دہی بھی ہو سکتی ہے۔ مذہبی کتابوں کے مطابق ہر کام انجام پا سکتا ہے۔ لہٰذا دنیا سے الگ رہ کر راہبانہ زندگی گذارنے میں کوئی مصلحت نہیں۔ وہ چرچ کی قائم کردہ ڈسپلن اور چرچ کی بلاوجہ اہمیت کا قائل نہیں تھا۔ وہ رسومات کو بھی کوئی اہمیت نہ دیتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ تعلیم ہی سب سے عمدہ زیور ہے جو انسان کو صحیح معنی میں انسان بنا سکتا ہے تاکہ وہ اپنے فرائض کی بجاطور پر انجام دہی کے لائق ہو سکے۔ ایراسمس نے جو کہ نیدرلینڈ کے شہر روٹرڈم میں 1466ء میں پیدا ہوا تھا۔ اپنی زندگی کے اوائل میں یونانی اور لاطینی ادب میں عمدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ اس نے بہت کتابیں لکھیں اور چھاپہ خانہ کی ایجاد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں ہزاروں کی تعداد میں شائع بھی کیا۔ اس کی Praise of Folly انسانی خامیوں کا نقشہ کھینچتی ہے۔

کولیٹ اور مور : شمال یورپ میں تحریک انسانیت کے دو اہم علمبردار کولیٹ اور مور تھے۔ دونوں ہی انگریز تھے۔ کولیٹ کے زیر اثر نئے انداز تعلیم کے سینٹ پال اسکول لندن نے بے حد ترقی پائی۔ سرتھامس مور کا نام اس کی تصنیف یوٹوپیا (Utopia) کے لئے مشہور زمانہ ہے۔ اس کتاب میں اس نے ایک عینی ریاست کا تخیل پیش کیا ہے اور اپنے زمانے کے سماج پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔

ربیلا : ربیلا (1490ء تا 1553ء) نشاۃ ثانیہ کے فرانس کا اہم مصنف تھا۔ سات سال کی عمر میں اسے رہبانیت کے سلسلے میں داخل کر دیا گیا۔ لیکن وہ آزردہ خاطر ہو کر وہاں سے بھاگ نکلا اور پھر مانٹ پلیئر کی یونیورسٹی میں طب کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ تھوڑا بہت علم جو اس نے خانقاہ میں حاصل کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے یونانی اور لاطینی مایہ ناز ادب کا مطالعہ کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے بھی قرون وسطیٰ کے مذہبی نظام اور قرون وسطیٰ کے مذہبی علم سے بے حد چڑ تھی۔ اپنی تصنیف Heroic Deedsof Gargantua and Pantagruel میں اس نے جو کہ فرانسیسی زبان میں ہے زمانہ کی رسوم پر کڑی تنقید کی ہے اپنے کرداروں کے ذریعے اس نے وقت کی مذہبی' اخلاقی اور دیگر اقدار پر شدید طنز بھی کیا ہے۔

سر فرانسس بیکن : اس عہد کا سب سے مشہور فلسفی تھا۔ فرانسس بیکن (1561ء تا 1626ء) کے مضامین موسوم بہ Novum Organum اور Advancement of Learning اس فلسفے کو پیش کرتے ہیں۔ اس کے مطابق استقراتی طریقہ (Inductive Method) "حق" کے راز معلوم کرنے کا واحد طریقہ ہے' اور صحیح علم حاصل کرنے کے لئے اس پر عمل ضروری ہے۔

سروانٹز : "سپین پر بھی نشاۃ ثانیہ کا اثر ہوا۔ ہسپانوی ادب' اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ سروانٹز (1547ء تا 1616ء) نے ایک طنزیہ ناول Don Quiaote تحریر کیا۔ یہ ناول جاگیرداری نظام پر ایک نہایت ہی حسین طنز ہے۔ اس میں امراء کے کردار کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

انگریزی ادب : سولھویں صدی کے انگریزی ادب میں بھی نشاۃ ثانیہ کا اثر نمایاں ہے چاسر کی "Cantebury Tales" وقت کی سماجی حالت کی عکاسی کرتی ہے۔ ملکہ الزبتھ کے عہد کے ڈرامے عہد نو کو زیادہ بہتر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ڈرامہ نگاروں میں مارلو' بن جانسن اور شیکسپیئر خاص تھے۔ "شیکسپیئر (1564ء تا 1616ء) نے درختوں میں زبانیں' چشموں میں کتابیں' پتھروں میں مذہبی وعظ و بیانات اور ہر شے میں اچھائی دیکھی۔" اس کا "جولیس سیزر" سیاست کا ایک سبق ہے۔ اس کا "رومیوجولیٹ" محبت کرنے والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔ شیکسپیئر نے انسانی کردار کو نہایت ہی عمدہ اور موثر انداز میں کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

آرٹ : سولھویں صدی کی آمد مشرقی اور مغربی یورپ کی آرٹ کی دنیا میں ایک نیا پیغام لائی اور نشاۃ ثانیہ کے آرٹ کی خصوصیات نہایت ہی موثر انداز میں یورپ پر حاوی ہونے لگیں۔ فلینڈرس کے شہر اینٹورپ (Antwerp) کے ایک مصور کوینٹن میسیس نے مقامی طرز کو برقرار رکھ کر اطالوی اثرات کو قبول کیا۔ اس کا شاہکار Entombment بہت مشہور ہے۔ اس کے بعد جرمنی میں بھی آرٹ کی دنیا میں انقلاب آیا اور سولھویں صدی کے اوائل میں اطالوی اثرات محسوس ہونے لگے۔ البریٹ ڈیورر نے اطالوی طرز کا مطالعہ کیا اور نہایت ہی خوبی کے ساتھ جرمن اطالوی خصوصیات کا آرٹ مرتب کیا۔ جرمن موضوعات کو اس نے اطالوی سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ اس کی تیار کردہ Self portrait عمدہ قسم کی مصوری کی مثال ہے۔ جرمن فن مصوری کی تاریخ میں ہالبن (Holbein) فورد کا نام بہت مشہور ہے۔ اس کا والد بھی ایک اعلے پایہ کا فن کار تھا۔ ہالبن خورد نے اطالیہ کا دورہ کیا اور شاہکاروں کا مطالعہ کیا۔ اور پھر واپس آکر جرمنی میں آرٹ کے شاہکار پیش کئے۔

سائنس : انگریز سائنس دان طبیب ولیم ہاروے (Harvey) اطالیہ کے علم طب کا بڑی حد تک مرہون منت ہے۔ اس نے پدوا میں اطالوی اطباء کی رہنمائی میں طب کی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد ہی جب وہ انگلستان واپس ہوا تو اس نے دوران خون (Circulation of Blood) کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصول پیش کیا۔ ہاروے نے دل کی حرکت پر جو مقالہ تحریر کیا اسے عالمی حیثیت حاصل ہے۔ اس مقالے میں اس نے یہ بتایا ہے کہ خون دل سے جسم کے دوسرے حصوں میں اور پھر ان حصوں سے دل میں برابر آتا جاتا رہتا ہے۔

انگریز سائنسدان سرآئزک نیوٹن (Newton 1642ء تا 1727ء) نے قوت کشش مرکزی (Gravitaton Laws) کے قوانین مرتب کئے۔ گیلیلیو اور لیونارڈوڈاونسی نے بھی قوت کشش مرکزی کا احساس کیا تھا لیکن قوانین کی ترتیب و تکمیل نیوٹن کے ہاتھوں انجام پائی۔

نشاۃ ثانیہ کے اثرات اور اس کی اہمیت : نشاۃ ثانیہ نے دور جدید کا آغاز کیا۔ نیا انداز فکر، نئی راہیں، نئی اقدار اور انسان کی اہمیت، یہ نشاۃ ثانیہ کی اہم خصوصیات تھیں۔ ہر چیز اس لئے نئی نظر آرہی تھی کہ تہذیب و ثقافت قرون وسطے میں مائل بہ زوال ہو گئی تھی اور یونانی اور رومن تہذیب کے اثرات زائل ہوتے جا رہے تھے کہ دوبارہ تیرھویں صدی کے اوائل میں انسانی دماغ نے اپنے رجحان کو بدلا اور ایک زبردست ذہنی انقلاب رونما ہوا۔ یہ تھا نشاۃ ثانیہ یا احیائے علوم۔

اس عہد نے لوگوں پر تحقیق و تجربہ اور مشاہدہ کی اہمیت کو واضح کیا۔ انھیں علوم و فنون کی طرف رغبت دلائی اور ایک دفعہ پھر یورپ میں ذہنی بیداری پیدا کی۔ نشاۃ ثانیہ نے قرون وسطی کے دور سے نکال کر دور جدید میں پہنچایا۔ اس نے کبھی مذہب کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس کے مطابق مذہب دنیاوی زندگی میں حائل نہیں۔ دونوں کی اپنی الگ اہمیت ہے۔ لہٰذا دنیا کو دین سے مغلوب کرنا درست نہیں۔ نشاۃ ثانیہ نے یونان اور روم کے علوم و فنون کی از سرنو ترویج کی۔ اور علم و فن کا بول بالا ہوا۔ یورپ تاریکی کے گڑھوں سے نکل کر منور دنیا میں آیا اور اس پر تہذیب کی نئی اقدار کے راز افشا ہوئے۔ تحریک انسانیت نے بھی نشاۃ ثانیہ کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ دراصل نشاۃ ثانیہ نے ہی لوگوں میں اس بات کا جذبہ پیدا کیا کہ وہ بیرونی ممالک کی تلاش میں باہر نکلیں، سیروسیاحت کریں۔ اس طرح علم میں بھی اضافہ ہوا اور نئی دنیا بھی دریافت ہوئی۔ لہٰذا کولمبس نے 1492ء میں امریکہ دریافت کیا۔ واسکوڈی گاما نے 1498ء میں امید پاک و ہند کے لئے نیا اور آسان راستہ دریافت کیا۔ میگالین اور ڈریک نے دنیا کے گرد چکر لگایا۔ جنوبی امریکہ اور جزائر میگالین ہی کی دریافت ہیں۔ کارٹز نے میکسیکو کا پتہ لگایا۔ کیبٹ نے نیوفاؤنڈ لینڈ اور نوواسکاٹیا معلوم کئے۔ ان جغرافیائی دریافتوں کے بہت دور سے معاشی اور سیاسی نتائج بھی برآمد ہوئے۔ ترقی یافتہ یورپین اقوام نے نودریافت شدہ علاقوں کو اپنی نوآبادیات کا درجہ دیا اور وہاں کے خام مال اور معدنی ذخائر کو اپنے ملک کی معاشی حالت مستحکم بنانے پر خرچ کیا۔ سامراجی عزائم کی ابتداء بھی یہیں سے ہوئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 3

پروٹسٹنٹ ازم
(Protestanism)

پروٹسٹنٹ اور تمام دنیا دار لوگ بعض اوقات تحریک اصلاح کنیسہ کی تعبیر ایسے طریقے پر کرتے ہیں، گویا یہ دور حاضر کی کوئی خاص چیز ہے۔ اسی کے ذریعے سے ازمنہ وسطی کے ساتھ فیصلہ کن انقطاع ہوا۔ پیش بینی بلکہ جمہوریت کی ابتداء ہوئی۔ ازمنہ ء واسطی میں ہر چیز ساکت و جامد تھی۔ اس تصور کی تائیدیوں ہوئی کہ مغربی یورپ کے جو حصے گزشتہ تین صدیوں میں اقتصادی اعتبار سے نہایت خوش حال رہتے تھے۔ جمہوری دستوری حکومت کے لئے انھوں نے کامیابی سے جدوجہد کی تھی اور دور حاضر کی مغربی ثقافت کو واضح فائدہ پہنچایا تھا، خصوصاً" طبعی علوم میں ان میں اکثریت پروٹسٹنٹوں کی تھی۔ نیز جو طاقتیں 1600ء کے بعد ہسپانیہ کے زوال سے برسراقتدار آئیں اور مغرب میں انھوں نے وقار حاصل کر لیا------ یعنی فرانس، سلطنت برطانیہ، جرمنی اور اب ریاست متحدہ امریکہ------ ایسی تھیں، جن میں ایک کے سوا سب کے اندر کثیر تعداد پروٹسٹنٹوں کی تھی۔ استثنا صرف فرانس کو حاصل ہے، جو اٹھارھویں صدی میں خاصا طاقت ور اور بعض اوقات سب میں ممتاز تھا۔ اگرچہ وہ پروٹسٹنٹ نہ تھا، تاہم اس میں دنیاداری اور پادریوں کی مخالفت نمایاں رہی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو قومیں پروٹسٹنٹ بنیں، وہ دور جدید میں بھی داخل ہو گئیں اور ترقی پذیر بھی بن گئیں۔

یہ تصور بڑی احتیاط سے غوروفکر کا محتاج ہے کہ پروٹسٹنٹ ازم مغربی دنیا میں سیاسی و ثقافتی قیادت کا سبب یا کم از کم اس کا لازمہ بنا۔ یقیناً" اس میں اک گونہ سچائی ہے، جسے دور حاضر کے بعض فلسفی "افسانے" کی سچائی قرار دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خاصی مدت تک ان خوش حال ملکوں کے پروٹسٹنٹوں اور دنیاداروں کی بڑی تعداد سمجھتی رہی کہ پروٹسٹنٹ ازم ہی ان کی خوش حالی کا بڑا سبب ہے۔ عہد وکٹوریہ کے انگریزوں میں سے عام لوگ سلطنت برطانیہ کی انتہائی قوت و ثروت کے دور میں یہی سمجھتے رہے کہ سولھویں صدی میں ان کا پروٹسٹنٹ بن جانا اتنا ہی اہم تھا، جتنا منشور اعظم (میگنا کارٹا) لے لینا------ نیز ان کے ہاں کوئلے اور لوہے کے خاصے ذخیرے مل گئے------ اس طرح انگلستان میں وہ خوش حالی پیدا ہوئی جو اس کے لئے باعث فخر ہے۔ مؤلف کا فرض ہے کہ اس افسانے کو قبول کرے، ساتھ ہی ان واقعات کا سراغ لگائے، جو اس افسانے کی ترکیب و ترتیب کے باعث بنے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سولھویں صدی کی پروٹسٹنٹ ازم مختلف اعتبارات سے اس پروٹسٹنٹ ازم سے بالکل مختلف تھی۔ جس کا تصور ہم انیسویں اور بیسویں صدی میں کرتے ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی صورت ہے، جیسے تیرھویں صدی میں منشور اعظم کا تصور ہرگز وہ نہ تھا جو انیسویں صدی میں اس کے متعلق شروع ہوا۔ اول سولھویں صدی کے پروٹسٹنٹ عقلیت پسند نہ تھے اور وہ بھی کیتھولکوں کی طرح "توہم پرست تھے" اگرچہ یہ لفظ کچھ بہت اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ لوتھر نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود اپنی سیاہی کی بوتل شیطان کو دے ماری تھی یا کم از کم ورٹبرگ کے قلعے کی سیاحت کرنے والوں کو یہی بتایا جاتا ہے۔ کیلون کے پیرو جادوگرنیوں کو جلاتے رہے یا کم از کم پھانسی پر لٹکاتے رہے یا آپ معاملات کو بہتر صورت میں پیش کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ پروٹسٹنٹ مختلف معاملات میں زیادہ تر اپنے کیتھولک حریفوں کے ہمنوا تھے۔ مثلاً" ابتدائی گناہ کے معاملے میں ان کا عقیدہ وہی تھا' جو کیتھولکوں کا تھا۔ پھر وہ یہ بھی مانتے تھے کہ خدا کائنات پر براہ راست حکمران ہے۔ بہشت اور دوزخ حقیقت ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کیتھولکوں کی طرح پروٹسٹنٹوں کا اس دنیا پر عام تصور حیات بھی یہ نہ تھا کہ وہ بہتر ہو رہی ہے' ترقی کر رہی ہے اور آئندہ نسلیں زیادہ اچھی حالت پر پہنچ جائیں گی۔

دوم ابتدائی پروٹسٹنٹ نہ تو زوادار تھے اور نہ مملکت و کلیسا کی علیحدگی کے قائل تھے۔ جب انھیں اقتدار ملا تو وہ حکومت کی قوت سے کام لے کر ان لوگوں کو کھلم کھلا عبادات سے روکتے رہے' جن کا طریقہ پروٹسٹنٹوں سے مختلف تھا۔ بہت سے پروٹسٹنٹوں نے اپنے سے اختلاف رکھنے والوں پر ظلم و جور کئے۔ اس ظلم و جور میں پروٹسٹنٹوں کے دوسرے فرقوں اور کیتھولکوں سے یکساں سلوک ہوتا رہا۔ انھیں جلاوطن بھی کیا گیا' قید میں بھی ڈالا گیا اور موت کے گھاٹ بھی اتارا گیا۔ اس سلسلے کی بہترین مثال یہ ہے کہ کیلون نے سرویٹس کو مجرم گردانا اور موت کی سزا دلوائی۔ ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

سوم ابتدائی دور کے یہ پروٹسٹنٹ ہرگز جمہوریت پسند نہ تھے۔ جمہوریت کی جتنی ڈھیلی ڈھالی' مگر ناگزیر تعبیرات بیسویں صدی کے امریکیوں کے سامنے ہیں' ان تمام کے اعتبار سے وہ غیر جمہوری تھے۔ منطقی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو ان پروٹسٹنٹوں نے پوپ کو سند ماننے کے بجائے' جس کی پشتیبانی کیتھولک روایت کر رہی تھی' ایماندار فرد کے ضمیر کو سند قرار دیا۔ گویا انھوں نے انفرادیت' حقوق انسانی اور آزادی کے تصورات کی حمایت کی۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ پروٹسٹنٹوں نے بائبل کو سند مانا۔ آگے چل کر امریکیوں نے نوشتہ دستور کو سند قرار دیا۔ ان دونوں میں تعلق ہے' لیکن ابتدائی دور کے پروٹسٹنٹ مصلح یقیناً" اس بات کے قائل نہ تھے کہ تمام انسان پیدائش کے لحاظ سے برابر ہیں۔ وہ مجلسی یا اقتصادی مساوات کے قائل نہ تھے بلکہ وہ نظام درجات اور طبقاتی معاشرے پر اعتقاد رکھتے تھے۔ لوتھرزم اور اینگلیکنزم سیاسی اور مجلسی عقائد میں واضح طور پر قدامت پسند تھے۔ کیلونزم پر نظر ڈالی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اس نے صرف چند آدمیوں کو چن لیا' جن کے لئے خدا نے نجات کا انتظام کیا تھا اور اکثریت کو دائمی عذاب کا ہدف بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر غیر جمہوری تصور کوئی نہیں ہو سکتا اور جنیوا نیز نیو انگلینڈ کیلونزم کی ابتدائی حالت پر نظر رکھی جائے تو معلوم ہوتا ہے' وہ حکومت الہیہ تھی' یعنی بزرگوں کی حکمرانی۔

آگے چل کر کیلونزم نے یقیناً" طبقہ اوسط کے اقتدار کی حمایت کی اور یہ طبقہ خاصا بڑا تھا۔ ہمیں بھی معلوم ہو جائے گا کہ پروٹسٹنٹ ازم اور دور حاضر کے مغرب کی جمہوری زندگی کے متعلق زیادہ سے زیادہ دل پسند دلیل معاشرے کے متعلق پروٹسٹنٹوں کے افکار سے پیدا نہیں ہوئی' بلکہ پروٹسٹنٹوں کے ان اخلاقی مقاصد سے پیدا ہوئی' جو تجارتی اور صنعتی طبقہ اوسط کی تقویت کے لئے موزون تھے۔ ہمیں انا بپٹسٹوں اور دوسرے انتہا پسند فرقوں میں سولھویں صدی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اندر بھی سیاسی' مجلسی اور اقتصادی مساوات کے مطالبات ملتے ہیں' لیکن جہاں یہ مطالبات کئے گئے' انھیں بائیبل کی زبان میں ڈھالا گیا اور وہ براہ راست خدائی مداخلت کے تصور پر مبنی ہیں' جو ہمارے لئے بالکل اجنبی چیز ہے۔ مزید برآں فرقوں کا رجحان یہ نہ تھا کہ کسی زبردست مجلسی بغاوت کے ذریعے سے روئے زمین پر معیار معیشت کی اصلاح کر لیں' بلکہ وہ پروٹسٹنٹوں کے خاص طریقے کے مطابق دنیا کی چیزوں سے کنارہ کش ہو کر امن پسندی اور متصوفانہ انداز کی طرف بڑھنا چاہتے تھے اور غیر اصلاح یافتہ اکثریت کو اس نازیبا دنیائے حواس کے حوالے کر دینے کے خواہاں تھے۔

بہ ہرحال پروٹسٹنٹوں کی اصلاح کلیسا تنہا دور حاضر کا معاشرہ پیدا کرنے کی ذمہ دار نہ تھی' البتہ اس نے یہ ضرور کیا کہ یورپ کے بہت سے حصوں میں برسراقتدار قوتوں کی مخالفت کی اور ہر قسم کے آدمیوں کو اس دنیا اور آئندہ دنیا کی زندگی کے بنیادی مسائل کے متعلق غوروفکر میں لگا دیا۔ ان میں سے بعض کی حیثیت نہایت معمولی تھی۔ یہ اصلاح ازمنہ ء وسطیٰ کی ترغیبات کے لئے تباہی خیز تھی۔ اس کے نہایت اہم مثبت عمل کا سراغ بہترین طویق پر یوں لگایا جا سکتا ہے کہ طبقہ ء اوسط کے طریق زندگی کی تشکیل میں اس کے حصے پر نظر ڈال لی جائے۔ طبقہ اوسط ہی نے دور حاضر کی مغربی جمہوریت کی بنیادیں استوار کیں۔ پروٹسٹنٹوں کے اخلاق اور روح سرمایہ کے درمیان تعلق کی زیادہ عمدہ کیفیت دور حاضر کے جرمن ماہر عمرانیات میکس ویبر کی کتاب میں ملے گی۔

پروٹسٹنٹ ازم اور سرمایہ داری : کویبر کے نظریئے کی سادہ شکل یہ ہے: سرمایہ مزید پیداوار کے پیدا کردہ وسائل کا نام ہے ـــــ آج کل نہیں' جب بجلی سے چلنے والی مشینیں اور کارخانے کام کر رہے ہیں' بلکہ آلات اور تقسیم عمل کے ذریعے سے خاص چیزیں مبادلے کے لئے پیدا کرنا۔ سرمایہ جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس کے فوری خرچ سے احتراز کیا جائے۔ جو کارکن اپنی پوری غذا خود پیدا کرتا ہے۔ اسے اپنے آلات کی اصلاح کے لئے وقت نہیں مل سکتا۔ اگر وہ اتنا بچا سکے یا قرض لے سکے' جو اس کی خوراک اور پوشش کے لئے کفایت کرے اور اس اثنا میں وہ اپنے کمالات سے کام لیتا رہے تو یقیناً" وہ بہتر فصل پیدا کرے گا اور اس کے پاس ضرورت سے زائد مقدار فراہم ہو جائے گی۔ ضرورت سے زائد مقدار وہ نقد روپے میں فروخت کر سکتا ہے' اس طرح اسے سرمایہ بڑھانے کے لئے مزید اصلاحات کا موقع مل سکتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ازمنہ مظلمہ میں بھی کسی حلقے کے لوگ ایسی حالت میں زندگی بسر نہیں کرتے تھے کہ جو کچھ پیدا کریں فوراً" کھالیں۔ گویا ایک لحاظ سے تاریخی مغربی یورپ میں کسی نہ کسی قسم کی سرمایہ داری' تقسیم عمل اور مبادلے کے لئے تھوڑی بہت پیداوار کا سلسلہ موجود تھا ازمنہ وسطیٰ کے آخری دور میں یہ عملیتہ بہت تیز ہو گیا۔ انسانوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آگیا' جو وسیع پیمانے پر تجارت کرتا تھا اور خاصا نفع اٹھاتا تھا۔ یہ لوگ جو نفع کماتے تھے' وہ پھر کاروبار میں لگا دیتے تھے' خصوصاً" اس خیال سے کہ ان کی قابل فروخت اشیاء کی لاگت کم ہو جائے۔ اس طرح ان کا سرمایہ بڑھتا رہا اور وہ بڑے کاروباری آدمی بن گئے۔

اب مزید سرمایہ لگانے کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ اپنی ضرورت کی چیزوں پر اسے خرچ کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ وہ جزواً" کارکنوں سے زیادہ کام لیتے اور انھیں کم اجرت دیتے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سلسلہ اس نقطے سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا' جہاں مزدوری کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ سرمایہ دار یا کاروباری آدمی جو سخت محنت کرتا' پورا وقت روپیہ پیدا کرنے میں صرف کر دیتا' درحقیقتاً معاشرے کی پوری پیداوار میں بھی اضافہ کرتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سخت محنت اور تفریح سے احتراز' خصوصاً" بالادست طبقے میں زیادہ سے زیادہ پیداوار کا موجب ہوا۔

پروٹسٹنٹ ازم خصوصاً" کیلون کے پیروؤں نے اس طریق زندگی کی حوصلہ افزائی کی۔ یہ لوگ سخت محنت کو بہت پسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ شیطان بے کار آدمیوں کے انتظار میں رہتا ہے۔ انسان کام میں مشغول ہو جائے تو اسے عورتوں کے پیچھے بھاگنے' ننگے کھیل کھیلنے' شراب پینے یا دوسرے برے کام کرنے کی رغبت نہیں ہوتی' جو کیلوئی عقیدے کے مطابق خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔ زیادہ کام نہایت اچھی چیز ہے۔ یہ دراصل ایک خرچ ہے' جو ہم خدا کے روبرو پیش کرتے ہیں۔ لوتھر ہر قسم کے کاموں کی ستائش کرتا تھا اور برابر ہر پیشے کے وقار کی تلقین کرتا رہتا تھا' خواہ اس کی حیثیت کتنی ہی معمولی ہوتی۔ پروٹسٹنٹ ازم کی تقریباً" ہر شکل میں یہ احساس موجود ہے اور کھیتوں میں کام یا حساب کتاب سے نفرت کا جو اظہار شولزی کی روایت میں ہوتا رہا۔ اس سے پروٹسٹنٹوں کا یہ طریقہ بالکل مختلف ہے:

یہ تو پروٹسٹنٹ ازم کی مثبت صورت تھی۔ اگر منفی پہلو پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ پروٹسٹنٹ ازم خصوصاً" کیلونزم نے بہت سی ایسی چیزوں میں وقت صرف کرنے سے روکا' جو انسان کی قوت سلب کر لیتی ہیں' اور وہ وسیع پیمانے پر پیداوار کا کام نہیں کر سکتا۔ یہی چیز دور حاضر کے اقتصادی نظام کا جوہر ہے۔ مثلاً" کیلون کے پیروفنون لطیفہ' تھیٹر' ناچ اور گراں خرچ لباس کی ممانعت کرتے تھے۔ امریکہ کا ماہر اقتصادیات ویبلن ان مصارف کو عموماً" نمائشی مصارف قرار دیتا ہے۔ گویا کیلونزم مسیحیت کی راہبانہ روایت کی ایک نئی شاخ تھی۔ اسے صحرائی درویشوں کی رہبانیت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جس معاشرے میں کیلون کے پیروؤں کی اکثریت تھی اس سے توقع یہی رکھی جا سکتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ چیزیں پیدا کرے اور خرچ بھی کرے' مگر کوئی شے "ضائع" نہ ہونے پائے (جہاں اقتصادی اصلاح استعمال ہو رہی ہے' ہم فن یا اخلاق کی اصطلاح میں بات نہیں کر رہے)۔ یہی وجہ ہے کہ مقابلے کی گرمجوشی میں کاروباری دنیا کے ممتاز افراد نے ہر قسم کی چیزوں بہ مقدار کثیر جمع کر لیں۔ اسی کو ہم لوگ سرمایہ کہتے ہیں۔ یہ سرمایہ پیداوار کے وسائل میں لگایا جا سکتا تھا۔ اسی طرح مغرب کی ثروت میں اضافہ ہوا۔ کیلون کا معاشرہ اقتصادی اعتبار سے اسی لئے خوش حال تھا کہ اس کا اصول تھا: "کام ہی کام کئے جاؤ اور تفریح ترک کر دو۔"

سکاٹ' ولندیز' سوس اور نیوانگلینڈ کے امریکی سب کے سب کیلون کے پیرو تھے۔ چنانچہ انھوں نے کفایت شعاری' محنت و مشقت اور اچھی سوداگری میں شہرت حاصل کر لی۔ یہ امر واقعی حیرت انگیز ہے کہ ویبر کے نظریئے کی تقویت کے لئے بہت سی مثبت شہادتیں موجود ہیں۔ مثلاً" پروٹسٹنٹ معاشروں نے مقدس ایام کی تعداد بالکل گھٹا دی' یعنی تعطیلات کے ایام' جن میں کام نہیں کرتے تھے' البتہ اتوار کو وہ کچھ نہیں کرتے تھے۔ باقی چھ دن برابر مصروف رہتے تھے' کیلون کے پیروؤں نے کرسمس کو بھی حذف کر دیا تھا اور اس وقت تک قدیم مذہبی جشنوں جیسی کوئی چیز رائج نہیں ہوئی تھی' جسے قومی تعطیل قرار دیا جا سکتا۔ مثلاً" جولائی کی چوتھی تاریخ یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزدوروں کا دن۔ زیادہ تر پروٹسٹنٹ ممالک کے اندر دور حاضر کے ابتدائی زمانے میں بہت کام کیا جاتا تھا۔ یہ بہ ہرحال ایک جزوی معاملہ ہے' لیکن ایسے ہی جزوی معاملات سے اقتصادی برتری حاصل ہوئی۔ پروٹسٹنٹوں کے بہت سے دینی علما نے ازمنہء وسطیٰ کے کیتھولکوں کا یہ اصول رد کر دیا' جس کے مطابق سرمائے پر سود ایک خاص شرح سے زیادہ لیا جاتا تو اسے ناجائز اور منافی اخلاق سمجھا جاتا۔ انھوں نے ازمنہ وسطیٰ کے اور بھی بہت سے اصول ترک کر دئے' جو منصفانہ قیمت کی اصلاح میں شامل ہیں اور جنھیں موجودہ دور میں آزاد مقابلہ قرار دیا جاتا ہے' یعنی وہ کہتے تھے کہ منڈیوں میں ہر چیز کی جو مناسب قیمت ہو گی' وہ ٹھیک ہو گی۔

کیلون کے پیروؤں نے عالم عقبیٰ کو بہ ہرحال مقدم رکھا' جس سے طبقہء اوسطہ کے طبقاتی شعور کو تقویت پہنچتی۔ اس طرح کیلون کے پیروؤں میں سے جو لوگ دولت مند تھے' وہ نو دولتیوں کی ترغیبات سے محفوظ رہے' یعنی وہ اس طبقے کے معیشتی معیاروں کو جذب نہ کر سکے' جو اندھا دھند اور مسرفانہ طریق پر خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ جو دولت محنت و مشقت سے فراہم کی گئی تھی اور اس میں سے خرچ برائے نام ہوتا تھا' وہ پشت ہاپشت تک قائم رہی۔

تاہم ویبر کے نظریئے کو دور حاضر کے اوائل میں سرمایہ داری کے ظہور کی واحد توجیہہ نہ سمجھ لینا چاہیئے۔ اس مرکب حالت میں کئی عناصر کار فرما تھے' جن میں سے ایک یہ بھی تھا۔ اول دور حاضر کی اقتصادی زندگی کے محرکات لوتھر اور کیلون سے پیشتر پیدا ہو چکے تھے اور یہ ان بہت سے خطوں میں بھی واضح اور حد درجہ اہم ہیں' جو کبھی پروٹسٹنٹ ازم کے تاج نہ ہوئے۔

اٹلی' جنوبی جرمنی اور بلجیم شمالی اٹلی میں بینکوں کا کام کیتھولکوں کی حکمرانی میں شروع ہو گیا تھا اور بھاری شرح سود کی سرکاری ممانعت اس زمانے میں بھی موجود تھی۔ اگر تحریک اصلاح کینسر شروع نہ ہوتی تو بھاری شرح سود کے خلاف پابندیاں خود کیتھولک دینی علما بھی ڈھیلی کر دیتے۔ دوم پروٹسٹنٹ ازم اور صنعتی نشوونما' نیز کیتھولزم اور تصنعتی پسماندگی میں کوئی تعلق نہیں۔ بلجیم' رھائن لینڈ' پنڈمونٹ اور لمبارڈی کیتھولک علاقے تھے' لیکن یہ علاقے پیداوار اور خوش حالی میں برابر ممتاز رہے۔ ان کے برعکس مشرقی پروشیا پروٹسٹنٹ ہونے کے باوجود بنیادی طور پر زرعی خطہ رہا۔ سوم دور حاضر کی صنعتی اقتصادیات کے عروج کی کوئی معقول توجیہہ جغرافیے اور طبعی وسائل کے واضح حقائق نظرانداز نہیں کر سکتی۔ تمام ممکنات کے خلاف فرض کر لیجئے کہ اٹلی پورے کا پورا کیلون کا پیرو بن جاتا' اس طرح اسے کوئلہ اور لوہا نہیں مل سکتا تھا۔ جو کیلونی یا کم از کم پروٹسٹنٹ انگلستان کو مل گیا۔

بہ ایں ہمہ موجودہ یورپ کی اقتصادی تبدیل ہیئت میں پروٹسٹنٹ اخلاق بھی ایک اہم عنصر ہے۔ اس سے غالباً" مغرب کو ایک مزید تحریک ملی اور وہ دور حاضر کے راستے پر لگ گیا۔ ساتھ ہی جو مسلک اوقیانوس کے کناروں پر واقع تھے' ان کی بحری سرگرمیاں بحیرہ روم کے کنارے کے ممالک پر فوقیت لے گئیں اور شمالی و مغربی یورپ کو بہت سے طبعی وسائل مل گئے۔ ان کی آب وہوا مرطوب اور معتدل تھی اور بحیرۂ روم کے لوگوں کے مقابلے میں ان کے لئے زیادہ محنت و مشقت کرنا نسبتہ" سہل تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں تھیں۔

پروٹسٹنٹ ازم اور قومیت : اصلاح کنیسہ کے سلسلے میں ایک بہت بڑی تعمیم ہے' جو دور حاضر کی انفرادیت' جمہوریت اور صنعت کاری کے مقابلے میں زیادہ بحث و نظر کی محتاج نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سولھویں صدی میں پروٹسٹنٹ ازم اور کیتھولزم کے درمیان انقطاع ہوا۔ اس وقت سے یہ دونوں عنصر دور حاضر کی قومیت کے اہم جزو بن گئے۔ اصلاح کنیسہ کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں تھیں، جو مغربی یورپ کے موجودہ نظام ملک داری کی ترتیب کا باعث بنیں اور حب وطن کو تقویت پہنچی۔ "فرنساویت اور موجودہ جرنیت" کی ابتدا غالباً" اس وقت ہوئی، جب نویں صدی میں سٹراس بورگ کے مقام پر حلف اٹھائے گئے تھے۔ جہاں کہیں مذہب کی خاص شکل ایک سیاسی وحدت کا جزو بن گئی، وہاں مذہب اور حب وطن کے احساسات ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بن گئے۔ یہ حقیقت زیادہ واضح صورت میں وہاں سامنے آتی ہے۔ جہاں کسی سیاسی وحدت کو آزادی کے لئے جدوجہد کرنی پڑی۔ پروٹسٹنٹ ازم نے ہسپانیہ کے خلاف ولندیزیوں کی مزاحمت تیز تر کر دی۔ کیتھولزم نے انگریزوں کے خلاف آئرستانیوں کو زیادہ پرجوش بنا دیا۔ لیکن جو ملک سولھویں صدی میں خودمختار تھے، ان میں بھی مذہب نے حب وطن کو تقویت پہنچائی۔ انگلستان ملکہ ایلزبتھ اول کے وقت سے پروٹسٹنٹ ہونے پر فخر کرتا رہا، اگرچہ وہاں کیتھولکوں کی اقلیت موجود تھی۔ ہسپانیہ بھی ایسے ہی فخر سے کیتھولک ہونے کا مدعی رہا۔

پروٹسٹنٹوں کے عقائد اعمال

پروٹسٹنٹوں کے عقائد کے متعلق کوئی مشترک اصطلاح قائم کرنا مشکل ہے۔ ہنری ہشتم (جس نے اپنے آپ کو کبھی پروٹسٹنٹ نہ سمجھا)، لوتھر، زونگلی، کیلون، جان ساکن لیڈن اور سرویٹس بالکل مختلف الخیال افراد ہیں۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ، نیز انگلیکی ہائی چرچ سے تعلق رکھنے والے افراد رومن کیتھولک کلیسا کے واحد حقانی نظام ہونے کے مخالف تھے۔ گویا انھیں کلیسا رومہ سے عداوت تھی۔

اسی قسم کی ایک اور تعمیم بھی درست ہے، اگرچہ آج زیادہ نمایاں نہیں۔ ابتدائی دور میں پروٹسٹنٹ فرقہ یہی سمجھتا تھا کہ وہ سچے مذہب کا پابند ہے اور مسیح یا ان کے حواریوں کا جانشین رومہ نہیں، بلکہ خود وہ ہے۔ مسیحیوں میں جو لوگ قانون اخلاق کی پابندی کے منکر تھے اور جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ہر انسان حقیقت اپنے سینے میں لئے پھرتا ہے، وہ کہتے تھے کہ جو خرابیاں تعلیم، عادات اور غلط ماحول کی وجہ سے پیدا ہوئیں اور حقیقت تک پہنچنے میں رکاوٹ بن گئیں، اگر ان سب کو دور کر دیا جائے تو تمام انسان ایک ہی حقیقت پر پہنچیں گے، جو ان کے سینے میں موجود ہے۔ ابتدائی دور کے بعض پروٹسٹنٹوں کی رائے تھی کہ اگرچہ صحیح عقیدہ یہی ہے، جو ہم نے اختیار کیا ہے۔ لیکن دنیا بھر کے اندر اسے پھیلانے میں بہت وقت صرف ہو گا۔ رفتہ رفتہ انسانوں کو تعلیم دی جائے گی، پھر یہ عقیدہ ان کے ذہن نشین کیا جائے گا، اس کے بعد وہ اسے اختیار کریں گے۔ دوسرے لوگ انتظار کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ اگرچہ ایک مرتبہ خود ان پر ظلم ہو چکے تھے، مگر جب انھیں اقتدار ملا تو دوسروں پر ظلم و جبر میں قطعاً" تامل نہ ہوا۔ اس کی مثال مطلوب ہو تو کیلون کو دیکھ لیجئے، جس نے سرویٹس کو مجرم قرار دے کر آگ میں جلوایا۔

آخر اصلاح کنیسہ کے قدامت پسند قائم شدہ کلیسا یعنی انگلیکی اور لوتھری بھی زیادہ انتہا پسند پروٹسٹنٹوں کے ہمنوا بن گئے اور انھوں نے آمادگی ظاہر کی کہ رسوم کے بعض حصوں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقیدے کی خارجی نمائشوں کو حذف کر دیا جائے۔ مثلاً" سات مقدس رسموں میں سب نے کسی نہ کسی قدر تخفیف کی۔ عام پروٹسٹنٹوں نے کم سے کم جو چیزیں قائم رکھیں' وہ دو تھیں' اول بپتسمہ' دوم برکت۔ لیکن پروٹسٹنٹوں کے نزدیک ان رسموں کے دینی جواز کا سلسلہ خاصا وسیع ہے۔ اس میں عینیت مسیح سے عشا ربانی تک' جس کی حیثیت نشان کی ہے' نیز رومن کیتھولکوں کی طرح معجزات کو ماننے سے دنیا داروں کی مانند معجزات سے انکار تک ہر چیز شامل ہے۔ بزرگان دین کا احترام' زیارتیں' تصویریں' تعویذ اور ایسے دوسرے پاپائی معمولات سب پروٹسٹنٹوں کے دائیں بازو میں غائب ہو گئے۔ بائیں بازو نے موسیقی' مصوری کے علاوہ ہر فن کو خارج کر دیا۔ صرف خطابی فنون مستثنیٰ رکھے۔

ان خارجی علامتوں کے ساتھ داخلی کڑیاں ملی ہوئی ہیں' جو پروٹسٹنٹ ازم کو باہم جکڑے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس میں خاصا ڈھیلا پن ہے اور بعض اوقات یہ بند تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے۔ شروع میں تمام پروٹسٹنٹ باغی تھے۔ انھوں نے قدیم' خالص اور ابتدائی کلیسا کے نام پر احتجاج (پروٹسٹ) کیا تھا اور ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ رومہ نے بدعتیں پیدا کیں اور وہی سراسر انقلابی تھا (باغیوں کی یہ کوشش کہ خود باغی معلوم نہ ہوں' زیادہ تر مغرب کی تاریخ میں ملتی ہے) پروٹسٹنٹوں نے قائم شدہ نظام کے خلاف ایک اعلیٰ قانون کو بنیاد قرار دیا تھا' جو مثبت طریق پر اداروں کی شکل میں قائم ہوا تھا۔ گویا تمام پروٹسٹنٹوں میں لوتھری رنگ موجود تھا اور وہ اعمال کے بجائے ایمان پر یا سینٹ پال کی اصطلاح میں الفاظ کے بجائے معنی پر زور دیتے تھے۔ اس میں انفرادیت کا ایک پہلو ضرور موجود تھا۔ یہی انفرادیت تھی' جو ابتدائی دور کی پروٹسٹنٹ ازم نے بہ طور میراث دنیائے حاضرہ کو دی۔

مختلف پروٹسٹنٹ کلیساؤں کے عقیدوں میں جو اختلاف ہے' اسے کیتھولزم سے دوری کی بنا پر تربیت دی جا سکتی ہے' مثلاً" پہلا درجہ اس کا رکھا جائے' جو رومہ سے قریب تر ہو' مگر واضح رہے کہ سیاسی و مجلسی فاصلہ ہمیشہ اتنا نہیں ہوتا' جتنا دینی فیصلہ۔

۱۔ انگلیکی کلیسا : کلیسائے انگلستان کے شرکا میں ایسے لوگ بھی موجود تھے' جو اپنے آپ کو کیتھولک سمجھتے تھے۔ وہ ہائی چرچ کے نقطۂ نگاہ کے نمائندے تھے' لیکن اس کلیسا میں لو چرچ کا عقیدہ رکھنے والے لوگ بھی شامل ہیں۔ وہ نقطۂ نگاہ میں زیادہ پروٹسٹنٹ ہیں اور بعض وحدت پسندوں سے قریب تر معلوم ہوتے ہیں۔ کلیسائے انگلستان نے پادریوں کا جو نظام قائم کیا' وہ کیتھولک نظام سے کسی قدر مختلف ہے۔ اس میں آرچ بشپ اور بشپ ہیں' اگرچہ وہ پوپ کا اقتدار تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے برعکس کلیسائے انگلستان پادریوں کو شادی کی اجازت دیتا ہے اور اگرچہ اس میں بھی راہبوں اور راہباؤں کے نظام ہیں' تاہم یہاں باقاعدہ پادریوں پر اتنا زور نہیں دیا جاتا' جتنا کیتھولکوں میں دیا جاتا ہے۔ حقیقت ہے کہ تاریخی نقطۂ نگاہ سے بات کی جائے تو کلیسائے انگلستان نے پروٹسٹنٹوں کے مختلف عقیدوں سے عناصر اپنے اندر جذب کر لئے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انگلیکن پروٹسٹنٹ ازم کے ان نمونوں کو پسند نہیں کرتے جن میں نمائش پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

غالباً" انگلیکی کلیسا کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ رسموں اور ریتوں میں اعتدال پیدا کر لیا گیا۔ پادریوں کے سلسلے میں بھی رجحان اعتدال ہی کی طرف رہا' البتہ ضبط و نظم کا رخ اوپر سے نیچے کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف ہے۔ یہ بھی مان لیا گیا ہے کہ دنیا ناقص ہے اور یہ معتدل رویہ سینٹ ٹامس ایکویناس کی کیتھولزم سے زیادہ دور نہیں۔ رچرڈ ہو کر نے 1590ء میں اینگلیکی کلیسا کے دفاع میں ایک کتاب لکھی تھی۔ اس کا زیادہ تر انحصار ایکویناس ہی پر رہا تھا۔ یہ امر بھی مستحق توجہ ہے کہ ہولر کو عموماً" نکتہ رس ہو کر کہا جاتا ہے' کیوں کہ اس نے مختلف نقطہ ہائے نگاہ میں موافقت پیدا کی اور ان سب کو اینگلیکی کلیسا سے وابستہ کر دیا۔

کلیسائے انگلستان نے معین شکل ہنری' ہشتم کی بیٹی ایلزبتھ اول (1558ء 1603ء) کے عہد میں اختیار کی 1571ء میں پارلیمنٹ نے انتالیس دفعات کا ایک قانون منظور کیا' جو کلیسا کا دستور بن گیا۔ ان دفعات سے انگلیکی کلیسا کی بنیادی قدامت اور وہ مفاہمت واضح ہوتی ہے جس پر یہ مبنی ہے۔

ان انتالیس دفعات میں رومنیت کی زیادہ واضح شکلیں رد کر دی گئیں' مثلاً" لاطینی زبان کا استعمال' بہ صیغہ' راز اعتراف گناہ' پادریوں کا تجرد' پوپ کی فرمانبرداری۔ تیسویں دفعہ میں زیادہ ایک بڑے علامتی مسئلے کے متعلق محکم پروٹسٹنٹ موقف اختیار کیا گیا۔ کلیسائے انگلستان میں شراب اور نان دونوں کے لئے برکت کا انتظام کیا گیا۔ کیتھولک کلیسا میں صرف نام کو برکت دی جاتی تھیں۔ تاہم ان دفعات میں بعض مسائل کے متعلق مفاہمت بھی پیش نظر رکھی گئی' خصوصاً" ایمان کے متعلق انار کے خطرات سے پہلو تہی کی گئی اور یہ اجازت بھی نہ دی گئی کہ ہر فرد اپنا پادری آپ ہے۔ ایک وقت میں کلیسائے انگلستان کے لئے ایریسٹین کا لفظ گالی سمجھا جاتا تھا۔ یہ اصلاح سولھویں صدی کے ایک سوس عالم دین اور طبیب سے اخذ کی گئی ہے' جس کا نام ایریسس تھا (اسے مشہور ولندیزی ہیومانسٹ ایرسمس سے خلط ملط نہ کرنا چاہئے)۔ یہ شخص قطعاً" اس عقیدے کا نہ تھا' جو اس سے منسوب کیا جاتا ہے۔ برے معنی میں اس کا مطلب یہ ہے (اس کے سوا کوئی مطلب ہو نہیں سکتا) کہ حکومت کلیسا کے مقابلے میں زیادہ مقتدر ہے اور پادریوں کو حکومت میں ایک اخلاقی پولیس سے زیادہ درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں حکومت بہ ہرحال حق بہ جانب ہوتی ہے۔ یہ انتہائی نقطہ نگاہ انگلیکی کلیسا کے طرز عمل کی تحریف ہے' تاہم اس میں شبہ نہیں کہ کلیسائے انگلستان میں سیاسی اقتدار کی تابعیت کا ایک پہلو موجود ہے۔ گویا اس کے لئے ایریسٹین کا لفظ تو استعمال نہیں کیا جا سکتا' لیکن اسی کی ایک ترمیم شدہ شکل کا اطلاق اس پر ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت انگلستان کی ان شہری اور مذہبی کش مکشوں میں نمایاں ہوئی' جو سترھویں صدی میں پیش آئیں۔

لوتھرازم : اب تک ہم نے ندامت پسند پروٹسٹنٹ کلیسا کے بڑے بڑے عقائد پیش کر دئے ہیں' جسے عموماً" لوتھری کلیسا سمجھا جاتا تھا۔ قائم ہو چکنے کے بعد لوتھرازم نے بہت سے عمل قائم رکھے' جو بیرونی ناظر کو اصلاً" کیتھولک معلوم ہوتے تھے' لیکن خود لوتھرانھیں ابتدائی مسیحیت کے اعمال سمجھتا تھا' یعنی جب مسیحیت پر رومہ نے خرابیوں کی چھاپ نہیں لگائی تھی۔ لوتھرازم نے عشاء ربانی کی رسم قائم رکھی۔ اب اسے عینیت مسیح کے اس پراسرار اصول کے مطابق تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نے مذہبی پیشوائی کا سلسلہ بھی قائم رکھا' یعنی بشپ ان کے خاص چغے' گرجوں میں اچھی موسیقی کی روایت نہ محض قائم رکھی بلکہ اسے اور تقویت پہنچا دی۔

لوتھران اکثر دوسرے لوگوں کی طرح' جن پر زبردست بغاوت ٹھونسی جاتی ہے' حقیقتاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدامت پسند تھا' جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے۔ زندگی میں لوتھری طریق عبادت سے اس کا مقصود وہ طریق تھا' جس کا پابند وہ خود تھا۔ انگلیکی کلیسا کی طرح لوتھری کلیسا میں بھی ایک قدامت پسند فریق موجود تھا' لیکن ایک زبردست پارٹی ایسی بھی تھی' جو بائیبل کے مطالعے کی روایت قائم رکھنا چاہتی تھی۔ خارجی ناظروں کے نزدیک لوتھری کلیسا انگلیکی سے بھی بڑھ کر دنیوی اقتدار کے تابع تھا۔ شمالی جرمنی اور سکنڈے نیویا میں سرکاری گرجے اپنے سیاسی آقاؤں کے آلہ کار تھے ادھر پروشیا کو عروج حاصل ہوا۔ پروشیا میں ہوہینزولرن حکمران خود کیلون کے پیرو تھے------ ساتھ ساتھ لوتھری کلیسا نے ترقی کی۔ آخر یہ پروشیا کی زبردست نوکر شاہی حکومت کے تابع ہو گیا۔

کیلونزم۔جبر : پروٹسٹنٹوں کا مرکز کیلونزم تھا۔ کیلونزم کا اصل دینی مسئلہ لوتھر کی طرح اعمال کے مقابلے میں عقائد کا مسئلہ نہ تھا' بلکہ اختیار کے مقابلے میں جبر کا مسئلہ تھا۔ یہ مسئلہ قدیم زمانے سے مسیحیت میں چلا آتا ہے' جیسا کہ پانچویں صدی میں پیلا جیئس کے الحاد پر کش مکش ظاہر ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ خدا کے متعلق اس تصور سے پیدا ہوتا ہے کہ قادرالمطلق' خیر مطلق اور علیم مطلق ہے۔ اگر یہ درست ہے تو ضروری ہے کہ ہر چیز کا فیصلہ کردے' جو پیش آنے والی ہے۔ اسے یہ طے کر دینا چاہئے کہ گناہگار ضرور گناہ کرے گا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو فرد ایک ایسے فعل کا مرتکب ہو گا' جس کا ارتکاب خدا کی خواہش کے خلاف ہے' لہٰذا وہ قادر مطلق نہ رہا۔ لیکن یہاں ایک سخت اخلاقی مشکل پیش آئی' یعنی اگر خدا کی یہ مرضی ہے کہ گناہگار گناہ کرے تو ظاہر ہے کہ گناہگار بے بس ہو گا' لہٰذا گناہ کے لئے اسے ملزم نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہاں پہنچ کر مسئلہ ایسی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جسکے آگے کوئی منزل نہیں' یعنی فرد ہمیشہ یہی کہتا رہے گا کہ میں تو وہی کر رہا ہوں' جس کا فیصلہ خدا نے کر دیا۔ اس لئے انفرادی اخلاقی ذمہ داری کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے اور کم از کم دشمنوں کا بیان یہی ہے' مثلاً جان ساکن لیڈن اور وہ لوگ' جو ہر اخلاقی ضابطے کے منکر تھے' جب انھوں نے کئی کئی عورتوں سے شادیاں کر لیں تو عذر پیش کیا کہ خدا کی مرضی یہی تھی۔

معما بالکل واضح ہے۔ اگر فرد اچھے اور برے کاموں میں سے انتخاب کا حق دار ہے یعنی دینی اصطلاح میں اگر اسے اختیار حاصل ہے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا قادر مطلق نہیں۔ اگر اسے انتخاب کا حق حاصل نہیں' یعنی دینی اصطلاح میں وہ مجبور ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ فرد اخلاقی اعتبار سے قطعاً" ذمہ دار نہیں۔ دونوں نتیجے تاریخی مسیحیت کی عمومی فطرت کے منافی ہیں۔

خارجی ناظر کو یہ معلوم ہوتا ہے' گویا مسیحیوں نے بہ یک وقت معمے کے دونوں سینگ تھامے رکھے' یعنی یہ بھی کہتے رہے کہ خدا تمام انسانی معاملات کا فیصلہ کرتا ہے' یہ بھی کہتے رہے کہ انسان ایسے کام کر سکتے ہیں' جو خدا کی رضا کے خلاف ہوں' لیکن دینی علما کا طریق توضیح یہ نہیں۔ انھوں نے جو بنیادی حل پیش کئے' ان میں فرد کی اخلاقی ذمہ داری قائم رکھی اور کہا کہ یہ خدا اور انسان کے درمیان وسیع خلیج حائل ہے اور اس خلیج کو صرف ایمان پاٹ سکتا ہے' عام زندگی کی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے' اگر کوئی فرد دعویٰ کرتا ہے کہ جو کچھ اس سے سرزد ہوتا ہے' خدا کی مرضی کے مطابق سرزد ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اس نے اپنے نہایت حقیر فہم کی بنا پر خدا کی مرضی جان لینے کی جسارت کی۔ فرد کبھی یقینی طور پر نہیں جان سکتا کہ جو کچھ وہ کرنا چاہتا ہے' خدا کی مرضی وہی ہے' لہٰذا اسے گردوپیش پر نظر ڈالنی چاہئے۔ اور خدا کی مشیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نشان دیکھنے کی کوشش کرانی چاہیے' اگرچہ اس کی بصارت و بصیرت کتنی ہی محدود ہیں۔ یہ نشان سے مسیحی روایت اور مسیحی تاریخ میں ملیں گے۔ اس کی مثبت مثال یہ ہو سکتی ہے فرض کیجئے ایک شخص کے دل میں زنا کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ وہ اخلاقی ضوابط کے منکروں کا طریقہ اختیار کرے گا اور یہ نہیں کہے گا کہ خدا اس سے ایسا برا فعل کرانا چاہتا ہے بلکہ مسیحی روایت کی پیروی کرے گا اور یہ سمجھے گا کہ اس کار بد کی خواہش اسے غلط راستے پر لے جانا چاہتی ہے اور اگر وہ اس خواہش کو پورا کرے گا تو نجات نہ پا سکے گا اور ہمیشہ کے لئے ملعون قرار پائے گا۔

کیلون خود بھی اسی نتیجے پر پہنچا' اگرچہ اس نے اس نتیجے کو ایسے انداز میں پیش کیا' لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ منطقی تھا۔ وہ اپنی فطرت اور ماحول کی بنا پر کیتھولکوں کا یہ طریقہ قبول نہیں کر سکتا کہ معافی ناموں یا ایسی دوسری باتوں سے نجات کا راستہ نکل آئے گا۔ اس نے سچی نجات کے لئے محنت و مشقت کا راستہ اختیار کیا۔ کہا: خدا نہایت جلیل و عظیم ہے انسان حد درجہ حقیر ہے اور اس نے جبر کے اصول کی حد درجہ انتہائی شکل تجویز کی۔

کیلون کا نظام یہ تھا کہ آدم نے ابتدا میں جو گناہ لیا تھا' وہ ناقابل عفو تھا' لیکن خدا نے اپنی لامتناہی رحمت سے کام لیتے ہوئے یسوع مسیح کو روئے زمین پر بھیج دیا' تاکہ اولاد آدم کے کچھ حصے کے لئے نجات کا سامان ہو جائے' اگرچہ ان پر آدم کے گناہ کا دھبا لگا ہوا ہو۔ بہت کم لوگ اور محض منتخب یہ نجات حاصل کر سکتے تھے اور وہ اپنی کسی صلاحیت کی بنا پر نہیں اور نہ اس وسیع پیمانے پر' جس کا مدعی سولھویں صدی کا کیتھولک کلیسا تھا۔ منتخب افراد بھی صرف خدا کی بے انتہا رحمت کی بنا پر نجات پا سکتے تھے۔ اسی ذریعے سے انھیں نجات حاصل کرنے کی قوت ملی۔ رحمت کسی ایسی چیز سے مشابہ نہیں' جن سے زمین پر انسانی زندگی کو سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ یہ قانون اخلاق' فلسفے اور انسانی ماحول سے متعلق دوسرے طریقوں کا کوئی حصہ نہیں۔ اسے ایسا سمجھنا کیلون کے نزدیک کیتھولکوں کی ایک غلطی تھی' لیکن اسے ارضی تعلقات سے الگ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسے الگ کرنا اخلاقی ضوابط کے منکروں کی غلطی تھی۔ منتخب افراد ایک خاص شعار کے پابند رہتے ہیں۔ ان کا شعار متعین ہے۔ اگر اسے پیوریٹنی شعار یا طریقہ کہا جائے تو یہ اس کی غلط تعبیر نہ ہو گی۔

لیکن جو کچھ بیان کیا گیا ہے' اسے کیلون کی صحیح تعبیر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اپنی شدید منطق اور حکومت الٰہی کی سختی کے باوجود ایک خدائی انسان تھا' جو روحوں کے امراض کا علاج بڑی حکمت سے کرتا تھا۔

کیلون نے محبت اور اطاعت دونوں کا ذکر کیا۔ محبت کا ہونا لازم تھا' ورنہ کیلونزم محض ایک ذہنی ریاضت رہ جاتی۔

پیروان کیلون کا عمل: پیوریٹین طریقہ: کیلون کا مسلک طریق حیات کی حیثیت میں مثالی حیثیت رکھتا ہے اور اسے مسیحیت کا وہ طریقہ سمجھنا چاہیے' جس کا تعلق آئندہ دنیا سے ہے۔ اس کی عموماً" اس لحاظ سے مذمت کی گئی کہ اس میں علیحدگی پر زور دیا گیا اور یہ انداز غیر مسیحی ہے' کیوں کہ کیلون کے پیرو محض منتخب افراد ہی کو اپنا سمجھتے ہیں اور ان کی تعداد بہت کم ہے' مگر حقیقت یہ ہے کہ کیلون کے پیروؤں نے اس دنیا کی زندگی کو ان مقاصد کے مطابق لانے کی کوشش کی جنھیں کیتھولک کلیسا نے مدت سے خانقاہی نظام پر پادریوں کے لئے مخصوص سمجھ رکھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تا۔ مثلاً" کیلون کے پیرو اس امر کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ گناہ گار کو گناہوں کے ارتکاب کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ بہ شرطیکہ وہ رک سکے۔ اگرچہ خالص منطقی نقطۂ نگاہ سے سمجھا جاتا تھا کہ خدا گناہگار کرانا چاہتا ہے۔ جہاں کیلون کے پیروؤں کو اختیار و اقتدار ملا ـــــ سولھویں صدی میں جنیوا کے اندر۔ 1650ء کے بعد کرامویل کے انگلستان کے اندر' نیدرلینڈا اور پیورینٹوں کے ساچوسیٹس کے اندر ـــــ انھوں نے اس روش کے لئے احتساب' ممانعت' جلاوطنی اور دوسری سزاؤں کا انتظام کیا' جنھیں وہ گناہ سمجھتے تھے۔ دراصل یہ لوگ چھوٹے چھوٹے مستبد تھے اور اپنے آپ کو خدائی فوجدار سمجھتے تھے۔ یہ افراد کو نجی زندگی' خوشی اور انفرادیت کا حق دینے کے لئے تیار نہ تھے' مگر وہ اپنے آپ کو خدا کے کارندے سمجھتے تھے اور بہ زعم خود خدا کا کام انجام دیتے تھے۔ ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ انسانی کوششوں سے کوئی چیز تبدیل نہیں کی جا سکتی' تاہم وہ انسانوں کو اپنی روش بدلنے پر آمادہ کرنے کے لئے سرگرمی سے سعی و کوشش کرتے تھے۔ وہ حیرت انگیز حد تک کامیاب ہوئے۔ انھیں کی امداد سے صنعتی انقلاب آیا اور دور حاضر کی تاسیس ہوئی۔

کیلون کے پیروؤں نے مسیحیت کی درویشی اور راہبی پر خاص زور دیا۔ وہ حواس کی تباہی کے خواہاں نہ تھے' مگر یہ چاہتے تھے کہ انسان صرف وہ' دنیوی خواہش منتخب کر لیں' جو نجات کو تقویت پہنچائیں۔ جو خواہشیں اس کے خلاف ہوں انھیں' دبا دیں۔ وہ دنیا کو ایک سنجیدہ مقام سمجھتے تھے' جہاں ہنسنا بھی ان کے نزدیک خلاف نظم تھا۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا ہم میں سے اکثر کے لئے جہنم اور دائمی عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ جس انسان میں یہ احساس تازہ رہے اس میں خوشی کی زیادہ گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ان لوگوں کی رائے تھی کہ نسل انسانی جن خوشیوں اور مسرتوں کی عادی ہے' مثلاً" راگ رنگ' ناچ اجڈا عمدہ لباس' شراب نوشی اور کھیل تفریح' یہ سب ایسی چیزیں ہیں' جنھیں شیطان پسند کرتا ہے۔ اگرچہ ان لوگوں کے نزدیک فعل مباشرت بہ ہرحال باعث گناہ نہ تھا' لیکن ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ خدا نے اس فعل کو صرف بقائے نسل کے لئے جائز رکھا ہے' یہ نہیں کہ انسان اسی فعل کی لذتوں میں غرق رہے۔ ایسی چیزیں اس وجہ سے زیادہ خطرناک ہیں کہ ان میں انسان دائرہ تروتج سے قدم باہر رکھنے پر آمادہ ہو جاتا ہے' جو بہت بڑا گناہ ہے۔

کیلون کے پیروؤں نے مسیحیت کی اخلاقی حیثیت پر بھی بہت زور دیا۔ ان کا اپنا اخلاقی ضابطہ بڑا بلند تھا۔ وہ ہمیشہ کوشش کرتے کہ اس ضابطے کے مطابق زندگی گزاریں اور دوسرے لوگ بھی اسی کی پیروی کریں۔ اس سلسلے میں کوششوں کو خارجی اور داخلی دونوں حیثیتوں سے اہمیت حاصل ہے۔ کیلون کے پیروؤں کو یقیناً" یہ احساس تھا کہ انسان کے اندر کش مکش جاری رہتی ہے۔ ایک طرف وہ اپنے ضمیر کو زیادہ سے زیادہ پاک رکھنا چاہتا ہے' دوسری طرف اس دنیا کی ترغیبات اسے اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ انسانی شعور کے اعلیٰ تصور کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پست خواہشوں کو دبائے اور ان کا احتساب کرے۔ یہ اثر مغرب پر مستقلاً" باقی رہ گیا اور جہاں جہاں کیلون کی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوا' یہ کیفیت واضح ہو گئی۔

جس حد تک بیرونی کوششوں کا تعلق ہے۔ کیلون کے اخلاقی نظام نے بہت سی شکلیں اختیار کیں' مثلاً" حکماء نشے' ناچ گانے وغیرہ کی بندش' جسے پیورٹین تحریک کے نقاد بہ طور خاص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہدف طعن بناتے ہیں۔ ابتدائی دور کے پیروان کیلون یقیناً" ناچ' تھیٹر اور دوسری تفریحات کی ممانعت کرتے تھے۔ زیادہ تر اس لئے کہ ان لوگوں کو فرد کی آزادی کے متعلق کوئی جمہوری پریشانی نہ تھی' لیکن وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ لوگوں کو سمجھا بجھا کر ہمنوا بنایا جائے۔ ان کی عبادات میں وعظ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ دوزخ کی آگ پر ان کا عقیدہ پختہ تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اس آگ سے لوگوں کو ڈرانا اخلاقاً" جائز ہے' تاکہ وہ جذباتی اعتبار سے راہ راست پر آجائیں۔ بہ ہرحال یہ لوگ بڑے اچھے مشنری تھے' اگرچہ انھیں ابتدائی دور کے لوگوں میں بہترین قرار نہیں دیا جا سکتا۔

کیلون کی تعلیمات مختلف فرقوں کے اندر خالص بھی رہیں اور مخلوط بھی ہو گئیں' مثلاً" برطانیہ کے پریسبیٹری کانگریگیشنل اور براعظم یورپ کے اصلاح یافتہ کلیسا۔ اس تعلیم کا اثر تمام فرقوں پر پڑا۔ اینگلیکی اور لوتھری بھی مستثنیٰ قرار نہیں دئے جا سکتے۔ دینی اعتبار سے اس کا شدید مخالف افکار کا وہ نظام ہے' جو اسی اعتبار سے ہم سے بہت دور ہے' لیکن اٹھارھویں صدی کے شروع میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اندر یہ ایک جنگجویانہ نام تھا' یعنی آرمینیا نزم (آرمینوسیت)۔ یہ نام جیمز آرمینیس سے لیا گیا' جو سولھویں صدی میں ایک ولندیزی عالم مسیحیت تھا۔ آرمینوسیت کو ان فرقوں میں شمار کیا جا سکتا ہے' جو انسانی اختیار کے قائل ہیں' کیونکہ آرمینیس کی رائے کے مطابق خدا کی مشیت میں انتخاب مشروط تھا' کیلون کی رائے کے مطابق مطلق نہ تھا۔ انسان زمین پر جو کچھ کرتا ہے' وہ اس کی انفرادی تقدیر کے متعلق خدا کی مشیت تبدیل کر سکتا ہے۔ عمومی لحاظ سے آرمینوسیت عام دنیاوارانہ معاملات کے متعلق کیلونزم کے مقابلے میں زیادہ رواداری تھی اور اس میں پیوریٹین پہلو بھی کم تھا۔ اس کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ مذہب کو سیاسی اقتدار کے تابع رہنا چاہئے۔

کیلونزم پر یہ الزام عائد نہیں ہو سکتا کہ وہ سیاسی اقتدار کی تابعیت قبول کرتی تھی۔ جہاں جہاں اس کا اپنا مذہبی نظام قائم ہوا' مثلاً" انگلستان میں 1650ء کے بعد' جنیوا میں اور مساچوسٹس میں۔ وہاں اس کلیسا نے حکومت کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی کوشش کی۔ اسے ہم حکومت الہیہ قرار دے سکتے ہیں۔ ایرسٹیرم یعنی سیاسی اقتدار کی تابعیت قرار نہیں دے سکتے۔ جہاں جہاں کیلون کے پیروؤں کو بقا کے لئے لڑنا پڑا۔ یہ لوگ فرد پر دولت کے اختیارات کاملہ سے قولاً" اور عملاً" شدید انکار کرتے رہے اور وہ ہمیشہ عوامی حقوق پر زور دیتے تھے۔ بعد کی نسلوں نے انھیں چیزوں کو بادشاہوں کے خلاف نیز پادریوں کے خلاف جدوجہد میں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔

کیلون کے جو پیرو فرانس میں تھے یعنی ہیوجوناٹ' وہ بادشاہ کی مطلق العنانی کو بھی منظور نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے عمل سے مطلق العنانی کی اس شکل کی بھی مخالفت کرتے رہے' جو اس زمانے میں پوری طرح واضح نہیں تھی' آگے چل کر واضح ہوئی ——— یعنی یہ اصول کہ قومی مملکت انسانی اطاعت کی اعلیٰ ترین شکل ہے' نیز یہ اصول کہ میرا ملک ہر شے سے پہلے آتا ہے' خواہ وہ صحیح راستے پر یا غلط راستے پر۔

بایاں بازو : پروٹسٹنٹوں کے بائیں بازو کے فرقے کیلون کے پیروؤں کی دینیات اور ان کی مثال سے بہت متاثر ہوئے۔ انا بپٹسٹ اور دوسرے لوگ عموماً" غریب طبقوں سے اٹھے۔ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگ شہروں یا چھوٹے قصبوں سے تعلق رکھتے تھے' نہ کہ دیہات سے۔ انھوں نے کیتھولکوں کے طریق عبادت سے علیحدگی اختیار کر لی' جس میں جماعتیں اگر پرانی رسمیں ادا کرتے وقت بالکل بے حس و حرکت نہیں رہتی تھیں تو کم از کم خاموش اور منظم ضرور رہتی تھیں' لیکن نئے فرقوں میں لوگ جمع ہوتے تو زور زور سے بولتے' رقص کرتے اور انتہائی جوش سے گیت گاتے۔ ان لوگوں میں وعظ و تبلیغ کو عام پروٹسٹنٹوں کے مقابلے میں بھی زیادہ اہمیت حاصل تھی اور ان کے ہاں بہشت کی امید اور دوزخ کے خوف سے جذبات پر زیادہ اثر پڑتا تھا۔ ان میں سے زیادہ تر فرقے الفی تھے' یعنی انھیں امید تھی کہ حضرت مسیح دوبارہ اس دنیا میں آئیں گے۔ ان میں سے اکثر فرقوں کا مقصد اور بعض کا عمل یہ تھا کہ لوگوں میں اقتصادی مساوات پیدا ہو جائے' گویا وہ ایک قسم کے کمیونسٹ تھے۔ وہ دولت میں اتنے حصہ دار نہ تھے جتنے افلاس میں اور افلاس ہی سینٹ فرانسس کو مسیحی طریقے کا لازمی جزو نظر آیا تھا' یہی ان لوگوں کی کیفیت تھی۔

تقریباً" سب کے سب بعض ایسے عقائد یا ایسے مقاصد پیش نظر رکھتے تھے' جو عام رواجی مردوں اور عورتوں میں سے اکثر کو چونکا دینے والے تھے۔ بہت سے لوگوں نے ضمیر کی بنا پر حلف اٹھانے سے انکار کر دیا۔ بہت سے لوگ حکومت پر اعتماد نہیں کر سکے' کیوں کہ ان کی رائے تھی' حکومت کا کاروبار گناہگار لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ گناہگاروں کو سزائیں دیتے ہیں۔ یہ ایسا ارادہ ہے۔ جس سے سچے مسیحیوں کو الگ تھلگ رہنا چاہئے کہ وہ پاگل پن سے کام لیتے تھے اور یہی الزام دشمنوں نے ان پر لگایا ہے۔ جان ساکن لیڈن کو منسٹر میں شاہ داؤد کی حیثیت میں دو سنہری تاج پہنائے گئے' جو جواہرات سے مزین تھے' ایک بادشاہی تاج' دوسرا شاہنشاہی تاج۔ اس کی ملکہ دیوار اور پورا حرم ساتھ تھا۔ پروٹسٹنٹوں نے بائبل پڑھنے کی جو دعوت دی تھی' یہ فعل اس دعوت کی مجنونانہ تخریب کا کرشمہ تھا۔ انا بپٹسٹ اس وقت تک پورے شمالی اور مغربی یورپ میں پھیلے ہوئے تھے۔ منسٹر میں جو کچھ ہو رہا تھا' اسے سن کر وہ متحیر رہ گئے۔ اگر ان کے افکار و اعمال کا جائزہ گہری نظر سے لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ لوگ بڑی حد تک پارسا' سرگرم' امن دوست مسیحی تھے۔ سادہ زندگی گزارتے۔ محنت مشقت میں سرگرم رہتے۔ یہی کیفیت دور حاضر میں ان کے جانشینوں یعنی مینوڈیوں' بپٹسٹوں اور کونکیروں کی ہے۔

بائیں بازو والے یہ فرقے اکثر صلح پسندانہ اصول اور سرگرم جنگجوئی (جب تک مادی ہتھیاروں سے کام نہ لیا جائے اور ایک دوسرے کے جسم کو گزند نہ پہنچایا جائے) کے بغیر منطقی اور شان دار اجتماع کا عجیب و غریب نمونہ تھے۔ یہ اس لئے لڑتے تھے کہ لڑائی ختم ہو جائے۔ موریویا کے ابرا بپٹسٹوں میں ایک فرقہ ہٹری بھی تھا' جس کا بانی جیکب ہٹر تھا۔

ان فرقہ پرستوں میں سے بعض نے مذہبی رواداری کو نصب العین بنا لیا۔ ابتدائی دور کے مصلحین ---- لوتھر' کیلون' زیونگلی ---- اس نصب العین سے متاثر نہ تھے۔ غالباً" یہ درست ہے کہ مغربی یورپ کے لوگ کسی ایک طریق کو سب کا مذہب بنانے کی کوششیں کر کے تھک گئے تو انھوں نے رواداری اختیار کی۔ یہ بھی درست ہے کہ مختلف کلیوں کی ممبری کی طرح مختلف مذاہب سے تعلق کو گوارا کر لینے میں زیادہ کامیاب کوششیں ان لوگوں نے کیں' جو مذہب سے بے پروا تھے اور جن کا کسی کلیسا سے کوئی تعلق نہ تھا' لیکن حقیقت صرف یہیں تک محدود نہیں۔ آج جو مذہبی رواداری پائی جاتی ہے' وہ جزو اس حقیقت کا نتیجہ ہے کہ اپنے عقیدے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریق عبادت کی صحت پر پرزور ایمان رکھنے والے لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سچائی صرف آزاد مذہبی اشتراک کی فضا ہی میں فروغ پا سکتی ہے۔ گویا ضروری ہے کہ لوگوں کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ تعلیم و تبلیغ کا عمل جاری رکھا جائے۔ اس میں یقیناً" دیر لگے گی، لیکن صحیح طریقہ یہی ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک رواداری بھی ایک سلبی اصطلاح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جبر و تشدد کی دھمکی پسند نہیں کرتے۔ مذہبی آزادی اور مذہبی اختلاف ان لوگوں کے نزدیک خدا کی مشیت کا کرشمہ ہے۔ اس میں دنیوی قوت و طاقت کے حامل انسانوں کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ گویا ان کے نزدیک مذہبی آزادی انسانی حقوق کا جزو بن گئی، مگر مغرب میں یہ عقیدہ اس وقت عام ہوا، جب ہم سولھویں صدی کو بالکل چھوڑ چکے تھے اور اٹھارھویں صدی کی روشنی ہم پر پڑنے لگی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 4

مارٹن لوتھر کی تحریک اصلاح کلیسا

(MARTIN LUTHER)

پروٹسٹنٹ ازم اور کیتھولزم کے مسائل کی حیثیت مختلف ہے۔ مورخ کے لئے بھی کاملا بے تعلقی غیر ممکن ہے۔ کوئی نہ کوئی رسمی انتساب ہم میں کسی نہ کسی حد تک طرف داری ضروری پیدا کر دیتا ہے۔ پروٹسٹنٹ کے لئے اس لفظ کے معنی ہیں "اصلاح نیسہ" کیتھولک کے نزدیک اس کے معنی "بغاوت" ہیں۔ دور حاضر کا کوئی عام دنیادار بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا تعلق کسی فریق سے نہیں یا دونوں کے بارے میں ذہن کے احساسات یکساں ہیں۔ مغربی روایت میں اس قسم کے غیر مسیحی محسوس کرتے ہیں کہ پروٹسٹنٹ ازم نے ازمنہ ء وسطی کی کیتھولک وحدت کو توڑ دیا اور وہ کسی نہ کسی صورت میں ان کے قریب تر آ گئی یا کہہ لیجئے کہ ان کے لئے راستہ تیار کر دیا۔

ازمنہ ء وسطی کی مذہبی وحدت کا خاتمہ : پروٹسٹنٹ ازم کی ابتداء بھی اسی طرح ٹھیک ٹھیک متعین کی جا سکتی ہے' جس طرح مثلاً" امریکی انقلاب کی ابتدا جنگ لیکسنگٹن وکنکورد سے ہوئی (1775ء 19 اپریل)۔ پروٹسٹنٹ ازم کی تاریخ آغاز 21 اکتوبر 1517ء ہے' کیوں کہ اسی دن آگسٹینی راہب مارٹن لوتھر نے اپنے پچانوے نکات لکھ کر وٹنبرگ (جرمنی کی ریاست سیکسنی) کے گرجے کے دروازے پر لٹکا دیئے تھے۔ اصل اصطلاح پروٹسٹنٹ 19 اپریل 1529ء کو شروع ہوئی' جب جرمن حکمرانوں کے ایک گروہ نے' جو لوتھر کے ہم خیال تھے' ایک رسمی "احتجاج" (پروٹسٹ) ایک سابقہ شاہی فرمان کی تنسیخ کے خلاف سپائرس کی پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ اس فرمان میں وعدہ کیا گیا تھا کہ لوتھر کی سرگرمیوں سے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں' ان پر ایک مجلس عام میں غور ہو گا۔

ظاہر ہے کہ انقلاب امریکہ کے مبادی جنگ کنکورد سے بہت پہلے نمودار ہو چکے تھے اور پروٹسٹنٹ تحریک کے مبادی کا سراغ بھی لوتھر کے پچانوے نکات سے پیشتر جاتا ہے۔ ازمنہ ء وسطی کے کیتھولک کلیسا کو کئی اصلاحی تحریکوں سے سابقہ پڑا۔ مثلاً" کلوتیائی تحریک' سٹرونی تحریک' فرانسسکی تحریک اور لوتھر کی صدی یا اس سے پیشتر وکلف اور ہس کی تحریکیں' جو پروٹسٹنٹ اصول کی پیشرو تھیں اور ان کی وجہ سے ایک جداگانہ مذہبی جماعت قائم ہونے ہی والی تھی۔ پندرھویں صدی میں مذہبی مجالس کی تحریک جاری ہو چکی تھی۔ اگرچہ یہ تحریک عام مذہبی مجالس کو پوپ سے بالا تر قرار دینے میں ناکام رہی' تاہم پاپاؤں کے اختیار کا مسئلہ کھلم کھلا زیر بحث آ گیا۔

لوتھر نے جب اپنے نکات گرجے کے دروازے پر لٹکائے تھے اس کے ذہن میں ایک جداگانہ مذہبی جماعت قائم کرنے کا کوئی واضح ارادہ نہیں تھا' تاہم اس کی زندگی میں ایک نیا کلیسا قائم ہو گیا' جسے لوتھری کلیسا کہتے تھے۔ پچانوے نکات لٹکائے جانے کے تھوڑی ہی مدت بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درجنوں کلیسا یا فرقے یا مختلف ناموں کی جماعتیں منظم ہو گئی تھیں' اینگلیکی' کالونی' انا بپٹسٹی اور بہت سی دوسری جماعتیں۔ کیتھولک مسیحی دنیا کی جو وحدت ازمنہء وسطی میں قائم ہوئی تھی' اس کی جگہ بہت سے کلیسا وجود میں آگئے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ سامنے لگا دیئے جاتے ہیں۔ ازمنہء وسطی میں اس طرح کے کسی عمل کا تصرف بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چونکہ اکثر لوگ ان پڑھ تھے' اس لئے تختیوں پر لکھ کر کوئی چیز لگانا بالکل غیر ضروری تھا۔

پچانوے نکات : مارٹن لوتھر (1483ء - 1546ء) جس سے پروٹسٹنٹ بغاوت کی ابتدا ہوئی' ڈنبرگ کی یونیورسٹی میں دینیات کا پروفیسر تھا۔ 1517ء میں اس نے نکات لکھ کر لٹکائے تو اس سے پیشتر وہ اک گونہ مذہبی عرفان حاصل کر چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ روحانی مایوسی کے ایک طویل دور سے گزرنے کے بعد وہ صحیح معنی میں مسیحی بنا دیا۔ لوتھر کے والدین کسان تھے۔ پھر اس کے والد نے کانکنی شروع کر دی اور رفتہ رفتہ کانوں میں خاصا سرمایہ لگا دیا۔ اس نے مارٹن لوتھر کو قانون کی تعلیم دلائی۔ 1505ء میں اسے عجیب و غریب حادثہ پیش آیا۔ وہ رعدوبرق کے ایک شدید طوفان میں گھر گیا اور خوف کی حالت میں اس نے سینٹ این سے امداد کی درخواست کی' ساتھ ہی عہد کیا کہ میں صحیح سلامت بچ نکلا تو راہب ہو جاؤں گا۔ چنانچہ وہ اس عہد کی پابندی کرتے ہوئے آگسٹینی راہب بن گیا۔ پھر اسے ایک بہت بڑی بحرانی مذہبی حالت پیش آئی۔

اسے یقین ہو گیا کہ میری روح گناہوں میں کھو گئی ہے اور میرے لئے نجات کی کوئی امید نہیں۔ لوتھر نے کئی نیک کام کئے' مثلاً" اپنے راہبی نظام کی سخت ریاضتیں صابرانہ برداشت کر لیں۔ 1511ء میں وہ مسیحی زیارتوں سے مشرف ہونے کے لئے روما پہنچا' لیکن یہ روح گداز احساس زائل نہ ہوا کہ وہ خدا کی رحمت حاصل نہیں کر سکتا اور اس کا ٹھکانا جہنم کے سوا کوئی نہیں۔ آخر ایک دانش مند پادری نے جس کے روبرو لوتھر اپنے گناہوں کا اعتراف کیا کرتا تھا' اس مایوس نوجوان کو بائبل کے مطالعے کا مشورہ دیا' ساتھ ہی کہا کہ صحیفے کی تعلیم لوگوں کو دیا کرو۔ سینٹ پال کے خطوط اور سینٹ آگسٹائن کی تصانیف کے مطالعے سے لوتھر کو اس سوال کا جواب مل گیا' جس نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ جواب یہ تھا کہ انسان کو خدا پر اور اپنی نجات کے امکان پر ایمان رکھنا چاہئے۔

ایمان کی اہمیت کے متعلق اس پختہ عقیدے سے مستحکم ہو کر لوتھر نے کیتھولکوں کے اعمال و رسوم پر نظر ڈالی تو اسے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہو رہا ہے' غلط ہو رہا ہے اور ان اعمال سے ایمان بگڑتا ہے یا کمزور ہوتا ہے۔ جو اعتراضات اس کے دل میں پیدا ہوئے' وہی پچانوے نکات کا موضوع تھے۔ یہ نکات لاطینی میں لکھے گئے تھے۔ اور ازمنہء وسطی کی کلامیت کے انداز میں انھیں علمی بحث کی دفعات کی شکل دے دی گئی تھی۔ اگر کوئی ناظر اتفاقیہ ان نکات کو ڈنبرگ کے گرجے کے دروازے پر دیکھ لیتا تو وہ یہی سمجھتا کہ کوئی پروفیسر بحث کے لئے تیار ہو رہا ہے' لیکن بہ ظاہر یہی نکات انقلاب کا پیش خیمہ بن گئے۔

جن خرابیوں کو لوتھر نے پچانوے نکات میں مسیحیت کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی' وہ گناہوں کے معافی ناموں کی فروخت تھی' خصوصاً" وہ فروخت' جو ایک قابل کلیسائی شخص ٹیٹزل نے سرمایہ فراہم کرنے کے لئے شروع کر رکھی تھی۔ ٹیٹزل نے رضا مندانہ چندے دینے کی ایک مہم شروع کر رکھی تھی تاکہ ایک بڑے ادارے کا خزانہ بھر جائے۔ اس ادارے کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کی طرح ٹیکس لگانے کا اختیار تھا' لیکن دور حاضر کی بہت سی حکومتوں کی طرح وہ اپنے اس اختیار کو افراط زر اور عیش و عشرت کی زندگی کے بڑھتے ہوئے مصارف کے مطابق پھیلانے کا مجاز تھا۔ نیٹزل نے یہ روپیہ اس غرض سے فراہم کرنا شروع کیا کہ رومہ میں سینٹ پیٹر کا گرجا ازسرنو تعمیر کر لیا جائے اور معافی ناموں کی فروخت کا اختیار اسے پاپاؤں نے دیا تھا۔

معافی ناموں کا نظریہ یہ تھا کہ گناہوں کی سزا معاف ہو سکتی ہے۔ گناہ صرف خدا معاف کر سکتا ہے' لیکن جو گناہ گار توبہ کر لے' اسے زندگی میں ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ یہ اس کے لئے سزا ہے۔ موت کے بعد اسے اعراف میں رہنا پڑے گا' جہاں زمین پر توبہ کر لینے والے گناہگار اپنے گناہوں کی عارضی مگر تکلیف دہ سزا بھگت کر جنت میں جانے کی تیاری کرتے ہیں۔ ازمنہ وسطی کے کلامیوں نے جو نظریہ پیش کیا تھا' اس کے مطابق معافی نامے گناہوں کی بخشش کا یقین نہیں دلاتے تھے' البتہ یہ یقین دلاتے تھے کہ اعراف میں پہنچ کر سزا جزوا" یا کلا معاف کر دی جائے گی۔ کلیسا اس قسم کی تخفیفات کے اختیار کا مدعی تھا اور اس سلسلے میں "خزانہ حسن خدمت" سے کچھ نیکیاں لے لی جاتی تھیں۔ یہ خزانہ نیکیوں کے اس فالتو مجموعے کا ذخیرہ تھا' جو مسیح' مریم عذرا اور دوسرے مسیحی بزرگوں کی مقدس سرگرمیوں سے فراہم ہوا تھا۔ اس آسمانی خزانے پر کوئی رقعہ دیا جا سکتا تھا تو صرف پادریوں کی طرف سے دیا جا سکتا تھا۔ دراصل معافی نامے عطا کئے جاتے تھے' لیکن دستور ٹھہر گیا تھا کہ جو شخص معافی نامہ وصول کرتا' وہ کوئی نہ کوئی رقم کلیسا کی نذر کرتا۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ معافی ناموں کا مسئلہ خاصا پیچیدہ تھا' اتنا پیچیدہ تھا کہ عام آدمی سے اسے پوری طرح ذہن میں نہیں بٹھا سکتے تھے۔ عام لوگوں کا نظریہ کچھ اس قسم کا ہو گیا تھا کہ گناہگار آدمی اپنی سزا کم کرا سکتا ہے' بلکہ گناہوں سے پوری معافی بھی حاصل کر سکتا ہے' بہ شرطیکہ وہ معافی نامے خاصی مقدار میں حاصل کر سکے۔ نیٹزل جیسے آدمیوں نے معافی ناموں کی قوت کے متعلق لمبے چوڑے دعوے پیش کر کے عوام کے احساس کو تقویت پہنچائی۔ لوتھر کا اعتراض معافی ناموں کے وعظ استعمال پر بھی تھا' جس کا سلسلہ نیٹزل نے شروع کر رکھا تھا اور وہ پورے اصول کو بھی غلط سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے پچانوے نکات میں اپنے اعتراضات بڑی سختی سے پیش کئے چند درج کئے جاتے ہیں:

"نمبر 20 ۔ پوپ نے تمام سزاؤں میں کمی کر دینے کے اختیار سے یہ مطلب نہیں سمجھا کہ وہ سزائیں اصلا" کم ہو جائیں گی' بلکہ صرف وہ سزائیں کم ہوں گی' جو خود اس نے عائد کر رکھی ہیں۔

نمبر 21 لہٰذا جو لوگ معافی ناموں کے داعی ہیں یعنی جو کہتے ہیں کہ پوپ سے معافی نامے حاصل کر کے کوئی شخص سزا سے نجات پا سکتا ہے' وہ غلطی پر ہیں۔

نمبر 22 کیوں کہ وہ روحوں کے لئے اعتراف میں سزائیں معاف کر دیتا ہے۔ حالانکہ قانون کے مطابق ضروری ہے کہ وہ سزائیں اس زندگی میں بھگتی جائیں۔

نمبر 23 اگر سزاؤں کی کامل معافی کسی کو دی جا سکتی ہے تو وہ صرف نہایت و کامل انسانوں کو دی جا سکتی ہے اور وہ صرف چند ہوں گے۔

نمبر 24 نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سزا سے نجات کے بے اختیار اور فیاضانہ وعدوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے لوگوں کے بڑے حصے کو دھوکا دیا جاتا ہے۔

نمبر 81 معافی ناموں کے بے سروپا تلقینات کے باعث پڑھے لکھے آدمیوں کے لئے بھی یورپ کی عزت کو الزام سے بچانا مشکل ہو رہا ہے۔ کم از کم عام لوگوں کے دانشمندانہ سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔

نمبر 82 وہ پوچھتے ہیں کہ پوپ اعتراف کو نہایت مقدس نیکی کے پیش نظر خالی کیوں نہیں کرا لیتا؟ روحوں کو اس کی سخت ضرورت ہے اور یہ نہایت راست باز ناکام ہے۔ وہ صرف روپیہ لے کر لوگوں کو معافی دیتا ہے اور یہ روپیہ گرجا تعمیر کرنے کے لئے حاصل کیا جاتا ہے جو نہایت بے حقیقت مقصد ہے۔

نمبر 83 لوگوں کے ان نہایت اقتباسات کو محض پاپائی اختیار کے استعمال سے نہیں ٹالا جا سکتا۔ اس کا معقول جواب دینا چاہئے۔ موجودہ حالت میں کلیسا اور پوپ دونوں دشمنوں کے لئے سامان تضحیک بنتے ہیں۔ مسیحیوں کو اس سے رنج پہنچتا ہے۔"

دینیات کی اعلیٰ ترین سطح پر پورے معاملے کا جائزہ لیا جائے تو لوتھر بالادست کلیسائیوں سے ایسے معاملے پر جھگڑا، جو مسیحی افکار کا نہایت اہم مسئلہ ہے یعنی ایمان اور عمل صالح کا مسئلہ۔ ایمان عقیدہ ہے، عمل صالح اس عقیدے کا ظاہری مظہر ہیں یعنی اچھے کام کرنا، مقدس رسموں میں حصہ لینا، جو ریاضتیں تجویز ہوں، انھیں پورا کرنا معافی نامے کے ذریعے سے فالتو نیکیاں مل جاتی تھیں اور یہ نیکیاں خزینہ حسن خدمت میں جمع چلی آتی تھیں۔ اب مسیحیوں کا طریقہ یہ ہے کہ ایمان اور حسن عمل دونوں کی ضرورت ہے، مگر جب بحرانی حالت پیدا ہوتی ہے تو بعض لوگ ایک انتہا پر پہنچ جاتے ہیں اور بعض دوسری پر۔ پچانوے نکات لٹکائے جانے کے بعد جو بحرانی حالت پیدا ہوئی، اس میں پوپ، جن کے اختیار کو چیلنج کیا گیا تھا اور بھی سخت و شدید ہو گئے۔ اس وجہ سے لوتھر کے ساتھیوں کو مزید مزاحمت کے لئے تیار ہونا پڑا۔

لوتھر کی بغاوت : لوتھر کے دل میں جو کش مکش جاری رہی، اس میں ایمان سے حد درجہ مدد ملی۔ حسن عمل نے اسے کوئی مدد نہ دی۔ پچانوے نکات میں اس نے حسن عمل پر کوئی اعتراض نہ کیا، جنھیں وہ غلط محسوس کرتا تھا:

"نمبر 42 مسیحیوں کو یہ سکھانا چاہئے کہ پوپ کا ارادہ یہ نہیں، معافی نامے خرید لینا، کار خیر کرنے کے برابر ہے۔

نمبر 43 مسیحیوں کو سکھانا چاہئے کہ معافی نامے خریدنے سے غریبوں کی مدد کرنا اور ضرورتمندوں کو قرض دینا بہتر ہے۔

نمبر 44 نیز کارہائے خیر کے ذریعے سے خیر میں اضافہ ہوتا ہے اور آدمی اچھائی میں ترقی کرتا ہے۔ اس کے برعکس معافی ناموں کے ذریعے سے اچھائی میں کوئی ترقی نہیں ہوتی، بلکہ سزاؤں سے نجات پانے کو تقویت پہنچتی ہے۔"

ان نکات میں جیسا کہ ہمارے اقتباسات سے ظاہر ہے، زیادہ زور خرابیوں پر دیا گیا تھا۔ لوتھر نے پوپ کے متعلق بعض سخت باتیں کہیں۔ پھر جیسے جیسے واقعات تیزی سے ظہور پذیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے گئے' لوتھر نے اعمال کے متعلق انتہائی نقطہء نگاہ اختیار کر لیا۔

کلیسا نے ان مسائل کی انتہائی اہمیت تیزی سے محسوس کرلی' جنھیں لوتھر بروے کار لایا تھا۔ آگسبرگ میں لوتھر کو پوپ کے ایک نمائندے کارڈنیل کیجٹن کے روبرو بلایا گیا (1518ء) اور ہدایت کی گئی کہ معافی ناموں کے متعلق اپنی بعض تجاویز واپس لے لے۔ لوتھر نے نمائندے کی یہ ہدایت نہ مانی۔ پھر لیپزک کے ایک فاضل دینیات جان ایک نے بحث میں لوتھر پر یہ الزام لگایا کہ اس نے پوپ اور کلیسائی کونسلوں کے مستند فیصلوں کی نافرمانی کی ہے (1519ء) لوتھر نے کہا کہ پوپ اور مجلسیں ہرگز بااختیار نہیں' بلکہ صاف صاف اعلان کر دیا کہ میں تو ہس کی تعلیمات کا پابند ہوں' اس طرح بغاوت ایک قدم آگے بڑھ گئی۔ کانسٹنس کی مجلس میں ہس کی تعلیمات کو ملحدانہ قرار دیا گیا۔ 1520ء میں لوتھر نے ایک رسالہ شائع کیا' جس کا نام تھا' "جرمن قوم کے مسیحی امرا سے اپیل۔

لوتھر نے ایمان کی صحت کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور وہ اس مرکزی کیتھولک اصول سے برملا انکار کر بیٹھا کہ صرف پادریوں کو خدا نے گناہوں کی سزاؤں میں تخفیف کا اختیار دیا ہے "مسیحی امراء سے اپیل" میں اس نے پادریوں اور عام لوگوں کے درمیان امتیاز بالکل ختم کر دیا اور کہا کہ مسیحیت پر ایمان لانے والے سب پادری ہیں۔ اب لوتھر اور کلیسا کے درمیان کامل اختلاف قریب آگیا تھا۔ 1520ء کے اواخر میں پوپ لیو دہم (1513ء 1521ء) نے ایک مقدس فرمان جاری کیا۔" جس میں لوتھر کی تعلیمات کو مذموم قرار دیا۔ لوتھر نے یہ فرمان نذر آتش کر دیا' چنانچہ اسے مذہب اور قانون کے دائرے سے خارج کر دیا گیا۔ شاہنشاہ چارلس پنجم اور اس کے شاہی پارلیمنٹ نے ورنز کے نہایت ڈرامائی اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی' جس میں لوتھر کو قانونی حفاظت سے محروم کر دیا۔ اس سے پھر کہا گیا کہ آیا اپنے الفاظ واپس لینے کے لئے تیار ہے؟ اس نے نہایت مشہور الفاظ میں جواب دیا:

> "حضور عالی جاہ اور حضور کے امراء سادہ جواب کے طلبگار ہیں۔ سادہ اور کھلا جواب حاضر ہے۔ جب تک کسی صحیفے کی سند سے میری غلطی کا یقین نہ دلایا جائے کیوں کہ مجھے پوپ یا مذہبی مجلسوں کے کسی فیصلے پر کوئی اعتماد نہیں' جب تک صحیفے کی سند ان کے ساتھ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ وہ اکثر غلطی کر چکے ہیں اور خود اپنی تردید کرتے رہے ہیں یا بدیہی دلیل میرے خلاف نہ ہو' میں اپنے اس عقیدے پر قائم ہوں' جس کا پہلے ذکر چکا ہوں۔ میرا ضمیر خدا کے الفاظ کا اسیر ہے۔ میں کسی چیز سے انکار نہیں کر سکتا اور اپنے ضمیر کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتا۔ نہ یہ مناسب ہے اور نہ میں اس کا مجاز ہوں۔ یہ میرا موقف ہے' اس کے سوا میرا کوئی جواب نہیں۔ خدا میرا حامی و ناصر ہو' آمین!"

سلطنت اور پاپائیت نے بے سود شدید اقدامات اختیار کئے۔ لوتھر کو بہت سے ساتھی مل گئے تھے اور وہ قومی ہیرو بن رہا تھا۔ خود اس کی جرمن ریاست کا حکمران ـــــ الیکٹر فریڈرک دانشمند والی سیکسنی 1463ء - 1525ء ـــــ اس کا محافظ تھا اور دوسرے حکمران بھی اس کی حمایت کے لئے تیار تھے۔ آئندہ چند سال میں لوتھر نے بائبل کا ترجمہ نہایت عمدہ اور موثر جرمن زبان میں کیا اور سیکسنی کے کلیسا کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھال لیا۔ یوں اس کی بغاوت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیا اور اپنے پورے عہد حکومت میں مخالفانہ جدوجہد کرتا رہا۔ یوں اس نے اپنے خاندان کے متعلق اس عقیدے کی تردید کر دی، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

چارلس پنجم نے جرمنوں پر حکمرانی اپنے چھوٹے بھائی فرڈیننڈ کے حوالے کر دی، جس نے بویریا اور کیتھولک جرمنوں کی بعض دوسری ریاستوں سے اتحاد کر لیا اور ان ریاستوں کی مخالفت شروع کر دی، جو لوتھر کی حامی تھیں۔ اس طرح خود جرمنی کے اندر اتحاد اجتماع کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا، جس کا نتیجہ وہ مذہبی جنگیں تھیں، جو آئندہ چند پشتوں تک جاری رہیں، ساتھ ہی جرمنی کی علاقائی تقسیم عمل میں آگئی، یعنی شمالی و مشرقی علاقے پروٹسٹنٹ، جنوبی و مغربی علاقے کیتھولک رہے پروٹسٹنٹ تحریک کی کامیابی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ چارلس نے خود مغربی مسیحی دنیا کی وحدت کو توڑنے کے لئے جرمنی میں جنگ کی قیادت نہ کی۔ اسے بہت سی لڑائیاں درپیش تھیں اور وہ جرمنی پر توجہ جما نہیں سکتا تھا۔ اس کی وسیع میراث یورپی براعظم کی باقی بڑی قوت یعنی فرانس کے لئے خطرے کا باعث تھی اور فرانس اس وقت تک اطالوی علاقوں کی تسخیر پر تلا بیٹھا تھا، جن کا سلسلہ چارلس ہشتم نے شروع کیا تھا۔ چارلس پنجم اور فرانسس اول شاہ فرانس کے درمیان چار لڑائیاں ہوئیں، جو حقیقتاً" ایک بڑی لڑائی تھی۔ اس وجہ سے ہیبرگ قوت جرمن پروٹسٹنٹوں کو بہ زور نہ دبا سکی۔

لوتھری کلیسا : اب تک لوتھر صرف ایک بڑے انقلابی کا کردار ادا کرتا رہا تھا، لیکن بعض معاملات میں اس نے اصولاً" قدامت پسند کا موقف اختیار کیا، مثلاً" اس نے ایمان اور ہر مسیحی کے پادری ہونے کا عقیدہ منطقی انتہا تک نہ پہنچایا، جس کا نتیجہ افراتفری اور ابتری کے سوا کچھ نہ تھا، اگر مذہب کو انسان اور اس کے خالق کے درمیان ربط تعلق کا معاملہ قرار دے دیا جائے تو منظم کلیسا بالکل غیر ضروری ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کا وجود غیر ممکن نہ ہو یا یہ سمجھ لیجئے کہ جتنے انسان ہوں گے، اتنے ہی ان کے کلیسا ہوں گے۔ لوتھر کی تعلیمات سے جو مصلحین پیدا ہوئے، انھوں نے سیکسنی میں اسی قسم کے کلیسائی تصور کو لباس عمل پہنانے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عام ہنگامہ سا پیدا ہو گیا اور لوگوں میں اضطراب پھیل گیا۔ لوتھر اور اس کے انقلاب پسند پیروؤں کو اس قسم کے تجربات بے نظمی سے بالکل ہمدردی نہ تھی، چنانچہ انھوں نے سیکسنی کے معاملات میں مداخلت کی۔ ایک کلیسا منظم کیا۔ پادریوں کو شادی کی اجازت دے دی، مگر اس کلیسا میں پادری بھی تھے، رسمیں اور ریتیں بھی۔ اصول بھی تھے اور مقدس تقریبیں بھی۔ گویا نیک کاموں کا پورا سلسلہ موجود تھا۔

جو چیز ہمیں بہ طور خاص ذہن نشین کر لینی چاہئے، یہ ہے کہ لوتھر کے حامیوں نے یہ کلیسا کیتھولک کلیسا کے مقابلے میں نہیں بنایا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ حقیقی کلیسا یہ ہے۔ جہاں ایسا کلیسا بن گیا، کیتھولک کلیسا خود بہ خود ختم ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوتھر کے پیروؤں نے عموماً" کلیسائی عمارتوں پر قبضہ کر لیا۔ لوتھر اور اس کے پادریوں، نیز عالم شاگردوں نے ابتدا میں یہ امر صرف جرمنی تک محدود رکھا اور یہ خود بخود انجام پا گیا۔ سیاسی لیڈروں کو دخل دینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

کچھ مدت بعد بعض نیم آزادیا 9/10 آزاد جرمن ریاست کے حکمرانوں نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سیکسنی ہیس اور شمالی جرمنی کی اکثر ریاستوں کے حکمران اور وزیر تمام کلیساؤں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نگران بن گئے۔ جو لوگ لوتھر کی ہمنوائی پر آمادہ تھے' انھیں قائم رکھا۔ جو آمادہ نہیں تھے' انھیں نکال دیا۔ تبدیلی کے عام عملیون کی طرح یہ عملیہ کریہ کر دیا۔۔۔۔گا فارمولا یہاں معقول تعبیر کا موجب نہیں بن سکتا۔ لوتھری کلیسا لوتھریا حاکموں نے پیدا کر کے لوگوں پر چسپاں نہیں کیا تھا اور نہ یہ جرمن عوام کا رضاکارانہ کیا ہوا کام تھا۔ دراصل عوام اور حکمرانوں' دونوں نے پروٹسٹنٹ اصلاح کے پر پیچ عملئے میں حصہ لیا۔

نائٹوں کی جنگ اور کسانوں کی بغاوت : محض بڑے بڑے جرمن حکمرانوں ہی نے لوتھر کی تحریک سے فائدہ اٹھا کر اپنی آزادانہ حیثیت بحال نہ کی' بلکہ ان حکمرانوں کے ماتحت جرمنی کے مجلسی نظام میں دنیادار اور پادری نائٹ بھی موجود تھے' جو ازمنہء وسطی کی میراث تھے۔ انھیں کمتر درجے کے امراء سمجھ لیجئے۔ ان میں سے بعض کے قبضے میں ایک آدھ قلعہ اور چند مربع میل علاقہ شاہنشاہ سے براہ راست ملا ہوا تھا اور وہ نظر اعتبار سے ویسے ہی خود مختار تھے' جیسا سیلسنی کا الیکٹر۔ ان سے چھوٹے درجے کے جاگیردار امراء بھی موجود تھے۔ بعض امرا کے چھوٹے بیٹے تھے۔ ان کے پاس زمینیں نہ تھیں' تاہم اونچے خاندان سے تعلق تھا اور حرب وضرب کے سوا ان کے لئے کوئی مشغلہ نہ تھا۔ یہ طبقہ یکایک ایک چکر میں آگیا' یعنی چیزوں کی قیمتیں بڑھنے لگیں اور امیرانہ معیار معیشت قائم رکھنا مشکل نظر آنے لگا۔ لوتھر نے قائم شدہ نظام کی مخالفت کی تو ایک موقع یہ نکل آیا کہ کلیساؤں کے املاک لے لئے جائیں گے۔ یہ امیر لوگ ایسے موقع کو نظر انداز کرنے کے لئے تیار نہ تھے' چنانچہ یہ الرچ فان ہٹن اور فرانزفان سکنجن کی سرکردگی میں بغاوت پر آمادہ ہو گئے (1522ء) اور وہ جنگ شروع ہوئی جسے "نائٹوں کی جنگ" کہتے ہیں۔ بڑے امراء نے بغاوت دبا دی' لیکن خاصی جدوجہد کرنی پڑی اور قوت کی ابتری میں اس ہنگامے نے اضافہ کر دیا۔

جرمن اصلاح کنیسہ کے ابتدائی دور میں حقیقتاً تیز مجلسی کش مکش وہ تھی' جس نے کسانوں کی بغاوت (1524-25ء) کی شکل اختیار کی۔ ازمنہء وسطی میں کسانوں کی بغاوتیں ہوتی رہی تھیں۔ جرمن کسانوں میں جو بغاوت ہوئی' وہ بڑی حد تک ان بغاوتوں سے مشابہ تھی' جو چودھویں صدی کے اندر انگلستان اور فرانس میں ہوئیں۔ ان بغاوتوں کی طرح جرمنی کی بغاوت بھی ان بھاری محصولوں کے خلاف تھی' جو حلقہ جاتی نظام میں ان غریبوں پر عائد تھے' لیکن باغیوں میں نہ کوئی تعاون تھا اور نہ وہ کوئی موثر فوجی تنظیم پیدا کر سکے۔ جن طبقوں کے پاس زمینیں تھیں اور وہ فوجی قوت کے مالک تھے' انھوں نے انتہائی بیدردی سے کسانوں کی بغاوت ختم کر دی۔ پھر یہ بغاوت محض ان کسانوں کی نہ تھی' جو پست ترین سطح پر بیٹھے تھے' بلکہ ان کسانوں کی تھی' جو معاشرہ ازمنہ وسطی کے بڑھتے ہوئے معیار معیشت سے کسی قدر فائدہ اٹھا رہے تھے اور جانتے تھے کہ انھیں مزید فائدے حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ جرمن کسانوں کی بغاوت کا مرکز ملک کے مشرقی حصے نہ تھے' جہاں زرعی غلامی کمال پر پہنچی ہوئی تھی اور جہاں کسانوں کا درجہ بہت پست تھا' بلکہ یہ جنوبی و مغربی حصوں میں بپا ہوئی' جہاں کسانوں کو مالک اور اراضی ہونے کا درجہ مل رہا تھا۔

تاہم ایک لحاظ سے سولھویں صدی کے جرمن کسانوں کی یہ بغاوت یورپ میں ازمنہء وسطی کی بغاوتوں کے بجائے موجودہ زمانے کی بغاوتوں سے زیادہ مشابہ ہے اور زیادہ جمہوری معلوم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے۔ انگلستان میں کسانوں کی بغاوت وکلف اور اس کے درویشوں کے زیر اثر بپا ہوئی تھی' لیکن جرمنی کی بغاوت کے رہنما' ایسے تعلیم یافتہ آدمی تھے' جو خود کسان نہ تھے' البتہ ان کے سامنے ایک پروگرام تھا' یعنی انقلابی افراد کا ایک نظام' جس کے مطابق نیا مجلسی نظام مرتب ہونا چاہئے تھا۔ ان رہنماؤں نے اپنے مطالبات مرتب کئے' جو دفعات دروازہ گانہ" کہلاتے ہیں۔ مختلف حلقوں میں ان کی شکلیں مختلف تھیں۔ یہ زیادہ تر اعتدال پر مبنی تھے اور انھیں انجیل کی زبان میں پیش کیا گیا تھا' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں تحریک اصلاح کنیسہ سے تعلق تھا۔

دفعات میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ ہر حلقے کو اپنا پادری چننے کا حق حاصل ہے اور پادریوں کو جو عشر دیا جاتا ہے' نیز امیر کو جو ٹیکس ادا کئے جاتے ہیں' ان میں تخفیف کر دی جائے۔ کسانوں کو اجازت دی جائے کہ وہ شکار کریں اور جنگوں سے ضرورت کے مطابق لکڑی لے لیں۔

کسانوں کی بغاوت کے متعلق لوتھر کا ردعمل سراسر قدامت پسندانہ تھا۔ کسانوں کے لیڈروں نے بائبل سے جو جو چیزیں نکالیں' ان سے وہ سخت خوفزدہ ہوا۔ اس نے بائبل کا ترجمہ جرمن زبان میں صرف اس لئے کیا تھا کہ لوگ اسے پڑھ سکیں۔ وہ کسانوں کا مخالف بن گیا' انھیں برا بھلا کہتا رہا اور کیتھولک کی خرابیوں کے خلاف اس نے جو کچھ کہا تھا' کسانوں کے خلاف اس سے بھی زیادہ کہتا رہا۔ اس وقت سے وہ قطعی طور پر حکمرانوں کے ساتھ ہو گیا اور جو کلیسا اس نے قائم کیا' اس میں بھی سول حکام کے لئے احترام لازم تھا۔ دوستانہ گفتگو میں اس نے کہا: "دنیا کے حکمران دیوتا ہیں اور عام لوگ شیطان ہیں۔"

مجلسی اور سیاسی معاملات کے متعلق لوتھر کے قدامت پسندانہ نظریات سے دو نتیجے برآمد ہوئے اول بادشاہوں اور امیروں نے اس کی زیادہ سے زیادہ حمایت شروع کر دی۔ سولھویں صدی کے وسط تک لوتھرازم شمالی جرمنی کی زیادہ تر ریاستوں' نیز سکنڈے نیویائی مملکتوں یعنی سویڈن اور ڈنمارک' نیز ڈینوکی ریاست ناروے کا سرکاری' مذہب بن گئی۔ سکندرے نیویائی تاجدار دینوی اسباب کی بنا پر اصلاح کنیسہ کی طرف بالتخصیص لچکے چلے آئے' کیوں کہ اس طرح انھیں سرکش بشپوں پر قابو پانے کا موقع مل گیا اور خانقاہی جاگیریں اور دولت انھوں نے ضبط کر لی۔ دوسری وجہ ہرگز تعجب انگیز نہیں' یعنی کسانوں کی بغاوت کے بعد پروٹسٹنٹ تحریک نے عوامی فائدے کے لئے کچھ کرنے کا سلسلہ دوسرے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا۔

---

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 5

تحریک اصلاح کلیسا-- زونگلی، کیلون

(ZWINGI, etc-)

بہت سی چیزیں جو لوتھر کے لئے باعث تکلیف تھیں جرمنی، فرانس، انگلستان اور دوسرے مقامات کے بہت سے لوگوں کے لئے بھی تشویش کا سامان بنی رہی تھیں۔ مشہو ہیومانسٹ ایرسمس، انگریز ٹامس مور (یوٹوپیا کا مصنف) فرانسیسی لیفیرے داتا پلیز اور بہت سے دوسرے کلیسیا کی خرابیوں اور دنیاداریوں، نیز کلامیت کی حد سے بڑھی ہوئی پیچیدگیوں سے سخت متنفر تھے۔ وہ اپنی تحریر و تقریر میں کوششیں کرتے رہے کہ کسی طرح مسیحیت کی پرانی انجیلی روح تازہ ہو جائے اور ہم ایمان کے بہتر و ابتدائی دور کی طرف لوٹ جائیں، جس سے منحرف ہو چکے تھے۔ ان میں سے بہت سے مصلحین چاہتے تھے کہ کیتھولک کلیسا کی اصلاح اندر سے کی جائے۔ لوتھر نے بغاوت کی تو وہ متحیر رہ گئے، جو تحریک اس نے جاری کر دی تھی، یہ لوگ اسے دائرہ اعتدال پر لانے کے لئے کوشاں رہے، لیکن ایسے لوگ بھی تھے، جو لوتھر سے کہیں بڑھ کر زیادہ مکمل انقطاع کے لئے کوشاں تھے۔ پروٹسٹنٹ کے ان دوسرے بانیوں میں سے بہ لحاظ وقت پہلا درجہ زونگلی کا ہے اور بہ لحاظ اہمیت کیلون کو سبقت حاصل ہے۔

زونگلی : الرچ زونگلی (1484ء - 1530ء) لوتھر کا ہمعصر ایک جرمن تھا۔ اس نے سوئزرلینڈ میں خاموشی سے اصلاح کا کام شروع کیا۔ وہ کوئی بڑا کلیسا تو قائم نہ کر سکا، لیکن پروٹسٹنٹ ازم کے بعض بنیادی دینی اور اخلاقی تصورات کو وسعت دے دی اور زیادہ تقویت پہنچائی۔ زونگلی ایک فاضل ہیومانسٹ تھا، جس نے ایرسمس کی روایت کے مطابق تربیت پائی تھی۔ لوتھر کی طرح اس کی غرض وغایت بھی یہ تھی کہ قدیم مسیحیت کی بگڑی ہوئی شکل کو تباہ کر دے، جس نے پادریوں کو ایک مقدس ذریعہ بنا دیا تھا، بلکہ اس معجزنما قوت میں حصہ دار بنا دیا تھا جو عام آدمیوں کو [illegible] نہ تھی، لیکن جہاں سچے ایمان والے پادریوں کے سلسلے میں جذباتی لوتھر غلطی کا شکار ہو گیا، وہاں ہیومانسٹ زونگلی کو یہ نظر آیا کہ افراد بھی وہی درجہ حاصل کر سکتے ہیں، جو استباز زندگی کو تقویت پہنچائے گا۔ اس سلسلے میں ضبط و نظم ان لوگوں کے ضمیر سے اٹھے گا، جو روشن خیال ہوں گے، پادریوں کے چنگل سے نجات حاصل کر لیں گے اور حلقوں کے پادری ان کی رہنمائی کریں گے۔

زونگلی خدا کا معتقد اور مسیحی مذہب کی معجز نما ابتدا کا قائل تھا، لیکن وہ اس چیز پر اعتماد نہیں رکھتا تھا، جسے اکثر پروٹسٹنٹ کیتھولکوں کی مسلسل اوہام پروری محسوس کرتے ہیں، یعنی بزرگوں پر اعتماد، بتوں، خوشبوؤں، روشنیوں کا استعمال اور معافی ناموں کا اجرا۔ زونگلی نے کہا کہ گرجوں کی عمارتیں بالکل سادہ ہونی چاہئیں۔ وہ تمام دعائیں منسوخ کر دی جائیں، جو کیتھولک پڑھتے ہیں۔ اس کی جگہ نماز میں وعظ اور صحیفوں کی قرات ہونی چاہئے۔ اس طرح وہ پیوریٹنوں کی سادگی پر پہنچ گیا، جسے بعد میں کیلون کے پیروؤں نے اختیار کیا۔

زونگلی کی روش کے متعلق ایک اچھی مثبت مثال عشاء ربانی کے عقیدے میں ملتی ہے۔ کیتھولکوں کے ہاں عقیدہ تبدیلی جوہر و مادہ ہے، جس کے مطابق پادری کی معجزنما قوت سے روٹی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور شراب بدل کر مسیح کا خون اور جسم بن جاتی ہیں۔ اگرچہ ان کے ظاہری اجزا کیمیا یا عقل سلیم کے اعتبار سے روٹی اور شراب ہی کے رہتے ہیں۔ لوتھر نے معجزنما پہلو کو کا ملا حذف کر دینے سے شدت کے ساتھ انکار کیا' اور وہ اس عقیدے سے چمٹا رہا' جسے عینیت مسیح کا عقیدہ کہتے ہیں۔ زونگلی نے وہ عقیدہ اختیار کیا' جو آج کل عام پروٹسٹنٹوں کا عقیدہ ہے' یعنی ہم مل کر روٹی کھاتے اور شراب پیتے ہیں تو دراصل اس عشاء ربانی کی یاد تازہ کرتے ہیں' جو مسیح اور ان کے حواریوں نے کھائی تھی' لیکن یہ چیز ایک علامتی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم زمین پر صرف مسیح کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

کیلون : زونگلی نے سوئزرلینڈ کے ان حصوں کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا جو جرمن زبان بولتے تھے' لیکن سوئزرلینڈ کا آزاد فرانسیسی شہر جنیوا جین کا ون (1509ء - 1564ء) کے زیر اثر آگیا' جو فرانس میں پیدا ہوا اور اپنے نام کی لاطینی شکل یعنی کیلون میں زیادہ مشہور ہے۔ کیلون کی سرکردگی میں پروٹسٹنٹ تحریک ایک مذہب اور طریق زندگی بن گئی جو محض جرمن بنیادوں تک محدود نہ رہی بلکہ اس نے یورپی بنیادیں اختیار کر لیں۔ مورخین کو یہ طریقہ زیادہ مفید معلوم ہوا کہ کیلونزم کو پروٹسٹنٹ عقائد میں مرکزی درجہ دیں۔ جرمنی اور سکنڈے نیویا کے لوتھری کلیسا اور انگلستان کے اینگلیکی کلیسا عقیدہ وہی رہے' جسے ہم کیلونزم کا دایاں بازو قرار دے سکتے ہیں۔ انگلستان' ممالک زیریں اور جرمنی میں انتہا پسند فرقے پیدا ہو گئے' مثلاً انا بپٹسٹ' جن کا ذکر ہم بھی کریں گے' یہ کیلونزم کا بایاں بازو تھے۔

کیلون نے مسیحی مذہب کے اصول کے متعلق جو کتاب 1536ء میں شائع کی' اس سے پروٹسٹنٹ ازم کی اصولی بنیادیں مستحکم ہو گئیں اور زونگلی کی طرح کیلون کا کلیسا بھی کیتھولک رسموں ریتوں سے بالکل الگ ہو گیا۔ کیلون کے نظام میں ایک منطقی قوت اور کاملیت موجود تھی' جس نے لوگوں میں یقین کی روح پیدا کی۔ پھر اس نے ایک مرکز میں بیٹھ کر کام کیا' یعنی وہ شہر (جنیوا) جو پروٹسٹنٹوں کے لئے روما کا درجہ حاصل کرنے والا تھا۔ 1538ء میں اسے وہاں سے مسترد ہو کر نکلنا پڑا لیکن 1541ء میں وہ پھر لوٹ آیا' تاکہ اس شہر خدا کو صحیح اصول پر منظم کرے۔ جنیوا میں یورپ کے بہت سے حصوں سے پناہ گیر پروٹسٹنٹ آنے لگے' جہاں کیلون کے اصول مذہب سیکھتے اور بعض اوقات جانیں خطرے میں ڈال کر واپس چلے جاتے تاکہ اپنے ملکوں میں اس کے مواعظ پھیلائیں۔ ایک یا دو پشتوں کے اندر اندر کیلونزم سکاٹ لینڈ میں پھیل گئی' جہاں اس کا بڑا داعی اور منظم جان ناکس تھا۔ انگلینڈ بھی پہنچی' جہاں سے پلا ٹینٹھ (نیوانگلینڈ) گئی۔ ہنگری اور پولینڈ بھی اس سے غیر متاثر نہ رہے۔

ممالک زیریں کے اندر کیلونزم کی گرفت سولھویں صدی میں صرف شمالی حصوں تک محدود تھی' جنھیں بعض اوقات غلطی سے ہالینڈ کہتے ہیں (ہالینڈ یقیناً" شمالی صوبوں میں سب سے بڑھ کر دولت مند اور زیادہ سے زیادہ آباد علاقہ تھا' جو آج کل ممالک زیریں کی بادشاہی میں شامل ہے) ان ممالک کے جنوبی حصے میں (جسے آج کل بلجیم کہتے ہیں) پروٹسٹنٹ ازم کی تحریک کا اثر کم تھا' اگرچہ بعض شہر خصوصاً" اینٹورپ ایک قوت میں پروٹسٹنٹ ازم کے مرکز تھے۔ ممالک زیریں (شمالی و جنوبی دونوں) چارلس پنجم کی اس میراث کا حصہ تھے' جو اسے برگنڈی سے ملی تھی اور یہ ممالک اس کے جانشین فلپ ثانی کو مل گئے' جو سخت اور سرگرم کیتھولک تھا۔ فلپ نے شمالی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور شراب بدل کر مسیح کا خون اور جسم بن جاتی ہیں۔ اگرچہ ان کے ظاہری اجزا کیمیا یا عقل سلیم کے اعتبار سے روٹی اور شراب ہی کے رہتے ہیں۔ لوتھر نے معجزنما پہلو کو کا ملا حذف کر دینے سے شدت کے ساتھ انکار کیا' اور وہ اس عقیدے سے چمٹا رہا' جسے عینیت مسیح کا عقیدہ کہتے ہیں۔ زونگلی نے وہ عقیدہ اختیار کیا' جو آج کل عام پروٹسٹنٹوں کا عقیدہ ہے' یعنی ہم مل کر روٹی کھاتے اور شراب پیتے ہیں تو دراصل اس عشاء ربانی کی یاد تازہ کرتے ہیں' جو مسیح اور ان کے حواریوں نے کھائی تھی' لیکن یہ چیز ایک علامتی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم زمین پر صرف مسیح کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

کیلون : زونگلی نے سوئزرلینڈ کے ان حصوں کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا جو جرمن زبان بولتے تھے' لیکن سوئزرلینڈ کا آزاد فرانسیسی شہر جنیوا جین کا ون (1509ء - 1564ء) کے زیر اثر آگیا' جو فرانس میں پیدا ہوا اور اپنے نام کی لاطینی شکل یعنی کیلون میں زیادہ مشہور ہے۔ کیلون کی سرکردگی میں پروٹسٹنٹ تحریک ایک مذہب اور طریق زندگی بن گئی جو محض جرمن بنیادوں تک محدود نہ رہی بلکہ اس نے یورپی بنیادیں اختیار کر لیں۔ مورخین کو یہ طریقہ زیادہ مفید معلوم ہوا کہ کیلونزم کو پروٹسٹنٹ عقائد میں مرکزی درجہ دیں۔ جرمنی اور سکنڈے نیویا کے لوتھری کلیسا اور انگلستان کے اینگلیکی کلیسا عقیدہ وہی رہے' جسے ہم کیلونزم کا دایاں بازو قرار دے سکتے ہیں۔ انگلستان' ممالک زیریں اور جرمنی میں انتہا پسند فرقے پیدا ہو گئے' مثلاً اناباپٹسٹ' جن کا ذکر ہم بھی کریں گے' یہ کیلونزم کا بایاں بازو تھے۔

کیلون نے مسیحی مذہب کے اصول کے متعلق جو کتاب 1536ء میں شائع کی' اس سے پروٹسٹنٹ ازم کی اصولی بنیادیں مستحکم ہو گئیں اور زونگلی کی طرح کیلون کا کلیسا بھی کیتھولک رسموں ریتوں سے بالکل الگ ہو گیا۔ کیلون کے نظام میں ایک منطقی قوت اور کاملیت موجود تھی' جس نے لوگوں میں یقین کی روح پیدا کی۔ پھر اس نے ایک مرکز میں بیٹھ کر کام کیا' یعنی وہ شہر (جنیوا) جو پروٹسٹنٹوں کے لئے رومہ کا درجہ حاصل کرنے والا تھا۔ 1538ء میں اسے وہاں سے مسترد ہو کر نکلنا پڑا لیکن 1541ء میں وہ پھر لوٹ آیا' تاکہ اس شہر خدا کو صحیح اصول پر منظم کرے۔ جنیوا میں یورپ کے بہت سے حصوں سے پناہ گیر پروٹسٹنٹ آنے لگے' جہاں کیلون کے اصول مذہب سیکھتے اور بعض اوقات جانیں خطرے میں ڈال کر واپس چلے جاتے تاکہ اپنے ملکوں میں اس کے مواعظ پھیلائیں۔ ایک یا دو پشتوں کے اندر اندر کیلونزم سکاٹ لینڈ میں پھیل گئی' جہاں اس کا بڑا داعی اور منظم جان ناکس تھا۔ انگلینڈ بھی پہنچی' جہاں سے پلا ٹینٹھ (نیوانگلینڈ) گئی۔ ہنگری اور پولینڈ بھی اس سے غیر متاثر نہ رہے۔

ممالک زیریں کے اندر کیلونزم کی گرفت سولھویں صدی میں صرف شمالی حصوں تک محدود تھی' جنھیں بعض اوقات غلطی سے ہالینڈ کہتے ہیں (ہالینڈ یقیناً" شمالی صوبوں میں سب سے بڑھ کر دولت مند اور زیادہ سے زیادہ آباد علاقہ تھا' جو آج کل ممالک زیریں کی بادشاہی میں شامل ہے) ان ممالک کے جنوبی حصے میں (جسے آج کل بلجیم کہتے ہیں) پروٹسٹنٹ ازم کی تحریک کا اثر کم تھا' اگرچہ بعض شہر خصوصاً" اینٹورپ ایک قوت میں پروٹسٹنٹ ازم کے مرکز تھے۔ ممالک زیریں (شمالی و جنوبی دونوں) چارلس پنجم کی اس میراث کا حصہ تھے' جو اسے برگنڈی سے ملی تھی اور یہ ممالک اس کے جانشین فلپ ثانی کو مل گئے' جو سخت اور سرگرم کیتھولک تھا۔ فلپ نے شمالی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصوں میں پروٹسٹنٹ ازم کو دبانا چاہا تو ولندیزوں کی حب وطن اور پروٹسٹنٹ عقیدہ دونوں مل کر ایک سخت اور محکم مرکب بن گئے۔

فرانس ـــــ جہاں علم دوست طبقے مدت سے غوروفکر کے عادی چلے آتے تھے اور فرانسیسیوں کے متعلق عام رائے کے مطابق خوش باش اور غیر ذمہ دار نہ تھے ـــــ کیتھولک کلیسا کی دنیاداری کے متعلق تشویش بہت سخت تھی۔ جین جرسن ـــــ کلیسا مجلسوں کی تحریک کا ایک لیڈر ـــــ سے لیفیر دا اتا پلیز تک فرانسیسی اصلاح کے طریقوں پر غوروفکر کرتے رہے۔ کیلون کے افکار اکثر فرانسیسیوں نے قبول کر لئے اور وہاں جلد منظم پروٹسٹنٹ کلیسا بن گئے۔ پروٹسٹنٹوں کو وہاں ہیوجی ناٹ کہتے تھے' خصوصاً" جنوبی و مغربی فرانس میں' لیکن فرانس میں تمام اختیارات کا مالک بادشاہ تھا اور شاہ فرانس اول (1515ء - 1547ء) جرمن حکمرانوں کی طرح رومہ کے خلاف کوئی فتنہ پیدا کرنے کے لئے مضطرب نہ تھا۔ 1516ء میں اس نے پوپ کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کئے' جو میثاق بولونا کہلاتا ہے۔ اس کے مطابق بادشاہ کو فرانسیسی کلیسا پر زیادہ اختیارات حاصل ہو گئے۔ سولھویں صدی کے وسط میں صرف چند علم دوست آدمی موجود تھے' جو ایک سیاسی وحدت کے شہریوں یا رعایا کے درمیان مختلف مذہبی عقیدوں کا تصور کرتے تھے۔ فرانس میں پروٹسٹنٹ ازم کو سخت جدوجہد سے گزرنا پڑا۔ مقصود محض رواداری نہ تھا' مقصود یہ تھا کہ کیتھولزم کی جگہ پروٹسٹنٹ ازم فرانسیسوں کا قائم شدہ مذہب بن جاتی۔ یہ کوشش ناکام رہی۔ لیکن اس سلسلے میں بڑی فرانسیسی جنگیں لڑنی پڑیں اور پروٹسٹنٹ ازم فرانسیسی ضمیر پر اپنی چھاپ چھوڑ گئی۔

تحریک اصلاح انگلستان میں : سولھویں صدی میں جرمنی سے باہر پہلی بڑی مذہبی کایا پلٹ' انگلستان میں ہوئی۔ انگلستان میں تحریک اصلاح کینسہ لوتھر کے پچانوے نکات والے مرقع سے خاصی جداگانہ حیثیت رکھتی تھی۔ ہنری ہشتم (1509ء - 1547ء) شاہ انگلستان چاہتا تھا کہ اپنی بیوی کیتھرائن (شہزادی) ایراگان) کو الگ کر دے کیوں کہ اس سے نرینہ اولاد نہیں ہوئی تھی اور اپنے دربار کی ایک خاتون این بولین سے شادی کر لے۔ اور اس کا عذر تھا کہ کیتھرائن میرے بڑے اور متوفی بھائی آرتھر سے بیاہی گئی تھی اور بھائی کی بیوہ سے شادی مسیحی قانون کے مطابق جائز نہیں لیکن اس کا یہ دعوی قطعاً" کبھی نہ تھا' کیوں کہ تقریباً" بیس سال کے بعد اسے اس ممانعت کا علم ہوا۔ مزید برآں کیتھرائن شاہنشاہ چارلس پنجم کی پھوپھی تھیں اور پوپ ہنری کے ساتھ کیتھرائن کی شادی منسوخ کر کے شاہنشاہ کی ناراضی کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھا تاہم ہنری اپنے وزیر کارڈینل ولزے کے ذریعے سے بڑی کوشش کی اور جب وہ ناکام رہا تو اسے وزارت سے برطرف کر دیا۔ پھر ہنری نے انگلستان اور براعظم کے اہل علم سے رائے لی اور چند موافق جواب حاصل کر لئے۔ آخر این بولین سے شادی کر لی اور کنٹربری کے آرچ بشپ کرنمر نے' جسے ہنری نے کچھ ہی عرصہ پہلے مقرر کیا تھا' ہنری اور کیتھرائن کی طلاق کا اعلان کر دیا۔ پوپ نے ہنری کو دائرہ مذہب سے خارج کر دیا اور طلاق کو ناجائز قرار دیا۔ اس کے جواب میں ہنری نے 1534ء میں قانون برتری منظم کر لیا' جن کے مطابق بادشاہ کو کلیسائے انگلستان کا رئیس برتر قرار دیا گیا تھا۔

ہنری ہشتم کی نجی زندگی کے علاوہ بھی کچھ چیزیں انگلستان کی تحریک اصلاح کینسہ میں شامل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھیں۔ ہنری پارلیمنٹ سے قانون برتری اور پروٹسٹنٹ مذہب کے متعلق دوسرے قوانین کی منظوری حاصل نہیں کر سکتا تھا اگر انگریزوں کے خاصے بڑے گروہ کی رائے دوسرے قطع تعلق کے حق میں نہ ہوتی' خصوصاً" خوش حال اور معتدبہ طبقہء اوسط کی رائے۔ انگریزی قوم پروری میں پاپائیت کے خلاف جذبہ مدت سے موجود تھا۔ اسی جذبے کا نتیجہ تھا کہ ایڈورڈ سوم نے چودھویں صدی میں خاص قانون بنائے' جن کے مطابق کلیسائے انگلستان کے معاملات میں پوپ کی مداخلت کو محدود کر دیا گیا۔ پادریوں کی مخالفت وکلف کے زمانے سے چلی آتی تھی۔ ہنری ہشتم کے زمانے میں یہ جذبہ خانقاہوں کے خلاف بروے کار آیا۔ جو اس وقت بھی وسیع اراضی کی مالک تھیں اور ازمنہء وسطیٰ کے بعد سے ان کی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ بہت سے انگریزوں کے نزدیک خانقاہیں اصل مقصد ختم کر چکی تھیں اور ان میں اصلاح کی ضرورت تھی یا کہنا چاہئے کہ انھیں ختم کر دینا چاہئے تھا۔ مزید برآں لوتھر اور براعظم کے دوسرے پروٹسٹنٹوں کے افکار کے لئے انگلستان میں جلد ہمدردی کی فضا پیدا ہو گئی۔ بہت سے انگریز اہل علم براعظم کے مصلحین سے ربط ضبط رکھتے تھے' ان میں سے ایک یعنی ٹنڈل نے لوتھر کے ساتھ تعلیم پائی تھی اور 1526ء میں اس نے بائبل کے عہد نامہ جدید کا ترجمہ انگریزی میں کر دیا۔

ہنری ہشتم نے قانون برتری کے علاوہ اور تدبیروں کی بھی سرپرستی کی' جو انگلستان کے پروٹسٹنٹوں کے نزدیک پسندیدہ تھیں۔ ان میں اہم ترین تدبیر یہ تھی کہ خانقاہیں بند کر دیں ان کی جائدادیں ضبط کر لیں۔ اس طرح جو کچھ ہاتھ آیا وہ امرا اور دیہاتی شرفا میں تقسیم کر دیا۔ یوں ذی اثر افراد خود ہنری اور اس کے قانون کے ممنون ہوئے۔ نیز اس مسلک سے زمیندار امرا کی دولت میں اضافہ ہوا جسے مجلسی اور اقتصادی انقلاب سمجھنا چاہئے۔ ایک اور مثال ہے' جس سے واضح ہوتا ہے کہ تحریک اصلاح کنیسہ میں مذہب اور دنیاداری کتنے ایک دوسرے کے قریب تھے۔

تاہم ہنری ہشتم اپنے آپ کو پروٹسٹنٹ نہیں سمجھتا تھا۔ قانون برتری کے مطابق اس نے جس کلیسا کی بنیاد رکھی۔ وہ اس کی نگاہوں میں ایک کیتھولک کلیسا تھا اور آج اس کلیسا سے تعلق رکھنے والے بعض افراد اسے کیتھولک ہی سمجھتے ہیں۔ ہنری کو امید تھی کہ کیتھولک عقائد و رسوم قائم رہیں گے۔ صرف اتنا ہو گا کہ خانقاہیں ختم ہو جائیں گی اور پوپ کلیسائے انگلستان کا رئیس نہیں رہے گا۔ اس مسلک کے خلاف بعض لوگوں نے آواز اٹھائی۔ مخالفین کا ایک حصہ رومن کیتھولک تھا' کیوں کہ بعض انگریز رومہ سے تعلق قطع کر لینے پر سخت ناراض تھے اور مخالفین میں سے زیادہ تر افراد پرجوش اور جنگجو پروٹسٹنٹ تھے۔ جونہی ہنری نے رومہ سے قطع تعلق کا اشارہ کیا نئے کلیسائے انگلستان میں پروٹسٹنٹ اصلاحات کا مطالبہ شروع ہو گیا مثلاً" پادریوں کو شادی کی اجازت دی جائے۔ دعا و رسوم میں لاطینی کے بجائے انگریزی استعمال کی جائے۔ اعتراف گناہ کا سلسلہ ختم کیا جائے۔ بزرگان دین کے ذریعے سے التجائیں منسوخ کر دی جائیں۔

ہنری نے کیتھولک مخالفوں کے خلاف قوت استعمال کی اور بعض ممتاز آدمیوں کو موت کی سزا دے دی۔ ان میں سے ٹامس مور بطور خاص قابل ذکر ہے۔ پھر اس نے پروٹسٹنٹ میل کی روک تھام کے لئے پارلیمنٹ سے اپیل کی' جس کے بیشتر ممبر کیتھولک کلیساؤں کی لوٹ مار سے دولت مند بن چکے تھے۔ 1539ء میں پارلیمنٹ نے چھ دفعات کا ایک قانون منظور کیا' جس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق تبدیل جسم و جوہر کے عقیدے پادریوں کے تجرد' اعتراف گناہ اور دوسری کیتھولک رسموں کی ازسرنو جماعت کی گئی تھی اور ان میں سے کسی ایک کے انکار کو الحاد قرار دیا گیا تھا۔ اس تعریف یا کسی بھی ممکن تعریف کے مطابق بہت بڑی تعداد ملحدوں کی ثابت ہوئی تھی' جنھیں دبانا ممکن نہ تھا۔ محب وطن انگریز رومہ اس کی ہر چیز کے خلاف تھے۔ 1546ء میں ایک انگریز نے براعظم کے ایک پروٹسٹنٹ کو لکھتے ہوئے غیر معتدل زبان کیتھولزم کے خلاف انتہا پسند انگریزوں کا جنگجویانہ مسلک پیش کیا:

"میرے پیارے آقا! انگلستان کی خبروں کے متعلق ایک مختصر سا مرقع حاضر ہے۔ جس حد تک سچے مذہب کا تعلق ہے' بت پرستی کہیں گرمجوشی کی حالت میں نہیں مل سکتی۔ ہمارے بادشاہ نے پوپ کو تباہ کر دیا' مگر پاپائیت باقی ہے۔ اس نے راہبوں اور راہباؤں کو نکال دیا۔ خانقاہیں ڈھا دیں' تمام املاک پر قبضہ کر لیا اور وہ سرکاری خزانے میں منتقل ہو گئیں۔ تاہم بادشاہ نے حکم دے رکھا ہے کہ وہ لوگ خصوصا کمزور طبقہ نسواں تجرد کی زندگی بسر کریں۔ انگلستان میں اس وقت کم از کم دس ہزار راہبائیں ہوں گی' ان میں سے کسی کو بھی شادی کی اجازت نہیں۔ عام دعا' جس میں پرہیز گاری کا کوئی پہلو نہیں' پادریوں کا نہایت شرمناک تجرد بزرگان دین سے التجائیں' اعتراف گناہ گوشت سے وہم پرستانہ احتراز اور اعراف ایسی چیزیں ہیں' جن کا احترام اس پیمانے پر کبھی نہیں کیا گیا جتنا اب کیا جاتا ہے۔"

اس وقت سے انگلستان مذہبی اور تجربیت کا ایک بڑا مرکز بن گیا' لیکن یہ سب کچھ زیادہ تر (سب نہیں) پر امن طریق پر عمل میں آیا۔ کلیسائے انگلستان اصلا ہنری کے ارادے سے زیادہ پروٹسٹنٹ تھا۔ یہ متذبذب آرتھوڈکسی کا مرکزی قومی نقطہ بن گیا۔

اناپیٹسٹ : پروٹسٹنٹ مبادی کے اس جائزے میں ایک بڑا معاملہ رہ گیا۔ لوتھری اور انگلیکی کلیساؤں یا کیلون کی تعلیمات کے مقابلے میں مجلسی اور ذہنی اعتبار سے کم معزز وہ انتہا پسند گروہ تھے' جنھیں پروٹسٹنٹ انقلاب کا بایاں بازو سمجھنا چاہئے۔ سولھویں صدی میں یہ فرقے سرسری حیثیت سے "اناپیٹسٹ" کہلاتے تھے۔ یہ ایک یونانی لفظ ہے' جس کے معنی ہیں پھر سے بپتسمہ لینے والے۔ زونگلی کے پیروؤں میں سے بعض کا عقیدہ یہ ہو گیا تھا کہ کیتھولکوں میں بچے کو بپتسمہ دینے کا جو طریقہ رائج ہے' اس کے لئے کوئی سند موجود نہیں' کیوں کہ بچے کے لئے کوئی عقیدہ رکھنا یا سمجھنا بالکل ممکن نہیں۔ یہاں پھر لوتھر کا وہی بنیادی اصول سامنے آجاتا ہے کہ ایمان خدا اور انسان کے درمیان ایک براہ راست تعلق کا نام ہے۔ اناپیٹسٹوں کے نزدیک' ایمان کا مطلب ہے کہ ایمان رکھنے والا شخص خدا کے ساتھ تعلق کو معمول طریق پر سمجھتا ہو' لہٰذا ان لوگوں کا طریقہ یہ ہو گیا تھا کہ جب کوئی شخص بالغ ہو کر کہتا میں منتخب افراد میں شامل ہونا چاہتا ہوں تو اسے دوبارہ بپتسمہ دیا جاتا۔ بعد میں یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ بالغ ہونے تک بپتسمہ دیا ہی نہ جاتا۔ چنانچہ اناپیٹسٹ میں اناکا سابقہ حذف کر دیا گیا اور صرف پیٹسٹ رہ گیا' جو ہمارے زمانے تک قائم ہے۔

جب جبر و تشدد شروع ہوا اور بائبل کا نجی مطالعہ عام ہو گیا تو اناپیٹسٹوں میں بھی تفرقہ پڑ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا۔ بعض کیتھولک مبصروں کی رائے ہے کہ پروٹسٹنٹوں میں جو زیادہ فرقے پیدا ہوئے وہ دراصل بائبل میں سے ان چیزوں کے لئے سندوں تلاش کرنے کا نتیجہ تھے، جو انھیں کیتھولکوں کے عام عقائد نہیں ملتی تھیں۔ مورخ کے نقطۂ نگاہ سے بائبل یہودیوں کی چند ہزار سالہ تاریخ کا ایک پر پیچ مرقع ہے اور اس میں گوناگوں مذہبی تجربات ملتے ہیں۔ خصوصاً" عہد نامہ قدیم کی وہ کتابیں، جن کی حیثیت امام و مکاشفات کی ہے یا عہد نامہ جدید میں یوحنا عارف کا مکاشفہ ایسی عبادتوں سے لبریز ہیں، جنھیں تخیل کوئی بھی شکل دے سکتا ہے۔ ان نئے فرقوں کے بہت سے لیڈر ان پڑھ تھے اور انھیں قائم شدہ نظام سے اختلاف تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ بہشت کو جلد سے جلد زمین پر لے آئیں۔

تحریک اصلاح کنیسہ نے ابتدائی دور میں جو مظاہرے کئے، ان سے قدامت پروروں اور اعتدال پسندوں کو سخت صدمہ ہوا۔ مثلاً" یہی کیفیت جرمن کسانوں کی بغاوت کی تھی۔ اس بغاوت میں بھی انتہا پسندانہ مذہبی افکار نے خاصا حصہ لیا تھا۔ 1535ء کے آس پاس انا بپٹسٹوں کے ایک گروہ نے جان نام ایک ولندیزی درزی ساکن لیڈن کی سرکردگی میں جرمنی کے شہر منسٹر پر قبضہ کر لیا اور ایک بائبلی یوٹوپیا (مثالی نظام) کی بنیاد رکھ دی۔ انھیں قوت سے دبایا گیا۔ ان کے لیڈروں کو موت کی سزا دی گئی اور عام لوگوں کو منتشر کر دیا گیا۔ ان کے متعلق زیادہ تر معلومات مخالفوں کی بہم پہنچائی ہوئی ہیں، جنھوں نے ان کے عقائد اعمال کے متعلق یقیناً" مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہو گا۔ تاہم تحریفات کے لئے گنجائش چھوڑتے ہوئے بھی معلوم ہوتا ہے کہ منسٹر کے انا بپٹسٹوں نے جو طور طریقے اختیار کئے تھے، وہ ایسے نہ تھے کہ مغربی یورپ کی روایت کسی بڑے گروہ میں انھیں برداشت کر سکتیں۔ مثلاً" انھوں نے ایمان کے متعلق لوتھر کے اصول کو منطقی انتہا پر پہنچا دیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ انارکی پیدا ہو جائے یا مذہبی اصطلاح کے مطابق کوئی قائدہ قانون باقی نہ رہے۔ ہر شخص اپنا قانون آپ تھا یا یوں کہئے کہ خدا کا عالمی قانون کسی صحیفے یا روایت میں نہیں۔ بلکہ انسان کے ضمیر میں تلاش کرنا چاہئے تھا۔ یہ لوگ طبقاتی امتیازات یا نجی املاک کے حامل تھا۔

انا بپٹسٹوں کی بہت بڑی اکثریت اہل منسٹر کی شرح جنونی نہ تھی۔ ایسے گروہ بھی تھے، جو مسیحی زندگی کو زمین پر زیادہ پر امن اور تعمیری حیثیت دینا چاہتے تھے۔ انھوں نے جا بہ جا جمعیتیں بنا لیں، جو اسی طرح زندگی بسر کرتیں، جس طریق پر ان کے نزدیک ابتدائی دور کے مسیحی بسر کرتے تھے، یعنی وہ برداری کی شکل اختیار کر لیتے، مل کر کام کرتے، مل کر مزدوری بانٹ لیتے اور مل کر نماز و دعا میں مشغول ہوتے۔ یہ جمعیتیں بھی خانقاہوں کے مشابہ تھیں، اگرچہ ان کے ارکان نے کوئی حلف نہیں اٹھایا تھا اور وہ تجرد کے پابند نہ تھے۔ آگے چل کر معلوم ہو گا کہ انا بپٹسٹوں کے بعض افکار مثلاً" رضا بالقضا، درویشی اور برادری کا اعلیٰ احساس پروٹسٹنٹ روایات میں مستقل حیثیت اختیار کر گئے، لیکن سولھویں صدی میں انا بپٹسٹوں کی اس سنجیدہ اکثریت پر بھی ظلم و ستم توڑے گئے تاہم ان کی روحیں آج مختلف گروہوں کی شکل میں زندہ ہیں، مثلاً" مینیسٹ، کویکر، کینیڈا کے ہٹرنی، پنسلوینیا کے مینونی اور ایمش، جو پنسلوینیا کی پرانی ولندیزی زبان استعمال کرتے ہیں۔

وحدت پسندی : انا بپٹسزم سے ملتی جلتی ایک اور تحریک پروٹسٹنٹوں میں پیدا ہوئی یعنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وحدت پسندی۔ یہ لوگ تثلیث کے مخالف تھے اور مسیح ہی کو خدا مانتے تھے۔ آج وحدت پسندی کا یہ عقیدہ زیادہ تر اٹھارھویں صدی کے عقلیت پسندوں کی تنویر کا کرشمہ ہے۔ سولھویں صدی میں اس عقیدے کی حیثیت بالکل مختلف تھی اور اس میں متصوفانہ رنگ غالب تھا۔ اس کا سب سے بڑا مشہور وکیل ہسپانیہ کا طبیب سرویٹس (1511ء - 1553ء) تھا' جس کا عقیدہ یہ تھا کہ اگرچہ مسیح کو دوام حاصل نہ ہوا تاہم وہ خدا کا بیٹا تھا۔ اس تصور نے مسیح کو انسان سے قریب تر کر دیا' لیکن خدا سے خاصا دور کر دیا۔ اس طرح سرویٹس کو امید تھی کہ مسیح کے متعلق اس متصوفانہ تصور کا قبول کر لینا انسانوں کے لئے سہل ہو گا اور وہ نجات حاصل کر سکیں گے۔

اس متصوفانہ وحدت پسندی پر کیتھولک ہی نہیں' پروٹسٹنٹ بھی خاصے چوکنے ہوئے۔ آخر سرویٹس کے خلاف خود کیلون نے جنیوا میں الحاد کا مقدمہ قائم کیا اور 1553ء میں اسے جلا دیا گیا۔ سرویٹس کے عقائد نے ایک اور وحدت پسند سوسینس (اطالوی زبان میں سوزینی' 1539ء - 1604ء) کی تعلیمات پر اثر ڈالا۔ یہ اطالوی داعی مذہب بہت سفر کرتا رہا اور اس نے مشرقی یورپ میں خاصے پیرو پیدا کر لئے۔ خصوصاً" پولینڈ' ہنگری' ٹرانسلوینیا میں۔ کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں دونوں نے سوزینیوں پر بڑے ظلم و ستم کئے' مگر انھیں دبایا نہ جا سکا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 6

اصلاح کیتھولک ازم
(CATHOLICISM REFORMED)

پروٹسٹنٹوں نے اصلاح کلیسا کی صدا بلند کی تو ابتدائی دور کے کیتھولکوں کا زور اس امر پر تھا کہ باغیوں کو دبایا جائے۔ لوتھر کے متعلق پاپاؤں کی پالیسی بنیادی طور پر یہی تھی' تاہم پروٹسٹنٹوں نے جن خرابیوں کو ہدف اعتراض بنایا تھا۔ ان کی اصلاح کے لئے بھی کیتھولک ہیومانسٹوں اور اعتدال پسندوں نے کوشش کی اور یہ کوشش بے نتیجہ نہ رہی۔ مدت تک کیتھولک کلیسا اپنی روحانی اور مادی قوتوں سے کام لے کر داخلی اصلاح میں خاصا کامیاب ہوا اور جرمنی' بوہیمیا' ہنگری' پولینڈ کے مختلف علاقے واپس لے لئے۔ پروٹسٹنٹزم کی علاقائی حدیں مغربی یورپ ہی تک محدود ہیں۔ کیتھولکوں کی یہ اصلاح جسے پروٹسٹنٹوں کی تاریخی کتابوں میں اکثر جوابی اصلاح کہا جاتا ہے' محض کوئی سلبی دفاع نہ تھی' بلکہ ایک مثبت روحانی' حیا کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس سے مسیحی دنیا کی وہ وحدت تو بحال نہ ہو سکتی تھی' جو ازمنہء وسطی میں حاصل تھی' لیکن کیتھولکوں کے بنیادی اعمال و عقائد محفوظ رہے اور ان میں زیادہ قوت پیدا ہو گئی۔

ان کی حفاظت دنیوی طاقت کی امداد کے بغیر نہ ہو سکی۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں کی اصلاحی تحریکیں ملکی' اور بین الاقوامی سیاسیات سے لاینفک طریق پر وابستہ ہو گئی تھیں۔ ہیبسبرگوں کا طاقت ور خاندان ہسپانیہ اور جرمنی میں آئندہ چند پشتوں تک کیتھولزم کا سیاسی رئیس رہا۔ فرانس کے بادشاہوں نے اپنے ملک کو کیتھولک رکھنے کے لئے امداد میں کوئی کوتاہی نہ کی اور اگرچہ ان کی امداد زیادہ تر سیاسی رہی' نہ کہ مذہبی۔ جرمنی کے مختلف حصوں نیز سلافی حواشی اور اٹلی میں حکمران اور ان کے امرا قدیم مذہب کے طاقت ور پشتیبان رہے۔

کیتھولکوں کے بنیادی اصول کی حفاظت خاص تنظیم کے بغیر نہ ہو سکی۔ ابتدائی زمانے میں کلونی اور سسٹرونی درویشوں کے نظام قائم ہو چکے تھے۔ اب کیتھولک قوت کا احیاء ہوا تو پھر ضرورت پیش آئی کہ کوئی نئی چیز بروے کار آئے' چنانچہ پادریوں کے نئے نظاموں کا ایک سلسلہ پیدا ہوا' جس کا مقصد یہ تھا کہ انتہائی سادگی اور خدمت عامہ کے قدیم خانقاہی مقاصد از سرنو زندہ کئے جائیں۔ اصلاحی تحریک کی لہریں اسی زمانے میں قوت پکڑنے لگی تھیں' جب پاپائیت کی عنان اقتدار لوتھر کے مد مقابل لیوداہم کے ہاتھوں میں تھی۔ لیو کی پاپائیت ہی کے زمانے میں ایک سرگرم انجمن بن گئی تھی' جسے حب الٰہی کی انجمن" کہا جاتا تھا۔ اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ خاص مذہبی ریاضتوں اور عبادتوں کے ذریعے سے روحانی عرفان کا دائرہ وسیع تر کیا جائے۔ 1520ء کے بعد اس انجمن نے " تھیٹائینز" کی بنیاد رکھی۔ یہ ایک نظام تھا' جس کا خاص مدعا پادریوں کو تعلیم دینا تھا۔ اسی زمانے میں فرانسسکنوں کی ایک نئی شاخ وجود میں آئی' جسے "کاپوچن" کہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ نظام کو پھر بانی یعنی فرانسس کے مقاصد افلاس و تبلیغ پر لے جائیں۔ آئندہ دس سال میں تقریباً" نصف درجن مزید نئے نظام قائم کئے۔ ان میں سب سے بڑا نظام ایک انجمن مسیح تھی'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ باب 6

اصلاح کیتھولک ازم
(CATHOLICISM REFORMED)

پروٹسٹنٹوں نے اصلاح کلیسا کی صدا بلند کی تو ابتدائی دور کے کیتھولکوں کا زور اس امر پر تھا کہ باغیوں کو دبایا جائے۔ لوتھر کے متعلق پاپاؤں کی پالیسی بنیادی طور پر یہی تھی' تاہم پروٹسٹنٹوں نے جن خرابیوں کو ہدف اعتراض بنایا تھا۔ ان کی اصلاح کے لئے بھی کیتھولک ہیومانسٹوں اور اعتدال پسندوں نے کوشش کی اور یہ کوشش بے نتیجہ نہ رہی۔ مدت تک کیتھولک کلیسا اپنی روحانی اور مادی قوتوں سے کام لے کر داخلی اصلاح میں خاصا کامیاب ہوا اور جرمنی' بوہیمیا' ہنگری' پولینڈ کے مختلف علاقے واپس لے لئے۔ پروٹسٹنٹزم کی علاقائی حدیں مغربی یورپ ہی تک محدود ہیں۔ کیتھولکوں کی یہ اصلاح جسے پروٹسٹنٹوں کی تاریخی کتابوں میں اکثر جوابی اصلاح کہا جاتا ہے' محض کوئی سلبی دفاع نہ تھی' بلکہ ایک مثبت روحانی' حیا کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس سے مسیحی دنیا کی وہ وحدت تو بحال نہ ہو سکتی تھی' جو ازمنہ وسطی میں حاصل تھی' لیکن کیتھولکوں کے بنیادی اعمال و عقائد محفوظ رہے اور ان میں زیادہ قوت پیدا ہو گئی۔

ان کی حفاظت دنیوی طاقت کی امداد کے بغیر نہ ہو سکی۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں کی اصلاحی تحریکیں ملکی' اور بین الاقوامی سیاسیات سے لاینفک طریق پر وابستہ ہو گئی تھیں۔ ہیبسبرگوں کا طاقت ور خاندان ہسپانیہ اور جرمنی میں آئندہ چند پشتوں تک کیتھولزم کا سیاسی رئیس رہا۔ فرانس کے بادشاہوں نے اپنے ملک کو کیتھولک رکھنے کے لئے امداد میں کوئی کوتاہی نہ کی اور اگرچہ ان کی امداد زیادہ تر سیاسی رہی' نہ کہ مذہبی۔ جرمنی کے مختلف حصوں نیز سلانی حواشی اور اٹلی میں حکمران اور ان کے امرا قدیم مذہب کے طاقت ور پشتیبان رہے۔

کیتھولکوں کے بنیادی اصول کی حفاظت خاص تنظیم کے بغیر نہ ہو سکی۔ ابتدائی زمانے میں کلونی اور سسٹرونی درویشوں کے نظام قائم ہو چکے تھے۔ اب کیتھولک قوت کا احیاء ہوا تو پھر ضرورت پیش آئی کہ کوئی نئی چیز بروے کار آئے' چنانچہ پادریوں کے نئے نظاموں کا ایک سلسلہ پیدا ہوا' جس کا مقصد یہ تھا کہ انتہائی سادگی اور خدمت عامہ کے قدیم خانقاہی مقاصد از سرنو زندہ کئے جائیں۔ اصلاحی تحریک کی لہریں اسی زمانے میں قوت پکڑنے لگی تھیں' جب پاپائیت کی عنان اقتدار لوتھر کے مد مقابل لیوہم کے ہاتھوں میں تھی۔ لیو کی پاپائیت ہی کے زمانے میں ایک سرگرم انجمن بن گئی تھی' جسے حب الٰہی کی انجمن" کہا جاتا تھا۔ اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ خاص مذہبی ریاضتوں اور عبادتوں کے ذریعے سے روحانی عرفان کا دائرہ وسیع تر کیا جائے۔ 1520ء کے بعد اس انجمن نے "تھیٹائینز" کی بنیاد رکھی۔ یہ ایک نظام تھا' جس کا خاص مدعا پادریوں کو تعلیم دینا تھا۔ اسی زمانے میں فرانسسکنوں کی ایک نئی شاخ وجود میں آئی' جسے "کاپوچن" کہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ نظام کو پھر بانی یعنی فرانسس کے مقاصد افلاس و تبلیغ پر لے جائیں۔ آئندہ دس سال میں تقریباً" نصف درجن مزید نئے نظام قائم کئے۔ ان میں سب سے بڑا نظام ایک انجمن مسیح تھی'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1540ء میں ایک ہسپانوی اگنیٹیس لایولا (1491 - 1556ء) نے قائم کی۔ اس کا بانی ایک جنگجو شخص تھا۔ مدت تک لڑتا رہا۔ ایک لڑائی میں بری طرح زخمی تو مذہبی سرگرمیاں اختیار کر لیں اور یسوعی نظام قائم کیا' جو ابتداء ہی سے کیتھولک کلیسا کے لئے سپاہ کا کام دیتا رہا۔ لایولا نے اپنے نظام کے لئے روحانی ریاضتوں کے قاعدے مقرر کئے۔ ان سے یسوعیوں کی دو بڑی خصوصیتوں کا واضح اظہار ہوتا ہے۔ اول اعلیٰ اقتدار کی کامل (یہاں یہ لفظ ٹھیٹھ لغوی معنی میں استعمال کیا گیا ہے) فرماں برداری ہے۔ اعلیٰ اقتدار سے مراد کیتھولک کلیسا کا نظام تھا۔ دوم حقیقت پسندانہ اور متوازن تخمینہ کہ عام انسانوں سے اس دنیا میں کیا توقع رکھی جا سکتی ہے:

یسوعی فرقہ منازعت میں پیدا ہوا اور اب تک منازعت کا موضوع بنا ہوا ہے۔ مخالف نقادوں کے نزدیک جن کی تعداد کیتھولک کلب کے اندر اور باہر کبھی کم نہیں رہی۔ یسوعی لوگ پوپ کے بے باک سپاہی تھے۔ اگرچہ ان پر معمولی عیوب کا الزام کبھی نہیں لگا۔۔۔۔۔ البتہ عام لوگ انھیں اچھا کھانے' اچھا پینے' ست رہنے اور عورتوں کے معاملے میں غیر محتاط ہونے کے ملزم گردانتے ہیں۔۔۔۔۔ تاہم ان پر یہ الزام ضرور لگا ہے کہ وہ پرپیچ طریق پر دنیوی اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں اور غیر روحانی اعتبار سے کامیابی کے خواہاں ہیں۔ ان پر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں' حصول مقصد کے لئے ذرائع کی کوئی پروا نہ کرنی چاہئے اور سچے کلیسا کے سپاہی ہونے کی حیثیت میں وہ زیادہ سے زیادہ نجس طریقے اختیار کر سکتے ہیں' جن سے کامیابی حاصل کرنے کی امید ہو۔

یہ دراصل تہمت ہے' خالص دنیاداری کی سطح پر بھی یسوعیوں کو کیتھولکوں روایت سے اتنی گہری عقیدت تھی کہ وہ انسانوں پر اخلاقی ضوابط کی بیخ کنی کی غلطی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ تاریخی دستاویزوں کو دیکھ کر کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ یسوعیوں نے سولھویں اور سترھویں صدی کے نازک دور میں کیتھولزم کے مادی اور روحانی وقار کو تقویت پہنچائی۔ وہ ہر جگہ پہنچے۔ ہنگری' پولینڈ' انگلستان' ہالینڈ ہر مقام پر گئے اور پروٹسٹنٹوں سے زمینیں اور لوگ واپس لینے کی کوشش کی۔ پھر انھوں نے نئی سرزمینیں فتح کیں اور نئے لوگ ساتھ ملائے' جو مغرب کی پھیلتی ہوئی سرحدوں میں رہتے تھے' مثلاً" چین' ہندوستان' جاپان اور شمالی امریکہ میں۔ ان میں لوگ مارے بھی گئے۔ وہ داعی اور معلم بھی تھے' مجلسی کارکن بھی۔ ہر جگہ انھوں نے ضبط و نظم بحال رکھا۔ کبھی دنیاداری کے کاموں میں شریک نہ ہوئے' جو دوسرے درویشی نظاموں کے لئے تباہی کا باعث بن چکے تھے۔

محکمہ ء تعزیر : یسوعی کیتھولک اصلاح کا سب سے بڑا نیا حربہ تھا۔ اس سلسلے میں کلیسا کے ایک پرانے حربے سے بھی کام لیا گیا۔ یہ محکمہ ء تعزیر تھا۔ ابتدا میں یہ ایک خاص کلیسائی عدالت تھی' جو تیرھویں صدی میں قائم ہوئی اور ایلبیجینسی الحاد کو فرو کرنے کے لئے یہ وجود میں آئی تھی۔ پندرھویں صدی میں اس نے ہسپانیہ میں نئی شکل اختیار کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ نئی ہسپانوی بادشاہی کو رعایا پر ایک مذہب ٹھونسنے کا موقع مل جائے۔ پاپائی اور ہسپانوی محکمہ ء تعزیرات دونوں کی حیثیت ازمنہ وسطیٰ کی عدالتوں کی تھی جنھوں نے اس دور کے طریقہ ہائے تعزیر و تعذیب سے کام لیا یہ دونوں عدالتیں سولھویں صدی میں پروٹسٹنٹ کے خلاف کام کرتی رہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروٹسٹنٹ روایت سے بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ محکمہء تعزیر اور یسوعی ایک دور دہشت پیدا کرنے کے حامی تھے۔ یقیناً" یسوعیوں اور ان کے حامیوں نے ترغیب و ترہیب کے ان بہت سے طریقوں سے کام لیا' جو اعلیٰ درجے کے منظم معاشرے میں عام مذہبی گروہ سے الگ رہنے والوں کے خلاف استعمال کئے جاتے ہیں۔ یقیناً" محکمہء تعزیر نے ہسپانیہ میں سابق مسلمانوں اور ممالک زیریں میں پروٹسٹنٹ بنے ہوئے کیتھولکوں کے خلاف ہولناک مظالم کے پہاڑ توڑے' لیکن محکمہء تعزیر پروٹسٹنٹوں کے سیل کی روک تھام کے سلسلے میں کوئی بڑی قوت معلوم نہیں ہوتا۔ یہ جنوبی یورپ کے ملکوں میں بڑا سرگرم رہا یعنی اٹلی' ہسپانیہ اور پرتگال میں۔ ان ملکوں میں پروٹسٹنٹزم کبھی خطرہ نہ بنی۔ جن خطوں میں کیتھولک اصلاح زیادہ سے زیادہ کامیاب ہوئی اور اس نے لوگوں کی خاصی تعداد پھر کیتھولک بنالی' یعنی جرمنی' نیز مغرب کے سلانی و میگیار سرحدی علاقے' وہاں محض تظلم و جور کوئی فیصلہ کن عامل نہیں بن سکے۔

ٹرینٹ کی مذہبی مجلس : کیتھولکوں کی اصلاحی تحریک میں اصول و قواعد یا روحانی سمت درخ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پروٹسٹنٹوں نے ہر مسیحی کے پادری بن جانے کے متعلق جو کچھ کہا تھا' اس سے کیتھولکوں کا عقیدہ پادریوں کی معجزنما قوت کے متعلق اور پکا ہو گیا۔ پروٹسٹنٹوں میں اختلاف تھا' کیتھولکوں میں یکسانی کو ترقی ہوئی۔ کلیسا نے معافی نامے بھی نہ چھوڑے۔ ان کی تعبیر یہ کی گئی کہ روحانی کوشش کا معاوضہ روحانیت کی معاونت ہے۔ اس سے مقصود روپیہ نہیں۔ ٹرینٹ کی مجلس نے معافی ناموں کی تصدیق کر دی۔ اس مجلس نے تمام اصلاحی تدبیروں کو ایک سلسلے میں مرتبط کر دیا اور صاف واضح ہو گیا کہ کیتھولک جس اصلاح کے داعی تھے' وہ اصول و عقائد نہیں' بلکہ صرف عمل کی اصلاح تھی۔

ٹرینٹ کی مذہبی مجلس 1544ء میں پوپ پال سوم (1534ء - 1549ء) نے بلائی تھی۔ پوپوں میں یہ پہلا تھا' جس نے پروٹسٹزم کی یورشوں کے خلاف حقیقت پسندانہ طریق پر مقابلے کا انتظام کیا۔ آزاد خیال لوگوں کے نزدیک ——— ان میں آزاد خیال کیتھولک بھی شامل ہیں ——— یہ کوئی حقیقی عام مذہبی مجلس نہ تھی' بلکہ پوپوں اور یسوعیوں کے ہاتھ میں ایک آلہء کار تھی' محض ربڑ کی ایک مہر۔ یقیناً" اس کا مقصد یہ تھا کہ پروٹسٹنوں میں سے زیادہ قدامت پسند لوگوں کو بھی بلایا گیا تھا' مگر وہ شریک نہ ہوئے۔ فرانسیسی پادری اپنی قومی روایت کے مطابق آزادانہ تعاون پر آمادہ نہ ہوئے اور اس مجلس کے کام کا کم از کم ایک حصہ تقریباً" پچاس سال تک فرانس نے قبول نہ کیا۔ یہ مجلس مذہبی جنگوں اور بلند سیاسی سازشوں کے جال میں الجھ گئی اور اس کا کاروبار کئی مرتبہ خلل میں پڑا' تاہم بیس سال تک اس کے اجلاس وقتاً" فوقتاً" ہوتے رہے اور 1564ء میں اس کا کام مکمل ہوا۔

اصول و عقائد کے متعلق مجلس نے جو موقف اختیار کیا' اس کے پیش نظر پروٹسٹنوں کے ساتھ ان بڑے معاملات کے متعلق سمجھوتے کا کوئی امکان نہ رہا' جو کیتھولکوں سے وجہ اختلاف تھے۔ مجلس نے پادریوں کے بنیادی کردار کی تصدیق کر دی اسی طرح سات مقدس رسموں' عقائد و اعمال' دینی معاملات کے متعلق صحیفوں اور بااختیار کلیسائی ترجمانوں کے ارشادات کی توثیق کر دی گئی۔ غیر مصالحانہ موقف ٹرینٹ کے نظام عقائد سے ظاہر ہے' جس کا اقرار مدت تک کیتھولزم کے تمام حامی کرتے رہے۔ اقرارنامہ یہ تھا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"میں صدق دل سے حواریوں اور کلیسائیوں کی روایات نیز کلیسا کی دوسری ہدایات و دساتیر کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں اختیار کرتا ہوں۔ میں مقدس صحیفے کو اسی شکل میں مانتا ہوں' جس شکل میں مقدس کلیسا اسے مان رہی ہے۔ وہی مقدس صحیفوں کی تعبیر اور صحیح تفسیر کی حقدار ہے اور میں کبھی صحیفوں کی کوئی ایسی تعبیر نہ کروں گا اور نہ سنوں گا' جو مقدس بزرگوں کی متفقہ رائے کے مطابق نہ ہو۔

میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ دعا میں سچا خدا موجود ہوتا ہے۔ زندوں اور مردوں کے لئے مناسب قربانی کا اعتراف کرتا ہوں۔ مقدس عشاء ربانی کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے کہ اس میں خداوند یسوع مسیح کی خدائی اور روح' جسم اور خون واقعی اصلا" حقیقتاً" موجود ہوتے ہیں۔ نان واقعی خداوند کے جسم اور شراب واقعی خداوند کے خون کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اسی کو کیتھولک کلیسا کی اصطلاح میں تبدیلی جوہر کہا جاتا ہے۔

میں یہ اقرار بھی کرتا ہوں کہ مسیح اور مریم عذرا جو خدا کی ماں ہے' نیز دوسرے بزرگوں کے مجسمے جس طرح رکھے جاتے ہیں' رکھے جائیں ان کا پورا احترام کیا جائے۔ یہ اقرار بھی کرتا ہوں کہ معافی ناموں کا اختیار مسیح نے کلیسا کو دے دیا ہے اور ان کا استعمال مسیحیوں کے نزدیک باعث برکت ہے۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ مقدس کیتھولک اور حواری رومی کلیسا ہماری ماں اور تمام کلیساؤں کی ملکہ ہے۔ میں حلف اٹھاتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ پوپ کا وفادار ہوں گا' جو مقدس پطرس کا جانشین ہے۔ پطرس تمام حواریوں کے رئیس اور یسوع مسیح کے نمائندے تھے۔"

مجلس ٹرینٹ اور سولھویں صدی کے آخری دور کے اصلاح پسند پوپوں نے عمل میں ویسا ہی تغیر پیدا کر دیا' جیسا پانسو سال پیشتر کونیاؤں کی سرپرستی میں پیدا ہوا تھا۔ مجلس نے تاکید کر دی کہ پادریوں کے حلف کی پابندی کی جائے اور غلط حرکتیں ختم کر دی جائیں۔ مثلا" کلیسائی عہدوں کی فروخت کے خلاف تدبیریں اختیار کی گئیں۔ یہ بھی طے کر دیا گیا کہ کوئی پادری اپنے حلقے سے غائب رہ کر کسی کو اپنا نمائندہ نہ بنائے۔ یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ وقتا" فوقتا" جلسے منعقد کئے جائیں۔ جن سے پادریوں کی بہتر تربیت ہو سکے۔ عام لوگوں میں ضبط و نظم کو فروغ دینے کے لئے وسیع پیمانے پر احتساب قائم کیا جائے۔ کتابوں کی ایک وسیع فہرست شائع کی گئی اور ان کے متعلق کہہ دیا کہ کیتھولک اپنا مذہب خطرے میں ڈالے بغیر ان کا مطالعہ نہیں کر سکتے۔ اس فہرست میں محض ملحدوں اور پروٹسٹنٹوں ہی کی کتابیں شامل نہ تھیں بلکہ پادریوں کے مشہور دشمنوں میکیاولی اور بولیشیو کی کتابیں بھی شامل تھیں۔

پوپ پالیس پنجم کے ماتحت 1566ء سے 1572ء تک مذہبی معاملات کے متعلق سوال و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب' دعائیں اور عبادتوں کے مرقع تیار کر لئے گئے' تاکہ مجلس ٹرینٹ کو وہ چیزیں بہ طور ہدایات جاری کرنے میں سہولت رہے۔ غرض کلیسا کا پورا نظام پادریوں اور عوام کی تربیت کے لئے تیار کر لیا گیا اور اس میں نئی روح پیدا ہو گئی۔ اب پاپائی عدالت اور احیائے علوم کی دوسری اطالوی عدالتوں جیسی نہیں رہی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض ملکوں' خصوصاً" فرانس میں پادریوں کا بالائی طبقہ اٹھارھویں صدی کے اندر کسی قدر بے پروا سا ہو گیا تھا لیکن جن شرمناک اور وسیع خرابیوں کے خلاف لوتھر اور اس کے پیروؤں نے لعن طعن کی تھی' وہ دوبارہ نہ پھیلیں۔

کیتھولک اصلاحی تحریک کی قوت صرف اسی حقیقت سے ظاہر ہے کہ جب اس کا نفاذ ہوا تو پروٹسٹنٹوں نے بہت کم حملے کئے۔ جس صدی میں لوتھر نے بغاوت کی تھی' اسی صدی کے اندر علاقوں کی حدبندی ہو گئی تھی۔ بعض علاقوں میں کیتھولکوں کی اکثریت تھی اور بعض میں پروٹسٹنٹوں کی اور حد بندی آج تک قائم ہے۔ انگلستان' سکاٹ لینڈ' ہالینڈ' شمالی و مشرقی جرمنی (ورٹمبرگ اور سوئزرلینڈ میں جنوبی جانب بھی تھوڑا سا جھکاؤ ہے) اور سکنڈے نیویا وہ علاقے ہیں' جن میں پروٹسٹنٹوں کی اکثریت ہے۔ آئرلینڈ' بلجیم' فرانس' جنوبی جرمنی (وادی رھائن میں شمال کی طرف تھوڑا سا جھکاؤ ہے) ہیسبرگوں کی سرزمین' پولینڈ' اٹلی اور ہسپانیہ و پرتگال میں اکثریت کیتھولکوں کی ہے۔ انگلستان' سکاٹ لینڈ میں کیتھولکوں کی اقلیتیں موجود تھیں اور جرمنی میں' جو بری طرح تقسیم ہو گئی تھی' دونوں مذہب ملے جلے تھے۔ آئرلینڈ میں پروٹسٹنٹوں کی اقلیتیں تھیں۔ فرانس اور ہیسبرگوں کی سرزمین میں یسوعیوں نے بعض لوگوں کو دوبارہ کیتھولک بنا لیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ باب 7

نئی بادشاہیاں--- ہسپانیہ
(NEW MONARCHIES)

دور احیاء علوم کے نئے سیاسی مقاصد کے لئے سولھویں صدی میں مغربی یورپ کے اندر غیر مساوی طریق پر عمل شروع ہوا۔ جن مملکتوں نے خاندانی اور مذہبی جنگوں میں حصہ لیا اور ان کا ذکر ہم آگے کریں گے' وہ تمام کی تمام ایک حد تک مرکزیت پر مبنی تھیں۔ ان کی فوجیں پیشہ ور اور تنخواہ دار' اسی طرح نوکر شاہی کے افراد بھی پیشہ ور اور تنخواہ دار تھے۔ ان کا ایک مرکزی مالی نظام تھا۔ روپے کی رسد اور محاصل پر انھیں ایک حد تک ضبط و نظم حاصل تھا۔ ایک مرکزی قانونی نظام تھا' جس کا مدعا یہ تھا کہ مملکت کے تمام افراد کے لئے وہ یکساں ہو۔ ایک مرکزی اقتدار تھا۔ یعنی بادشاہ' بادشاہ اور مجلس شوریٰ' بادشاہ اور پارلیمنٹ یا دوسری مجلسیں' جو قانون بنا سکتی تھیں۔ دور حاضر کی ابتدائی صدیوں میں دور مطلق العنانی یا بادشاہوں کے حق نیابت الٰہی کے جملے اکثر استعمال ہوتے ہیں اور بے وجہ نہیں۔ یورپ بھر میں مرکزی نظم و نسق کا کنٹرول بادشاہوں کے ہاتھ میں تھا' جسے تخت میراث میں ملتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اسی طرح آخری فیصلے کرنے کا حقدار سمجھتا تھا' جس طرح موجودہ دور کی جمہوریتیں رائے عامہ کے مطابق کرتی ہیں۔

تاہم یہ چیز پیش نظر رکھ لینا حد درجہ ضروری ہے کہ سولھویں صدی میں تقریباً" ہر مقام پر ازمنہء وسطیٰ کے قدیم مقامی حقوق اور زندگی کے مقامی طور طریقے موجود تھے' جو دربار یا پائے تخت کے قائم کردہ معیاروں سے بالکل مختلف تھے۔ گویا دور حاضر کے اوائل کی حکومتیں ایک لحاظ سے ویسی مطلق العنان نہ تھیں' جیسی دور حاضر کی جمہوری حکومتیں ہیں' مثلاً" ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حکومت۔ وہ حکومتیں اس قسم کے مرکزی یا ریاستی ضابطے نہیں بنا سکتی تھیں اور نافذ نہیں کر سکتی تھیں' جیسے آج کل بنائے یا نافذ کئے جاتے ہیں۔ مثلاً" خالص غذائی جنسوں' دواؤں' طبیبوں کے لئے لائسنس کے ضابطے' جن کا تعلق صحت عامہ سے ہے یا اعلیٰ تعلیم کا معیار' جو ہم نے اساتذہ کی تعلیم و تربیت کے ذریعے سے حاصل کیا یا اس قسم کے دوسرے اعتماد قواعد کا بہترین طریق پر اطلاق نیچے سے رضامندی پر مبنی ہوتا ہے' جیسا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں۔ بالعموم کہا جا سکتا ہے کہ نیچے سے اس قسم کا تعاون و توافق ابتدائی صدیوں میں حاصل نہیں کیا گیا تھا۔ معیار بندی اوپر سے شروع ہوتی تھی اور یہ چھوٹے چھوٹے گروہوں تک محدود تھی' جنھیں نئے طور طریقوں پر راضی کر لیا جاتا تھا اور اس طرح ان کا اقتدار بڑھتا تھا۔ اقلیت کی طرف سے دھارے کا رخ مرکزی کے مطابق بدلنے کی سرگرم کوشش ہی کو ہم ابتدائی صدیوں کی مطلق العنانی قرار دیتے ہیں اور یہ بالکل جائز ہے۔

ہسپانوی مطلق العنانی : اس اقلیت کے تصورات مطلق العنانی اور مختلف گروہوں کی اکثر کامیاب مخالفت---- جن پر اقلیت معیاری قواعد ٹھونسنا چاہتی تھی---- کے درمیان اختلاف ہسپانیہ کی مثال پیش کرتی ہے۔ دو سرگرم اور جفاکش ہسپانوی بادشاہوں---- چارلس پنجم (ہسپانیہ کا چارلس اول 1516ء - 1556ء) اور فلپ ثانی (1556ء - 1598ء) کی مدت حکومت تقریباً" پوری سولھویں صدی پر حاوی ہے۔ چارلس دور حاضر کا نہیں' بلکہ ازمنہء وسطیٰ کا بادشاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ جو نظام اسے ناناناٹی ـــــ فرڈیننڈ اور ازابیلا ـــــ سے میراث میں ملا تھا' اسے نئے انداز پر لانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اس کی تربیت ممالک زیریں میں ہوئی تھی اور وہ ہسپانیہ آیا تو بالکل اجنبی تھا۔ فلینڈرز کے کچھ لوگ اس کے ساتھ تھے۔ انھیں ہسپانیہ کی پسماندگی سے وہی نفرت تھی' جو دور حاضر کے شمالی یورپ کے باشندوں کو ہوتی ہے اور وہ اس نفرت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ چونکہ وہ شاہنشاہ منتخب ہو چکا تھا' لہٰذا ہسپانیہ میں سے اسے مشتبہ نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ 1520ء میں ہسپانوی کا ایک مجموعہ چارلس کے خلاف ہسپانیہ کی آزادی کے لئے اٹھا۔ طلیطلہ ان شہروں کا لیڈر تھا۔ اس قسم کی دوسری بغاوتوں کی طرح اس بغاوت میں بھی بہت سے عناصر شامل تھے۔ مثلاً" بلدیات کو مرکزی ضبط و نظم کا نشوو ارتقا پسند نہ تھا۔ امراء نئے شاہی اقتدار کے خلاف بے چین تھے۔ غریبوں اور طبقہ ء اوسط کے لوگوں کو بھی شکایات تھیں۔ یہ بغاوت 1521ء میں فرو کر دی گئی۔ چارلس کے دل میں اصلاح کا اگر کوئی جذبہ تھا بھی تو وہ خوف کے باعث افسردہ ہو گیا۔ پھر اس نے اپنی ہسپانوی رعایا کو ناراض کرنے سے احتراز میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس کے بیٹے کی تربیت بہرحال ایک ہسپانوی کی حیثیت میں ہوئی۔

فلپ ثانی ہسپانیہ میں نئے نمونے کی مرکزی حکومت بنانے پر آمادہ تھا اور اس میں اس کی صلاحیت موجود تھی۔ چنانچہ اس نے شورائی مجالس کا ایک نظام تجویز کیا۔ جن میں سب سے اعلیٰ حیثیت کونسل آف سٹیٹ کی تھی۔ اس کونسل میں بڑے بڑے امرا شامل تھے' لیکن ان مجالس کا کام صرف مشورے دینا تھا۔ آخری فیصلوں کا مجاز فلپ تھا اور اس کے پرائیویٹ سیکرٹری ہر معاملے کی تفصیلات مرتب کرتے تھے۔ حکومت کے مقامی اداروں میں امرا نہیں لئے جاتے تھے۔ مزید برآں فلپ نے نمائندہ مجالس' جنھیں کورٹیز کہتے تھے' کے اختیارات اتنے گھٹا دیئے کہ وہ عملاً" بے دست و پا محاصل ادا نہیں کر سکتے تھے۔ شہروں کے نمائندے بالکل بے اختیار رہ گئے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ فلپ کی آمدنی کے وسائل بالکل یقینی تھی۔ امریکہ سے جو قیمتی سامان آتا' اس کا پانچواں حصہ بادشاہ لے لیتا۔ اس کی سلطنت کے اجزائے ترکیبی پر براہ راست محاصل عائد تھے۔ پھر شاہی جاگیروں کا مالیہ تھا۔ نیز عہدے اور امرا کے طغرائے' امتیاز فروخت ہوتے تھے۔ پوپ جو اجازت نامے دیتا وہ بھی بادشاہ کی طرف سے خاصے نفع پر بیچے جاتے (اجازت ناموں سے مراد ہے جمعہ کے دن اور ایسٹر سے چالیس روز پیشتر گوشت کھانے کی اجازت۔ ان کی حیثیت معافی ناموں سے ملتی جلتی تھی' جن کی وجہ سے جرمنی نے پوپ کے خلاف قدم اٹھایا) فلپ کو بھی اس عہد کے اکثر دوسرے بادشاہوں کی طرح کسی ایسی نمائندہ جماعت کے متعلق تشویش کی کوئی ضرورت نہ تھی' جن کے ہاتھ میں روپے کا انتظام ہوتا' لیکن وہ ہمیشہ مقروض رہتا اور جب فوت ہوا تو اس کی حکومت تقریباً" دیوالیہ ہو چکی تھی۔

مالئے کے معاملات میں فلپ کا اختیار سرسری نظر سے کامل اور ہر مزاحمت کے خرخشے سے پاک معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دور حاضر کے اوائل کی مطلق العنان بادشاہی کے اختیارات کی تہدید روز روشن کی طرح آشکارا ہے۔ وہ صرف قرض لے سکتا تھا یا وقتی گزارے کے لئے عہدے فروخت کر سکتا تھا۔ اس کے سوا آمدنی میں کوئی معتدد اضافہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی نمائندہ مجلس کو بلا کر اس سے نئے محاصل کا اختیار نہیں لے سکتا تھا۔ اس کی سلطنت کے اجزائے ترکیبی ـــــ کیسٹیل' ایراگون' نوار صوبجات ہاسک' اطالوی علاقے' ممالک زیریں'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکہ کے تمام علاقے اور نئی ہسپانوی سرزمینیں جو خود بادشاہ کے نام سے موسوم ہوئیں' یعنی جزائر فلپین ــــــ میں مشورے کا کوئی مشترک ذریعہ موجود نہ تھا۔ ہر ایک سے ایک جداگانہ معاملے کی طرح کام لینا پڑتا تھا۔ امرا اور مذہبی لوگوں کی اکثریت محاصل سے مستثنیٰ تھی اور ان سے غیر معمولی مالی قربانیوں کا مطالبہ کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ پھر ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ روپیہ جمع کرنا مشکل تھا۔ قدم قدم پر رشوت کے مواقع موجود تھے۔ کوئی اچھا انتظامی سلسلہ اور مالی تجربہ موجود نہ تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فلپ کوئی منظم نظام محاصل جاری نہیں کر سکتا۔

مالی دائرے سے باہر جو مشکلات موثر مرکزیت کے خلاف موجود تھیں' وہ اور بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ کیسٹیل اور ایراگون کی سلطنتیں فرڈیننڈ اور ازابیلا کی شادی سے یکجا ہو گئی تھیں' مگر اس کا مطلب یہ تھا کہ اس یکجائی کو متحدہ ہسپانیہ سمجھ لیا جائے۔ آج تک بھی حلقہ پسندی ہسپانیہ کے اندر تمام دوسری بڑی یورپی سلطنتوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ اس زمانے میں یہ حالت تھی کہ جزیرہ نما کے بعض صوبوں کے درمیان مجرموں کی حوالگی کے لئے بھی کوئی انتظام موجود نہ تھا۔ اکثر صوبوں میں ایک دوسرے کے مال پر چنگی کا محصول لیا جاتا تھا۔ قدیم شمالی خطے ہر قسم کے خاص حقوق کے مالک بنے بیٹھے تھے۔ ایراگوان میں ایک خاص جج کا عہدہ موجود تھا' جسے تاج مقرر کرتا تھا لیکن وہ مدت العمر کے لئے مقرر ہو جاتا اور اسے ویسے ہی اختیارات حاصل تھے' جیسے ریاست متحدہ امریکہ میں سپریم کورٹ (عدالت عالیہ) کو حاصل ہیں۔

اگر ہیسبرگ خاندان کے حکمران اپنی سرزمینوں کے اتحاد نشوونما پر پوری توجہ صرف کرتے تو کچھ نہیں بتایا جا سکتا کہ ہسپانیہ میں وہ کیا کیا کارنامے انجام دے دیتے جو کچھ انھوں نے کیا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرہ نما کی قوت کم رہ گئی۔ سمندر پار کی سرزمینیں کمزور ہو گئیں' کیوں کہ ہیسبرگوں کی پوری توجہ یورپ پر برتری حاصل کرنے اور پروٹسٹنٹ اتحاد کو دبانے میں صرف ہو گئی۔ یہ ہسپانیہ کے لئے عظمت کا دور تھا' جس میں ہسپانویوں کو خشکی اور تری کے اندر بہترین جنگجوؤں کی حیثیت میں قابل رشک سمجھا جاتا تھا اور ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ یہی زمانہ ہے' جس میں سب کو معلوم ہو رہا تھا' ہسپانیہ امریکہ کے دونوں حصوں کا مالک بن جائے گا اور اس وقت وہ دولت و ثروت میں بھی سب سے بڑھا ہوا تھا۔ ہسپانوی ادب' مذہب اور فنون کا یہ سنہری دور تھا۔ اسی زمانے میں لائیولا اور سروانٹیز ہوئے' لیکن یہ نہایت مختصر دور تھا۔ سترھویں صدی میں ہسپانیہ کی عظمت بالکل محو ہو گئی۔

ہسپانوی اقتصادیات : ہسپانیہ اس لحاظ سے بھی ایک کلاسیکی مثال ہے کہ ایک بڑی سیاسی وحدت ہونے کے باوجود وہ کوئی محکم اقتصادی نظام قائم رکھنے میں ناکام رہا۔ حالانکہ اس کی عظمت ایسے ہی نظام کی متقاضی تھی۔ جزیرہ نما کا اکثر حصہ کوہستانی ہے اور وسطی سطح مرتفع میں خشک سالی کا اندیشہ رہتا ہے تاہم اس کے زرعی ممکنات بہت زیادہ ہیں۔ کم از کم اٹلی سے یقیناً" زیادہ ہیں۔ پھر وہاں معدنیات بھی موجود ہیں۔ خصوصاً" لوہا۔ مزید برآں ہسپانیہ پہلا بڑا یورپی ملک تھا' جسے سمندر پار وسیع علاقے مل گئے۔ اس کی بحری قوت اور بحری تجارت ایسی تھی کہ وہ نئی دنیا کے وسیع وسائل کو قدیم دنیا کے وسائل سے مرتبط کر سکتا تھا' لیکن دولت کے یہ وسیع ذخیرے چند پشتوں میں ہسپانیہ کے ہاتھ سے نکل گئے۔ یقیناً" اس انحطاط کا ایک بڑا عامل یہ بھی تھا کہ چارلس پنجم اور فلپ دوم نے جنگوں پر بے اندازہ روپیہ خرچ کیا۔ ممالک زیریں سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چارلس کو وسیع آمدنی ہوتی تھی، مگر فلپ کے زمانے میں یہ ممالک اس کے لئے مالی ضیاع کا سبب بنے رہے۔ مشہور پیادہ ہسپانوی فوج جہاں جاتی، اس پر روپیہ خرچ کرنا پڑتا اور روپیہ بہرحال فرانس سے باہر جاتا۔ اس کے عوض میں کوئی چیز ملک کے اندر نہ آتی۔ فلپ کو باپ سے بھاری قرضہ میراث میں ملا تھا اور خود فلپ کے طویل عہد حکومت میں وہ قرضہ اور بڑھ گیا۔

فوجوں پر سرکاری خرچ بلاشبہ "غیر منفعت بخش" ہوتا ہے، لیکن اسے قومی اقتصادیات کے لئے لازماً مہلک نہیں سمجھا جاتا۔ اگر اس خرچ سے ملک کے اندر یا اس کے مقبوضات میں زیادہ منفعت بخش صورتیں رونما ہوں تو قوم اس خرچ کو برداشت کر سکتی ہے، بلکہ اس کی دولت ترقی کر سکتی ہے۔ 1870ء کے بعد جرمنی کو ایسا ہی تجربہ ہوا لیکن سولھویں صدی کے ہسپانیہ کی کیفیت یہ نہ تھی۔ نئی دنیا سے چاندی اور بہت سی دوسری چیزوں------ چینی، نیل، تمباکو، کوکا اور کھالوں------ کے وسیع ذخیرے پہنچ رہے تھے، اور ان کے بغیر ہسپانیہ یورپی جنگیں جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ تاہم علمی اقتدار کے لئے یہ خرچ کافی نہ تھا۔ جو سونا ہسپانیہ سے دوسرے یورپی ملکوں کے تاجروں اور ساہوکاروں تک پہنچتا اس کا ایک حصہ ہسپانوی بری اور بحری فوجوں میں صرف ہو جاتا۔ ایک حصہ ان ہسپانوی مصنوعات کی نذر ہو جاتا، جنھیں نئی دنیا میں بھیجنا ضروری تھا۔

اس زمانے میں دوسری سامراجی طاقتوں کی اقتصادی پالیسی کی طرح ہسپانیہ نے بھی اپنی نوآبادیوں میں صنعتی نشو و ارتقا کی ممانعت کر رکھی تھی اور اپنے ہاں کی مصنوعات سے ان کی ضرورتیں پوری کرتا تھا، لیکن اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہسپانیہ اپنی صنعت و حرفت کو پوری ترقی نہیں دے سکتا تھا یا اس نے نہ دی۔ ہسپانوی تاجروں کو شاہی فرمان کے مطابق انڈیز کے ساتھ تجارت کی اجارہ داری تھی، مگر رفتہ رفتہ وہ صرف دلال رہ گئے، یعنی وہ سامان انڈیز بھیجتے، جو یورپی ملکوں سے خریدتے تھے اور اس کی قیمت میں انڈیز کا سونا دیتے۔ انگریز، ولندیز اور دوسرے حریف ہسپانوی نوآبادیوں میں وسیع پیمانے پر سامان ناجائز طریق سے برآمد کرتے تھے۔ دور حاضر کی ایک عام اصطلاح کے مطابق ہسپانوی حکومت جو کچھ خرچ کرتی تھی، وہ قومی پیداوار بڑھانے میں نہیں کرتی تھی یا یوں کہہ لیجئے کہ ہسپانوی پیداوار نہیں بڑھاتی تھی۔ 1600ء تک ہسپانیہ کی ملکی صنعت روبہ زوال ہو گئی۔

انیسویں صدی میں جو ماہرین اقتصادیات آزاد تجارت کے حامی تھے، انھوں نے ہسپانیہ کی ناکامی (اقتصادی مواقع سے پورا فائدہ نہ اٹھایا) کا سبب یہ قرار دیا کہ حکومت کی نگرانی میں اجارہ داری کا نظام قائم تھا۔ سولھویں صدی میں ہسپانیہ یقیناً "اس اقتصادی پالیسی کی طرف بڑھ رہا تھا، جسے عموماً" تجارتی نظریہء زر کہا جاتا ہے اور جو سترھویں صدی کے فرانس میں کمال پر پہنچ گیا۔ اگرچہ ہسپانیہ میں تجارتی نظریہء کے لئے کوئی حقیقی جذبہ نہ تھا، جس کی بنا پر حکومت کی سرپرستی میں قومی دولت بڑھائی جاتی، تاہم اس نے تجارتی نظریہء زر کے بہت سے حربے استعمال کئے، یعنی عام اور محدود نوآبادیاتی تجارت کے بے شمار ضابطے بنائے۔ ہسپانوی نظام میں انفرادی اقتصادی حوصلہ افزائی کے لئے بہت کم گنجائش باقی رہ گئی تھی۔ کیسٹیل میں ایک ادارہ------ مشہور ایوان تجارت------ انڈیز کے پورے تجارتی کاروبار پر حاوی تھا اور ہر برآمد و درآمد کے لئے اجازت نامے جاری کرتا تھا۔ جس زمانے میں ٹائپ کی مشینیں یا گریف کے انتظامات موجود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ تھے' اس میں لکھنے پڑھنے کا جو کام ضروری تھا' وہ بے اندازہ تھا۔

تاہم نوکر شاہی طریقے اور اجارے ہی مشکلات کا سرچشمہ نہ تھے۔ ہسپانوی تہذیب کا رخ بھی صنعت کے سوا دوسرے تخلیقی سلسلوں کی طرف تھا۔ جنگ' سیاسیات' مذہب' فنون رسمی طریق پر کاشتکاری یا محض امیروں کی حیثیت میں زندگی بسر کرنا باعث عزت سمجھا جاتا تھا۔ کاروبار کا جو مفہوم امریکیوں کے ذہن میں ہے' وہ اگر باعث ہتک نہیں تو ایسا ضرور تھا کہ معاشرے میں اسے عزت کا سرمایہ نہ سمجھا تھا۔ مطلب یہ نہیں کہ ہسپانوی بہ حیثیت قوم ست اور کاہل تھے۔ نچلے طبقے کو خصوصاً" سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ ہسپانویوں کے متعلق جو تصور ہے۔ اس کا خلاصہ خدائی فوجدار" کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اسے ست کاہل نہیں سمجھا جا سکتا' تاہم اس کی سرگرمی مادی ثروت پیدا کرنے کے لئے نہ تھی۔ اگر ہم یہ حقیقت پیش نظر رکھیں کہ ہسپانیہ میں بے شمار تعطیلات کا رواج ہے۔ لوگ قیلولے کے عادی ہیں۔ بھکاریوں' سپاہیوں' پادریوں' راہبوں اور خوش باشوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ نئے کاموں اور نئے فنون کے لئے حوصلہ افزائی کا کوئی سامان نہیں اور نوکر شاہی بڑی جابر ہے۔ اگر ہم یہ تمام کوائف پیش نظر رکھ لیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ پوری قومی سعی بھی ان قوموں کے مقابلے کے لئے ناکافی تھی' جو جدید اقتصادی زندگی کے لئے بہتر طریق پر منظم ہیں۔ دیبز اور اس کے دبستان نے روح سرمایہ داری کی جو تصویر پیش کی ہے' ہسپانیہ اس کی ضد تھا۔

ہسپانوی اسلوب : اگرچہ ہسپانوی برتری کی عمر بہت چھوٹی تھی' تاہم وہ واقعی برتری تھی اور اس نے بھی وہ دنیا بنانے میں حصہ لیا۔ نصف امریکہ ہسپانوی (یا اس سے ملتی جلتی پرتگیزی) زبان بولتا ہے اور وہ جزیرہ نمائے آئے بیریا کی ثقافتی میراث کا حامل ہے' اگرچہ اس میراث کی شکل بدلی ہوئی ہے۔ فرانس' ہالینڈ اور انگلستان کی قومی وحدت اور قومی روح ہسپانوی جبر کی مزاحمت ہی میں پختہ ہوئی۔ ہسپانوی کردار اور ہسپانوی اسلوب اسی سنہری دور میں متعین ہوا اور مغرب کے لئے اس نے بعض شاندار تصویریں چھوڑیں اور چند حقیقی عالمی کتابوں میں سے ایک کتاب بھی ہسپانیہ ہی کی ہے' یعنی سروانیٹز (1527ء - 1616ء) کی کتاب "خدائی فوجدار۔ یہ ہسپانوی اسلوب فرانس اور اٹلی کے اسلوبوں جیسا نہیں جنہیں لاطینی قرار دے کر ہسپانیہ سے وابستہ کر دیا جاتا ہے لاطینی کی اصطلاح ان قوموں کے تعلق میں غلط فہمی کا موجب ہے' جن میں "شمالی" اور جرمن اثرات موجود ہیں۔ یہ اصطلاح اس وقت مزید غلط فہمی کا موجب بن جاتی ہے' جب ان سرزمینوں اور ان کے باشندوں کو یکجا سمجھ کر شمسی قرار دیا جاتا ہے' ہسپانوی روح نہایت سنجیدہ' زبردست جذبے والی اور مغرب میں سب سے کم مسکرانے والی ہے۔ اس روح میں جدوجہد نمایاں ہے۔ یہ عزت کی خاطر مردانگی کے اوصاف کو انتہا پر پہنچانے والی ہے۔ وہ مذہبا" اس پر قانع نہیں کہ جو کچھ میسر ہے۔ اسی پر زندگی بسر کی جائے' وہ کچھ اور چاہتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 8

نئی بادشاہیاں--- فرانس
(NEW MONARCHIES)

کوہستان پرنیسیز کے شمال میں پندرھویں صدی کے اندر ایک نئی بادشاہی ظہور پذیر ہوئی۔ غالباً" فرانس کا کوئی صوبہ------ برٹنی بھی نہیں' جس کی زبان کیلٹی اور روایات خودمختاری کی ہیں۔ پرووینس بھی نہیں' جس کی زبان غزل گو شعرا کی' اٹلی سے روابط اور جداگانہ وحدت کی طویل تاریخ ہے------ علیحدگی کا ویسا زبردست شعور ظاہر نہیں کرتا' جو ہسپانیہ کے صوبہ ایراگون یا صوبجات باسک میں پایا جاتا ہے۔ مزید برآں یونان' اٹلی اور جزیرہ نمائے آئیبیریا کے برعکس فرانس کے بڑے حصے میں کوئی ایسا کوہستانی سلسلہ نہیں' جو مختلف خطوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دے۔ کوہستانی سلسلے صرف اس کی سرحدوں پر ہیں۔ بہ این ہمہ فرانس صرف فرانسس اول (1515ء-1547ء) کے ماتحت نامکمل طریق پر اکٹھا ہوا' جو چارلس پنجم اور ہنری ہشتم کا معاصر تھا۔ برٹنی جیسے صوبوں نے' جو والوا تاجداروں کے ماتحت حاصل ہوئے' اپنی مقامی نمائندہ مجالس' مقامی عدالتیں اور بہت سے دوسرے حقوق قائم رکھے۔ امرا جاگیرداری کے دور کی یادوں اور طور طریقوں سے وابستہ رہے۔ اگرچہ ان کے بیشتر وظائف حکمرانی بادشاہوں کے مقرر کئے ہوئے افسروں کے حوالے ہو چکے تھے۔ قومی نوکر شاہی بالکل ابتدائی حالت میں تھی۔ یہ ایسا سلسلہ تھا' جو دور حاضر کے انتظامی نقشے میں بہ مشکل جگہ پا سکتا تھا۔

فرانسس اول کی سلطنت میں خاصی قوت تھی اور وہ چارلس پنجم کی طرف سے نرغے کے خطرے کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ بادشاہ کی حیثیت یقیناً" کوئی یازدہم کی نہ تھی۔ نفس پروری نے اس کی صحت کمزور کر ڈالی تھی اور حکومت کے کاروبار سے اس کی توجہ پھیر لی تھی۔ دربار کے مسرفانہ طور طریقوں اور پے درپے جنگوں نے سلطنت کے مالیات تقریباً" تباہ کر ڈالے تھے۔ بہ این ہمہ فرانسس متعدد اعتبارات سے دور احیائے علوم کا ایک اچھا مطلق العنان بادشاہ تھا اور میکیاولی کے دور سے اسے بڑی مناسبت تھی۔ ناخوشگوار حالات میں بھی وہ ہمت نہیں ہارتا تھا۔ پیویا کی جنگ میں 1525ء تباہی کے بعد اس نے اپنی حیثیت کامیابی سے بحال کر لی۔ ڈپلومیسی میں وہ کسی اخلاقی ضابطے کا پابند نہ تھا اور جب جی چاہتا تھا' ایک راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا تھا۔ مثلاً" اس نے ترکوں سے بھی اتحاد کر لیا اور جرمنی کے پروٹسٹنٹوں سے بھی۔ وہ بڑا خوش رو (کم از کم صحت تباہ ہونے تک)' عاشق مزاج' مہذب اور مسرف تھا۔ اس نے ہمیشہ وہی چلن اختیار کیا جو اکثر لوگوں کے نزدیک بادشاہ کے لئے زیبا تھا۔ ہر معاملے میں بڑا پیمانہ اس کے پیش نظر رہتا۔ مثلاً" بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ اپنے دربار کے ساتھ دورے شروع کرتا اور دورے اکثر ہوتے رہتے تو اٹھارہ ہزار گھوڑے اور باربرداری کے جانور اس کا سامان اٹھانے کے لئے موجود ہوتے۔ اسی نے شامبورد اور فونتین بلو کے مشہور شاطر تیار کرائے' جو دور احیاء علوم کے فرانسیسی فن تعمیر کے شاہکار ہیں۔ پیرس میں اس نے لوور کے بڑے قصر کو نئی طرز پر ڈھالا اور کالج دافرانس کی بنیاد رکھی' جو یونیورسٹی (سوربون) کے بعد تعلیم کا دوسرا بڑا مرکز تھا۔ اس نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن اہل علم و فن کی سرپرستی جاری رکھی' ان میں لیونارڈو بھی تھا۔ مختصر یہ کہ فرانسس اول کا بھی ایک خاص اسلوب تھا۔

تاہم' فرانسس خاندان والوا کا آخری زبردست بادشاہ تھا۔ 1547ء میں اس نے وفات پائی۔ پھر اس کے بیٹے ہنری دوم اور پوتے اپنی ماں کیتھرائن دی میڈیچی کے زیر نگرانی بہ مشکل تاج کا وقار بحال رکھ سکے۔ اغلب ہے کہ زیادہ صلاحیتوں والا حکمران بھی سولھویں صدی کے نصف آخر کے ہنگاموں کو روک نہ سکتا۔ انہیں ہنگاموں نے وقت کی بیان الاقوامی قابتوں میں فرانس کو بری طرح اپاہج بنا دیا۔ یہ فرانس کی مذہبی جنگوں کا دور ہے جس نے کوئی یا زدہم اور اس کے جانشینوں کا وہ کام برباد کر دیا جو انہوں نے حکومت کی مرکزیت کو قوی بنانے کے لئے کیا تھا۔

فرانس کی مذہبی جنگیں 1562ء - 1568ء : فرانس کی مذہبی جنگوں اور جرمنی کی سہ سالہ جنگ کے درمیان بدیہی مماثلتیں موجود ہیں۔ دونوں خطوں میں طبقہ ء بالا اور طبقہ ء وسط کے اہم عناصر نے پروٹسٹرم کے ذہنی و رومانی تصورات کا خیر مقدم کیا۔ دونوں خطوں کے اندر ابتدا میں مذہبی رواداری کے بہت کم حامی مل سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں خطوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ دونوں خطوں میں خانہ جنگی کے باعث کمزوری پیدا ہوئی۔ کیتھولک اور پروٹسٹوں کے درمیان کشمکش کی حیثیت بین الاقوامی تھی اور بیرونی مداخلت کو نہ صرف دعوت دی گئی' بلکہ حاصل کر لی گئی۔ دونوں خطوں میں متحارب فریق لڑ بھڑ کے تھک گئے تو انجام کار مقتدر افراد نے غالباً" بادل ناخواستہ مذہبی رواداری کی پالیسی قبول کر لی۔

تاہم فرانس اور جرمنی کی مذہبی جنگوں کے تجربات کا اختلاف بھی بڑا نمایاں اور اہم ہے۔ فرانس کا تجربہ مختصر مدت پر حاوی تھا اور زیادہ تباہ کن نہ تھا۔ جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔ فرانسیسی جنگیں تاریخی دستاویزوں پر ایک بدنما دھبا بن گئیں' مثلاً" سینٹ بارتھولومیو کے یوم پر عام (24-23 اگست 1572ء) اس روز پروٹسٹنٹ لیڈر کو لگنی پیرس میں قتل کر دیا گیا اور ہزاروں دوسرے پروٹسٹنٹ پیرس اور صوبوں میں رات کے وقت بستروں سے کھینچ کھینچ کر باہر نکالے گئے اور موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اس کے لئے پہلے سے منصوبہ تیار ہو چکا تھا' مگر فوجیں زیادہ بڑی نہ تھیں اور عام باشندگان فرانس ایسی حالت میں زندگی بسر کرتے رہے' جسے زیادہ بری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سولھویں صدی کے اختتام پر اپنی ترقی کے دور پر پہنچ گیا تھا اگرچہ تھوڑی ہی مدت پیشتر ابتری کا شکار نظر آتا تھا۔

فرانس میں پروٹسٹرم کسانوں کے مجمع عظیم تک شاذ ہی پہنچ سکی۔ فرانسیسی پروٹسٹنٹوں کو ہیوجی ناٹ کہتے تھے۔ انہیں امرا میں خاصی قوت حاصل تھی یا سرمایہ داروں اور فن کاروں کے نئے طبقوں میں ان کی تعداد زیادہ تھی۔ فرانس کا مذہبی نقشہ سامنے رکھا جائے تو علاقائی اور طبقاتی تقسیم بالکل واضح نظر آئے گی' لیکن یورپ میں شمالی حصے زیادہ تر پروٹسٹنٹ تھے اور جنوبی حصے زیادہ تر کیتھولک۔ فرانس کی حالت اس عام اصول کے برعکس تھی۔ اس کے شمالی حصے ممالک زریں کے خلاف تھے۔ ابتدا میں وہاں لوتھر کی تعلیمات کا اثر پہنچا' مگر وہ گرمجوش کیتھولک ہی رہے۔ برٹنی' نارمنڈی اور پیرس کے حلقے میں یہی کیفیت تھی۔ سولھویں صدی کے اواخر میں پروٹسٹنٹوں کو زیادہ اہمیت جنوبی و مشرقی فرانس میں حاصل تھی۔ یہ وہی حصے تھے جہاں کسی زمانے میں البیجنسیوں کا الحاد فروغ پذیر ہوا تھا نیز جنوب مغرب میں۔ ان حصوں میں بھی ملازم رکھنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے اشخاص زیادہ تر پروٹسٹنٹ اور ملازم یا کارکن زیادہ تر کیتھولک تھے۔ فرانسیسی امرا نے جزوا" سیاسی وجوہ کی بنا پر پروٹسٹنٹزم اختیار کی۔ پہلے سے طریقہ چلا آتا تھا کہ مقامی جاگیردار خود مختار تھے۔ اسی وجہ سے امرا مرکزیت آب بادشاہی اور اس کے کارندوں کی مزاحمت کرتے رہے۔

والوا خاندان کے بادشاہ مذہبی آدمی تو نہ تھے مگر کیتھولزم پر مضبوطی سے قائم رہے۔ فرانسس اول نے بورجز کے منشور سلطانی (1438ء) کے مطابق پاپاؤں سے بہت سے املاک حاصل کر لئے تھے۔ پھر 1516ء میں ایک میثاق ہوا (1516ء) جس کے مطابق پوپ نے فرانسیسی کلیسا پر بادشاہ کو زیادہ اقتدار کی اجازت دے دی' یہاں تک کہ بشپوں اور ایبٹوں کے انتخاب کا حق بھی اسے حاصل تھا۔ جرمنی کے حکام بھی بغاوت سے دنیوی فائدے اٹھا سکتے تھے' چنانچہ انہوں نے کیسائی املاک ضبط کر لئے اور ایک ایسے لوتھری کلیسائی نظام کی بنیاد رکھی جو سرکاری اثر کے تابع تھا۔ 1516ء کے بعد فرانسیسی بادشاہ پروٹسٹنزم اختیار کرتے یا پروٹسٹنٹ تحریک کو فروغ پانے کا موقع دیتے تو انہیں نقصان ہوتا۔ اس طرح سرکش امرا کو تقویت پہنچتی اور کیلون کی تحریک سرکاری اثرات کی سخت مخالف تھی' بلکہ اسے بادشاہی کے خلاف سمجھنا چاہئے۔

فرانس کی مذہبی جنگوں سے نہایت اہم نتیجہ نکلا کہ فرانسیسی تاجداری اور اس کی نوکر شاہی کو قیام کا موقع مل گیا۔ وہ کیتھلکوں اور پروٹسٹنٹوں کے درمیان ایک ثالث قوت بن گئی۔ 1562ء میں جنگیں شروع ہوئیں تو ملکہ کیتھرائن دی میڈیچی نے پروٹسٹنٹ فریق کی سخت مخالفت کی اگرچہ اس مخالفت کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جو بڑے امرا اس فرق میں سرکردہ حیثیت رکھتے تھے ان سے خود تاج و تخت کو بھی خطرہ تھا۔ جنگیں جاری رہیں تو معلوم ہو گیا کہ ہیوجی ناٹ سینٹ بارتھولومیو کے قتل عام اور جنگ میں شکستوں کے باوجود خاصے طاقت ور رہے۔ کیتھولک امرا نے بھی ایک جمعیت منظم کر لی جس کی سرکردگی طاقت ور گیز خاندان کو حاصل تھی۔ دونوں فریقوں کے امداد کے لئے بیرونی طاقتوں سے گفت و شنید شروع کر دی۔ کیتھولک ہسپانیہ سے امداد کے طلب گار تھے اور پروٹسٹنٹ انگلستان سے۔ ان حالات میں فرانسیسی حکمرانوں کے لئے اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ دونوں فریقوں کی مخالفت کریں۔

ہنری والی نوار کی فتح : مذہبی جنگوں کا خاص دور وہ ہے' جسے تین ہنریوں کی جنگ کہتے ہیں (1584ء - 1589ء) تین ہنری یہ تھے: ہنری سوم شاہ فرانس' جو فرانس اول کا آخری پوتا تھا۔ ہنری ڈیوک آف گیز' جو کیتھولک جمعیت کا رئیس تھا۔ ہنری والی نوار' جو بے اولاد بادشاہ کا رشتے کا بھائی اور ولی عہد تھا۔ ایک پروٹسٹنٹ کی جانشینی کے خطرے نے کیتھولکوں کی جمعیت کو اس انتہا پر پہنچا دیا کہ انہوں نے جانشینی کے قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کر دی کہ ہنری والی نوار کا چچا کارڈنیل بوربون بادشاہ بن جائے' کیوں کہ وہ کیتھولک تھا' لیکن ایک قائم شدہ بادشاہی میں جانشینی کے اصول کو دستوری قوانین کی حیثیت حاصل ہے اور رائے عامہ انہیں کی موئید ہوتی ہے۔ اعتدال پسند فرانسیسی رائے عامہ پہلے ہی کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں کی انتہائی پسندی پر بگڑی ہوئی تھی۔ اب اس نے کیتھولک جمعیت کی مخالفت شروع کر دی۔

تاہم پیرس کیتھولکوں کا ایک زبردست گڑھ تھا' وہاں ایک ہنگامہ بپا ہوا' جسے عموما" "مورچہ بندی کا یوم" کہا جاتا ہے۔ (12 مئی 1588ء) بادشاہ ہنری سوم اس ہنگامے سے خوفزدہ ہو کر شہر چھوڑ گیا اور اہل شہر نے ڈیوک آف گیز کو بڑے جوش و خروش سے بلا لیا۔ ہنری سوم نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب وہ طریقہ اختیار کیا' جو کمزور آدمی عموماً" اختیار کر لیتے ہیں' یعنی کیتھولک جمعیت کے دو بڑے آدمی ـــــ ہنری ڈیوک آف گیز اور اس کا بھائی لوئی ـــــ قتل کر دیے گئے۔ بادشاہ نے نہ محض ان کے قتل سے چشم پوشی کی بلکہ منصوبہ خود تیار کیا۔ جمعیت اس پر بھڑک اٹھی اور بغاوت شروع کر دی۔ بادشاہ مجبور ہوا کہ اپنے پروٹسٹنٹ رشتہ دار یعنی ہنری والی نوار کے پاس پناہ لے۔ وہاں ایک راہب نے اسے قتل کر دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ہنری والی نوار بادشاہ بن گیا اور اس نے ہنری چہارم کا لقب اختیار کر لیا (1589ء - 1610ء)۔ وہ بوربون خاندان کا پہلا بادشاہ تھا۔ کیتھولکوں نے بوڑھے کارڈنیل بوربون کی بادشاہی کا اعلان کر دیا اور اسے چارلس دہم کا لقب دے دیا۔ مارچ 1590ء میں اوری کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ ہنری نے شاندار فتح حاصل کی اور پیرس کا محاصرہ کر لیا۔ طویل گفت و شنید شروع ہو گئی۔ ہنری کو اس بات پر راضی کر لیا گیا کہ اگر وہ پروٹسٹنٹ عقیدہ ترک کر دے تو اعتدال پسند کیتھولک بھی اس کے ساتھ ہو جائیں گے اور پروٹسٹنٹوں کے لئے کم از کم رواداری کا انتظام کیا جا سکے گا۔ چنانچہ 1593ء میں ہنری نے کیتھولک ہونے کا اعلان کر دیا۔ پیرس نے ہتھیار ڈال دیے۔ یہ داستان غالباً" بعد میں وضع کی گئی کہ ہنری نے کہا تھا: پیرس یقیناً" یہ حیثیت رکھتا ہے کہ اس کی خاطر کیتھولک مذہب قبول کر لیا جائے۔ 1598ء میں نانتز سے شاہی فرمان جاری ہوا جس کے مطابق فرانس کی مذہبی جنگیں ختم کر دی گئیں۔ تاہم مذہبی آزادی حاصل نہ ہوئی۔ ہیوجوناٹوں کو متعین علاقوں میں اپنے مذہب کے مطابق عمل پیرا رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ بڑے امراء کو اجازت مل گئی کہ وہ اپنے گھروں میں جو مذہبی طریقہ چاہیں اختیار کریں' لیکن پیرس' اس کے حوالی یا ان شہروں میں جہاں بشپ اور آرچ بشپ متعین ہوں' ہیوجوناٹوں کو برسرعام عبادت کی ممانعت کر دی گئی۔ اسی سال (1598ء) ہسپانیہ کے ساتھ معاہدۂ درون ہو گیا' جس کے مطابق فرانس کی مداخلت ختم ہو گئی اور ہسپانیہ نے فرانس میں جو علاقے فتح کئے' وہ شاہ فرانس کو مل گئے۔

سیاست دان : ہنری والی نوار ایک صاحب جوہر لیڈر تھا۔ وہ بے پروا نہیں' بلکہ حقیقت پسند تھا۔ اس نے فرانسیسی بادشاہی کا وقار بحال کر دیا' جیسا کہ آئندہ چل کر معلوم ہو گا۔ اس کی خوش نصیبی تھی کہ ایسے وقت میں بروے کار آیا' جب خانہ جنگی کا جوش و خروش قریب الاختتام تھا۔ اگر فرانس صلح و امن کے لئے تیار نہ ہو گیا ہوتا تو ہنری امن قائم کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا۔ جن ارباب فکرو نظر نے نانتز کا فرمان تیار کیا اور فرانسیسی بادشاہی میں زندگی کی نئی روح پھونکی' وہ ایسے آدمی تھے' جنہیں فرانس کی ناقابل ترجمہ اصطلاح میں پالیٹکس (سیاست دان) کہتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا جین بودن تھا' جو 1596ء میں فوت ہوا اور اسے بالکل بیجا طریق پر مطلق العنان بادشاہی کا حامی قرار دیا جاتا ہے۔ یقیناً" اس کی رائے یہ تھی' اختلاف زدہ فرانس میں نظم و امن پیدا کرنے کا واحد امکان یہ ہے کہ ایک بادشاہ کی اطاعت کی جائے' جو چھوٹے چھوٹے جھگڑوں سے بالاتر ہو' لیکن وہ ہرگز اس بات کا حامی نہ تھا کہ بادشاہ کی اطاعت ہر معاملے میں کی جائے' خواہ وہ کچھ بھی کرے۔ وہ اعتدال پسند تھا اور اس کا عقیدہ یہ تھا کہ تاریخ نے وہ پابندیاں عائد کر دی ہیں' نیز سیاسیات کے عملی پروگرام کے جو تقاضے ہیں' انہیں قبول کر لیا جائے۔ سیاست دانوں کو یقین ہو چکا تھا کہ فرانسیسی حکومت کی برتری میں فرانسیسیوں کو مسیحی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب کی مختلف عملی شکلوں پر کاربند رہنے کی اجازت مل جائے گی۔

بعض سیاست دان یقیناً" مذہبی آدمی نہ تھے' لیکن ان میں سے بہترین------ مثلاً" مائیکل دلاہو سپنل------ مسیحی تھے' جو مذہبی جنگوں میں لڑنے والوں کے بنیادی عقیدے پر پختگی سے قائم تھے' البتہ جن لوگوں کو مذہبی معاملات میں اختلاف تھا' انہیں بہ زور دبانے کو وہ غیر مسیحی عمل سمجھتے تھے۔

ہیسبرگوں کے خلاف فرانس کی جنگوں یا سولھویں صدی کے اواخر کی مذہبی لڑائیوں نے فرانس کی مادی خوش حالی اور فرانسیسی ثقافت کے فروغ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی۔ جس حد تک فرانس کے فنون و علوم کا تعلق ہے' یہ سمجھنا چاہیئے کہ سولھویں صدی میں وہاں احیاء علوم کی تحریک کسی قدر متاخر جاری ہوئی۔ یہی صدی ہے جس میں بڑے شاطو تعمیر ہوئے اور اسی صنعت میں ریویلایس گزرا ہے۔ پندرھویں صدی کے فرانسیسیوں نے جو ممتاز جدت انگیز کارنامے انجام دیئے وہ سیاسی اور مذہبی مفکروں کے کارنامے ہیں۔ مثلاً" سیاست دانوں میں سے بودن اور لاہو سپنل اور پروٹسٹنٹوں میں سے کیلون اور ہاٹمین کے کارنامے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ باب 9

نئی بادشاہیاں ـــــ انگلستان

(NEW MONARCHIES)

انگلستان میں ٹیوڈر خاندان کے پہلے بادشاہ ہنری ہفتم نے بادشاہی مستقل بنیادوں پر قائم کر دی تھی۔ وہ اپنے بیٹے ہنری ہشتم کے لئے بھرپور خزانہ اور منظم بادشاہی چھوڑ گیا۔ ہنری ہشتم نے موروثی خزانہ خالی کر دیا کیوں کہ اسے اپنے باپ کی روش کے خلاف نمائش کا بڑا شوق تھا اور وہ دور احیاء علوم کی بادشاہی کے طمطراق کا شیدائی تھا۔ اس نے فرانسس ماڈل سے کیلے کے مقام پر ایک رسمی ملاقات کی (1540ء)۔ یہ مقام ملاقات اب تک تاریخ میں "میدان زر ہفت" کہلاتا ہے۔

مگر ہنری نے انگلستان کی مالی حیثیت کو زیادہ نقصان نہ پہنچنے دیا اور اس کے بہت سے وجوہ تھے۔ بنیادی طور پر ہمیں حکومت کے مالیات اور پورے معاشرے کے اقتصادیات کے درمیان امتیاز قائم رکھنا چاہئے۔ ہمیں بعض اوقات ـــــ مثلاً" 1789ء کے بڑے انقلاب فرانس کے موقع پر ـــــ ایک خوش حال معاشرے میں ایک غریب بلکہ دیوالیہ حکومت کی مثال مل سکتی ہے اور ایسا بھی ممکن ہے ـــــ جیسا اٹھارہویں صدی کے پروشیا میں ـــــ کہ ایک نسبتاً" غریب معاشرے میں نہایت خوش حال و منظم حکومت موجود ہو۔ ٹیوڈروں کے انگلستان کی خوش نصیبی تھی کہ ان کی حکومت کے مالیات بھی اچھی حالت میں تھے اور معاشرہ بھی خوش حال تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بھیڑیں پالنے کے لئے امراء نے زمینوں کے اردگرد جنگلے لگا لئے تھے اور بعض دوسرے عامل بھی پیش آئے جن کی وجہ سے نیا غریب طبقہ پیدا ہو گیا لیکن طبقہ ء اوسط اور نئے طبقہ ء اعلیٰ کی حالت بہت اچھی رہی۔ نیز قومی پیداوار غیر ملکی جنگوں کے دوران میں غیر معمولی حد تک وسیع نہ ہوئی اور حکومتوں کی تباہ کن مالی مشکلات کا حقیقی بڑا سبب یہی ہوتا ہے۔ جمہوریت پسندوں نے اکثر یورپی بادشاہوں کو ملزم گردانا ہے کہ انہوں نے قصروں' خدم و حشم' پنشنوں' داشتاؤں اور اعلیٰ درجہ ء معیشت پر بے پناہ رقمیں خرچ کیں' مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے مصارف معاشرے کے پورے سرمایے کا محض ایک حصہ تھے۔ ہنری کی بیویوں ـــــ جو چھ تھیں ـــــ اس کے دربار اور شاہی طمطراق نے ملک کو قطعاً" بھکاری نہ بنایا البتہ چارلس پنجم اور فلپ دوم کی جنگوں نے ہسپانیہ کو بھکاری بنا دیا۔

ہنری ہشتم نے لڑائی بھی کی تو بڑی احتیاط سے اور کبھی بڑی انگریزی فوج براعظم میں بھیجنے کا خطرہ گوارا نہ کیا' بلکہ وہ انتہائی احتیاط سے توازن قوی کے اصول پر چلتا رہا۔ اصلاح کلیسا کی انگریزی تحریک نے اس کے لئے خانقاہوں کے املاک ضبط کر کے شاہی آمدنی بڑھانے کے جتنے مواقع پیدا کئے' ان سب سے اس نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اپنے حامیوں کو ضبط شدہ جائدادوں میں سے زمینیں بہ طور انعام دے دیں۔ اس طرح وہ اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر نیا بالائی طبقہ پیدا کرتا رہا ہے۔ اسی طبقے نے امرا کا نام پایا۔ انگلستان کی ترقی اور نشوونما کے اس نازک دور میں نیا طبقہ تاج کا وفادار رہا۔ فرانس میں یہ کیفیت نہ تھی۔ پھر جرمنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ریاستوں کے خلاف انگلستان کا یہ نیا طبقہ نہ تاج کا غلام تھا نہ اسے نوکر شاہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ نظم و نسق میں ہنری نے باپ کے مسلک کی پیروی جاری رکھی۔ مرکزی نظم و نسق کو مستحکم کرتا رہا۔ مفصلات کے میجسٹریٹوں پر پوری نگرانی قائم رکھی' کیوں کہ انہیں لوگوں کو انگلستان کی مقامی حکومت میں کلیدی حیثیت حاصل تھی۔

ٹیوڈروں کی پارلیمنٹیں : سب سے بڑھ کر قابل ذکر امر یہ ہے کہ ہنری جو کچھ چاہتا تھا' اپنی پارلیمنٹوں سے حاصل کرتا رہا' یہاں تک کہ وہ قوانین بھی منظور کرا لئے' جن کے مطابق کلیسائے انگلستان رومہ سے الگ ہو گیا۔ جنگوں اور کانفرنسوں کے لئے روپیہ بھی منظور کرا لیا۔ ہنری کی پارلیمنٹیں ایسی نہ تھیں کہ وسیع حق رائے دہی کے مطابق ان کے انتخابات عمل میں آتے۔ ٹیوڈروں کے دارالامرا میں ایسے آدمیوں کی اکثریت تھی' جو بادشاہ کے حامی تھے۔ یہ خطاب یافتہ امرا تھے۔ 1534ء کے بعد انگلیکی کلیسا کے بشپ بھی ان میں شامل ہو گئے۔ یہ سب ٹیوڈروں کے بنائے ہوئے لوگ تھے اور ان کے اطاعت گزار تھے۔ دارالعلوم میں مختلف حلقوں کے نائٹ شریک تھے' جنہیں مقامی زمیندار اور دوسرے لوگ منتخب کرتے اور مختلف قصبوں کی طرف سے بھی نمائندے شامل تھے۔ اکثر حلقوں کے رائے دہندوں کی تعداد بہت محدود تھی۔ حلقوں میں ان لوگوں کی اکثریت تھی' جو کھیتوں میں مختلف کام انجام دیتے یا کاشتکاری کرتے۔ آزاد زمینداروں کی تعداد تھوڑی تھی' اس وجہ سے اضلاع میں بھی حق رائے دہی محدود تھا۔ نائٹوں کو بڑی حد تک مفصلات کے معزز لوگ منتخب کرتے۔ بادشاہ مختلف حلقوں کی سرپرستی کر کے یا انہیں انعام و اکرام دے کر دارالعلوم کی تشکیل اپنی مرضی کے مطابق کر سکتا تھا۔

ٹیوڈروں کی پارلیمنٹیں موجودہ دور کی مجالس قانون ساز سے زیادہ مطابق ہیں۔ ان مجلسوں یا پارلیمنٹوں سے مطابق نہیں' جو اس زمانے کے براعظم میں رائج تھیں۔ اصل اختلاف دارالعلوم کی ترکیب میں ہے۔ یہ ایوان ازمنہ وسطیٰ میں پیدا ہوا اور صرف شہری سرمایہ داروں کا نمائندہ نہ تھا' بلکہ ایک ایسی جمعیت تھی' جس میں مفصلات کے بڑے بڑے زمیندار اور شہروں کے سرمایہ دار یکساں شریک ہوتے تھے۔ براعظم میں جو مجلسیں انگلستان کی پارلیمنٹ کے مشابہ تھیں' وہ فرانس اور جرمنی کی قومی مجلسیں تھیں۔ ان کے تین مختلف ایوان تھے' ایک پادریوں کے لئے' دوسرا چھوٹے بڑے امرا کے لئے' تیسرا نمائندگان عوام کے لئے۔ بعض ملکوں میں چار ایوان تھے' مثلاً" سویڈن میں : ایک پادریوں کے لئے' دوسرا امرا کے لئے' تیسرا شہریوں کے لئے' چوتھا کسانوں کے لئے۔ انگلستان میں امراء کا گروہ چھوٹا تھا۔ ہر امیر کا بڑا بیٹا خطاب اور املاک کا مالک ہوتا تھا۔ چھوٹے بیٹوں کو نہ خطاب ملتا تھا اور نہ جائداد' البتہ حکمران انہیں امیر کا درجہ دے سکتا تھا' لیکن اس درجے کو دارامرا میں شرکت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ لوگ اس طبقے میں شریک ہو جاتے' جس کی نمائش کے لئے دارلعوام مقرر تھا۔ اس کے برعکس براعظم میں امیر کی پوری جائز اولاد عموماً" امرا ہی میں شامل سمجھی جاتی۔

سب سے آخر میں یہ کہ انگلستان کی پارلیمنٹ کا ظہور ازمنہ وسطیٰ میں ہوا اور اسے قوانین دوسا تیر بنانے کا اختیار تھا۔ ان میں مالی قوانین بھی شامل تھے۔ یہ درست ہے کہ ان قوانین کے لئے بادشاہ کی رضامندی حاصل کرنا ضروری تھا' لیکن پندرھویں صدی کے اختتام تک پارلیمنٹ ایسے اختیارات حاصل کر چکی تھی' جنہیں محض مشورے کے اختیارات نہیں کہا جا سکتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ فرانس کی پارلیمنٹ کو ایسے اختیارات حاصل نہ تھے۔

جس حد تک دستوری نظام کا تعلق ہے' ٹیوڈروں کی پارلیمنٹیں بھی حکمران سے اسی طرح جھگڑ سکتی تھیں' جس طرح آئندہ صدی میں سٹوارٹوں کی پارلیمنٹیں جھگڑتی رہیں۔ اگرچہ ٹیوڈر بادشاہوں کو بھی پارلیمنٹوں کے تعلق میں مشکلات پیش آئیں' لیکن وہ بہ حیثیت مجموعہ زیادہ نازک دستوری مشکلات کے بغیر ضرورت کی چیزیں پارلیمنٹوں سے حاصل کرتے رہے۔ ہنری ہشتم اور ایلزبتھ اول کے تعلق میں یہ بیان بالتخصیص درست ہے۔ یہ تاجدار جزوا" اس لئے کامیاب ہوئے کہ ان کی پارلیمنٹوں میں ایسے نمائندوں کی اکثریت تھی' جو تاج کے حامی تھے' کیوں کہ تاج ہی سے انہیں سب کچھ حاصل ہوا تھا۔ کامیابی ایک یہ بھی ہے کہ دونوں تاجدار دانشمند تھے اور پارلیمنٹ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنا وقار اور خداداد جوہر خوش اسلوبی سے استعمال کر سکتے تھے۔ دستوری اور انسانی زیبائیوں کا وہ خاص خیال رکھتے تھے۔ نیز ہنری اور ایلزبتھ دونوں خوش دل تھے۔ انہیں اپنے وقار کا پورا یقین تھا۔ رعایا کے تمام طبقوں میں وہ بے حد ہردلعزیز تھے۔ پھر اس لحاظ سے خوش نصیب تھے کہ بیرونی دشمنوں یعنی رومہ اور ہسپانیہ کے خلاف حب وطن کے قومی احساسات سے ان کے سینے معمور تھے۔

ٹیوڈروں کی داخلی تاریخ کاملا" پرامن نہ رہی۔ ہنری ہفتم کو دو مدعیان سلطنت سے سابقہ پڑا۔ ہنری ہشتم کو مذہبی پالیسی میں مخالفت پیش آئی۔ کیتھولکوں کی ایک اقلیت' جو شمال میں تھی' سولھویں صدی کے اندر پروٹسٹنٹ اکثریت کی مخالف رہی۔ بعض اوقات وہ لوگ ہتھیار سنبھال کر میدان جنگ میں آتے رہے' بعض اوقات محض سازشیں کرتے رہے۔ 1547ء میں ہنری ہشتم نے وفات پائی۔ اس وقت سے مذہبی تذبذب کا ایک غیر معمولی دور شروع ہو گیا۔

مذہبی مشکلات : ہنری کا اکلوتا بیٹا ایڈورڈ ششم جانشین ہوا' جس کی عمر دس سال تھی۔ رئیس حکومت اس کا ماموں ڈیوک آف سمرسٹ تھا اور اس حکومت نے پروٹسٹنٹوں کے طور طریقے اختیار کر لئے۔ جن چھ دفعات کے مطابق ہنری نے کیتھولک دینیات' عبادت اور کلیسائی تنظیم کے بنیادی اصول محفوظ رکھنے کی کوشش کی تھی' وہ 1947ء میں منسوخ کر دیئے گئے۔ ان چھ دفعات کا قانونی نام قانون تنسیخ اختلاف رائے تھا۔ مقصد یکسانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایڈورڈ ششم کے مختصر سے عہد میں کوشش کی گئی کہ ایک کتاب دعا اور اصول عقائد کی بنا پر جو پارلیمنٹ نے تجویز کئے تھے' مذہبی عبادت میں یکسانی پیدا کی جائے۔ کنٹربری کا آرچ بشپ (اسقف اعظم) مسلمہ پروٹسٹنٹ تھا اور اس نے لوتھر کی طرح شادی کر کے کیتھولزم سے رسمی قطع تعلق کر لیا تھا۔ اس کی نگرانی میں انگریزوں کی اکثریت نے پروٹسٹنٹوں کا طریق عبادت اختیار کر لیا۔

1553ء میں نوجوان ایڈورڈ' جس کی صحت برابر نازک رہی' فوت ہو گیا۔ پروٹسٹنٹوں نے زبردست کوشش کی کہ تاج ایک پروٹسٹنٹ خاتون لیڈی جین گرے کو مل جائے' جو ہنری ہفتم کی نواسی تھی اور وہ خاموش پڑھی لکھی عورت تھی اور اس کے دل میں کوئی ولولہ موجود نہ تھا' مگر ایڈورڈ ششم کی جگہ اس کی بڑی بہن میری نے سنبھال لی' جو ہنری ہشتم کی کیتھولک بیوی کیتھرائن کی بیٹی تھی اور ہنری نے اسے طلاق دے دی تھی۔ میری کی تربیت کیتھولک ہی کی حیثیت میں ہوئی تھی۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی قدیم طور طریقوں کا احیاء شروع کر دیا۔ جب میری نے اعلان کیا کہ میرے اور فلپ دوم شاہ فرانس کے درمیان شادی کا معاہدہ ہو چکا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے تو بغاوت ہوئی' لیکن میری نے باغیوں کو دبا دیا۔ لیڈی جین گرے پر سازش کا الزام لگا کر قتل کرا دیا گیا۔ حالانکہ اس نے سازش میں کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ کیتھولک کارڈنیل پول کو کنٹربری کا اسقف اعظم بنا دیا گیا۔ کرنمیر کو جلایا گیا۔ کیتھولکوں کے طریقے عبادت پھر سے حاوی ہو گئے لیکن ہنری ہشتم املاک کا جو فیصلہ کر چکا تھا اس میں ردوبدل نہ کیا گیا۔

میری بھی مختصر سے عہد حکومت کے بعد 1558ء میں فوت ہو گئی اور ہنری ہشتم کی اولاد میں سے صرف ایک بیٹی رہ گئی۔ یعنی ایلزبتھ' جو این بولین کے بطن سے تھی۔ پارلیمنٹ نے 1536ء میں ہنری کی درخواست پر ایلزبتھ کو ناجائز اولاد قرار دیا تھا لیکن ہنری نے مرنے سے پہلے جو وصیت نامہ لکھا' اس میں ایلزبتھ کو اپنی بیٹی قرار دیا۔ یوں وہ ایلزبتھ اول کے لقب سے تاج و تخت کی مالک بن گئی (1558ء - 1603ء)۔ اس کی تربیت پروٹسٹنٹ کی حیثیت میں ہوئی تھی' گویا ہر اس انگریز لو جو گرجے جانے کا عادی تھا' پھر ایک مرتبہ اپنا طریق عبادت تبدیل کرنا پڑا۔ اس مرتبہ اینگلیکی کلیسا مستقل حیثیت میں قائم کر دیا گیا۔ 1563ء میں انتالیس دفعات الزبتھ کی طرف سے شائع ہوئیں' جو آج تک اینگلیکی عقائد کی بنیادی دستاویز ہیں۔

ایلزبتھ نے جو فیصلہ کیا' وہ اگرچہ معتدل اور مستقل تھا' لیکن اس سے مذہبی مسئلہ پوری طرح طے نہ ہوا۔ انگلستان میں ایک کیتھولک جماعت موجود تھی اور کیتھولزم کی تنسیخ کے بعد ہسپانیہ کی طرف سے دشمنی کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اور یہ یقینی ہو چکا تھا کہ حقیقی جنگ کے مصارف سے زیادہ دیر تک محفوظ نہیں رہا جا سکتا۔ مزید برآں سکاٹ لینڈ سے ان دنوں یہی امید ہو سکتی تھی کہ وہ ہر حالت میں انگلستان کے خلاف حصہ لے گا۔ سکاٹ لینڈ کی نئی ملکہ میری سٹوارٹ تھی' جو ہنری ہشتم کی بہن مارگریٹ کی پوتی تھی اور ایلزبتھ بے اولاد مر جاتی تو میری ہی انگلستان کے تاج و تخت کی مالک بنتی۔ میری نے ایلزبتھ کی وفات کا انتظار نہ کیا' بلکہ یہ اعلان کر دیا کہ ایلزبتھ ناجائز اولاد ہے' ساتھ ہی اپنے آپ کو ملکہء انگلستان اسکاٹ لینڈ قرار دیا۔

انگریز کیتھولکوں کو ایلزبتھ کی طرف سے خاص مذہبی مشکلات کا اندیشہ نہ تھا۔ پروٹسٹنٹ انتالیس دفعات پر مطمئن نہ تھے اور وہ نمایاں ہو رہے تھے۔ ان لوگوں کو پیورٹین کہتے ہیں' کیوں کہ یہ اینگلیکی کلیسا کو عقائد و رسوم اور انتظامات میں ان پاپائی طور طریقوں سے پاک کر دینا چاہتے تھے' جو اس وقت تک باقی چلے آتے تھے۔ حقیقتاً" پیورٹینوں میں اعتدال پسند اور انتہا پسند سب شریک تھے۔ اعتدال پسند صرف یہ چاہتے تھے کہ دعاؤں اور رسموں کے طریقے پر پیچ نہ رکھے جائیں اور بشپ بحال رہیں۔ پریسبیٹیرین کیلون کے پیرو تھے۔ وہ بشپوں کی جگہ اکابر (پریسبیٹرز) کی مجلس قائم کرنا چاہتے تھے اور ان کی رائے تھی کہ کیلون کی دینیات اختیار کر لی جائے۔ پیورٹینوں کا ایک انتہا پسند بازو براؤنسٹ کہلاتا تھا' کیوں کہ ان کے لیڈر کا نام براؤن تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہر جماعت کو مستقل حیثیت دے دی جائے۔

ملکہ ایلزبتھ : غرض ملکہ ایلزبتھ کے سامنے ابتدائی دور حکومت میں ایک خاصا پریشان کن منظر رونما تھا۔ ایڈورڈ اور میری کے عہد میں جو ہنگامے بپا ہوئے' ان کی وجہ سے دو ہنریوں (ہنری ہفتم' ہنری ہشتم) کا کیا ہوا کام برباد ہو چکا تھا۔ ہر طرف اختلافات پھیلے ہوئے تھے' تاہم ایلزبتھ نے تقریباً" پچاس سال تک حکومت کی اور انگریزی معاشرے کی فروغ پذیری کا ایک عظیم الشان دور اسی کے نام سے موسوم ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایلزبتھ کی شخصیت دل میں کوئی گرمجوشی پیدا نہیں کرتی۔ وہ خود نما تھی (یا متکبر)۔ خوشامد سے متاثر ہو جاتی تھی لیکن اتنی سمجھ رکھتی تھی کہ اہم معاملات میں غلط راستے پر نہ لگ جائے۔ دور احیاء علوم کی حقیقت پسندی کی ایک عمدہ مثال تھی' (بلکہ میکیاولی سے بھی بہتر)۔ عورت کے لئے اس قسم کا اقتدار ذرا حد سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا' لیکن وہ منظر عام پر آتی تو دھوم دھڑکے اور طمطراق کا بہت خیال رکھتی۔ دوستوں کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں' عوام اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس نے شادی نہ کی' اس لئے اس کے خلاف بہت سی افواہیں پھیل گئیں' جن کی کوئی محکم توجیہ ملتی اور نفسیاتی نقطہء نگاہ سے نہیں کی جا سکتی۔ حکومت کے ابتدائی دور میں اس نے ملکی اور غیر ملکی خواہشمندان عقد کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا۔ اس طرح اپنی خارجہ پالیسی کے لئے عمدہ نتیجے پیدا کر لئے اور اس کی خواہش ہمیشہ یہ رہی کہ جنگ کے خطرات و مصارف سے محفوظ رہے اور کچھ صرف کئے بغیر کچھ حاصل کر لے۔ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کا شادی نہ کرنا ابتدا میں محض حکومت کی مصلحت کا تقاضا تھا' پھر وہ اسی مسلک پر قائم ہو گئی۔

برلے اور واسنگھم جیسے قابل وزیروں کے ماتحت اس کی حکومت بڑے ضبط و نظم سے جاری رہی۔ ڈپلومیسی سے کام لے کر فرانس اور ہالینڈ کو ہسپانیہ کے خلاف استعمال کیا گیا اور فلپ سے براہ راست مقابلہ 1588ء تک ملتوی رہا۔ اس وقت تک انگلستان تیار ہو چکا تھا۔ سکاٹ لینڈ کی ملکہ میری ایلزبتھ کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ محض اس لئے نہیں کہ وہ اچھی مدبر نہ تھی' اس لئے بھی کہ سکاٹ ایڈکام کا کوئی یقینی مرکز نہ تھا۔ میری کیتھولک تھی اور سکاٹ لینڈ جان نوکس کی سرکردگی میں کیلونزم کا ایک بڑا مرکز بن رہا تھا۔ میری نے ہر معاملے میں غلطی کی اور غالباً" سب سے بڑی غلطی معاملہء عشق میں تھی' خصوصاً" پیوریٹنوں کی سرزمین میں۔ رعایا نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ 1568ء میں وہ انگلستان کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوئی' جہاں ایلزبتھ نے اسے قید کر دیا۔ میری جب تک زندہ تھی ہر اس شخص کے لئے مستقل ترغیب کا ذریعہ تھی' جو ایلزبتھ کا تختہ الٹنا چاہتا تھا۔ ایسے خطوط پکڑے گئے' جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایلزبتھ کے خلاف ایک زبردست سازش میں شریک تھی۔ میری نے ان خطوط کو جعلی قرار دیا اور مورخوں کے درمیان اب تک ان پر بحث ہو رہی ہے۔ بہ ہر حال 1587ء میں اس پر مقدمہ چلا' وہ مجرم قرار پائی اور اسے موت کی سزا دے دی گئی۔

اس عہد حکومت کا حد درجہ نازک دور وہ تھا' جب ہسپانیہ سے جنگ چھڑی اس کا خاتمہ 1598ء میں ہسپانیہ کے عظیم الشان بیڑے کی شکست پر ہوا' تاہم ایلزبتھ کا بڑھاپا کامل اطمینان سے نہ گزرا۔ آئرلینڈ کے عوام پر انگلستان کے وہ بڑے بڑے زمیندار امیر حکمران تھے' جنہیں عوام کے معاملات سے قطعاً" آگاہی نہ تھی۔ 1542ء میں آئرلینڈ کو بادشاہی بنا دیا گیا تھا' لیکن وہ آزاد نہ ہوا' کیوں کہ دونوں ملکوں (انگلستان و آئرلینڈ) کا تاجدار ایک ہی شخص تھا۔ اس سے پیشتر ایک قانون 1495ء میں منظور ہوا تھا' جو قانون ڈروگیڈا کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے مطابق آئرلینڈ کی پارلیمنٹ انگریزوں کے ضبط و نظم میں رکھ دی گئی تھی اور انگریزی پارلیمنٹ جو قانون آئرلینڈ کے لئے منظور کر دیتی' وہی قانون اس پارلیمنٹ کے لئے منظور ہوتا۔ آئرلینڈ کے باشندے کیتھولک تھے یوں آئرلینڈ کی آزادی کے لئے طویل جدوجہد شروع ہوئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئرلینڈ میں 1597ء ہیواونیل ارل ٹائیرون کے زیر قیادت بغاوت ہوئی (1597ء) کچھ مدت تک وہ کامیاب رہی۔ آخر 1601ء میں بڑی خونریزی سے دبا دی گئی۔ اس سے پیشتر ایلزبتھ کا ایک منہ چڑھا امیر ارل ایسکس اس سے عہدہ برآ ہونے میں ناکام رہا تھا۔ پھر ایسکس اپنی ملکہ کے خلاف ایک سازش میں الجھ گیا۔ سازش کے انکشاف پر اسے موت کی سزا دی گئی۔

ایلزبتھ کا دور بالکل امن کا دور نہ تھا۔ اس میں جنگیں بھی ہوئیں' بغاوتیں بھی۔ شخصی و فریقانہ کشمکشیں بھی اور شدید مقابلے بھی۔ تاہم یہ واقعات انگلستان میں حالات کو تباہی کی اس مہلک گہرائی تک نہ پہنچا سکے' جس پر سی سالہ جنگ نے جرمنی کو پہنچایا تھا۔ اگرچہ تھوڑے عرصے کے لئے خونریزی میری کے عہد میں خاصی خطرناک حالت پیدا ہو گئی تھی۔ سلطنت اور معاشرے کی بنیاد بڑی محکم تھی اور اس میں ادب' موسیقی' تعمیرات سائنس' دولت اور فتوحات رونما ہوئیں' جن کے لئے ایلزبتھ کا عہد مشہور ہے۔ بنیاد جزوا" یہ تھی کہ انتظامی ڈھانچا اچھا تھا' جو قومی وحدت پر مبنی تھا یا سلبی اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انگلستان کے اندر وہ انتہائی مقامی اختلافات اور تناؤ موجود نہ تھے' جو براعظم میں پائے جاتے تھے۔ بحری قزاقی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ مادی خوش حالی کے علاوہ انگریزوں میں ایک مشترک جذبہ بھی وحدت کا موجب تھا اور وہ اختلافات کو خاص حدود سے آگے نہیں لے جاتے تھے۔ رعایا کو اکٹھا رکھنے کے لئے خود ایلزبتھ نے بھی بہت کچھ کیا۔ مثلا" اس کی مذہبی پالیسی تھی کہ کلیسائے انگلستان کے اصول و اعمال جو پہلے ہی خاصے وسیع تھے' مزید وسعت پائیں اور ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وہ کیتھولزم اور اجتماعیت کے قریب پہنچ جائیں' لیکن یہ توسیع بھی ایک حد پر پہنچ کر رک گئی۔ ایلزبتھ نے کیتھولکوں کو ایک طرف اور براؤن کے پیروؤں کو دوسری طرف جبر کا نشانہ بنایا۔

انگریزی دور احیاء علوم : ایلزبتھ اول کے عہد میں جس انگریزی ثقافت نے فروغ پایا' اس کی مثال ہمارے لئے شیکسپیئر ہے (1564ء - 1616ء) ایلزبتھ کا عہد حکومت 1558ء سے 1603ء تک ہے۔ وہ اس پورے دور پر حاوی نہیں۔ اس کے باپ کے عہد کی مختلف چیزیں خود اس کے عہد میں فروغ پذیر ہوئیں' جس طرح خود اس کے عہد کی چیزیں اس کے جانشین سٹوارٹ بادشاہ جیمز اول کے ابتدائی دس یا پندرہ سال میں کمال پر پہنچیں۔

یہ انگریزوں کا دور احیاء علوم ہے' جو سب کے بعد آیا۔ اس کا دائرہ اور تنوع دونوں وہی ہیں' جو دوسری سرزمینوں میں ملتے ہیں۔ دونوں کا انحصار قدیم رومیوں اور یونانیوں پر ہے۔ انہیں کے لئے انگریزوں میں دوسری سرزمینوں کی طرح احترام کا واضح جذبہ موجود تھا۔ کوئی نظم' کوئی مقالہ' کوئی ڈراما یا کوئی عبارت ایسی نہیں مل سکتی' جو خالص مذہبی نہ ہو اور اس میں کوئی نہ کوئی کلاسیکی تنسیخ نہ پائی جائے۔ تاہم انگریزوں کے دور احیاء علوم میں کلاسیکی قدامت کی ہو بہو نقالی نہ کی گئی۔ اس میں وہ چیزیں زیادہ پائی جاتی ہیں' جو جزیرے کی آب و ہوا میں نمو پا سکتی ہیں۔ ٹیوڈروں کے عہد اور سٹوارٹوں کے ابتدائی عہد کی تعمیرات اس سلسلے کی ایک واضح مثال ہیں' نئے محل یا مختلف علاقوں کے مکان ازمنہ وسطی کے قلعوں جیسے نہیں۔ وہ زیادہ کھلے اور زیادہ نفیس ہیں' لیکن ان میں گاتھوں کے دور کی تمام خصوصیات باقی ہیں' یعنی سلاخوں والی کھڑکیاں' پتھر پر کٹاؤ کا کام' لکڑی پر کھدائی وغیرہ۔

اس دور کے انگلستان میں مصوری' مجسمہ تراشی یا فنون لطیفہ کی دوسری چیزیں' بلکہ موسیقی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی اعلیٰ پیمانے پر رہی۔ ایلزبتھ کے عہد کے اشراف و خواتین عشقیہ نظمیں گاتے تھے اور ستار بجاتے تھے۔ عہد حاضر کی تصویروں کو پسندیدہ سمجھتے تھے۔ مکان عہد حاضر کے نمونے کے بناتے تھے۔ عورتیں اور مرد وہی لباس پہنتے تھے' جو یورپی ثقافت کے مرکز یعنی اٹلی میں رواج پذیر تھا لیکن ایک چیز کا ذکر کر دینا چاہئے۔ انگلستان موسیقی اور فنون لطیفہ میں بڑی سرزمین نہیں۔ ایلزبتھ کے زمانے کے انگلستان کی عظمت ڈریک' ہاکنز' ولوزے' برلے اور تیوڈروں کے بعد سینٹ تامس مور' شیکسپیئر' فرانسس بیکن' سپنسر' بن جانسن اور بہت سے دوسرے افراد کی تصانیف میں موجود ہے' جو دنیا بھر میں انگریزی بولنے والوں کی اعلیٰ رسمی تعلیم میں شامل ہیں۔

لیکن اس سلسلے میں تعمیم مشکل ہے۔ یہ تصانیف کلاسیکی حیثیت رکھتی ہیں۔ عوام نے انہیں پسند بھی کیا ہے اور ان کے تغافل بھی برتا ہے۔ یہ تصانیف چار سو سال پیشتر کی ثقافت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے مصنفوں نے اس وقت انگریزی زبان لکھی' جب یہ پوری طرح ساخت کے سانچے میں نہیں ڈھلی تھیں اور فرانسیسی نثر کے زیر اثر اس کے الفاظ کی ترتیب نے سلاست کا رنگ اختیار نہیں کیا تھا۔ انہیں براہ راست پڑھنے کے بجائے ان کے متعلق پڑھ لینا سہل ہے۔ یہ تصانیف چند حذفیات کا نشانہ بنی رہیں' تاہم یہ اب تک کلاسیکی تصانیف کی حیثیت میں زندہ ہیں۔ خصوصیت سے شیکسپیر انگریزی بولنے والی دنیا سے باہر بھی اتنا عظیم الشان مانا گیا ہے' گویا وہ علم و فضل کا جارج واشنگٹن تھا۔ ملامت سے بالا اور حقیقت سے کسی قدر بلند۔

عہد ایلزبتھ کے یہ لوگ حد درجہ رنگین و مرصع تھے۔ نفاست میں بھی ان کی رنگینی بہ دستور قائم تھی۔ علم و فضل کا بھی زور تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مضطرب تھے' کچھ اور چیزیں حاصل کریں' جو الفاظ سے بھی زیادہ اونچی ہوں اور فہم سے بھی زیادہ آگے ہوں۔ بعد کی نسلیں سترہویں صدی کے اواخر اور اٹھارہویں صدی میں فہم و توازن کی رسیا تھیں۔ ان کے نزدیک عہد ایلزبتھ کے مصنف اکھڑ اور غیر منظم تھے۔ انیسویں صدی کے رومانی مصنفین کے نزدیک وہ رومانی بھائی تھے' جو جگنو کے لئے ستارے کی خواہش میں حصہ دار تھے۔ واقعی رنگینی اور افراط سے محبت عہد ایلزبتھ کی تحریرات میں نمایاں ہے اور اسکی مثال ہمیں سپنسر کی نظم "فیری کوین" میں ملتی ہے۔ اس میں قدیم یونانیوں اور رومیوں سے بے شمار اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ شیکسپیئر کو ابہام' تجنیس اور ضلع جگت کا شق تھا۔ وہ ہر قسم کی خطابی تدبیریں المیہ ڈراموں میں اختیار کرتا تھا۔ ہیملٹ کا انجام پیش نظر رکھئے' جس وقت سٹیج لاشوں سے پٹ جاتا ہے۔

تاہم عہد ایلزبتھ کے مصنفوں میں اک گونہ توازن بھی موجود ہے۔ انہیں حواس کے ذریعے سے زمین کی خوبیوں کا پورا اندازہ تھا۔ جب وہ اپنی فکر کی گہرائیوں میں ڈوب جاتے تھے اور اس دنیا کے لذائذ سے تھوڑی دیر کے لئے الگ ہو جاتے تھے' اس وقت بھی زمین ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی تھی۔ یہ خیال حد درجہ مہمل ہے کہ شیکسپیر کی کتابیں بیکن نے لکھیں۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ شیکسپیر نے رسمی اور علمی اعتبار سے ایسے ڈرامے لکھنے کی تربیت نہیں پائی تھی۔ یہ تصور سراسر لغو ہے۔ اس میں عہد کی روح ضرور پائی جاتی ہے۔ فرانسس بیکن ایک قانون دان' انسانیت دوست اور استقرائی علوم کا ماہر فلسفی تھا' البتہ تجرباتی سائنس پر عمل کا اسے اچھا شعور نہ تھا۔ وہ زمانہ بھر کے مسائل طے کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی ٹیوڈروں کے عہد کا ایک عام آدمی تھا اور تلخی سے بھری ہوئی اس دنیا میں لطف اندوز ہونے کا اسے شعور تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی کیفیت شیکسپیئر کی تھی، جس نے مرتے ہوئے ہملٹ کی زبان سے اس کے دوست ہوریشیو کو یہ بتایا۔

"اگر تو مجھے دل سے اپنا دوست سمجھتا ہے
تو شادمانی اور خوشی سے تھوڑی دیر کے لئے الگ ہو جا
اور تلخی سے بھری ہوئی اس دنیا میں درد بھرا سانس لے
اور میری کہانی سنا"

بیکن اور شیکسپیئر دونوں میں کم از کم ایک چیز مشترک تھی۔ وہ خوش دل اور خوش روح ہیں۔ ان کا سلسلہء فکر و نظر بہت وسیع ہے۔ ادب یا فلسفے کے محدود فارمولوں سے وابستہ نہیں۔ جو دنیا ان کے گردوپیش موجود تھی، اسے قبول کرنے کے لئے تیار تھے، مگر نہ ان کی زبان پر حرف شکایت تھا اور نہ بغاوت کا اعلان کر رہے تھے۔

بہرحال عہد ایلزبتھ کی رائے اور حیثیت ثقافت بیان کرنے کی کوششیں مختلف ہو سکتی ہیں، مگر اس میں شبہ نہیں کہ عہد ایلزبتھ کے انگریز اچھے محب وطن تھے اور انگلستان نے دنیا میں پہلے پہل جو کامیابی حاصل کی اس کے نشے میں وہ اپنے ملک کے شیدائی تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ دوم

مذہب جنگ 1560-1648

(THE WARS RELIGION)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 10

مذہب جنگ--- ایک جائزہ

(WARS RELIGION - OVERVIEW)

جو مورخ قومی روایات ذاتی دلچسپیوں' اور بہت سے دوسری چیزوں سے متاثر ہوئے انہوں نے ازمنہ ء وسطیٰ اور دور حاضر کے درمیان فصل کی مختلف تاریخیں متعین کیں۔ یہ تاریخیں زیادہ تر پندرھویں صدی کے نصف آخر سے تعلق رکھتی ہیں۔ اہل امریکہ 1493ء کو اہم ترین تاریخ قرار دیتے ہیں اور اس کی وجوہ واضح ہیں۔ مغربی یورپ کی بادشاہیوں میں مورخ زبردست اور اولوالعزم بادشاہوں کے ظہور کی تاریخیں زیادہ اہم سمجھتے ہیں---- 1485ء جس میں پہلا ٹیوٹر بادشاہ ہنری ہفتم والی انگلستان بروے کار آیا۔ 1461ء فرانس میں لوئی نہم کی تاریخ جلوس 1469ء فرڈیننڈ والی ایراگون اور ازبیلا والیہ ء کیسٹیل کی شادی کی تاریخ بعض مورخوں کا احساس یہ ہے کہ 1517 میں لوتھر نے پچانوے دفعات گرجے کے دروازے پر لٹکائی تھیں اور اسی کو ازمنہ ء وسطیٰ سے حقیقی علیحدگی کی تاریخ سمجھنا چاہئے۔ بعض دوسرے لوگ ایک ایسی تاریخ تجویز کرتے ہیں' جس کی اہمیت اکثر امریکیوں کے نزدیک واضح نہیں یعنی 1494ء کیوں کہ اسی تاریخ سے بین الاقوامی تعلقات کا دور شروع ہوا۔ اسی سال چارلس ہفتم شاہ فرانس اپنی فوج ا-لپس سے گزار کر اٹلی کی تسخیر کے لئے لے گیا اور اسی وقت سے دور حاضر کی پہلی جنگ شروع ہوئی۔

یہ تمام تاریخیں بہ طور خود متعین کر لی گئیں۔ کیوں کہ دور حاضر کی ثقافت کے درمیان کسی ایک ملک میں یا ایک سال میں حد فاصل مقرر نہیں کی جا سکتی۔ حد فاصل کا بہترین دائرہ بین الاقوامی تعلقات ہیں۔ یہاں بھی ازمنہ ء وسطیٰ کے آخری دور میں دور حاضر کی چیزوں---- رسمی ڈپلومیسی' علاقائی سیاسی وحدتوں کی رقابت' عہد ناموں کے ہونے اور ٹوٹنے اور توازن قوی کے عمل---- کا سلسلہ ازمنہ ء وسطیٰ کے آخر میں شروع ہو چکا تھا۔ جب چارلس ہشتم نے اٹلی پر حملہ کیا تو یہ تمام چیزیں واضح طریق پر سامنے آ گئیں۔ دور حاضر کے اوائل کی پہلی بڑی جنگوں کی کیفیت بیان کرنے سے پیشتر ہمیں بین الاقوامی سیاسیات کے مبانی کا جائزہ لے لینا چاہئے' جن کا مظہر یہ جنگیں تھیں۔

تقابلی نظام ملک داری : پہلے ایک نظام ملک داری موجود تھا' جسے بعض اعتبارات سے مملکتوں کا معاشرہ کہنا چاہئے۔ دنیا بھر کی حکومتوں کے بعض داعی اور وکیل اس عہد میں اس امر پر زور دیتے رہے ہیں کہ جو مملکتیں برتری اور خودمختاری کی مدعی ہیں' ان کے درمیان تعلقات موجود ہی نہیں اور موجودہ دور کا نظام ملک داری' ایک بے نظم افراتفری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن سیاسی اکائیوں کے شہریوں کے درمیان کسی نہ کسی طرح کے تعلقات---- تجارت' سیاحت' مطالعہ' کھیل' جنگ---- دوسری اکائیوں کے شہریوں سے ہیں' وہ لازماً ایک ہی نظام ملک داری کی ممبر ہیں۔ رومہ اور چین 100ء میں ایک نظام کے رکن نہ تھے' اگرچہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ تعلقات کا سراغ لگایا جا سکتا ہے' مثلاً ایشیا میں سے دونوں کے درمیان آمدورفت جاری تھی' لیکن وہ تعلقات بہت خفیف تھے۔ اس کے برعکس فرانس' ہسپانیہ' انگلستان اور یورپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تمام دوسرے ملک سولھویں صدی میں ایک نظام سے متعلق تھے۔

اس نظام ملک داری کا کوئی سیاسی یا کلیسائی مشترک مذہبی ادارہ موجود نہ تھا۔ نظری اعتبار سے مغربی یورپ ازمنہ ء وسطیٰ میں روے زمین پر ایک مسیحی معاشرہ تھا' جس کے رئیس پوپ اور شاہنشاہ تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں خدا کی ایک تلوار تھی۔ عملاً" مشرقی آرتھوڈکس کلیسا رومہ سے بالکل الگ تھا اور شاہنشاہ کو انگلستان' فرانس یا ازمنہ ء وسطیٰ میں ہسپانیہ و پرتگال پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا۔ گویا ازمنہ ء وسطیٰ کی وحدت ایک آرزو ضرور تھی' حقیقت نہ تھی' تاہم پوپ ایک حقیقت تھا اور کیتھولک وحدت ازمنہ ء وسطیٰ میں واقعی ایک چیز تھی۔ پروٹسٹنزم اور زبردست خاندانی بادشاہیوں کے ظہور نے بعد کا تفرقہ اور مرکزی اداروں کا فقدان زیادہ واضح کر دیا۔

مغربی یورپ دور حاضر کے اوائل میں مختلف مملکتوں کا ایک مجموعہ تھا۔ ان میں بڑی بھی تھیں' متوسط درجے کی بھی اور چھوٹی بھی۔ ان میں سے ہر ایک کی کوشش یہ تھی کہ دوسروں کے علاقے جزوا" یا کلا" اپنے ساتھ ملا کر بڑی بن جائیں یا کم از کم دوسروں کو کسی نہ کسی رنگ میں زیر اقتدار لے آئیں۔ عملاً" بعض مملکتیں کسی نہ کسی قسم کے جارحانہ اقدامات میں مصروف تھیں اور ان کی کوشش یہ تھی کہ زمین' قوت اور دولت حاصل کر لیں۔ دوسری مملکتیں مدافعت پر کاربند تھیں اور جو کچھ ان کے پاس تھا' اسے محفوظ رکھنے کے لئے کوشاں تھیں۔ تاریخی نقطہ ء نگاہ سے بعض وحدتیں اتنی چھوٹی اور کمتفی بالذات تھیں کہ انہوں نے کبھی پھیلاؤ کی کوشش نہ کی' تاہم جن مملکتوں کو بیسویں صدی میں نمونے کی چھوٹی چھوٹی جمہوریتیں سمجھا جاتا ہے' مثلا" سویڈن اور ڈنمارک' انہوں نے بھی گزشتہ پانچ سو سال میں کسی نہ کسی وقت جارحانہ اقدامات کئے۔

ایک دوسرے کے مقابل مملکتوں کے اس نظام کے اجزائے ترکیبی کو "برتر" یا "خود مختار" قرار دیا جا سکتا ہے۔ کامل برتری یا خودمختاری حاصل ہو ہی نہیں سکتی' کیوں کہ ریاستوں میں مقابلہ جاری رہتا ہے اور ہر وقت وہ ایک دوسری کی روش سے متاثر ہوتی رہتی ہیں' لیکن ہم اس مملکت کو سرسری انداز میں برتر مان سکتے ہیں' جس کے حکمرانوں کے پاس فوج ہو اور وہ اس فوج کو دوسرے کے خلاف استعمال کر سکتے ہوں۔ اس لحاظ سے تمام مملکتوں کی تعداد مسلسل اگرچہ بے قاعدہ طریق پر کم ہو رہی ہے اور یہ سلسلہ دسویں صدی میں جاگیردارانہ نظام کے انحلال سے جاری ہے۔ حالت یہ ہے کہ آج برتر ریاستوں کی کل تعداد ستر سے کچھ اوپر معلوم ہوتی ہے۔ اگر ایک جاگیردار امیر اپنے مسلح متوسلوں کے ساتھ برتر کہلا سکتا ہے' کیوں کہ وہ بہ طور خود لڑائی چھیڑ سکتا ہے اور چھیڑتا رہا ہے تو دسویں صدی کے مغربی یورپ میں ایسی ہزاروں اکائیاں موجود تھیں۔ لیکن صورت حال اتنی برتر نہ تھی۔ رومی سلطنت کے بعد مغرب میں جو جانشین مملکتیں پیدا ہوئیں' انہوں نے کسی نہ کسی قسم کی رسمی' قومی یا کم از کم صوبائی وحدت قائم رکھی۔ ازمنہ ء وسطیٰ کے اواخر تک مغرب کے بڑے بڑے حصوں میں چھوٹی چھوٹی جاگیردار اکائیاں بڑی مملکتوں میں جذب ہو چکی تھیں اور مقامی جنگیں ناممکن ہو گئی تھیں یا اگر ہوتی تھیں تو اس صورت میں مختلف امراء کسی بڑے امیر کے خلاف اٹھتے اور ہم انہیں خانہ جنگیاں کہہ سکتے تھے۔ گویا مغربی مسیحی دنیا کی عظیم القدر مگر کل وحدت ازمنہ ء وسطیٰ کے اواخر میں تباہ ہو گئی۔ اسی طرح ان بے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شمار مقامی اکائیوں کا حقیقی انتشار بھی ختم ہو گیا' جو باہم لڑتی رہتی تھیں۔

جب دور حاضر کا نظام ملک داری پندرھویں اور سولھویں صدی میں خاص شکل اختیار کرنے لگا تو مغربی یورپ پر فرانس' ہسپانیہ اور انگلستان کی تین منظم بادشاہیوں کو اقتدار حاصل تھا۔ سکاٹ لینڈ' پرتگال اور سکنڈے نیویا کی چھوٹی مملکتیں عموماً" طبعی کردار ادا کرتی رہیں۔ وسطی یورپ میں مقدس رومی سلطنت نیم خودمختار ترکیبی مملکتوں کے ساتھ داخلی اعتبار سے اتنی متحد نہ تھی' جتنی اوقیانوس کی طاقتیں' لیکن آسٹروی ہیسبرگوں کے زیر قیادت سلطنت بین الاقوامی مقابلے میں نمایاں حصہ لیتی رہی۔ فرانسیسیوں اور ہیسبرگوں کے مراکز قوت کے درمیان ایسے خطے واقع تھے' جن میں برگنڈی کے ڈیوکوں نے پندرھویں صدی میں وسطی سلطنت بحال کرنے کی کوشش کی۔ اسی حلقے سے دور حاضر کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ـــــ ہالینڈ' بلجیم' لکسمبرگ اور سوئزر لینڈ ـــــ نیز بڑی ریاست (مگر زیادہ بڑی نہیں) اٹلی پیدا ہوئی۔ جنوب و مشرق کی طرف بین الاقوامی تعلقات کا ایک نیا عامل پیدا ہو گیا' یعنی سلطان ترکی' جو بیز نطینی سلطنت کا مسلم جانشین تھا اور یورپی سرزمینیں ڈینیوب تک اس کے زیر اقتدار تھیں۔ مشرقی جانب روس کی سلطنت معرض ساخت میں تھی اور پولینڈ کم از کم رقبے کے اعتبار سے بہت بڑا تھا' مگر سلطان ترکی کو چھوڑ کر' جو شمال و مغرب کی جانب اقتدار بڑھا رہا تھا اور اسی وجہ سے اسے ہیسبرگوں کا مخالف قرار دیا جا سکتا تھا' مشرق و جنوب مشرق کی یورپی ریاستیں اعلیٰ سیاسیات سے ارتباط پیدا نہیں کر سکی تھیں۔

یورپ کی ماورائے بحر توسیع کے سوا یہ تصویر موجودہ سے مختلف نہیں۔ اٹلی درجنوں ریاستوں کی جگہ ایک سیاسی قوم ہے۔ جرمن وحدت طبعی حالات میں ایک متحد قوم ہے۔ مقدس رومی سلطنت کی طرح لامرکزی نہیں۔ مشرقی جانب روس بہت بڑی قوت ہے' پولینڈ کی حیثیت کمتر ہے۔ اس کے باوجود یورپ کا نظام دول بہ حیثیت عمومی پانچ صدی پیشتر کے نظام سے مختلف نہیں۔

یہ ثقافتی استواری تباہی کے خطرات کے بغیر قائم نہیں رہی۔ بار بار مختلف مملکتوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی' پندرھویں صدی میں ہسپانیہ نے' سترھویں صدی میں فرانس کے لوئی چہاردہم نے' اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے موڑ پر انقلاب اور نپولین کے فرانس نے' بیسویں صدی کے اندر قیصر اور ہٹلر کی جرمنی نے۔ ان سب کی کوشش یہ تھی کہ چھوٹی مملکتوں کو کھا جائیں یا کم از کم ان پر اس درجہ ضبط و نظم حاصل کر لیں کہ وہ برتر نہ سمجھی جائیں۔ ہر مرتبہ وہ وحدتیں زود یا بدیر ایک وفاق کی شکل میں متحد ہو گئیں' جن کے لئے خطرہ پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح جابر قوت کی افواج کو شکست دی گئی اور نظام بحال رہا۔ ہر مرتبہ انگلستان زود یا بدیر مداخلت کر کے جابر کے خلاف اتحاد و وفاق کی قیادت کرتا رہا۔ خود اس (انگلستان) نے صد سالہ جنگ کے بعد' جس کا تعلق ازمنہ وسطیٰ سے ہے' براعظم میں کوئی علاقہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کی (جبل طارق کے سوا' جو صرف چند مربع میل ہے) ایک دیرینہ سینا اصطلاح کے مطابق یہ نظام "توازن قویٰ" کے بل پر قائم رہا۔ یہ کوئی اخلاقی اصول نہ تھا۔ اگرچہ بعض اہل قلم اسے بنیادی طور پر اخلاقی قرار دے کر اس کی حفاظت کرتے رہے۔ لیکن یہ منظم مملکتوں کی آزادی بحال رکھ سکا۔ توازن قویٰ ایک توسیعی اصول ہے' جسے دور حاضر کے مغرب کی بین الاقوامی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاسیات کی بھول بھلیوں میں ایک رشتے کی حیثیت حاصل ہے۔ ہم اس کا بیان 1494ء سے شروع کریں گے۔

خاندانی مملکت اور قومی دولت : سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ان سیاسی وحدتوں کی نوعیت کیا تھی' جن سے وہ تقابلی نظام مرکب تھا۔ انہیں عموماً" اٹھارویں صدی کے آخر تک خاندانی مملکتیں کہا جاتا رہا' بعد میں وہ قومی مملکتیں قرار پائیں۔ یہ امتیاز عملاً" اچھا ہے۔ دور حاضر کے اوائل میں بہت سی مملکتیں سابق کی خودمختار وحدتوں کا ایک ڈھیلا ڈھالا مجموعہ تھیں' جن میں بعض اوقات اجنبی علاقہ بھی حائل تھا۔ بعض اوقات زبانیں بھی مختلف تھیں اور انہیں صرف کسی حکمران خاندان نے یک جا کر رکھا تھا۔ اس کی بہترین مثال ہیبسبرگ کی سلطنت ہے۔ جنگ اور ڈپلومیسی میں حکمران' اس کے امرا اور نوکر شاہی کا حلقہ ایک جمعیت کی حیثیت میں کام کرتا تھا' لیکن جو مختلف اقوام اس مملکت میں رہتی تھیں' حب وطن' مشترکہ قومی مقاصد و مساعی سے نسبتاً" محروم تھیں۔ اس زمانے میں جو جنگیں ہوئیں' وہ ایسی نہ تھیں کہ مملکت کے تمام اجزا ان میں شریک ہوتے' البتہ سرکاری مالیے پر ان کا تباہی خیز اثر پڑا۔ اسی تناسب سے محاصل بڑھتے لیکن عام لوگوں کی زندگیاں اس سے شاید ہی متاثر ہوتیں اور وہ محارب افواج میں حقیقتاً" شامل نہ ہوتے تھے۔ جب صلح کا وقت آتا تو اقوام کی قومی خودمختاری کی کوئی بات نہ ہوتی' نہ کسی حلقے کو مع باشندوں کے دوسرے حکمران کے حوالے کرنا کسی کے لئے بھی موجب تشویش نہ ہوتا۔

خاندانی اور قومی مملکتوں کے درمیان امتیاز کو نہ بڑھانا چاہئے' نہ گھٹانا چاہئے' خصوصاً" بڑی بڑی بادشاہیوں میں ـــــ مثلاً" ہسپانیہ' انگلستان اور فرانس ـــــ قومی حب وطن کا ایک درجہ سولھویں صدی ہی میں نمایاں تھا۔ جرمنی اگرچہ تقسیم ہو چکا تھا' لیکن لوتھر اطالویوں کی مخالفت میں جرمنوں پر بھروسہ کر سکتا تھا۔ اجنبیوں سے نفرت بھی افراد کو کم از کم اسی درجے میں اکٹھا رکھ سکتی ہے' جس درجے میں ایک دوسرے سے محبت اکٹھا رکھ سکتی ہے۔ پھر ایک رسم یہ ٹھہر گئی تھی کہ حکمران خاندانوں کے درمیان شادیاں ہوتیں تو سیاسی وحدتیں بھی ساتھ ہی منتقل ہو جاتیں۔ (ہمارے لئے یہ چیز بڑی عجیب ہے)۔ یہ سلسلہ جس طرح ہمارے دور میں مملکتوں کے نظام کی بنیادی یکسانی کو متاثر کرتا ہے۔ اسی طرح دور حاضر کے اوائل میں متاثر کرتا تھا۔ شادی ہی کے اتفاقات نے غالباً" جرمنی اور ہسپانیہ کو چارلس پنجم کے ماتحت غیر معمولی طریق پر اکٹھا کر دیا' تاہم سولھویں صدی کے عام معاہدات حلینی اسی طرح جغرافیہ' وسائل' روایت اور ثقافت کے حالات کے مطابق تھے' جس طرح ہمارے زمانے میں۔

1500ء تک تقریباً" تمام مملکتوں کے اندر دور حاضر کی مملکتوں کے مجلسی اور سیاسی عوامل ابتدائی حالت میں موجود تھے' البتہ بڑی بڑی تعلیم یافتہ آبادیاں نہ تھیں' جو قومی حب وطن کے اعتقاد و رسوم میں تربیت پذیر ہوتیں۔ کم از کم دو بنیادی عامل نمایاں تھے' اول سفارتی تعلقات' دوم فوج۔ دونوں کی حیثیت پیشہ ورانہ تھی۔ دونوں ایک ہی مرکزی حکومت کے زیر ضبط و نظم تھیں۔

ڈپلومیسی : ڈپلومیسی کی بعض صورتیں ازمنہء وسطیٰ بلکہ زمانہء قدیم میں بھی موجود تھیں۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں دور حاضر کے سیاسی ادارے اور طور طریقے پوری طرح نشوونما

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑ گئے۔ حکومتوں نے مستقل خارجی محکمے [illegible] بیرونی درباروں میں باقاعدہ سفارتی مشن بھیجے گئے۔ جاسوسی اور خفیہ اطلاعات [illegible] سفیروں کے پس پردہ ارتقا پذیر ہوئے۔ صلح کی رسمی کانفرنسیں منعقد ہوتیں۔ رسمی معاہدوں پر دستخط کئے جاتے۔ ایسے مواقع پر جس طرح ہمارے عہد میں خاص رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور معاہدوں کے مسودے تیار ہوتے ہیں' اسی طرح اس زمانے میں ہوتا تھا۔ پھر وہ رسمی قاعدے اور ضابطے بننے لگے جنہیں ہم آج کل بین الاقوامی قانون کے ضابطے قرار دیتے ہیں۔

بین الاقوامی سیاسیات کا نظام سب سے پہلے اور پوری طرح دور احیاء علوم کے اٹلی میں ارتقا پذیر ہوا اور جمہوریہ ء وینس کے سفارتی محکمے نے اس کی نہایت عمدہ تنظیم کا ایک کلاسیکی مظاہرہ کیا۔ وینس کے سفیر اپنے ہاں کے حالات کے متعلق مفصل رودادیں سینٹ کے پاس بھیجتے۔ ہمارے ہاں صحیح اور منظم کام کی یہ سب سے پہلی دستاویزیں ہیں۔ یہ رودادیں ادھر ادھر کی سنی سنائی باتوں پر مشتمل نہیں بلکہ مختلف سرزمینوں اور شخصیتوں کے سیاسی اور مجلسی حالات کے محتاط مطالعے پر مبنی ہیں۔

اس زمانے میں بیرونی سفیر بہ طور خود پالیسی بنانے کا حد درجہ ذمہ دار تھا۔ سفر تیزی سے نہیں ہو سکتا تھا اور حکومت اسے ایک ایک معاملے کے متعلق واضح ہدایات نہیں دے سکتی تھی' اس لئے سفیر کو اہم معاملات کے متعلق اپنی ذمہ داری پر فیصلے کرنے پڑتے تھے۔ اقتدار کی جدوجہد میں ہر مملکت کی کامیابی اچھی یا بری ڈپلومیسی اور ممالک غیر کے متعلق اچھی یا بری معلومات پر مبنی ہوتی تھی۔

مسلح افواج : مسلح افواج کا معاملہ بھی قابل غور ہے۔ دور حاضر کی یہ ابتدائی صدیاں پیشہ ور سپاہی کے لئے بڑی اہم تھیں۔ وہ محدود جاگیردارانہ جنگجوئی سے آزاد ہو چکا تھا اور ہمارے زمانے کی جنگوں کے بے اندازہ اقتصادی تقاضوں اور بیدردانہ پیمانوں سے وہ وابستہ نہیں ہوا تھا۔ خصوصاً" فوجی افسر وسیع پیمانے پر نقشے بنا سکتے تھے' قواعد کر سکتے تھے اور مہموں کا سلسلہ شروع کر سکتے تھے' لیکن ہر چیز قابل نظم پیمانے پر موجود تھی۔ افسر اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تھے کہ ازمنہ ء وسطیٰ کے آخری دور کی مسلسل نیزہ بازی میں مصروف رہیں۔ وہ بعض اوقات جنگ کو ایک فن یا تفریح کے طور پر اختیار کر لیتے۔ عام سپاہی کی زندگی کم خوشگوار تھی' لیکن انہیں بھی پیشہ ور کی حیثیت میں تنخواہ ملتی۔ لفظ "سولجر" (سپاہی) لاطینی لفظ "سولیڈس" سے نکلا ہے' جس کے معنی ہیں ایک سکہ۔ یہ لوگ عموماً" غریبوں اور بے ملکیت لوگوں میں سے بھرتی کئے جاتے تھے اور بعض اوقات انہیں جبراً" خدمت میں لے لیا جاتا۔ وہ بے شمار مشقتوں کے عادی ہو جاتے تھے اور بہ حیثیت عمومی انہیں کھانے پینے' پہننے اور رہنے سہنے کی سہولتیں اپنے غریب غیر مصافی رشتہ داروں کے مقابلے میں زیادہ حاصل تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شاذ ہی بغاوت پر آمادہ ہوتے۔

مسلح افواج حکمران کے زیر فرمان ہوتیں۔ ان کی حیثیت محض جاگیرداروں کے دستوں کی سی نہ تھی۔ انہیں پیشہ ور کی حیثیت میں تنخواہیں ملتیں۔ ان سے باقاعدہ قواعد کرائی جاتی۔ عہدوں کے مطابق وردی دی جاتی اور ضبط و نظم قائم رکھنا ان کے لئے لازم تھا۔ اگر ضبط و نظم کو توڑتے تو انہیں تازیانے لگائے جاتے' تاہم اگر تنخواہوں میں دیر ہو جاتی یا رسد ناکافی ملتی تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سزاؤں کا خوف انہیں نوکری چھوڑ کر بھاگ جانے سے باز نہ رکھ سکتا۔ ہر رجمنٹ' فوج اور یونٹ کی وردی عموماً" ایک قسم کی ہوتی' لیکن پوری افواج کی وردی حد درجہ مختلف ہوتی' یہاں تک کہ میدان جنگ میں دوست اور دشمن کے درمیان تمیز آسان نہ تھی۔ میدان جنگ میں فوج کی نقل و حرکت اور جنگی چالوں کا انتظام افسروں کے حوالے ہوتا' جن میں سب سے بلند درجہ سپہ سالار کا ہوتا۔ وہ شخص وزارت جنگ کے ذریعے سے مرکزی حکومت کے تابع ہوتا۔ غرض اس زمانے کی فوجیں موجودہ دور کے پیشہ ور ماہروں کے نزدیک اگرچہ بے نظم معلوم ہوں گی' مگر جاگیردارانہ جیشوں کے مقابلے میں بہتر طریق سے منظم تھیں اور ان کا ضبط و نظم بھی اچھا تھا۔

تاہم دور حاضر کے اوائل کی فوجوں میں بھی دور جاگیرداری کے بہت سے سلسلے' مسلمہ حقوق کی بہت سی شکلیں اور مرکزی ضبط و نظم سے انحراف کے بہت سے طریقے موجود تھے۔ افسر پرانے زمانے کی شجاعت و جوانمردی کے بہت سے اوصاف پر قائم تھے' مثلاً" دو آدمی جب چاہتے' ایک دوسرے کو چیلنج دے کر لڑائی شروع کر دیتے۔ اس سے داخلی نظام کو سخت دھچکا لگتا۔ بے شک جاگیردار اپنے نائٹوں کو لے کر چالیس روز کی مقررہ مدت کے لئے خدمت انجام نہ دیتا' لیکن اس کے اخلاف میں سے ایسے افسر موجود تھے' جو خود رجمنٹیں بھرتی کر لیتے اور ان کی تنخواہیں خود ادا کرتے۔ اسلحہ قسم قسم کے موجود تھے۔ تلوار اور نیزے سے دست بہ دست جنگ کا پرانا طریقہ قائم تھا۔ پیادہ سپاہی زرہ بکتر پہنے ہوئے سوار نائٹوں کے خلاف لمبا نیزہ استعمال کرتے۔ آتش بار اسلحہ ـــــ ہلکی توڑیدار بندوق' دستی بندوق (ہاتھ سے بھری جانے والی) اور بہت سے دوسرے ـــــ کے بھرنے اور چلانے میں بڑا وقت صرف ہوتا اور عموماً" ان کا نشانہ درست نہ ہوتا۔ توپ کے مختلف حصے اور نالی کا اندرونی قطر معیاری نہ تھے۔ نیز وہ اتنی بھاری اور سخت ہوتی کہ اسے بہ آسانی حرکت نہ دی جا سکتی۔ پھر اس سے ٹھوس گولے پھینکے جاتے' نہ کہ پھٹنے والے گولے۔

کوچ کی حالت میں فوجیں عموماً" آس پاس کے علاقوں سے رسد حاصل کرتیں اور یہ سلسلہ اس وقت بھی جاری رہتا' جب کہ وہ وطن کے اندر ہوتیں' البتہ رسد کو موجودہ دور کے انداز میں منظم کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور دور حاضر کی طرح انجینئروں سے بھی کام لیا جانے لگا تھا۔ حربی فنون کے نشوو ارتقا اور قومی مزاج کے اختلافات کا اظہار 1600ء کے آس پاس ہسپانیہ اور فرانس کی فوجوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ہسپانیہ کے لوگ بڑے جنگجو تھے۔ سولھویں صدی کے اندر بری جنگوں میں انہیں کمال حاصل تھا۔ ان کی پیادہ فوج بڑی اعلیٰ تھی اور لمبا نیزہ ان کا خاص حربہ تھا فرانس نے سترھویں صدی' نیز اٹھارھویں صدی کے اوائل میں بری جنگوں کے اندر کمال حاصل کیا۔ انہیں توپ خانے میں فوقیت حاصل تھی' نیز ان کے انجینئر اور قلعہ بندیاں بہت اچھی ہوتی تھیں۔ ان صیغوں میں زیادہ تر لوگ عوام میں سے بھرتی کئے جاتے' کیوں کہ سابق جاگیردار امرا ان کے لئے زیادہ موزوں نہ تھے۔ انہیں پیادہ فوج اور رسالے میں بھرتی ہونا اچھا معلوم ہوتا تھا۔

اس اثنا میں دور حاضر کے بحری بیڑے بھی تیار ہونے لگے تھے۔ ازمنہ وسطیٰ کے اواخر میں وینس' جنیوا اور لیبیا نے جہازوں کے بیڑے تیار کرنے شروع کر دیے تھے۔ انہیں الگ الگ جہاز چلانے اور بیڑے کی حیثیت میں نقل و حرکت دینے کی تربیت دی جاتی۔ دور احیاء علوم میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وینس نے جہاز سازی کا ایک مرکز قائم کیا اور بحری قواعد و ضوابط کا مفصل مجموعہ مرتب کر دیا۔ بحری تنظیم' بحری سامان کی بحری رسد' جہازوں کا بھیجنا اور ان سے کام لینا' یہ تمام چیزیں منظم مرکزیت مآب طور طریقوں کی متقاضی تھیں۔ بڑی فوج کے لئے اتنی احتیاط ضروری نہ تھی۔ بحری بیڑوں میں جاگیرداری کی کرخت انفرادیت بے نظمی اور بے تدبیری برداشت نہیں کی جا سکتی تھی۔ بری فوجوں کی طرح بحری فوج میں بھی افسر زیادہ تر امرا کے طبقے سے ہوتے' لیکن انہیں لوگوں میں سے لئے جاتے' جو زیادہ منچلے ہوتے اور جو اپنے طبقے کے عادات و رسوم کے زیادہ پابند نہ ہوتے۔ سولھویں صدی میں بحری برتری کا مرکز بحیرۂ روم سے اوقیانوس میں منتقل ہو گیا اور کچھ مدت کے لئے ہسپانیہ برتری پر قابض رہا۔ پھر سترھویں صدی میں یہ برتری شمالی بحری طاقتوں ـــــ انگلستان' ہالینڈ اور فرانس کے حوالے ہو گئی۔

اطالوی جنگیں : چارلس ہشتم والی فرانس (1483ء - 1498ء) کو اپنے بخیل باپ لوئی یازدہم سے بھرپور خزانہ اور نہایت اچھی فوج میراث میں ملی۔ اس نے ریاست برٹنی کی وارثہ سے شادی کر کے سلطنت کے حدود بڑھا لئے۔ برٹنی مدت تک تاج فرانس سے بڑی حد تک آزاد رہی تھی۔ بہ ظاہر اپنے آپ کو وطن کے اندر محفوظ سمجھتے ہوئے چارلس نے بیرونی توسیع کا فیصلہ کر لیا۔ چارلس کا آنجو خاندان سے دور کا تعلق تھا' جس نے تیرھویں صدی میں نیپلز فتح کر لیا تھا۔ اس بنا پر اس نے ایراگون کے فرڈیننڈ (فرینٹی) کو نیپلز کا بادشاہ ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ میرا حق ہے۔ اٹلی کو اس نے فتوحات کے لئے صرف اسی وجہ سے منتخب نہ کیا کہ نسل و خاندان کے اعتبار سے اسے ایک دور کا حق پہنچاتا تھا' اس لئے بھی اختیار کیا کہ دور احیاء علوم کا اٹلی بہت دولت مند تھا اور شمالی یورپ کے لوگوں کے لئے اس میں ایک رومانی جاذبیت تھی۔ چونکہ یہ ملک چھوٹی چھوٹی حریف سیاستی وحدتوں میں بٹا ہوا تھا' اس لئے معلوم ہوتا تھا کہ اسے فتح کر لینا آسان ہے' چنانچہ 95-1494ء کے موسم سرما میں چارلس نیپلز کے اندر فاتحانہ پھر نکلا' لیکن برٹنی پر قبضہ چارلس کے ہمسایوں کو پریشانی میں ڈال چکا تھا۔ نیپلز پر قبضے نے اٹلی کے اندر توازن قوی کے لئے خطرہ پیدا کر دیا۔ فرانسیسیوں کی اس مداخلت نے دور حاضر کے پہلے بڑے سیاسی اتحاد کا انتظام کر دیا' جسے پاپائیت کی مقدس لیگ قرار دیا جاتا ہے۔ پاپاؤں کی اپنی ایک علاقائی ریاست تھی۔ اس میں سلطنت (مقدس رومی) ہسپانیہ' وینس' میلان اور کچھ مدت بعد انگلستان شامل ہو گئے۔ اس اتحاد نے فرانسیسی افواج کو 1495ء میں بہ آسانی اٹلی سے نکال دیا۔

چارلس کے بعد اس کا چچیرا بھائی لوئی دوازدہم (1498ء - 1515ء) تخت فرانس پر بیٹھا۔ اس کا تعلق والوا خاندان کی اورلیانز والی شاخ سے تھا۔ لوئی نے چارلس کی بیوہ سے شادی کر لی' تاکہ برٹنی ہاتھ سے نہ نکل جائے' پھر اٹلی کی طرف رخ کیا۔ اس نے ایک اور نسلی دعویٰ قائم کیا' جس کا تعلق میلان سے تھا۔ اس کی جدہ و سکونتی خاندان سے تھی۔ لوئی نے یہ دعویٰ کیا کہ باسفورزا خاندان کے ڈیوک غاصب ہیں' چنانچہ 1499ء میں وہ ڈیوک المورو کو میلان سے نکالنے کے لئے حرکت میں آیا۔ فرانسیسیوں کے اس دوسرے حملے میں باہم اتحاد کو معاملہ خاصا پر پیچ ہو گیا۔ لوئی نے اس علیحدگی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی' جو چارلس کے لئے تباہی کا باعث بنی تھی۔ چنانچہ 1500ء میں اس نے ایراگون کے فرڈیننڈ سے اتحاد کر لیا۔ دونوں کے درمیان فیصلہ ہو گیا کہ نیپلز کو تقسیم کر لیں گے۔ 1508ء میں لوئی نے ایک نیا اتحاد قائم کرنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مدد دی' جسے بہ ظاہر دیکھا جائے تو اصول توازن قوئی کے خلاف معلوم ہو گا' کیوں کہ یہ کمزور کے خلاف طاقت وروں کا اتحاد تھا۔ اسے "کیمبرے کی لیگ" کہتے ہیں' جس میں لوئی' فرڈیننڈ' پوپ جولیس دوم اور شاہنشاہ میکسملین شامل تھے۔ فیصلہ یہ تھا کہ جمہوریہ وینس نے زیریں پو کی وادی میں جن زمینوں پر قبضہ کر رکھا ہے' انہیں باہم تقسیم کر لیا جائے۔ زمینیں زرخیز تھیں اور جمہوریہ وینس فوجی لحاظ سے کمزور تھی۔

اس قسم کے اتحاد میں عملی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ شرکائے اتحاد ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے اور عموماً" مال غنیمت پر جھگڑ پڑتے ہیں۔ ابتدا میں غارت گروں کے لئے معاملات سازگار رہے' اگرچہ اہل وینس نے پاڈوا کے مستحکم مقام پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس اثنا میں فرنینڈ نیپلز کے شہروں پر قابض ہو چکا تھا اور انہیں کا وہ خواہاں تھا۔ چنانچہ اس نے لوئی سے الگ ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ پوپ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ فرانس اور سلطنت دونوں مل کر اسے پیس ڈالیں گے۔ چنانچہ 1511ء میں اس نے ایک نئی مقدس لیگ بنائی' جس میں وینس اور فرنینڈ شامل تھے۔ آگے چل کر ہنری ہشتم شاہ انگلستان اور شاہنشاہ میکملین بھی اس میں شامل ہو گئے۔ یہ لیگ فرانس کے خلاف تھی۔ فرانسیسیوں کو ابتدا میں کچھ کامیابی حاصل ہوئیں' لیکن وہ اس بڑے اتحاد کے مقابلے میں زیادہ عرصے تک ٹھہر نہ سکے' کیوں کہ انہیں دو محاذوں پر جنگ پیش آ گئی۔ ہنری نے شمالی فرانس پر حملہ کر دیا اور 1513ء میں گنی گیسٹ کی جنگ میں فتح حاصل کی۔ یہ مقام ہمیشہ فرانسیسیوں کے لئے رنج و الم کا باعث بنا رہا۔ انگریزوں نے اسے "جنگ مہمیز" کا نام دیا' کیوں کہ فرانسیسی رسالہ بہت جلد میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اٹلی میں بھی فرانسیسیوں کو شکست ہوئی اور چارلس ہشتم کی طرح لوئی دوازدہم نے بھی مات کھائی۔

چارلس پنجم اور فرانسس اول : یہ دو کوششیں بالکل مبادی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ دور حاضر کے اوائل میں توازن قوئی کی آزمائش کا نہایت اہم دور اس کے بعد شروع ہونے والا تھا اور اس کی شکل اساساً" مختلف تھی' کیوں کہ وہ جارح فریق بروے کار آ گئے تھے۔ ایک خاندان والوا' جو فرانس پر حکمران تھا اور توسیع کا عزم کئے بیٹھا تھا۔ دوسرا خاندان ہیسبرگ۔ جب ہیسبرگ چارلس پنجم 1519ء میں اپنے دادا میکملین کا جانشین ہوا تو اس کا وجود ہی باعث خلل تھا۔ اس کے مزاج یا ارادے کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ وہ فرانس' ممالک زیریں' جرمنی نیز اٹلی کے بڑے حصے کا وارث تھا اور فرانس اس کے مقبوضات کے درمیان بھچ گیا تھا۔

معاملہ بہت جلد ختم ہو گیا۔ فرانسس اول والی فرانس کو شاہنشاہی افواج نے' جن میں زیادہ تر ہسپانوی تھیں' پیویا میں بری طرح شکست دی (1525ء) خود فرانسس قید ہو گیا اور اسے میڈرڈ میں رکھا گیا' یہاں تک کہ اس نے ایک معاہدے پر دستخط کر دیے۔ اس کے مطابق وہ اطالوی سرزمین کے ہر دعوے سے دست بردار ہو گیا اور برگنڈی کی ریاست شاہنشاہ کے حوالے کر دی۔ جب وہ فرانس پہنچا تو اس معاہدے کی تنسیخ کا اعلان کر دیا۔ ممکن ہے' چارلس پنجم فرانس کو ختم بھی کر سکتا تو ختم نہ کرتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فوج اور سفیر ایک مدمقابل کی کامل تباہی کے خلاف تھے' ان کی خواہش یہ ہو کہ پیشہ ورانہ سلسلے میں کوئی خلل نہ آنے پائے اور مخالفت جاری رہے۔ یقیناً" ان لوگوں کے متعلق یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پیشہ ورانہ ورزش جاری رکھنا چاہتے تھے' جو بعض اوقات بڑی خونریز اور بداخلاقی پر مبنی ہوتی' اگرچہ اسے قواعد کے خلاف قرار نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن-لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا جا سکتا تھا۔ کھلاڑی بعض اوقات طرفیں بدل لیتے۔ جنگ پیویا میں (جس میں فرانسیسیوں کی بری طرح شکست ہوئی) شاہنشاہی فوج کا ایک کمانڈر کانسٹیبل دی بوربون تھا' جو فرانس کا ایک بڑا امیر تھا' لیکن بادشاہ سے اس کی ٹھن گئی تھی۔

جنگ پیویا سے دو سال بعد ایک حادثہ پیش آیا' جو معاصرین کے دل میں آگ کی طرح سلگتا رہا یعنی 1527ء میں شاہنشاہ کے جرمن اور ہسپانوی تنخواہ داروں نے رومہ کو لوٹا اور اس تنخواہ دار فوج کا کمانڈر فرانسیسی بوربون تھا۔ یہ تنخواہ دار لوگ تنخواہ اور رسد میں تاخیر کے باعث پر غیظ ہو گئے۔ یکایک پوپ کلیمنٹ ہفتم نے (جس کا تعلق میڈیچی خاندان سے تھا اور بڑا محب وطن اطالوی تھا) اجنبی شاہنشاہ چارلس کے خلاف ہو گیا اور 1526ء میں اس نے فرانسس نیز کوگینگ کی لیگ کی دوسری بڑی اطالوی طاقتوں سے اتحاد کر لیا۔ چارلس نے جوابی کارروائی کے طور پر روم کا محاصرہ کر لیا' لیکن رومہ کی لوٹ اس کے لئے سخت صدمے کا باعث تھی۔ یہ اقدام اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ ایک نیک دل کیتھولک کی حیثیت میں اس لوٹ سے اسے سخت صدمہ پہنچا۔ یہ واقعہ جنگ کے ان خوفناک واقعات میں سے تھا' جس نے رائے عامہ کو سخت مجروح کیا' البتہ جو لوگ فریق بازی میں بہت آگے نکل چکے تھے وہ اس سے بالکل بے حس رہے۔

اب چارلس قوت کے اوج پر پہنچا ہوا تھا۔ اس عشرے کے اختتام تک اس نے پوپ اور فرانسس دونوں سے صلح کر لی۔ 1530ء میں پوپ نے اس کے سر پر شاہنشاہی کا تاج رکھا' نیز شاہ اٹلی تسلیم کر لیا۔ چارلس آخری شاہنشاہ تھا' جسے دونوں تاج ملے۔ یہ شارلمین کی میراث تھی' لیکن مغربی دنیا' جس پر چارلس حکمران تھا' شارلمین کی دنیا سے بالکل مختلف تھی۔ چارلس اصلاً" شاہنشاہ نہ تھا' بلکہ اقتدار کے لئے کش مکش میں ایک نئے خاندان کا فرد تھا۔

کش مکش کا دوسرا دور : فرانسس ابھی تک چارلس کے ہسپانوی اور جرمن مقبوضات کے درمیان کھچا ہوا تھا اور فرانسس اس متذبذب حالت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ سب سے بڑھ کر اس لئے کہ یہ حالت اس کے لئے بدنامی کا باعث تھی۔ فرانسس اور چارلس دونوں میں سے کوئی بھی ہیسبرگ اور والوا کی رقابت کے اس خاص دور کا انجام دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہا۔ کسی فریق کو فیصلہ کن فوجی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ 1559ء میں کیٹوکیمبریسس کا معاہدہ ہوا' جس میں میلان اور نیپلز پر ہیسبرگ خاندان کے اقتدار کی تصدیق ہو گئی۔ فرانسس اٹلی میں کوئی حقیقی قدمگاہ حاصل نہ کر سکا' لیکن ہیسبرگ بھی اس اعتبار سے ناکام رہے کہ فرانس کی حقیقی قوت میں کوئی کمی نہ آئی۔ گویا مقابلہ جاری رہا۔

مقابلہ اس لئے جاری رہا کہ فرانسس فوجی' اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے اس دباؤ کا مقابلہ کر سکا' لیکن یہ مقابلہ بجائے خود ایک نامکمل حربہ تھا۔ چارلس حقیقتاً" اتنا طاقت ور نہ تھا جتنا نقشے پر نظر آتا تھا۔ اصلاح کلیسا کے سیاسی نتائج کے باعث اس کا جرمن بازو مفلوج ہو چکا تھا۔ سولھویں صدی کے عشرۂ سوم میں چارلس کی قوت اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس زمانے کی جرمنی کے پروٹسٹنٹ حکمرانوں نے چارلس کے خلاف ایک جمعیت بنائی' جسے ٹورگا کی لیگ کہتے ہیں۔ جب تک چارلس زندہ رہا' جرمنی میں خانہ جنگی کی حالت قائم رہی۔ بعض اوقات متارکہ بھی ہو جاتا اور مذہبی مسئلے کو حل کرنے کی کوشش بھی کی جاتی لیکن شاہنشاہ کے لئے متحدہ جرمنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر بھروسہ کرنے کا موقع پیدا نہ ہوا۔

دو سن رسیدہ حریفوں ـــــ چارلس اور فرانسس ـــــ کے درمیان ذاتی جنگ کا آخری دور اس حقیقت کی مثبت مثال ہے کہ توازن قوئی میں کیسے کیسے بدلنے والے عناصر کارفرما رہے۔ فرانسس کو حلیفوں کی ضرورت تھی۔ اس نے چارلس کی باغی جرمن رعایا سے فائدہ اٹھانے میں بھی تامل نہ کیا۔ اگرچہ خود کیتھولک مملکت کا رئیس تھا اور حددرجہ مخلص مسیحی بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ تاہم اس نے کلیوز کے پروٹسٹنٹ ڈیوک سے اتحاد کر لیا۔ محض پروٹسٹنٹوں پر قناعت نہ کی' بلکہ ترکی کے مسلمان سلطان سلیمان سے بھی میثاق دوستی قائم کر لیا۔ سلیمان نے ہنگری میں عقب سے چارلس پر حملہ کیا۔ 1547ء میں فرانسس نے وفات پائی اور اس کے بیٹے ہنری دوم نے پروٹسٹنٹوں سے اتحاد قائم رکھا۔

سولھویں صدی کے نصف اول میں اس پیچ کش مکش کا ایک اور فریق انگلستان تھا۔ اگرچہ وہ اس وقت تک کوئی بڑی طاقت نہیں بنا تھا' لیکن بین الاقوامی سیاسیات میں نمایاں عنصر بن چکا تھا۔ جو لوگ انگریزی پالیسی کی رہنمائی کر رہے تھے' انہیں غالباً" احساس تھا کہ توازن قوئی قائم رہنا چاہئے اور ان کے نزدیک یورپ کے معاملات میں مداخلت اس فریق کے لئے کرنی زیبا تھی' جو شکست کھا رہا تھا اور اس وقت کمزور معلوم ہوتا تھا' لیکن اور عوامل بھی اس سلسلے میں کارفرما تھے۔ مثلاً" 1534ء کے بعد انگلستان مذہبی مشکلات میں بری طرح مبتلا ہو چکا تھا۔ مزید برآں اس کی شمالی سرحد پر خود مختار سکاٹ لینڈ موجود تھا' جس کا رجحان فرانس کی حمایت کی طرف تھا۔ سب سے آخر میں انگریز مدبروں کو فرانس کے ساتھ ازمنہء وسطیٰ کی طویل کش مکش یاد تھی اور ان کے نزدیک فرانس ہمیشہ کا بڑا موروثی دشمن تھا' تاہم اگر انگریزوں کو یہ احساس ہوتا کہ چارلس زیادہ طاقتور ہو گیا ہے تو وہ اپنے پشتینی دشمن فرانس سے بھی اتحاد کر سکتے تھے۔ یہ واقعہ 1527ء میں ہوا' جب چارلس پیویا کی جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد روما پر قبضہ کر چکا تھا۔ انگریز وزیر کارڈنیل وولزے نے اس سال فرانس کے ساتھ اتحاد کا منصوبہ تیار کیا۔

تاہم انگریز ہر وقت رخ بدل لینے کے لئے تیار رہتے تھے۔ 1543ء میں چارلس کو پروٹسٹنٹوں اور ترکوں نے تنگ کر رکھا تھا۔ ہنری ہشتم فرانسس کے مقابلے میں چارلس کی امداد کے لئے تیار ہو گیا' لیکن امداد میں زیادہ زور نہ دکھایا۔ 1540ء کی مہم میں جرمن اس لئے فرانس کے خلاف ہو گئے کہ فرانسیسیوں نے ترکوں سے اتحاد کر لیا تھا اور مسیحیوں کو یہ چیز بڑی بری معلوم ہوئی۔ ایک جرمن فوج وادی مارن کے ساتھ ساتھ پیرس کی طرف بڑھی۔ انگریز ساحل رودبار پر لنگر انداز ہوئے۔ اگر وہ جرمنوں سے پورا تعاون کرتے تو پیرس بھی فتح ہو جاتا' لیکن انہوں نے دانستہ رودبار کی بندرگاہ بولون کا محاصرہ کر لیا اور فرانس کا دارالحکومت محفوظ رہا۔

معاہدۂ آگسبرگ : چارلس پنجم پروٹسٹنٹوں' فرانسیسیوں اور ترکوں میں گھر گیا تو 1555ء میں اس نے نہایت اہم جرمن مذہبی تصفیے کی اجازت دے دی' جسے "صلح نامہء آگسبرگ" کہا جاتا ہے۔ اس کے مطابق پروٹسٹنٹوں کی حیثیت تسلیم کر لی گئی اور جن خطوں میں وہ خاصی حیثیت اختیار کر چکے تھے' وہاں ان کا مذہب قائم ہو گیا۔ سلطنت کو کیتھولک رکھنے کی جو زبردست سعی کی گئی تھی' آگسبرگ کی صلح اس کے رسمی اختتام کا اعلان تھی' لیکن اس صلح کے بعد بھی رواداری کا پیمانہ ہمارے عہد کے پیمانے کے مطابق جاری نہ ہو سکا۔ جو اصول تسلیم کیا گیا' اسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ علاقے میں جو کوئی حکومت کرے گا وہ اپنا مذہب قائم کرنے کا بھی حقدار ہو گا۔ سیکسنی کا حکمران لوتھری تھا۔ تمام سیکسنوں نے لوتھری طریقہ اختیار کر لیا۔ بویریا کا حکمران کیتھولک تھا' وہاں کے تمام باشندے کیتھولک اصول پر کاربند ہو گئے۔ اس تصفیے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی کی مختلف ریاستیں مختلف مذہبوں کے چھوٹے چھوٹے بلاک بن گئیں اور ان میں کوئی دوسرا دخل نہیں دے سکتا تھا۔

صلح نامہ ء آگسبرگ کی ناکامی کے دو واقعوں نے پھر مذہبی کش مکش ناگزیر بنا دی۔ اول کلیسائی تحفظات کے متعلق کوئی فیصلہ نہ ہوا' یعنی یہ مسئلہ کہ جس خطے کا حکمران کیتھولک تھا' مگر اسے پروٹسٹنٹ بنا لیا گیا' اس کے کلیسا کی جائداد کا کیا فیصلہ ہوا؟ دوسرا مسئلہ کیتھولک اور لوتھری عقیدوں کی تسلیم کا تھا۔ تصفیے میں کیلون کے پیروؤں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا' حالانکہ ان کی تعداد بڑھ رہی تھی اور لازم تھا کہ وہ بھی یکساں برتاؤ پر زور دیتے۔ ان خامیوں کے باوجود صلح نامہ آگسبرگ نے پروٹسٹنٹزم کو جرمنی میں پرامن طریق پر "مستقلا" قائم کر دیا۔ کیتھولیسزم کے معاہدے کے ساتھ آگسبرگ نے یورپ پر تسلط کی وہ پہلی بڑی کوشش ختم کر دی' جو ہیسبرگوں نے کی تھی۔

فلپ ثانی کی جنگیں : یورپ پر تسلط کی دوسری کوشش میں ہیسبرگ کا حصہ کم اور ہسپانیہ کا حصہ زیادہ تھا۔ 1556ء میں چارلس پنجم نے ہسپانیہ کی بادشاہی اور شاہنشاہی دونوں سے دست برداری اختیار کر لی اور وہ ایک خانقاہ میں بیٹھا جہاں دو سال بعد وفات پائی۔ اس کے بھائی فرڈیننڈ اول (1556ء - 1564ء) نے آسٹروی ہیسبرگ علاقے لے لئے اور شاہنشاہ بھی منتخب ہو گیا۔ اس کے بیٹے فلپ ثانی (1552ء - 1598ء) نے ہسپانیہ' نو آبادیاں' ندر لینڈ کی برگنڈی میراث اور میلان و نیپلز کے اطالوی مقبوضات سنبھال لئے۔ فلپ کی سلطنت کوئی قومی سلطنت نہ تھی۔ جرمنی کو یک طرف رکھتے ہوئے یہ قومیت سے ماورا مملکت تھی' جو فرانس' انگلستان اور پورے اصول توازن قوئی کے لئے خطرے کا باعث تھی۔

فلپ ثانی نے بھی باپ کی طرح پروٹسٹنٹزم اور گوناگوں مسیحی سیاسی وحدتوں کو ناقابل برداشت سمجھا۔ وہ پوری دنیا کی تسخیر کا خواہاں نہیں تھا تو کم از کم پورے مغربی یورپ کو بالجبر متحد کر دینا ضروری سمجھتا تھا۔ اس نے انگلستان پر حملے کی کوشش کی تاکہ وہاں کیتھولک مذہب بحال کر دے' لیکن اینگلو سیکسن روایت میں اسے ایک بدقماش کی حیثیت حاصل ہوئی۔ وہ دور احیاء علوم کا بڑا شاندار اور خوش باش بادشاہ تھا اور یقیناً" ویسا بے حس نہ تھا' جیسا پروٹسٹنٹوں اور اعتدال پسند کیتھولکوں کو معلوم ہوتا ہے۔ وہ بڑا سنجیدہ اور جفاکش منتظم تھا اور جنگ اس کی نظروں میں کوئی پسندیدہ چیز نہ تھی' مگر پروٹسٹنٹزم کو وہ ناقابل برداشت قوت انتشار سمجھتا تھا' جسے ختم کر دینا اس کے نزدیک ضروری تھا۔ وہ اصول کے اعتبار سے اس ماضی کے ساتھ جکڑا ہوا تھا' جو بحال نہیں ہو سکتا تھا۔ ایسے مقصد کے لئے کوشاں تھا' جو ناکام ہو چکا تھا۔

فلپ جن بڑے امور میں الجھ گیا' وہ یہ تھے :

(1) اٹلی جب تک چھوٹے چھوٹے حلقوں میں بٹا ہوا تھا' توازن قوئی کے سلسلے میں مشکلات کا سب سے بڑا سرچشمہ تھا۔

(2) ندر لینڈز' یعنی ممالک زیریں' جہاں باغی ولندیز پروٹسٹنٹ رعایا فلپ کو نہ محض اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ' بلکہ پروٹسٹنٹ انگلستان کے ساتھ بھی جنگ میں الجھا دینے والی تھی۔

(3) فرانس' جہاں صدی کے نصف آخر میں مذہب کی بنا پر خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا' جن میں فلپ کے لئے کیتھلکوں کا حامی بننا لازمی تھا۔

(4) بحیرۂ روم' جس میں ترک بحری قوت کمال عروج پر پہنچا چکے تھے اور ہسپانوی ضبط و نظم کے لئے خطرہ بن گئے تھے۔

(5) جیسا کہ آئندہ چل کر معلوم ہو گا' انگلستان و فرانس ہسپانیہ اور پرتگال کی اس اجارہ داری کو ختم کرنے کے درپے تھے' جو انہوں نے نئی دنیا میں قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

چونکہ نئی دنیا اور پرانی دنیا فلپ کی جنگوں میں خطرے کے اندر پڑ گئی تھیں' اس لئے فلپ کی جنگوں کو پہلی عالمی جنگیں قرار دینا ایک حد تک جائز ہے۔

ولندیزی بغاوت : ان کشمکشوں کا ڈرامائی مرکزی نقطہ ممالک زیریں کی بغاوت تھی۔ جب برگنڈی کی میراث ہیبسبرگوں کے ہاتھ آئی تو چارلس پنجم نے ان صوبوں کو متحدہ سلطنت کے اجزا بنانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ وہ بہ دستور خاندانی مقبوضات کے حصے میں رہے' جو داخلی اعتبار سے خودمختار تھے اور ان کے اپنے جاگیرداری حقوق تھے' جو خاصے پر پیچ تھے۔ نئے حکمران نے ان پر توثیق کی مہر لگا دی۔ وہاں ازمنہ ء وسطیٰ کی مجلسیں بھی تھیں' جن میں خاص گروہوں کے نمائندے شریک تھے۔ وہی مجلسیں ٹیکس لگاتیں' وہی فوج کا انتظام کرتیں۔ ان میں سے جنوبی صوبے (جنہیں سرسری طور پر آج کل کا بلجیم قرار دیا جا سکتا ہے) کیتھولک رہے' لیکن شمالی صوبے جہاں آج کل ہالینڈ کی بادشاہی ہے) بڑی گرمجوشی سے کیلون کے پیرو بن گئے۔

فلپ ثانی ممالک زیریں کی رعایا کو دشمن بنانے سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ چارلس پنجم کو ممالک زیریں پسند تھے اور اس نے برسلز میں اپنی پسندیدہ قیامگاہ بنا لی تھی' لیکن فلپ کا نقطہ ء نگاہ سراسر ہسپانوی تھا۔ اس کے تصورات ازمنہ ء وسطیٰ کے سے تھے اور وہ چاہتا تھا کہ ایک زبردست مذہبی حکومت ہو اور اس نے ممالک زیریں کے حقوق کم دیے۔ اسے پروٹسٹنٹزم کی ہر شکل سے نفرت تھی۔ پھر اقتصادی عنصر بھی موجود تھا۔ ولندیز بحر پیما اور تجارت پیشہ لوگ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ آزاد تجارت کا سلسلہ قائم رکھیں۔ ہسپانیہ کی حرص منفعت ان پر کوئی پابندی عائد نہ کر سکے۔

مذہب' اقتصادیات اور سیاسیات کے اشتعال انگیز مرکب نے بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ فلپ نے ہسپانیہ سے فوجیں ممالک زیریں بھی بھیج دیں اور ملحدوں کے خلاف اپنے فرامین نافذ کرنے کی کوشش کی۔ مخالفت شروع میں خاص طبقوں تک محدود تھی' جو فلپ کی سیاسی پابندیوں سے زیادہ متاثر ہوئے تھے' لیکن جلد ہی یہ عوام تک پہنچ گئی۔ فسادات ہوئے' جن میں کیتھولکوں کے گرجے تباہ کر دیے گئے۔ ہسپانویوں کے خلاف ایک جمعیت بن گئی' جس نے "بھکاریوں" کا حقیر نام اختیار کر لیا۔ یہ نام انہیں قدامت پسندوں نے دیا تھا۔ 1560ء میں فلپ نے بیس ہزار کی ہسپانوی فوج ڈیوک آف آلوا کی سرکردگی میں بھیجی' جو سیاسی اعتبار سے احمق تھا اور کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ گویا بغاوت پورے زور سے شروع ہو چکی تھی۔

اس زمانے میں ہسپانوی پیادہ فوج یورپ بھر میں بہترین سمجھی جاتی تھی۔ ولندیزوں کے پاس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہتھیار کافی تھے' نہ وہ پوری طرح تیار تھے۔ ان کی مزاحمت آخر میں کامیاب ہوئی۔ نہایت خوفناک حالات میں یہ نہایت مردانہ کارنامہ تھا۔ ہمدرد مورخوں نے اس کی جو ستائش کی' وہ یقیناً" بالکل بجا تھی۔ لیکن یہ غیر معمولی فتح طاقت و قوت پر کمزوری کی فتح نہ تھی بلکہ ایک ایسی فتح تھی' جو بیسویں صدی تک مغربی یورپ کی سیاسی زندگی کا عام اصول رہی' یعنی کسی غیر مطمئن آبادی کو تنہا قوت سے زیر اثر نہیں رکھا جا سکتا۔ آلوا کے پاس قوت تھی۔ اس نے ایک تادیبی مجلس بنا دی' جس نے موت کی سزائیں دیں املاک ضبط کیں اور وسیع پیمانے پر محصول لگائے۔ اس مجلس کو تاریخ میں "مجلس خون" کا نمایاں نام دیا گیا' تاہم اس تشدد نے جو نتیجہ پیدا کیا' وہ یہ تھا کہ آلوا کے خلاف تمام فریق متحد ہو گئے اور ممالک جنوبی کے زیریں صوبوں کے کیتھولکوں نے بھی شمالی صوبوں سے اتحاد کر لیا۔ اس اتحاد میں عام سکون پسند تاجر شامل تھے اور ولیم آرنج جیسے بڑے امرا عام لوگوں اور "بھکاریوں" کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ایک قسم کی چپاولی بحری جنگ شروع کر دی۔ آلوا 1573ء میں بالکل بے بس ہو گیا۔ 1578ء میں ڈیوک آف پارما پہنچا تو فلپ کی پالیسی میں تدبر کے بنیادی عناصر نمایاں ہوئے' یعنی اس نے حقائق سے مجبور ہو کر مفاہمت پر آمادگی ظاہر کی۔

پارما کے ماتحت جنوبی صوبوں کے کیتھولکوں کو ابتدائی داخلی خود اختیاری کے سیاسی حقوق دے کر الگ کر لیا گیا لیکن شمالی صوبوں کو زیر اثر لانا اس وقت تک ناممکن ہو چکا تھا۔ وہ اسی صورت میں راضی ہو سکتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ مذہبی مراعات دی جاتیں۔ فلپ طبعاً" ایسی کوئی بات مان ہی نہیں سکتا تھا۔ یوٹریکٹ کے اتحاد کے متعلق ولندیزوں نے اپنی تنظیم مزید مستحکم کر لی اور 1581ء میں یہ فیصلہ کن قدم اٹھایا کہ ہسپانوی تاج سے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس وقت تک ان کی بری فوج بدرجہا بہتر طریق پر منظم ہو چکی تھی اور ہمت و جرات سے کام لے کر انہوں نے اعلان آزادی کو عملی لباس پہنا دیا۔ تین حقائق ان کے لئے معاونت کا باعث ہوئے۔ اول فلپ اکثر جابروں کی طرح ایک سے زیادہ بری محاذوں پر لڑائی کے لئے مجبور ہوا۔ اسے ایک طرف ترکوں سے' دوسری طرف فرانسیسی پروٹسٹنٹوں سے' تیسری طرف ہسپانیہ دشمن اعتدال پسند فرانسیسی کیتھولکوں سے لڑنا پڑا۔ ان کے علاوہ نازک داخلی اقتصادی مسائل بھی اسے پریشان کر رہے تھے۔ دوسری حقیقت جس نے ولندیزوں کو غیر معمولی اخلاقی امداد دی' یہ تھی کہ انہیں ایک شہید مل گیا۔ سب سے آخر میں یہ کہ انہیں ایک بڑا حلیف مل گیا۔ یہ حقیقت سب سے بڑھ کر اہم تھی۔

شہید ولیم آرنج تھا' جسے عموماً" ولیم خاموش کہتے ہیں۔ اسے 1584ء میں ایک آدمی نے قتل کر دیا' جو یا تو مذہبی نفرت سے متاثر تھا' یا اسے فلپ کے طرف سے انعام کی امید تھی' جس نے اعلان کر رکھا تھا کہ ولیم قانونی حفاظت کے دائرے سے باہر ہے' اسے جو قتل کرے گا' انعام پائے گا یا دونوں باتیں شامل تھیں۔ ولیم کی موت کے باعث ولندیز قومی تاریخ کے پہلے بڑے لیڈر سے محروم ہو گئے' لیکن اس قتل سے ہسپانیہ کے مقاصد کو کوئی فائدہ نہ پہنچا' البتہ ولیم' جو مغربی یورپ کا ایک امیر تھا اور اس کے مذہبی احساسات بھی چنداں پائدار نہ تھے' ایک پروٹسٹنٹ اور ولندیزوں کا ہیرو بن گیا۔ حلیف انگلستان تھا' جو ایلزبتھ اول کے ماتحت پختہ طور پر پروٹسٹنٹ بن چکا تھا اور ابتدا ہی سے اسے ولندیزوں کے مقصد کے ساتھ ہمدردی تھی۔ ایلزبتھ کوئی صلیبی مجادہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو تھی نہیں اور اس کی سلطنت طاقت ور ہسپانیہ کے مقابلے کی اہل نظر نہیں آتی تھی۔ ابتدا" اسے کھلم کھلا ولندیزوں کی طرف داری میں تامل تھا' زیادہ تر اس لئے کہ سیاسیات فرانس کی حالت غیر یقینی تھی اور فرانس وہ ہسپانیہ کے درمیان غیر ممکن معلوم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں بھی فلپ دور اندیشی کا اہل ثابت نہ ہوا۔ اس نے فرانس کو غیر جانبدارانہ بن جانے کی اجازت دے دی اور ایلزبتھ کے خلاف کیتھولکوں کی سازشوں کو تقویت پہنچا کر انگلستان کو اشتعال دلایا۔ انگریزوں نے جواب میں ہسپانیہ کے لئے اشتعال انگیزی کا سامان فراہم کر دیا۔ وہ سالہا سال سے سمندروں میں ہسپانوی تجارت کو تباہ کر رہے تھے' اب ہاکنز' ڈریک اور دوسرے انگریز بحر پیماؤں نے نئی دنیا میں ہسپانوی مقبوضات پر حملے شروع کر دیئے۔ جب ایک انگریزی فوج 1585ء میں ولندیزوں کی امداد کے لئے پہنچ گئی تو فلپ نے انگلستان کے خلاف باقاعدہ جنگ کا فیصلہ کر لیا' اگرچہ ہالینڈ کا مسئلہ طے نہیں ہوا تھا۔

فلپ ثانی کا انجام : اس نے جو بڑا ہسپانوی بیڑا انگلستان پر حملے کے لئے بھیجا (اور اس میں اتنے جہاز شامل تھے' جنہیں ضبط و نظم میں رکھنا مشکل تھا) تو اسے مختصر سے انگریزی بیڑے نے ہنرمندانہ نقل و حرکت سے دوبارا انگلستان کے اندر شکست دے دی (جولائی 1588ء)۔ پھر ایک طوفان آ گیا' جس میں ہسپانوی بیڑا بالکل تباہ ہو گیا۔ یہی جنگ ہسپانوی اقتدار کے انجام کا آغاز تھی۔ اسی سے بین الاقوامی سیاسیات میں انگریزی عظمت کی ابتدا ہوئی اور یہی جنگ ولندیزی جمہوریت کی خودمختاری کے حصول میں ایک فیصلہ کن قدم ثابت ہوئی۔ یہ اہم نتائج 1588ء میں اس طرح واضح نہ تھے' جس طرح آج واضح ہیں' لیکن اس زمانے میں بھی ہسپانوی بیڑے کی شکست کو بہت بڑا واقعہ سمجھا گیا تھا۔ ہر جگہ پروٹسٹنٹوں کی خاص حوصلہ افزائی ہوئی اور جس بڑے طوفان نے ہسپانوی بیڑا تباہ کیا' اسے "پروٹسٹنٹزم کی ہوا" قرار دیا گیا۔

فلپ ثانی نے ایک طویل اور تکلیف دہ بیماری کے بعد 1598ء میں قصر سکوریال کے اندر وفات پائی۔ یہ محل اس نے میڈرڈ کے قریب تعمیر کرایا تھا۔ اس نے حکم دے دیا تھا کہ میرے پلنگ کے نزدیک ایک کھلا تابوت رکھ دیا جائے اور ایک کھوپڑی بھی ساتھ ہو' جسے سنہری تاج پہنایا جائے۔ جس وسیع مقبوضات کے ساتھ اس کی حکمرانی کا آغاز ہوا تھا' وہ بہ دستور موجود تھے' صرف ممالک زیریں کے سات شمالی صوبے الگ ہوئے تھے اور فلپ نے ان سے بھی دست برداری اختیار نہیں کی تھی۔ 1580ء میں پرتگال کا کارڈنیل بادشاہ ہنری مرا تو فلپ نے پرتگال پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس طرح ہسپانیہ و پرتگال (جسے جزیرہ نمائے آئے بیریا کہتے ہیں) رسمی طور پر متحد ہو گئے' اگرچہ یہ اتحاد بہت تھوڑے عرصے کے لئے تھا۔ خود فلپ پر بھی واضح تھا جیسے ہم پر یہ واضح ہے کہ اس کی زندگی ناکام رہی۔ اس نے اپنی سلطنت اس حالت میں چھوڑی کہ اس میں روپے اور آدمیوں کا خاصا قحط پڑ چکا تھا۔ اس کے پیش نظر سیاسیات کے جو بھی مقاصد تھے ——— ہسپانوی برتری' مغربی سلطنت کا احیا یا پروٹسٹنٹ الحاد کا خاتمہ ——— ان میں سے کوئی بھی مقصد پورا نہ کر سکا۔ اس کے سوتیلے بھائی (جو جائز اولاد نہ تھا) ڈان جان کی سرکردگی میں ہسپانوی بیڑے نے ترکی بیڑے کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور بہ مقام لپانٹو زبردست بحری فتح حاصل کی (1571ء)۔ لیکن لپانٹو کی کامیابی صرف اتنا کر سکی کہ ترکوں کی توسیع رک گئی' اس سے ہسپانویوں کو کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا۔ ان کے بڑے بیڑے کے نقصان کا یہ کوئی بڑا بدلا نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔

ولندیزی جمہوریت : فلپ کی وفات کے بعد ہالینڈ میں جنگ سرسری طور پر 1609ء کے متارکے تک جاری رہی' پھر متحدہ صوبوں یا متحدہ ممالک زیریں (ولندیزی جمہوریت کا یہی نام مشہور تھا) کی خود مختاری قائم ہو گئی۔ 1648ء میں ویسٹ فیلیا کے صلح نامے میں بین الاقوامی قانون کے مطابق اس خودمختاری کی تصدیق کر دی گئی۔ ان دنوں ولندیز یورپ کی بہت بڑی قوت اور بین الاقوامی سیاسیات کا ایک بہت بڑا عامل تھے۔ بعض بہ طور خاص قابل ذکر ترقیات میں انہیں قیادت کا درجہ حاصل تھا۔ مثلاً" مذہب میں وسیع رواداری برتی جاتی تھی۔ جن یہودیوں پر پرتگال اور ہسپانیہ' بلکہ پولینڈ اور لتھوانیا میں ظلم ہوئے' انہوں نے ہالینڈ میں پناہ لی۔ حکومت کا ضبط و نظم چند خوش حال تاجروں کے ہاتھ میں تھا' مگر وینس کی حکومت اہل ثروت کے اس شمالی مثنی نے کاروبار حکومت میں لامرکزیت کے زبردست اور ہار آور تجربے کئے اور ساتوں صوبوں کو مختلف ریاستوں کے سے حقوق حاصل تھے۔

سب سے بڑھ کر اقتصادیات میں ولندیزوں نے سترھویں صدی کے یورپ کے لئے راہ عمل متعین کی۔ وہ جس طرح اپنے کاروبار کا انتظام خوبی و خوش اسلوبی سے کرتے تھے' اسی طرح انہوں نے حکومت کے مالیات کا انتظام کیا۔ حکومت اڑھائی فی صد سود پر روپیہ قرض لیتی اور اس زمانے میں یہ حیرت انگیز حد تک کم شرح سود تھی۔ انہوں نے زندگی کے بیمے کو مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا۔ ایمسٹرڈم میں ایک بنک بنایا' جسے بہت بڑے تجارتی ادارے کی شکل دے دی اور ایمسٹرڈم یورپ کا مالی مرکز بنا رہا۔ ہالینڈ کے شہروں اور قصبوں میں مخصوص صنعتیں کامیابی کے اعلیٰ پیمانے پر پہنچ گئیں' مثلاً" ایمسٹرڈم میں ہیروں کی تراش خراش کی صنعت' زاندم میں جہاز سازی' شیدام میں کشید شراب' ہارلم کے اردگرد پوست کی کاشت' ان سب میں بڑا روپیہ صرف ہوا۔ ولندیزی جہازوں نے بین الاقوامی تجارت میں نمایاں حصہ لیا اور ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک تجارتی سلطنت پیدا کر لی' مگر 1700ء تک ہالینڈ کی عظمت کا دور ختم ہو گیا۔ ولندیزی جمہوریت عموماً" خوشحال رہی' لیکن اس کے حدود مختصر تھے۔ لڑنے والے آدمی کم تھے اور بڑی بین الاقوامی قوت کی مستقل حیثیت قائم رکھنے کے وسائل موجود نہ تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ باب 11

کیتھولک اسپین کی یلغار
(CRUSADE OF CATHOLIC SPAIN)

اسپین کو پیرنیز (Pyrenees) کے پہاڑ بقیہ یورپ سے الگ کرتے ہیں اس لئے یہ ملک یورپ کے دوسرے ممالک سے علیحدہ شمار ہو سکتا تھا چنانچہ اس کی تاریخ یورپ کی دوسری مملکتوں سے جداگانہ ہے یہ ہمیں معلوم ہے کہ اسلامی سلطنت سے جنگ آزمائی کا خاص اثر اس کی ترقی پر پڑا جب مسلمان نکال دیئے گئے تو بہت سی چھوٹی چھوٹی عیسائی سلطنتیں قائم ہو گئیں اور ایک مدت تک ان مملکتوں میں بجز اس کے کوئی اتحاد نہیں قائم ہوا کہ سب کیتھلک مذہب کے دلدادہ تھے لیکن پندرھویں صدی میں اسپین میں ایک مرکز اور اتحاد قائم کرنے کا ولولہ پیدا ہوا۔ اراگان (Aragon) کے فرڈیننڈ کی شادی کاسٹیل (Castile) کی ازابیلا (Isabella) کے ساتھ ہو جانے سے یہ دونوں مملکتیں ایک ہو گئیں تھیں اور ان دونوں کا پوتا چارلس اول شاہ اسپین جو شہنشاہ چارلس پنجم کے نام سے مشہور ہوا پرتگال کے علاوہ تقریباً" کل جزیرہ نما پر حکمران تھا۔ پندرھویں صدی کے آخر میں بقیہ یورپ سے اسپین کی بے تعلقی باقی نہ رہی۔ سسلی اور نیپلس میں اس کو حقوق حاصل ہو گئے تھے اور نیدر لینڈز سے بھی اس کا مستقبل وابستہ ہوگیا کیونکہ اسپین کی شہزادی جوانا (Joanna) کی شادی میری رئیسہ برگنڈی اور مسیملین شہنشاہ آسٹریا کے بیٹے فلپ سے کر دی گئی تھی اس لئے اسپین ایک عظیم الشان سلطنت کا مرکز ہوگیا۔ اس کا حوصلہ پورا ہو گیا اور وقار بڑھ گیا۔ لیکن اس کی وجہ سے جو زبردست ذمہ داریاں عائد ہوئیں وہی بالآخر اس کے زوال کا باعث ہو گئیں۔

سولہویں صدی میں اسپین (Spain) کی قوت : لیکن اس کا زوال اس قدر جلد نہیں شروع ہوا۔ سولھویں صدی میں اور سترھویں صدی کے بیشتر حصہ تک اس کی عظمت اور قوت باقی تھی یورپ کے تمام مدبر اس کی اصلی طاقت سے بھی بڑھ کر اسے سمجھتے رہے۔ اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس کے امریکن مقبوضات سے جس کو اس زمانہ میں "ہند" کے نام سے موسوم کرتے تھے لامتناہی دولت اس کو حاصل ہوتی ہے اور اس کے رعایا کے کیتھلک مذہب کی فدائی ہونے سے آپس میں متحد ہے اس کے سپاہی ایک صدی تک یورپ میں بہترین مانے جاتے تھے اس کے بیڑے نے نئی دنیا کا وجود دریافت کیا تھا اور اسپین کو اس طور پر توسیع تجارت کا بہترین موقع حاصل ہو گیا تھا۔ لیکن بعد کے تجربوں سے معلوم ہوا کہ ان فوائد کے ساتھ ساتھ نقصانات بھی تھے مثلاً" اس کے امریکن مقبوضات کا خرچ حکومت کی بد نظمی سے اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اخراجات وضع ہونے کے بعد کوئی بچت نہ ہوتی تھی دوسرے مذہبی جوش کی وجہ سے محکمہ تفتیش کی آزادی بہت بڑھی ہوئی تھی اور آزادی خیالات کا دروازہ مسدود ہو گیا تھا۔ اور یورپ کی آزادی و روشن خیالی سے اسپین محروم رہا۔ تیسرے وسعت مقبوضات سے اسے ہمیشہ جنگ میں مبتلا رہنا پڑتا تھا جس سے اس کے ذرائع ترقی و آمدنی بند ہو گئے تھے۔

چارلس پنجم (Charles V) کی فتوحات : چارلس پنجم کی حکومت جرمنی میں تو ناکام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی لیکن اسپین میں بہت شاندار ثابت ہوئی کل مخالف سلطنتوں کے مقابلے میں شاہی فوج کامیاب رہی۔ ٹیونس (Tunis) کے بحری قزاقوں اور مسلمانوں کی قوت توڑ دی گئی اور امریکہ کی نو آبادیوں کا انتظام درست ہو گیا۔ خود یورپ میں ہسپانوی اقتدار بہت بڑھ گیا۔ اٹلی پر تسلط ہو گیا اور نیدر لینڈ میں بھی چارلس کی حکومت کامیاب اور ہر دل عزیز تھی۔ چارلس پنجم کی دست برداری کے وقت اس کے بیٹے فلپ کو زبردست اقتدار حاصل ہوا۔

فلپ دوم (Philip II) : اسپین کے لئے یہ بات کچھ مضر نہ ہوئی بلکہ مفید ثابت ہوئی کہ سلطنت روم اور جرمنی کے مشرقی مقبوضات بجائے فلپ کے فرڈیننڈ کو ملے فلپ کے لئے ہر ایک کام آسان تھا کیونکہ نئی اور پرانی دنیا میں اس کے وسیع مقبوضات تھے ایک جنگجو آبادی اس کے تحت میں تھی دولت وافر تھی اور پھر رومن کیتھلک کلیسہ کی اعانت اسے حاصل تھی۔ فلپ کی حکومت ناکام کہی جاتی ہے۔ اس کے زمانہ میں ہمیشہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب وہ کوئی کار نمایاں کر گزرے گا۔ چنانچہ یہ بھی وقت آیا کہ گویا فرانس اور انگلستان کو بھی وہ اپنی سلطنت میں شامل کر لے گا مگر اس کی سب کوششیں ناکام رہیں انگلستان میں اس کے آخری زمانے تک اس کے مذہب کی منکر ایلزبتھ سر پر آرائے سلطنت تھی اور فرانس بھی اس کے غنیم ہنری رئیس نوار (Henry of Navarre) کے قبضہ میں تھا لیکن سب سے بڑا صدمہ یہ تھا کہ نیدر لینڈز کا ایک بڑا حصہ اس کی سلطنت سے الگ ہو کر خود مختار ہو گیا اور اس خطہ میں پروٹسٹنٹ مذہب رائج ہو گیا۔ لیکن بعض مواقع پر اس کو کامیابی بھی ہوئی چنانچہ 1557ء میں ہسپانوی امیرالبحرا اور ڈان جان (Don John) کی سرگردگی میں جو بادشاہ کا بھائی بھی تھا ایک بیڑے نے جو تمام کیتھلک سلطنتوں سے منتخب و مرتب کیا گیا تھا خلیج کارنتھ (Corinth) میں بمقام لیپانٹو (Lepanto) ترکی بیڑے کو ایسی شکست دی کہ پھر ترکی بیڑا آج تک سنبھل نہ سکا۔ سب سے بڑی کامیابی 1580ء میں ہوئی جب شاہ پرتگال کی وفات پر فلپ نے پرتگال کے تخت کا دعوی کیا اور اس میں کامیاب ہوا اس طریقہ پر پورا جزیرہ نما ہی اس کے قبضہ میں نہ آگیا بلکہ ہندوستان اور امریکہ کے پرتگالی مقبوضات بھی اس کی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ اسپین کی عظمت اور ان جنگوں اور فتوحات تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس زمانے میں اس نے علوم و فنون میں بھی نام پیدا کیا 1605ء میں سروٹیز (Cervantes) نے جو لیپانٹو کے جنگ میں شریک تھا ڈان کوئکسر (Don Quixote) تصنیف کی جس کا شمار بہت جلد یورپ کی بہترین تصنیفوں میں ہونے لگا کالڈرن (Calderon) (1601 تا 1687) کے ناٹک انگلستان اور فرانس کے بہترین ناٹکوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں فن مصوری کو بھی علم ادب کے ساتھ ساتھ ترقی ہوئی گو اسپین کا نامور مصور ویلاس کوے (Velasques) بعد میں پیدا ہوا۔ لیکن اب ہم کو نیدر لینڈز کی طرف متوجہ ہونا چاہیے جس کی بغاوت سے فلپ کے زمانے میں اسپین کو سب سے بڑا صدمہ پہنچا تھا بغاوت نہ صرف اسپین کے اضمحلال کا باعث ہوئی بلکہ اس سے یورپ میں ایک آزاد ترقی پذیر اور پروٹسٹنٹ ریاست کا اضافہ بھی ہو گیا جو ایک صدی تک آزادی اور روشن خیالی کے میدان میں تمام یورپ کی پیشوائی کرتی رہی۔ نیدر لینڈ میں کل سترہ ریاستیں شامل تھیں یہ سب فلپ دوم کو برگنڈی کے رئیس چارلس کے ترکے میں ملی تھیں ہر ریاست کا نظام حکومت جداگانہ تھا اور کسی طرح کا ان میں اتحاد بھی نہ تھا حالانکہ چارلس پنجم نے ان سب میں یکساں طرز حکومت قائم کرنے کی بہت کوشش کی تھی اور اس میں ایک حد تک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کامیابی بھی ہوتی تھی۔ نام کو تو یہ ریاستیں شہنشاہیت میں شامل تھیں۔ لیکن اس سے ان کا تعلق ایسا ہی برائے نام تھا جیسا کہ سویزرلینڈ کی متحدہ ریاستوں کا یہ ملک صنعت و حرفت ہی کا مرکز تھا اور ان ریاستوں کے بڑے بڑے شہروں اور بندرگاہوں سے شاہ اسپین کو جو آمدنی تھی وہ امریکن مقبوضات کی آمدنی سے زیادہ تھی ان ریاستوں کے خاص خاص شہر اور بندرگاہ انٹورپ (Antwerp) گان یا گینٹ (Ghent) بروژ (Bruges) اور امسٹرڈام (Amsterdam) تھے ان پر حکومت رکھنا آسان نہ تھا اور چارلس پنجم کو بھی بہت دقتیں اٹھانی پڑی تھیں لیکن پھر بھی یہ ریاستیں ایک حد تک اس کی مطیع رہیں۔ فلپ دوم کو اپنے باپ کا وسیع تجربہ نہ تھا۔ زیادہ تر وہ اسپین ہی میں رہا اور اپنی وسیع سلطنت کا انتظام میڈرڈ سے بیٹھے بیٹھے مراسلت کے ذریعہ سے کرتا تھا۔ اس میں جفاکشی صبر اور فرض شناسی کی صفات موجود تھیں اور مذہب کا پکا اور سچا فدائی تھا لیکن تاریخ یورپ میں مشکل سے ایسا کوئی حکمراں نظر آئے گا جس کے متعلق اس کے معاصرین یا بعد والوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر ایسی تحریک جس میں آزادی یا ترقی کا شائبہ ہوتا وہ نہایت جابرانہ اور ظالمانہ طریقہ سے دبا دیتا تھا۔ نیدر لینڈز کے ساتھ اس کا طرز عمل معمولی تھا اور بہت سی باتوں میں زمانہ کی حالت کے مناسب تھا نیدر لینڈز کی سترہ ریاستوں کو اپنی ماتحتی میں وہ ایک سلطنت بنانا چاہتا تھا اور ان کی مقامی خود مختاری کو مٹا دینا چاہتا تھا یعنی نیدر لینڈز پر اسی مطلق العنانی سے حکومت کرنا چاہتا تھا جس طرح سے کہ اسپین میں یا جس طرح ایلزابتھ اور ہنری چہارم انگلستان اور فرانس میں حکومت کرتے تھے۔ اس زمانہ کے مطابق وہ بھی یہی خیال کئے ہوئے تھے کہ مذہبی یگانگت کے بغیر سیاسی یگانگت قائم نہیں ہو سکتی اس وجہ سے مذہبی اور سیاسی مصالح کی بنا پر پروٹسٹنٹ تحریک کو فنا کر دینے کا اس نے ارادہ کیا جس نے خصوصاً شمالی ریاستوں میں مضبوط جڑ پکڑ لی۔

نزاع کی ابتداء : فلپ کی تخت نشینی کے بعد ہی ان ریاستوں سے چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ شہنشاہ ہمارے سرداروں سے کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے حکومت کرے گا اور عام طور پر کاونٹ اگمانٹ (Count Egmont) اور ولیم (William) شہزادہ آرنج (Orange) کو اس کا اہل سمجھا جاتا تھا آخر الذکر جرمن نسل کا تھا گو اس کا لقب فرانس کی ریاست آرنج کے نام پر مشہور ہو گیا تھا۔ نیدر لینڈز میں اس کی بہت جائداد تھی اور ان لوگوں سے اسے خاص ہمدردی تھی فلپ نے ان کی خواہش کا لحاظ نہ کیا اور اپنی ایک بہن مارگرٹ (Margaret) رئیسہ پارما (Parma) کو اپنا نائب مقرر کر دیا جو ہسپانوی مشیروں کی رائے پر کام کرتی تھی علاوہ اس کے اس موقع پر مذہبی معاملے میں بھی اختلاف تھا۔ فلپ پروٹسٹنٹ مذہب کو جبر و تعدی سے مٹا کر پھر پادریوں کا تفوق قائم کرنا چاہتا تھا ریاستوں نے احتجاج کیا کہ اس طرز عمل سے ان کے حقوق محصلہ پر اثر پڑتا ہے چنانچہ ایک مدت تک تصفیہ کی گفت و شنید رہی مگر آخر کار کوئی بات طے نہ ہو سکی فلپ نے اس عقدے کو تلوار سے حل کرنا چاہا اور 1567ء میں اس نے ایک زبردست فوج آلوا (Alva) کے ڈیوک کی سرکردگی میں روانہ کی آتے ہی اس نے سخت حملہ کیا اگمانٹ (Egmont) قتل کر دیا گیا ولیم رئیس آرنج (William of Orange) جان بچا کر بھاگا بغاوت اور کفر کے جرائم کی سرسری تحقیقات اور سزا کے لئے ایک مجلس قائم کی گئی جس کو نیدر لینڈز والے خونی کونسل کہتے تھے باغیوں کی سب کوششیں بیکار ثابت ہوئیں 1569ء میں تمام ملک آلوا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قابو میں آگیا لیکن پھر بھی تین سال بعد ایسی بغاوت ہوئی کہ جسے اسپین فرونہ کر سکا۔

1572ء کی شورش : مالی معاملات میں آلوا کی سختی اور ناواقفیت اس دوسری شورش کا باعث ہوئی۔ اس نے محاصل عائد کئے اور ان کے وصول کرنے کا ایسا طریقہ اختیار کیا جو محاصل سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا یہ اسباب نیدر لینڈز کی تجارت کو تباہ برباد کر دینے کے لئے کافی تھے ان محاصل کی وصولی دو ماہ تک کے لئے بند کر دی گئی مگر خارجی امداد یا کم از کم خارجی امداد کی امید پر رعایا نے بلوہ کر دیا ملکہ الیزابتھ سے نیدر لینڈز والوں کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اور فرانس کو بھی اسپین کے شمالی فتوحات پر حسد تھا۔ اپریل 1572ء میں "بحری قزاقوں" نے جو کچھ حب وطن بھی رکھتے تھے۔ اور قزاقی بھی کرتے تھے اور الوا کی بدسلوکی کی وجہ سے ترک وطن کر چکے تھے صوبہ ء ذی لینڈ (Zeeland) میں برل (Brill) اور فلشنگ (Flushing) پر قبضہ کر لیا۔ ہالینڈ اور ذی لینڈ کے دونوں صوبوں نے الوا کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور آرنج (Orange) کے ولیم کو جو "خاموش" ولیم کے نام سے مشہور ہوا حکمرانی کے لئے طلب کیا۔ اس طور پر آزادی کی اصل جنگ کا آغاز ہوا اور یہ جنگ چالیس سال تک جاری رہی۔ یہ جنگ ایک ایسا غار ثابت ہوئی جس میں اسپین کی دولت فوج اور بیڑا سب کچھ غارت ہوتا گیا اسپین کی تباہی کا سب سے بڑا سبب نیدر لینڈز کو مطیع کرنے کی کوشش ثابت ہوئی۔ سینٹ بارتھولومیو کے دن قتل عام سے فرانسیسی امداد کی توقع جاتی رہی لیکن پھر بھی شمالی صوبوں نے اپنے بل بوتے پر جنگ جاری رکھی اور آخر کار ان کو فتح نصیب ہوئی۔ مقابلہ عجیب و غریب تھا مگر اسپین کی ناکامی کے اسباب بھی ظاہر تھے متعدد مہمات میں مصروفیت اور زیر باری سے آخر کار اس کا دیوالہ نکل گیا علاوہ اس کے اسپین نے نیدر لینڈز کی بحری طاقت توڑنے کی کوشش نہیں کی اور جب تک اس کو بحری قوت حاصل تھی وہ عاجز نہیں کئے جا سکتے تھے کھلے میدان میں تو وہ ہسپانوی سپاہ کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے تھے لیکن شہر پناہوں کی آڑ سے اور بعض اوقات ڈائک نے (بند) توڑ کر سمندر کے سیلاب سے وہ اپنے غنیم کو بھگا دینے میں کامیاب رہے۔ علاوہ اس کے خاموش ولیم کی کارگزاری بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی خود تو وہ سپاہی نہ تھا لیکن اس نے شجاعت اور استقامت کی روح اپنے ہم وطنوں میں پھونک دی تھی اور اپنی تدبیر و فراست سے مختلف المزاج باغیوں کو متحد کر رکھا تھا۔ کوئی ملک کسی حکمران کا اس طرح مرہون منت نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہالینڈ خاموش ولیم کا۔

ہسپانوی فوج کی بغاوت : 1573ء میں الوا کنارہ کش ہو گیا اور اس کے جانشین نے فتوحات حاصل کر کے ڈچ لوگوں کا ناطقہ بند کر دیا لیکن پھر بھی جنگ ختم نہ ہوئی۔ 1576ء میں ہسپانوی گورنر کی وفات پر اس کی فوج نے عدم ادائی تنخواہ کی وجہ سے بغاوت کر دی جس سے ولیم کو اپنے توقعات سے بھی زبردست کامیابی کی امید ہو گئی۔ ان باغی سپاہیوں نے اپنے سردار مقرر کر لئے۔ اور تمام ملک میں لوٹ مار کرنے کے لئے پھیل گئے۔ اب تک ہسپانوی سپاہ کو صرف شمالی ریاستوں سے مقابلہ رہا تھا۔ شمالی اور جنوبی ریاستوں میں بہت اختلاف بھی تھا۔ شمال والے زیادہ تر پروٹسٹنٹ اور جمہوریت پسند تھے اور ان کی زبان جرمنی تھی اس کے برخلاف جنوب والے یا تو فرانسیسی زبان بولتے تھے یا اس کے مثل کوئی دوسری زبان۔ لیکن ہسپانوی باغی سپاہ کے مظالم کے اندیشہ سے دونوں حصے متحد ہو گئے۔ 1572ء میں ولیم نے صلح گان یا گنٹ طے کی جس کے ذریعہ سے تمام سترہ ریاستوں نے اسپین کو باہر نکال دینے اور ایک قومی سلطنت قائم کرنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مذہبی مسئلہ میں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا سلوک رکھنے کا اقرار کیا۔ یہ تحرک ایسی زبردست تھی کہ شروع شروع میں اسپین کو ہٹنا پڑا۔ اگر یہ اتحاد قائم رہتا تو یورپین تمدن کو بہت بڑا فائدہ پہنچتا لیکن یہ ان ہونی بات تھی۔ مذہبی جوش اور تعصب اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ کسی صلح کے ذریعہ سے اس کا ازالہ ممکن نہ تھا۔ پروٹسٹنٹ مذہب والے بھی عدم رواداری میں کیتھلک مذہب والوں سے کم نہ تھے۔ اس زمانہ میں جسویٹ پادریوں کی تبلیغ و اشاعت سے کیتھلک مذہب کو بھی فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ اگر نیدر لینڈز کی یہ حکومت کامیاب ثابت ہوئی تو ممکن تھا کہ وہ قائم رہ جاتی۔ مگر 1578ء میں بمقام گان بلور (Geniblours) آسٹریا کے ڈان جان (Don John) نے اس قومی فوج کو شکست دے دی۔ ولیم کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ بحر شمالی پروٹسٹنٹ ریاستوں کے اس کی امداد کے لئے نہ آئی تھا۔ 1579ء میں ان (شمالی) ریاستوں نے وفاقیت کے طرز پر آپس میں اتحاد قائم کر کے اسپین کے خلاف جنگ جاری رکھنے کا تہیہ کر لیا۔ جنوبی ریاستوں نے اسپین سے کچھ رعایتیں حاصل کر لیں اور آئندہ کے لئے اسپین کی حلیف بن گئیں۔

باغی ریاستوں کی حالت مایوس کن ہو گئی اور جنگ کی شدت بڑھتی گئی۔ فلپ نے یہ محسوس کر کے کہ بغاوت فرو کرنے میں ولیم ہی سدراہ تھا 1580ء میں اس کے خلاف ایک اعلان کرا دیا کہ وہ بنی نوع انسان کا دشمن ہے۔ اور جو شخص اس کو زندہ یا مردہ لائے گا یا مار ڈالے گا بہت بڑا انعام پائے گا۔ اب تک یہ ریاستیں کہنے کو فلپ کی سلطنت ہی میں تھیں لیکن اب انھوں نے باضابطہ طور پر اس سے قطع تعلق کر لیا اور اعلان کر دیا کہ "جب بادشاہ اپنی رعایا کی حفاظت و نگہبانی کے بجائے ان کو پیس ڈالنے کی فکر کرے اور ان کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک کرے تو ملک قانوناً" اس کو علیحدہ کر کے اس کی جگہ دوسرے کو بادشاہ کر سکتا ہے۔ یہ ایک اہم اصولی اعلان تھا جس کا اثر انگلستان امریکہ اور فرانس کے انقلابات میں نمودار ہوا۔

اب ولیم نے خارجی دول سے امداد حاصل کرنے کی کوشش کی اور شاہ فرانس کے بھائی ڈیوک آف آنجو (Duke of Anju) نے ان ریاستوں کی حفاظت اور امداد پر رضا مندی ظاہر کی لیکن اس کی نیت کی صداقت کا اظہار عملاً" نہیں ہوا۔ وہ ملک میں مطلق العنان حکومت چاہتا تھا اور محدود اختیارات سے جو اسے حاصل تھے راضی نہ تھا اس نے کمینہ پن سے شہر انٹیورپ (Antwerp) پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور جب اس میں ناکام رہا تو فرانس چل دیا اور وہیں مر گیا۔ انگلستان البتہ اپنی رفاقت پر قائم رہا اور انگریز رضا کار ڈچ فوج میں بھرتی ہوتے رہے لیکن ولیم کی زندگی تک انگلستان نے کھلم کھلا کوئی امداد نہیں کی۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد یہ ریاستیں ولیم کی رہبری سے محروم ہو گئیں فلپ کے انعام مقرر کر دینے سے بہت سے سفاک اس کی تاک میں لگے ہوئے تھے اور 1582ء میں وہ بری طرح زخمی ہوا اور بالآخر 1584ء میں ڈلفٹ (Delft) قتل کر دیا گیا۔ اپنے صبر و استقامت تدبیر و فراست انسانیت اور بے غرض حب الوطنی سے اپنے زمانے کے بہترین مدبرین میں اس کا شمار تھا۔ موجودہ ہالینڈ کا وجود اسی کی ذات سے ہے۔ وہ پہلا یورپین مدبر تھا جس نے مذہبی رواداری کی بنا پر سلطنت قائم کی تھی۔

پارما کی فتوحات : اب معلوم ہونے لگا کہ اس کی وفات پر نیدر لینڈ کی حالت تباہ ہو جائے گی۔ اسپین کے زبردست سپہ سالار پارما نے انٹیورپ فتح کر لیا اور پروٹسٹنٹ ریاستوں کا اتحاد متزلزل ہو گیا کچھ تھوڑی سی امداد ملکہ ایلزابتھ نے اس طور پر کی کہ ارل آف لیسٹر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Earl of Leieester) کی سرکردگی میں ایک بے ترتیب فوج بھیج دی لیکن اصل مدد نیدر لینڈ والوں کو یورپ کی سیاسی حالت میں انقلاب پیدا ہونے سے ملی۔ 1588ء میں اسپین کے بیڑے (Armada) کو انگلستان نے ایسی شکست دی جیسی کہ اب تک اسپین کو نہ ہوئی تھی اسی زمانہ میں ہنری کو جو اب تک پروٹسٹنٹ مذہب کا پیرو تھا اور اسپین کا سخت دشمن تھا فرانس کا تخت و تاج مل گیا۔ اب انگلستان۔ فرانس اور ہالینڈ نے آپس میں اسپین کے خلاف ایک اتحاد قائم کر لیا اور اسپین کی کامیابی کی امید جاتی رہی۔ ولیم (William) کا بیٹا مارس ڈچ فوج کی کمان اپنے باپ سے بہتر طریقے پر کر رہا تھا۔ آخر کار 1597ء میں بمقام ٹرن ہوٹ (Turn hout) ڈچ فوج نے ہسپانوی سپاہ کو شکست دے دی پھر بھی کئی سال تک جنگ جاری رہی یہ زمانہ ایسا گزرا کہ دونوں سلطنتیں زیر بار ہوئیں مگر جنگ کے باوجود ہالینڈ کی صنعت و حرفت ترقی پذیر تھی اور اسپین کو اس قسم کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا آخر کار 1609ء میں بارہ سال تک کے لئے صلح ہو گئی۔

ڈچ جمہوریت کی خدمات : اصل میں ڈچ قوم کی جنگ آزادی کا یہ خاتمہ ہی تھا اس بہادرانہ جنگ سے ایک ایسی سلطنت قائم ہو گئی جس نے آئندہ صدی تک یورپ کو بیش بہا فوائد پہنچائے زراعت اور جہاز رانی کو ڈچ قوم نے بہت فروغ دیا۔ اور گروٹیس (Grotius) کی تصانیف سے بین الاقوامی قانون کی طرف خاص توجہ ہوئی لیڈن (Layden) میں علم طبیعیات کو بہت ترقی ہوئی۔ ادب میں ڈچ لوگوں نے کوئی گراں قدر اضافہ تو نہیں کیا لیکن مصوری میں انھوں نے جدت ضرور پیدا کی ہالینڈ میں پروٹسٹنٹ جذبات کی وجہ سے وہاں کے مصور حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے واقعات یا بڑے بڑے بزرگوں کے روایات کا اظہار اپنے تصور میں نہیں کر سکتے تھے لیکن اپنے ملک سے جسے انھوں نے اس قدر جدوجہد کے بعد اسپین کے قبضے سے چھڑایا تھا انھیں عشق تھا۔ اپنے ملک کی ہموار زمین کو اپنے قلم کی کشش سے شاندار مناظر میں پیش کرتے تھے۔ انھوں نے ظاہر کر دیا کہ زندگی کے معمولی اور ذرا ذرا سے واقعات کے دکھانے میں بھی اتنا ہی کمال چاہیے جتنا کہ رافائل تیتیاں کو (Raphael Litian) حاصل تھا۔

نئی سلطنت کی مشکلات : خارجی خطرہ تو جاتا رہا تھا مگر ملک کی اندرونی مشکلات ابھی باقی تھیں یوٹریخٹ (Utrecht) کے اتحاد سے نظام حکومت کی بنیاد تو پڑ گئی تھی اور موجودہ زمانہ کی اتحادی حکومت کی پہلی نظیر قائم ہو گئی تھی لیکن اس کو سنبھال کے چلنا ذرا مشکل تھا۔ اب تک کوئی ڈچ سلطنت یا قوم نہیں بنی تھی۔ ساتوں صوبے کامل آزادی و خود مختاری کے مدعی تھے اور کل صوبوں کی اتفاق آرا کے بغیر مرکزی حکومت کچھ نہ کر سکتی تھی۔ رفتہ رفتہ دو پارٹیاں قائم ہو گئیں ایک طرف تو آرنجی جماعت تھی جس کا سردار شہزادہ مارس (Maurice) تھا وہ کل ریاستوں کو آرنج (Oronge) خاندان کی سیادت میں حقیقی طور پر متحد کرنا چاہتا تھا اور خود بادشاہی اختیارات چاہتا تھا گو بادشاہ کو لقب کے خواستگار نہ تھا۔ دوسری جماعت کا سردار اولڈن بارنیولٹ (Olden barneveldt) تھا جو لفظاً" اور معناً" جمہوری حکومت چاہتا تھا اور آرنج خاندان کے مقاصد کا مخالف تھا ادھر پروٹسٹنٹ مذہب والوں میں خود ہی مذہبی نفاق پیدا ہو جانے سے حالت اور بھی نازک ہو گئی کیالون (Calvin) کے سخت اصول کے پیروؤں کا سردار گومرس (Gomarus) تھا جو آزاد خیال طبقہ کے سردار آرمی نیس (Arminus) سے برسرپیکار تھا۔ موریس (Maurice) گومرس کے پیروؤں کا ساتھی ہو گیا اور 1619ء میں ڈارٹ (Dort) کی مذہبی مجلس نے گومرس کے مخالفین کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاف فتوی دے دیا اور جو لوگ گومرس کی مخالفت پر قائم تھے ان کو خدمات سے علیحدہ کر کے شہر بدر کر دیا گیا مارس کے لئے یہ بڑی فتح تھی اس کے بعد اس نے مجرمانہ طریقہ پر اپنے مخالف ولڈن مارنیولٹ کو سرسری تحقیقات کے بعد قتل کرا دیا جس سے اس کی فتح مکمل ہو گئی۔

خاندان آرنج (Orange) کی شکست : لیکن جمہوریت پسند جماعت بالکل نیست و نابود نہیں ہوئی۔ مارس تو 1625ء میں فوت ہو گیا لیکن یہ مخاصمت اس کے جانشین فریڈرک ہنری (Frederick Henry) ولیم دوم (William II) کے زمانہ تک باقی تھی بادشاہ کی وفات پر بجز ایک کمسن بچہ کے جو انگلستان کا شاہ ولیم سوم (William III) کے نام سے مشہور ہوا کوئی وارث نہ تھا اور جمہوری سردار جان دی وٹ (John De Witt) نے آرنج خاندان کی ہوس پر آخری اور قطعی ضرب لگا دی کمسن شہزادہ کو سات صوبوں میں سب سے زرخیز اور زبردست صوبہ ہالینڈ کی حکومت اور فوجی و بحری کمان سے محروم کر دیا گیا لیکن نیدر لینڈز کی قسمت میں روز ازل سے خاندان آرنج کے ساتھ وابستہ رہنا لکھا تھا اور کمسن شہزادہ نے سن شعور کو پہنچ کر نیدر لینڈز اور انگلستان پر حکومت کی اور یورپ کی سیاسیات پر اپنے جد ولیم خاموش کی طرح اثر ڈالا آرنج خاندان والے فوجی تھے، اور ایک بڑی فوج قائم رکھنا چاہتے تھے۔ تاکہ ہمسایہ سلطنتوں پر ان کا اثر رہے ان کے مخالف بحری فوج پر زیادہ اعتماد رکھتے تھے اور بری فوج پر ان کو اعتبار نہ تھا کیونکہ یہ فوج خاندان آرنج کی معین تھی۔ جب 1672ء میں لوئی چہار دہم شاہ فرانس نے اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے اس سلطنت پر حملہ کرنا چاہا' تو سلطنت کو وہی خطرہ ہو گیا جو ولیم خاموش کے زمانے میں تھا تو از خود اس کے پوتے کو کرر تخت نشینی کے لئے بلانے کی تحریک شروع ہو گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ باب 12

فرانس کی ٹوٹ پھوٹ اور تعمیر نو

(DISIN TEGRATION AND RECONSTRUCTION OF FRANCE)

1559ء میں صلح کا تو کامبریس (Calean cambresis) سے فرانس کی سلطنت یورپ میں بااثر ہو گئی تھی۔ مشرقی سرحدوں پر اس کو اہم مقبوضات حاصل ہو گئے تھے اور کیسلے (Calais) کا شہر بھی انگریزوں سے فرانس نے چھین لیا تھا۔ اس صلح کے جشن میں جو پیرس (Paris) میں منعقد ہوا تھا۔ فرانس کا بادشاہ ہنری دوم ایک اتفاقی صدمے سے جو کھیل تماشے کے دوران میں اسے پہنچا تھا ہلاک ہو گیا اس کے انتقال سے فرانس کی حالت بالکل متغیر ہو گئی۔

فرانس میں کیالونی تحریک کی اشاعت : مذہبی اصلاح کی وجہ سے اب تک فرانس میں کوئی ہنگامہ نہیں ہوا تھا۔ اس تحریک کو مٹا دینے کے لئے احکام جاری ہوئے تھے اور بعض لوگ ان احکام کے شکار بھی ہوئے لیکن فرانس کا مذہبی اتحاد متزلزل نہیں ہوا تھا البتہ دوسرے ملکوں کی طرح فرانس میں بھی جوش پھیلا ہوا تھا۔ کیالون جیسا کہ ہمیں معلوم ہے فرانسیسی لوگوں پر ان تصانیف کا گہرا اثر ہوا اس کے پیرو ہر طبقے کے لوگوں میں موجود تھے خصوصاً" مزدور پیشہ لوگوں میں ان کی تعداد بہت تھی فرانس میں پروٹسٹنٹ تحریک کی نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ بہت سے رؤسا بھی اس گروہ میں شامل ہو گئے تھے۔ اس لحاظ سے فرانس کی پروٹسٹنٹ تحریک اسکاٹلینڈ میں اصلاحات کے ابتدائی دور سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔ اور فرانسیسی امراء کو اسکاچ شرفاء کی طرح اس نئی تحریک کی طرف زیادہ رجحان محض مذہبی عقیدت مندی کے باعث نہ تھا بلکہ اس نئی تحریک کے ذریعہ سے بادشاہ وقت کی مخالفت کرنے کا ان کو حیلہ مل جاتا تھا اور ساتھ ہی اس کے لوٹ مار کی بھی امید رہتی تھی۔ مغربی اور جنوبی فرانس میں پروٹسٹنٹ مذہب کا چرچا زیادہ تھا۔ خود شہر پیرس تو ہمیشہ سے سخت مخالفت تھا اور وسطی و مشرقی فرانس میں بھی بہت کم لوگ اس مذہب کے پیرو تھے۔

کیالون (Calvin) اپنی تحریک کی رفتار کو جینوا (Geneva) سے بغور دیکھتا رہا اور ایک زمانہ میں وہ سمجھتا تھا کہ اگر تبلیغ و اشاعت کی آزادی دی جائے تو فرانس سے کیتھلک مذہب نیست و نابود ہو جائے لیکن واقعہ یہ ہے کہ فرانس میں پروٹسٹنٹ فرقہ کبھی کیتھلک فرقہ سے تعداد میں نہ بڑھ سکا کیالون کی سختی اور پابندی کے لزوم کی وجہ سے بہت سے لوگ جو کیتھلک مذہب کی تخیل و حسن آفرینی کے دلدادہ تھے اس طرف رجحان نہ رکھتے تھے اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا پروٹسٹنٹ مذہب کا سا جوش و خروش کیتھلک مذہب میں بھی پیدا ہو گیا۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ فرانس میں اس خیال کے لوگ بھی تھے جو ان دونوں مخالفت فرقوں سے علیحدہ تھے ڈچ عالم ایرازمس (Erasums) کے ایسے بہت سے لوگ یورپ میں تھے جو دونوں فرقوں میں سے کسی میں اپنی شمولیت پسند نہیں کرتے تھے اور لوتھر کے ساتھ شریک ہونے سے قطعاً" انکار کرتے تھے یہی درمیانی رویہ فرانس میں بھی ابتداء" رابلے (Rabelais) نے اختیار کیا اور آخر زمانہ میں مانتائن (Montaigne) کی تحریریں امید افزا ہیں لیکن آخر الذکر اصلاح کی طرف سے مایوس تھا یہ دونوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ کیتھلک گروہ میں سے تھے مگر کیتھلک تحریک کے ردعمل سے بالکل بے تعلق تھے رواداری کی تلقین کرتے تھے اور عقل و فراست سے کام لینے کو کہتے تھے اور دونوں فرقوں کے پیشواؤں کے دلائل سے ان کی تشفی نہ ہوتی تھی آئندہ نصف صدی تک تو امور عامہ پر ان لوگوں کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا لیکن بعد کی صدیوں میں رابلے اور مانتائن کا اثر فرانس پر اتنا ہی پڑا جتنا کہ کیالون یا اگنا شیس لیولا (Ignatius Loyalla) کا۔

ہنری دوم کی وفات پر اس کے بیٹوں میں کوئی سن شعور کو نہیں پہنچا تھا کہ فرانس کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے سکتا۔ بیوہ ملکہ مشہور (بلکہ بدنام کہنا زیادہ موزوں ہو گا) کیتھرین ڈی میڈی چی (Catherine de Medichi) تھی اس کے خاوند نے اسے کمسپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا تھا اور اب اس کو اقتدار حاصل کرنے کا موقع ملا بعض مواقع پر اس کو کیتھولک مظالم کا حامی بتلایا گیا ہے اور اس کے افعال مذہبی تعصب پر مبنی بتلائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ اصل حقیقت نہیں ہے اس کے طرز عمل کا باعث اس کا مذہبی جوش نہ تھا بلکہ اس کے سیاسی مقاصد تھے میڈی چی خاندان سے تعلق رکھنے سے اس کا مذہب کیتھلک ہی تھا لیکن مذہبی عقیدت مندی اس میں بہت کم تھی اور اس کی عقیدت مندی کا کوئی اثر اس کے اعمال پر نہ تھا۔ کیتھلک مذہب کے عقائد سے زیادہ نجوم کے توہمات کو اس کے مزاج میں دخل تھا اس کے کئی بچے تھے مگر سب کم عمر تھے اور نہ کسی میں دماغی یا جسمانی قوت کے آثار تھے۔ چند سال تک تو ان میں سے کوئی فرانس پر حکومت کرنے کے قابل نہ تھا۔

بوربان (Bourbon) اور گیز (Guise) کے خاندان : اس لئے کیتھرین خالی تخت پر خود قبضہ کرنا چاہتی تھی لیکن ان روسا سے اس کو مقابلہ کرنا تھا جو خود اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے تھے اور جن کی باہمی رقابت مذہبی اختلافات کی وجہ سے بڑھی ہوئی تھی ایک طرف تو بوربان (Borbon) خاندان تھا جس کے سردار این تھنی نوار (Navaire --- Antony) کا کمزور حکمران اور اس کا جوشیلا بھائی شہزادہ کانڈی (Conde) تھے ان لوگوں نے کیالون کا مذہب حصول منفعت کے لئے اختیار کر لیا تھا دوسری طرف گیز (Guise) کا خاندان تھا۔ یہ خاندان اصل میں لورین (Loraine) کا تھا مگر رفتہ رفتہ فرانسیسی دربار میں حاوی ہو گیا تھا اپنے اغراض کی وجہ سے اور عقیدۃ بھی یہ لوگ کیتھولک کلیسہ سے وابستہ تھے کارڈنل ڈی گیرٹز اپنے زمانہ کے بڑے با اثر پادریوں میں تھا اور گائز کاڈیوک فرانسس (Feancis) اپنے ملک میں بہترین سپاہی سمجھا جاتا تھا۔ درباریوں میں صرف ایک شخص تھا جسے کیتھرین تاج کا خیر خواہ سمجھ سکتی تھی اور یہ سلطنت کا چانسلر لوپی تال (L Hopital) تھا۔ وہ مذہبی آدمی تھا۔ لیکن دونوں مذہبی فرقوں میں مصالحت کرانے کا خواہاں تھا اور یورپ کے ان لوگوں میں تھا جو صدق دل سے مذہبی رواداری کے امکان کا اعتقاد رکھتے تھے۔

چارلس نہم (Charles IX) : اسکاٹلینڈ (Scuts) کی ملکہ میری (mary) کے خاوند فرانس دوم (Francis II) کی مختصر حکومت مذہبی مناقشات سے بھری ہوئی تھی۔ 1560ء میں وہ فوت ہوا اور اس کا بھائی چارلس نہم (Charles IX) اس کا جانشین ہوا اس بات کی کوشش کی گئی کہ دونوں فرقوں کا ایک مشترک جلسہ منعقد کر کے کوئی تصفیہ کر لیا جائے لیکن یہ کوششیں قبل از وقت اور بیکار ثابت ہوئیں لوپی تال نے شاہی حکم سے ایک فرمان جاری کیا کہ پروٹسٹنٹ فرقہ والے چند شرائط کے ساتھ اپنے طریقہ پر عبادت کر سکتے ہیں۔ لیکن دونوں فرقے تو ایک دوسرے پر کامل فتح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خواستگار تھے اس لئے کسی مصالحت کا خیال ان کے ذہن میں نہ آسکتا تھا مارچ 1562ء میں ڈیوک آف گیز ایک فوج لے کر شہر واسی سے گزرا۔ اس وقت کیالونی فرقہ کی ایک جماعت عبادت میں مشغول تھی سپاہیوں کے گزرنے سے ان کی عبادت میں خلل ہوا اس کی وجہ سے جو شور و شغب ہوا تو اس میں کئی ایک عبادت کرنیوالے مارے گئے یہ واقعہ جو واسی کے قتل عام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے خانہ جنگی کا باعث ہوا۔

جنگ کی خصوصیات : اس کے بعد سے تیس سال تک فرانس کو امن نصیب نہ ہوا۔ یورپ میں اس کا وقار بھی گھٹ گیا اور اس کی دولت اور مرفہ الحالی بھی کم ہو گئی اور معاشرتی لحاظ سے بھی یہ جنگ یورپ کی بدترین جنگ تھی۔ یہ جنگ سات آٹھ لڑائیوں پر مشتمل ہے جن میں کوئی اہم لڑائی نہ ہوئی۔ اور ہمیشہ رواداری کی جھوٹی مصالحت سے ان کا خاتمہ ہوتا رہا۔ ان سب لڑائیوں میں عموماً" کیتھلک فرقہ فائن میں رہا۔ اور پروٹسٹنٹ فرقے والے بے یار و مددگار ہونے کے باعث اپنے غنیم پر کوئی نمایاں فتح نہ حاصل کر سکے اگر اس وقت کوئی زور دار حکمراں ہوتا تو غالباً" کیتھلک فرقے کو کامل فتح حاصل ہو جاتی لیکن کیتھرائن ایسی فتح کی خواستگار نہ تھی جس سے کیتھلک سردار خطرناک طور پر حاوی و با اثر ہو جاتے اس لئے دونوں فرقوں میں توازن قائم رکھنا ہی اس نے مناسب سمجھا اولاً" پروٹسٹنٹ فرقہ کی قوت کا دارو مدار روسا پر تھا۔ مگر آخر میں مغربی و جنوبی شہر والے اس کے زبردست علمبردار ثابت ہوئے۔ این تھنی رئیس نوار (Antony of Navarre) اور شہزادہ کانڈی (Conde) اس کے پیشوا تھے لیکن سب سے مشہور امیر البحر کالی نی تھا۔ جو اپنی فوجی مہارت اور راستبازی کے لحاظ سے اس صدی کے پاکبازوں اور ناموروں میں سے تھا۔

ہیوگوناٹ (Huguenot) : پہلی جنگ میں ملکہ ایلزابتھ (Elizabeth) نے پروٹسٹنٹ لوگوں کو جو عام طور پر فرانس کے ہیوگینو (Huguenot) کے نام سے مشہور تھے کچھ مدد دی لیکن ناکامی کے باعث انگلستان کی ملکہ نے پھر امداد دینے سے گریز کیا۔ دونوں مبارزیں باہر کی امداد کے متوقع تھے پروٹسٹنٹ گروہ کو وقتاً" فوقتاً" جرمنی اور سوئزرلینڈ سے امداد ملتی رہی اور کیتھلک گروہ کو اسپین کی امداد پر بھروسہ تھا نیدرلینڈ میں ہسپانوی سپاہ کی موجودگی نے جس کا ذکر گزشتہ باب میں کیا گیا ہے فرانس کی جنگ کی رفتار پر خاص اثر کیا پہلی تین لڑائیوں کا ذکر ہم سرسری طور پر کئے دیتے ہیں۔ ان لڑائیوں کے دوران میں حکمران اور شہزادہ کانڈی دونوں کام آئے اور ڈیوک آف گائزار لیون (Orleans) کا محاصرہ کرتے وقت مارا گیا تیسری جنگ البتہ بہت سخت تھی اس جنگ میں پروٹسٹنٹ فرقہ والے دو لڑائیاں لڑے اور دونوں ہار گئے 1570ء میں جب کہ پروٹسٹنٹ گروہ پر زبردست حملہ ہونے کی امید تھی ایک صلح ہو گئی جو صلح سینٹ ژرمین (St Germain) کے نام سے مشہور ہے۔

صلح سینٹ ژرمین (St, Germain) : اس جنگ کے دوران میں اس طرح کی کئی صلحیں ہوئیں لیکن یہ صلح سب سے بہتر تھی ہر شخص کو اپنے ضمیر کے مطابق عقائد و خیالات رکھنے کی آزادی دی گئی اور روسیا کے قلعوں میں اور دو شہروں میں جو فرانس کے دونوں حصوں میں منتخب کئے جائیں عبادت کی آزادی بھی دی گئی ساتھ ساتھ مدارس اور سرکاری ملازمت میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروٹسٹنٹ فرقہ والوں کو مساوی حقوق عطا ہوئے۔ کامل رواداری تو نہیں حاصل ہوئی لیکن اگر اس کے مطابق عمل جاری رکھا جاتا تو اس نوبت پر پہنچنا بھی ممکن تھا اور اس سے کم از کم اتنا تو ضرور ہوا کہ پروٹسٹنٹ فرقہ کی حالت سنبھل گئی۔

چارلس نہم اور کانسی : 1570ء و 1572ء کے درمیان کا زمانہ نہایت نازک اور پر اسرار ہے اسی زمانہ میں یوم سینٹ بارتھلومیو کا قتل عام ہوا جس کے متعلق بہت سی باتیں اب تک معرض بحث میں ہیں۔ ان سنین کی نمایاں خصوصیات یہ معلوم ہوتی ہیں کہ نو عمر بادشاہ چارلس نہم کو اپنے فرائض اور فرانس کی حالت کا احساس و اندازہ ہو گیا تھا اس کو معلوم تھا کہ خانہ جنگی سے ملک کی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ اور ہسپانیہ کی ہم پلہ سلطنت بظاہر ترقی کی شاہ راہ پر گامزن ہے اس کو کالی نی سے انس پیدا ہو گیا۔

فرانس کی جدید حکمت عملی : اور اس پروٹسٹنٹ قائد اعظم کے حب وطن اور ہمت سے وہ متاثر ہونے لگا۔ ایک نیا طرز عمل اختیار کرنے کی تجویز ہوئی کہ پروٹسٹنٹ اور کیتھلک دونوں اتفاق و ارتباط کے ساتھ فرانس میں رہیں اور قوم کی متفقہ قوت نیدر لینڈ کی حمایت میں اسپین کے خلاف جنگ کرنے میں صرف کی جائے۔ یہ حکمت عملی ایسی ہی تھی جو بیس سال بعد ہنری رئیس نوار نے اختیار کی اور اس سے نہایت شاندار نتائج برآمد ہوئے اور اس کے بعد کی صدی میں ریش لیو نے بھی اسے اختیار کیا یہ بھی خیال تھا کہ ایلزبتھ (Elizabeth) ملکہ انگلستان سے اتحاد قائم کیا جائے اور بادشاہ کے بھائی ہنری سے اس کا عقد ہوا اور بادشاہ کی ہمشیرہ مارگیرٹ آف والوا (Margarret of veiois) کا عقد پروٹسٹنٹ فریق کے آئندہ پیشوا ہنری رئیس نوار (Heary of Navarre) سے ہو۔ یہ خیال تھا کہ 1572ء کے خزاں کے اوائل میں فرانس اس جنگ میں شریک ہو جائے گا ایلزابتھ کا عقد تو نہ ہوا لیکن اتحاد قائم ہو گیا ہنری رئیس نوار کا عقد البتہ مارگریٹ سے ہو گیا اور اب فرانس کے

یوم سینٹ بارتھلومیو کا قتل عام : طرز عمل میں تغیر ہونے کی توقع ہو گئی کہ یکایک 24 اگست 1572ء کو سینٹ بارتھلومیو (Bartholomews) کی برسی کے دن قتل عام کی خبر پھیل گئی اپنے مخالفین کا قتل عام کرا کے مذہبی مشکلات کا حل کرنا کیتھرائن کے ذہن میں سے پہلے سے تھا لیکن اس قتل عام کی تجویز بہت پہلے سے نہیں سوچی گئی تھی اس کا اصل سبب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کالگنی کے روز افزوں اثر کو دیکھ کر کیتھرین کے دل میں حسد اور خوف پیدا ہوا کہ اگر کوئی تدبیر نہ کی گئی تو بہت جلد اس کا اقتدار زائل ہو کر سلطنت کے امور میں اس کا اثر گھٹ جائے گا۔ اطالوی تجربات کی بناء پر اس کو ایک تدبیر سوجھی کہ کالی نی قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ جب کالی نی اپنے مکان میں داخل ہو رہا تھا۔ ایک قاتل نے اس پر حملہ کر کے اسے زخمی کیا۔ لیکن جان کا خطرہ نہ تھا اس کے ہم مذہب پروٹسٹنٹ لوگوں نے کامل تحقیقات کا مطالبہ کیا کالی نی کے قتل میں ناکام رہنے سے کیتھرائن اس سے بھی سنگین جرم کے ارتکاب پر آمادہ ہو گئی اور بادشاہ کے بھائی ہنری اور ہنری ڈیوک کائز اور پیرس کے دیگر عمائد کے ساتھ شریک ہو کر اس نے یہ طے کیا کہ پیرس کے مذہبی دیوانوں اور عوام کو ہیوگوئی نو کے خلاف برانگیختہ کیا جائے بادشاہ بوجود یکہ کالی نی سے انس رکھتا تھا قتل عام کی اجازت دینے پر آمادہ ہو گیا کیونکہ اس کو یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باور کرایا گیا کہ خود اسی کی زندگی خطرہ میں ہے۔ کالی نی کے قتل کے لئے خود ڈیوک آف گیز آیا ہوا اور پیرس اور فرانس کے دوسرے حصول میں ہیوگینو کی ایک بڑی تعداد قتل کی گئی ان مقتولین کی تعداد دس ہزار تک بتلائی جاتی ہے۔

قتل عام کی ناکامی : مگر اس قتل عام کے بعد ہی یہ معلوم ہو گیا کہ یہ مجرمانہ فعل سخت حماقت پر مبنی تھا ہیوگوئی نو اپنے سردار اور بہت سے آدمیوں کے ضائع جانے سے کمزور تو ضرور ہو گئے مگر انھوں نے فوراً ہتھیار اٹھا لئے اور اپنی جانیں بچانے کے لئے استقلال کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہو گئے اس فعل کو بجز چند کیتھلک لوگوں کے تمام یورپ نے مذموم قرار دیا۔ انگلستان بھی فرانس سے علیحدہ ہو گیا اور اس کے بعد جو لڑائیاں ہوئیں ان میں ہیوگوئی نو کو کچھ زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ اس قتل عام کے ایک سال بعد 1573ء میں حکومت نے ان کو امان دی اور اس صلح میں سینٹ ژرمین کی (St. Germain) صلح کی بہت سی باتیں طے ہو گئیں۔

شاہ ہنری سوم : چند روز کے بعد چارلس نہم کا انتقال ہو گیا اور اس کا بھائی ہنری سوم کے نام سے تخت نشین ہوا پروٹسٹنٹ فرقہ کے خلاف ابتدائی مہم میں اس نے بہت سرگرمی دکھائی تھی اور پولینڈ کا تاجدار بھی منتخب ہوا تھا لیکن اپنے بھائی کی وفات کی خبر سنتے ہی پولینڈ سے روانہ ہو کر فرانس آگیا قتل عام کی تحریک میں یہ خاص طور پر شریک تھا اس لئے اس کے آتے ہی پھر جنگ شروع ہو گئی لیکن جنگ میں کوئی مستعدی نہیں دکھلائی گئی کیونکہ بادشاہ تن آسانی اور عیاشی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ہر چند کبھی کبھی وہ مجنونانہ مذہبی ریاضت میں بھی مشغول ہو جاتا لیکن یہ ریاضتیں کسی مذہبی عقیدت مندی اور خلوص پر مبنی نہ ہوتی تھیں اس وجہ سے معمولی جنگ و جدال کے بعد پھر حسب سابق صلح ہو گئی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس قسم کی لڑائیاں اور صلحیں مدت تک جاری رہیں گی جس کا انجام بجز فرانس کی تباہی کے اور کچھ نہ تھا۔

سیاسیوں کی جماعت : لیکن پھر بھی صورت حال میں تغیر ہو رہا تھا اور نئی قوتیں پیدا ہو رہی تھیں جس کی وجہ سے ہنری کے ذاتی طرز عمل کی اہمیت کم ہوتی جا رہی تھی ایک طرف تو ایک ایسی جماعت تیار ہو رہی تھی جو اہل سیاست کے نام سے موسوم تھی یہ جماعت ملک کی بہبودی کو مذہبی خیالات پر مرجح خیال کرتی تھی اور اس غرض کے حصول کے لئے چند رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ آپس میں متفق و متحد ہو گئے ان کی اعلانیہ غرض یہ تھی کہ حکومت کی بنیاد مذہبی رواداری پر رکھی جائے۔ کچھ دنوں تک اس جماعت کی قیادت کا مسئلہ زیر بحث تھا اس جماعت میں تقریباً سب ہیوگوئی نو شامل تھے۔ لیکن جب ہنری رئیس نوار کیتھلک مذہب سے برگشتہ ہو گیا۔ جیسے وہ قتل عام کے وقت اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور پیرس سے بھاگ کر جنوب میں پروٹسٹنٹ لوگوں سے جا ملا تو انھوں نے اسے اپنا پیشوا تسلیم کر لیا۔ کیا لون (Calvin) کے عقائد اور ضوابط کا مستقل اثر کبھی بھی ہنری پر نہ ہوا اور وہ محض خاندانی تعلق کی وجہ سے پروٹسٹنٹ گروہ میں شامل ہوا تھا

کاہنری ہیوگوناٹ لوگوں کے سردار کی حیثیت سے : مگر اس نے وفاداری کے ساتھ بہت دنوں اس گروہ کی خدمت کی گو وہ کوئی بڑا سپہ سالار نہ تھا لیکن دست بدست لڑائیوں میں بڑا جری سردار ثابت ہوا اور پروٹسٹنٹ گروہ کے لئے اس کی قیادت یوں بھی زیادہ اہم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوئی کہ فرانس کے تخت پر اس کے بیٹھنے کی توقع تھی کیونکہ نہ تو فرانس دوم نے کوئی اولاد نرینہ چھوڑی تھی اور نہ چارلس نہم نے ہنری سوم کے کوئی اولاد ہی نہ تھی اور یہی حالت اس کے بھائی ڈیوک آف الان سون (Duke of Alencan) کی تھی جس نے (Angel) کا خطاب اختیار کیا تھا۔ مردوں میں ہنری رئیس نوار ہی قریبی وارث تھا۔

کیتھولک انجمنیں : پروٹسٹنٹ اور رواداری کی تحریکوں کا نظام جب اس طور پر تقویت حاصل کر رہا تھا۔ کیتھلک لوگوں میں بھی نئی تحریک پیدا ہو رہی تھی۔ بادشاہ کے طرز عمل اور افعال سے لوگوں کو نفرت ہو گئی تھی اور زیادہ جوشیلے کیتھلک بجائے بادشاہ ہنری سوم کے ڈیوک آف گائز کو اپنا سردار سمجھتے تھے۔ ایک کیتھلک اتحاد قائم کرنے کی تجویز پیش ہو چکی تھی اور روما و اسپین نے اسی تجویز پر لبیک بھی کہا تھا۔ 1584ء میں ڈیوک آف آں ژو کی وفات سے اس انجمن کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی کیونکہ کیتھرین کی اولاد نرینہ میں سے کوئی باقی نہ تھا۔ وراثت کے معمولی قواعد کے لحاظ سے ہنری رئیس نوار ہی تخت فرانس کا وارث تھا اور وہ مذہب پروٹسٹنٹ تھا۔ اس کو روکنے کے لئے یہ کیتھلک اتحاد قائم ہوا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ تمام ملحدوں اور ان کے طرفداروں کو تخت فرانس سے علیحدہ رکھا جائے

کیتھلک مدعیان تخت و تاج : اس اتحاد نے ہنری آف نوار (Henry of Navorres) کے چچا کارڈ نل بور بون کو بادشاہت کے لئے منتخب کیا مگر اس فیصلہ سے بجز طوالت کے کوئی قطعی تصفیہ نہ ہو سکا کیونکہ منتخب شخص خود ضعیف اور لاولد تھا۔ اس لئے یہ سوال کہ فرانس کے تخت کو کونسا کیتھلک بادشاہ زینت بخشے ذرا ٹیڑھا تھا۔ ہسپانیہ کا شاہ فلپ دوم خود اپنے لئے کوشاں تھا اور اگر وہ کامیاب رہتا تو اس کو ٹیڈر لینڈز اور انگلستان میں جو ہر عیتیں اٹھانا پڑی تھیں ان کا معاوضہ مل جاتا۔ لیکن فلپ کے ہاتھ میں فرانس کا تخت اگر چلا جاتا تو فرانسیسیوں کے قومی جذبہ کو ٹھیس لگتی اس لئے ایک کثیر تعداد ہنری ڈیوک گیز کی حامی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہنری سوم کا رجحان بمقابلہ اس مقدس اتحاد کے "جماعت سیاسی" کی طرف زیادہ تھا لیکن اتحاد کا برملا مقابلہ کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی اس لئے برائے نمائش اس کا حامی ہو گیا اور پروٹسٹنٹ لوگوں کے خلاف پھر ایک مرتبہ جنگ کرنے پر مجبور ہوا اس جنگ کی اہمیت بہت بڑھ گئی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس جنگ پر مذہبی مسئلہ کے تصفیہ کا دار و مدار ہے خود بادشاہ نے اس جنگ میں کوئی خاص حصہ نہیں لیا اس کا سابقہ سپاہیانہ ولولہ ٹھنڈا ہو گیا تھا اور فوج کی کمان اس نے اپنے معتمدین کے سپرد کر دی۔ انہی میں سے ایک کے مقابل 1587ء میں ہنری رئیس نوار نے ایک شاندار فتح بمقام کوترا (Coutras) حاصل کی لیکن فوراً اس کا بدلہ ہو گیا کہ جرمن اور سوئس جو اسی کی مدد کو آ رہے تھے ہنری آف گائز کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ اب فرانس کے کیتھلک گروہ کا مرد میدان ڈیوک ہنری قرار پایا وہ پیرس آیا جہاں کیتھلک کا زور سب مقاموں سے زیادہ تھا لیکن ہنری سوم نے اسے شہر میں داخل ہونے سے منع کر دیا۔ لیکن اس ممانعت کے باوجود وہ شہر میں داخل ہوا اور لوگوں نے نہایت جوش و خروش سے اس کا استقبال کیا۔ بادشاہ اس کی ہلاکت کی فکر کرنے لگا اور شہر کا محاصرہ کرنے کے لئے باہر سے فوج طلب کی۔ اس دھمکی پر شہر کے باشندے بلوہ کر بیٹھے جگہ جگہ مورچے تیار کئے گئے۔ بادشاہ اس ہنگامہ کو فرو کرنے سے مجبور تھا۔ آخرکار اسے اپنے رقیب کی منت سماجت کرنی پڑی اور اس کی درخواست پر ہنری آف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیز نے بلوہ فرو کیا۔ بادشاہ ایسے شہر میں رہنا پسند نہ کر سکتا تھا جس نے اس کی توہین کی تھی اس لئے وہ راتوں رات محل سے نکل بھاگا۔

لیکن امداد کے لئے وہ جاتا تو کس کے پاس تمام کیتھلک فوج تو ہنری گیز کی دلدادہ تھی اور ہنری آف نوار اور اس کے ساتھ پروٹسٹنٹ گروہ سے ابھی صلح کرنا ممکن نہ تھا۔ لامحالہ اس کو پھر ہنری گیز کی خوشنودی حاصل کرنا پڑی اور ایک مرتبہ پھر وہ مقدس اتحاد میں گو برائے نام سہی لیکن شریک ہو گیا۔

مجلس طبقات مجتمعہ بمقام بلوآ (Blois) : ہنری سوم کو اب یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پیرس کے باہر بھی اس کی کچھ نہیں چلتی اور جو کچھ زور تھا اتحاد کا تھا۔ فرانس کی تاریخ میں نازک موقعوں پر جیسا ہوتا رہا ہے۔ اس نے بھی وہی پرانی تدبیر سوچی۔ اس نے مملکتوں کی ایک عام مجلس بمقام بلوآ (Blois) منعقد کی۔ اسے امید تھی کہ رعایا کے نمائندے اس کی اعانت کریں گے لیکن نتیجہ سے اسے معلوم ہوا کہ تینوں طبقوں (رؤسا۔ پادری۔ عوام) میں کثرت رائے اس کے خلاف ہے۔ بادشاہ تو برائے نام وہی تھا۔ لیکن حکومت حقیقت میں ہنری گیز کرتا تھا۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یوم بارتھولومیو کے قتل عام میں بادشاہ نے خاص طور پر حصہ لیا تھا اور اس وجہ سے وہ اطالوی عیاریاں اور چالاکیاں خوب جانتا تھا۔ اس نے یہ سمجھ لیا کہ ہنری گیز ہی اس کا حقیقی دشمن ہے اور اسی کی وجہ سے اسے یہ تمام ذلتیں برداشت کرنا پڑیں۔ اس لئے اس سے چھٹکارا پانے کے لئے اس نے قتل کی تجویز نکالی ڈیوک کو معلوم تھا کہ میں خطرے میں ہوں۔ مگر اس نے خیال کیا کہ بادشاہ کو اتنی جرات نہیں ہو سکتی 1588ء میں جب بادشاہ

گیز (Guise) خاندان کا قتل : کی قیام گاہ میں داخل ہو رہا تھا مار ڈالا گیا۔ اس کا بھائی بھی جو کارڈ نل تھا کچھ ہی دنوں بعد مار ڈالا گیا اور بادشاہ اپنی کامیابی پر مسرور ہو کر اپنی ماں کیتھرین کو اس واقعے کی اطلاع دینے گیا حالانکہ وہ بیمار اور قریب الموت تھی اس نے بادشاہ کو متنبہ کیا کہ فرانس کے حقیقی بادشاہ ہونے کی دھن میں اس نے نے اپنے اقتدار کو بالکل گھٹا دیا ہے جس کا نتیجہ وہ خود دیکھ لے گا۔

ہنری سوم اور نوار کے ہنری (Henry of Navarre) کا اتحاد : اور انجام بھی یہی ہوا۔ "اتحاد کا بادشاہ" جیسا کہ لوگ ہنری۔ آف گیز کو سمجھتے تھے ہلاک ہو چکا تھا لیکن اتحاد ہنوز قائم تھا اور وہ سب لوگ جو کسی مصلحت یا غرض سے کیتھلک مذہب سے وابستہ تھے کسی حالت میں اتحاد کے سردار و حامی کے قاتل کی اطاعت پر آمادہ نہ تھے۔ اس نا امیدی میں ہنری کے لئے لازم تھا کہ کہیں نہ کہیں اور سہارا ڈھونڈھتا بحالت مایوسی وہ بالکل خلاف امید ہنری رئیس نوار اور اس کے ہم مذہب پروٹسٹنٹ لوگوں اور اہل سیاست کی طرف رجوع ہوا۔ یہ جماعت اس وقت یہ دعوی کر رہی تھی کہ تخت شاہی کے موروثی حقوق کو کوئی چیز زائل یا ساقط نہیں کر سکتی اور اسی اصول ملوکیت کی بنا پر ہنری کو ان لوگوں کی ساتھ اتحاد قائم کرنے کا حیلہ مل گیا۔ دونوں غنیم اور مخالفین کی ملاقات ہوئی ہنری سوم نے مسیحیت کا رشتہ قائم رکھنے پر زور دیا اور کہا کہ یہ رشتہ جری اختلافات سے نہیں ٹوٹ سکتا۔ یہ الفاظ ایسے شخص کے منہ سے جو سینٹ بارتھولومیو کے قتل عام کے باغیوں میں سے تھا عجیب اور بے محل تھے بہرحال اس نے ہنری رئیس نواز سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گہرا اتحاد قائم کر لیا اور دونوں کی متفقہ فوج دشمنوں پر حاوی نظر آنے لگی اتحادیوں کی فوج کھلے میدان میں ان کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی اس لئے پیرس پر

ہنری سوم کا قتل : حملہ کیا گیا اگر پیرس فتح ہو گیا اور اس کا فتح ہونا یقینی تھا۔ تو پھر ہنری چہارم ہی بادشاہت کرتا حالانکہ وہ ہیوگینو تھا۔ لیکن پیرس میں مذہبی جوش دیوانگی کے حد تک پہنچ گیا تھا۔ ڈامنیکن سلسلہ کا ایک درویش محصور شہر میں سے باہر آیا اور سیدھا ہنری سوم کے حضور میں پہنچا اور وہیں ایک مہلک وار بادشاہ پر کیا۔

ہنری کی موت نے سیاسی اکھاڑے سے صرف ایک معمولی ہستی کو مٹا دیا مگر اس کی وجہ سے سیاسی حالت دگرگوں ہو گئی۔ بہت سے کیتھلک ایسے تھے جو کیتھلک مذہب والے ہنری سوم کی اطاعت پر آمادہ تھے مگر پروٹسٹنٹ مذہب والے ہنری نوار کی اطاعت کرنے کی ان کا ضمیر اجازت نہیں دیتا تھا اسی وجہ سے گو ہنری نوار نے ہنری چہارم کا لقب اختیار کر لیا مگر اس کی فوج اتنی قوی نہ رہی کہ وہ پیرس کا محاصرہ قائم رکھ سکتا اور اس کی حالت پھر ایک قسمت آزما سپاہی کی سی ہو گئی جو تخت کے لئے لڑ رہا تھا

جنگ ایوری (Ivry) 1590ء : اس کو نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں ملکہ الیزبتھ سے تعلقات پیدا کرنے کی غرض سے وہ ڈیپ (Dieppe) کی طرف روانہ ہوا اس کو معلوم تھا کہ اسپینی ارمڈا (Armada) کی شکست کے بعد سے ملکہ بہت آسانی سے اس کی مدد کر سکتی تھی ڈیپ کے پاس بمقام آرک (Arques) اس کو ایک بہت بڑی فتح حاصل ہوئی اور اس کے بعد ایوری (Ivory) کی جنگ میں اس نے پھر اپنے غنیم کو شکست دی اس کو کامل فتح حاصل کرنے کی امید ہو چلی تھی اور اس کی شجاعت اور ہمدردی کے ایسے قصے مشہور ہو گئے تھے کہ اس کے مخالفین میں سے بہتوں کا دل اس کی طرف سے کھینچ رہا تھا ایوری کی فتح کے بعد وہ پیرس کی طرف بڑھا اور شہر کا محاصرہ کر لیا شہر میں فاقہ کی نوبت پہنچ گئی اور باوجود کیتھلک جوش و خروش کے یہ معلوم ہونے لگا کہ بہت جلد فرانس کا دارالسلطنت ہیوگینو بادشاہ کے ہاتھ میں چلا جائے گا لیکن ہنری سوم کے وفات سے مقدس اتحاد کی حالت میں بھی تغیر ہو گیا تھا۔ فلپ دوم شاہ اسپین نے یہ خیال کیا کہ اس اتحاد کی امداد سے وہ فرانس کو فریق مخالف کے ساتھ ملنے سے روک سکتا ہے اور خود اپنے لئے تخت فرانس بھی حاصل کر سکتا ہے کیونکہ کیتھلک اتحاد پیرس ہنری چہارم کا اس قدر مخالف تھا کہ ہر قسم کی کارروائی پر رضا مند ہو جاتا بعض لوگ اس میں ایسے بھی تھے کہ وہ فرانس کو بالکل ہی اسپین کے قبضہ میں دے دینا چاہتے تھے اس میں شک نہیں کہ بعض لوگ جو اس کے سخت مخالف بھی تھے اور وہ مقتول ڈیوک آف گیز کے بھائی ایمین (Mayenne) کے طرفدار تھے ان خیالات و امیدوں کی وجہ سے جو اگر پوری ہو جائیں تو انگلستان اور نیدرلینڈز کی ہزیمتوں کا معاوضہ ہو جاتا فلپ پیرس کا سقوط کسی طرح گوارا نہ کر سکتا تھا اس نے اپنے سپہ سالار پارما (Parma) کو جو اس وقت نیدرلینڈز میں جنگ کر رہا تھا حکم دیا کہ پیرس کی طرف

پارما (Parma) کی مدد سے پیرس کا محاصرہ اٹھ جانا : بڑھ کر شہر کو بچائے۔ ہنری چہارم محاصرہ کی حالت میں ہسپانوی سپاہ سے مقابلہ کرنے کی جرات نہ کر سکتا تھا اس لئے وہ محاصرہ کو اٹھا کر ہسپانوی فوج سے جنگ کرنے کے لئے ان کی طرف بڑھا مگر پارما کی غرض تو حاصل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو چکی تھی اس لئے وہ واپس چلا گیا ایک سال بعد ہنری نے شہر روین (Rouen) کا محاصرہ کیا جس کی اہمیت یہ تھی کہ ندی سے پیرس کو جانے کا راستہ اسی طرف سے تھا۔ یہاں بھی قریب تھا کہ اسے فتح حاصل ہو کہ پارما نے اپنی فوج کو ہوشیاری سے نقل و حرکت میں لا کر اسے اس فتح سے بھی محروم کر دیا۔ ہسپانوی سپہ سالار کا یہ آخری کارنامہ تھا۔ اور اسی مہم میں وہ زخمی ہو کر مر گیا۔

نواز کا تبدیل مذہب کرنا : اس وقت بھی اس لامتناہی جنگ کا خاتمہ ہمیشہ کی طرح بعید ہی معلوم ہوتا تھا۔ ہنری اپنے غنیم کو شکست نہیں دے سکتا تھا اور فرانس ہسپانوی بادشاہ کی حکومت نہیں چاہتا تھا کیتھلک اتحاد نے سب صوبوں کا ایک جلسہ منعقد کیا مگر اس میں اس قدر اختلاف آرا تھا کہ کسی بات کا تصفیہ نہ ہو سکتا۔ کچھ دنوں سے ایک نیا خیال ہنری چہارم کے دماغ میں اس دیرینہ کشمکش سے نجات پانے کا پیدا ہو رہا تھا۔ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جب تک وہ پروٹسٹنٹ رہے گا فرانس والے اس کی اطاعت قبول نہیں کریں گے لیکن اگر وہ اس کو کیتھلک سمجھنے لگیں تو اغلب ہے کہ اس کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ مذہبی عقائد میں تو وہ ہمیشہ سے ڈھیل مل یقین تھا کالونی دپیوریٹین (Puritan) فرقوں کی زہد و تقوی کی اس نے کبھی پیروی نہ کی تھی بلکہ اس کے تعیش سے کالونی طبقے کے پادری خود نالاں تھے اس وجہ سے تبدیل مذہب کے لئے بہت سی تحریصیں موجود تھیں اور خود اس کے بعض پروٹسٹنٹ مشیر بھی اس طرز عمل کے حامی تھے۔ ایک طرف فرانس کا اسے فلاح و امن مدنظر تھا اور دوسری طرف اعتقادات کا مسئلہ تھا جس کی اسے زیادہ پروانہ تھی بالآخر فرانس نے کیتھلک بن جانے کا فیصلہ کر لیا اور دکھاوٗ کی خاطر کیتھلک مذہب کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد اس مذہب میں اپنے عقیدہ کا اظہار کر کے کیتھلک عبادت میں شریک ہوا۔ (1593ء)

فرانس کا ہنری چہارم کی اطاعت قبول کر لینا : اس تبدیل عقائد نے سحر کا کام کیا یکے بعد دیگرے تمام شہروں نے ایسے شخص کے لئے جن کی شجاعت اور زندہ دلی کے وہ مدت سے مداح تھے اپنے دروازے کھول دئے حتی کہ جس اضلاع میں کیتھلک اتحاد کا بہت زور تھا وہ بھی اس کے مطیع ہو گئے۔ پیرس البتہ کچھ دنوں تک اس کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ وہاں ہسپانوی فوج کا ایک دستہ موجود تھا۔ لیکن پیرس کی آبادی کا بیشتر حصہ انجمن کے تعصب کے باعث اس سے برگشتہ ہو رہا تھا اور چاہتا تھا کہ فرانس پھر ایک بادشاہ کے تحت میں متحد ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سازش سے شہر کا پھاٹک کھول دیا گیا اور ہنری اندر داخل ہو گیا۔

ہنری پاپائے روم کو بھی ہموار کرا لیتا ہے : نہایت جوش سے اس کا خیر مقدم کیا گیا اور جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے پیرس کے لوگ پھر ایک بادشاہ کا چہرہ دیکھ کر مسرت سے دیوانے ہو رہے تھے۔ پاپائے روم نے کچھ دنوں تک تبدیلی مذہب کو تسلیم نہیں کیا اور جب تک کہ پوپ اس کو نہ بخش دے کیتھلک فرانس میں اس کا اقتدار قائم و محفوظ نہیں ہو سکتا تھا۔ 1595ء میں خدا خدا کر کے اس کی بھی تکمیل ہو گئی اور توبہ و استغفار کے مقررہ رسومات ادا کرنے کے بعد پوپ نے شاہ ہنری چہارم کو کیتھولک مذہب میں شامل کر لیا۔

صلح و روین (Vervins) : ہسپانیہ سے ابھی تک جنگ جاری تھی اور پہلے پہلے تو ہنری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فرانسیسی فوج آگے نہ بڑھ سکی ہنری کو اپنی تمام قوت سے کام لینا پڑا قبل اس کے کہ ہسپانیوں کو پیرس کے نواح سے جہاں انھوں نے یورش کر دی تھی ہٹا سکے لیکن اسپین خستہ حال ہو گیا تھا۔ اسپین کے بادشاہ کی سب امیدوں پر رفتہ رفتہ پانی پھرتا جا رہا تھا اور آخر کار 1598ء میں اس نے صلح وروین (Vervins) کے شرائط قبول کر لئے اور اسپین و فرانس میں بھی صلح ہو گئی۔

فرانسیسی نظم و نسق کی از سر نو ترتیب : اس طریقے پر ہنری کو خارجی و داخلی مخالفوں سے امن پاکر فرانس کی حکومت نصیب ہو گئی لیکن نظم و نسق اور ترتیب کا کام جس کی سخت ضرورت تھی اور وقت طلب تھا۔ اسی سالہ خانہ جنگی سے فرانس تباہ ہو چکا تھا۔ بہت سے اضلاع کی زراعتی زمین افتادہ پڑی تھی مواضعات اور کبھی کبھی شہروں میں بھی بھیڑیوں کے غول کے غول آکر تباہی پھیلاتے تھے اور رعایا کے خصائل میں وحشت آگئی تھی ہسپانیہ کو شکست دینے سے زیادہ مشکل کام ملک کو اس فلاکت و تباہی سے نکال کر پھر یورپ کے متمدن و ترقی پزیر ملکوں میں شامل کرنا تھا۔

فرمان نانت (Nantes) : سب سے پہلے تو مذہبی مسئلہ کا تصفیہ تھا۔ کیتھلک لوگ تو اپنے نئے بادشاہ سے خوش تھے لیکن بادشاہ کے سابق معین پروٹسٹنٹ لوگ رشک کر رہے تھے اور ناراض تھے اس کی آخری مہم میں جن لوگوں نے عین مصیبت کے وقت میں اس کا ساتھ دیا تھا اور برابر کے مقابلہ میں لڑ کر اپوری کی فتح حاصل کی تھی انھوں نے اب اس کی سپاہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا 1598ء میں ان کے فائدے کے لئے اس نے نانت (Nantes) کا مشہور فرمان جاری کیا۔ اس فرمان کو اس نے دائمی قرار دیا اور اس فرمان کی بدولت فرانس کے پروٹسٹنٹ گروہ کو ایسے حقوق ملے کہ کسی دوسرے ملک میں مذہبی مخالفین کو کبھی نصیب نہ ہوئے تھے۔ ان کو اجازت تھی کہ ان حدود کے اندر جو پہلی مصالحتوں کے ذریعہ قرار پائے تھے وہ آزادی سے عبادت کریں جامعات اور سرکاری خدمات میں ان کو مساوی حقوق عطا ہوئے۔ انصاف رسانی کے لئے ان کی علیحدہ عدالتیں قائم ہوئیں جن میں پروٹسٹنٹ حکام مقرر کئے گئے اور کل مقدمات جن میں پروٹسٹنٹ مذہب والی فریق ہوں انھی عدالتوں میں پیش کرنے کا حکم ہوا چند شہر اور قلعے تقریباً" ان کے قبضہ میں دے دیئے گئے۔ سپاہ کی تنخواہ شاہی خزانہ سے دی جاتی اور عہدہ داروں کے تقرر کا اختیار پروٹسٹنٹ جماعت کے سرداروں کو دیا گیا اس طریقے پر ان کو اپنے شہروں میں ایک پناہ کی جگہ مل گئیں جہاں سے وہ اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے آئندہ کسی خطرے کے وقت مقابلہ کر سکتے تھے یہ فرمان بے مثل تھا۔ اب تک یورپ نے مذہبی اختلافات میں اس قسم کا انصاف اور دور اندیشی دیکھی نہ تھی اور جب تک اس پر عمل رہا معاشی حالت کے ساتھ ساتھ فرانس کی مذہبی حالت بھی سنبھلی رہی لیکن اس میں نقص اور خطرہ یہ تھا کہ یہ تجویز اس زمانے کے مطابق نہ تھی۔ صرف بادشاہ اور اس زمانے کے چند مدبرین تو رواداری کے اصول کو سمجھتے تھے مگر پروٹسٹنٹ اور کیتھلک لوگ اصولاً" اس کے قابل نہ تھے۔ اس وجہ سے سو سال کے اندر ہی موقع پا کر ہنری چہارم کے ایک جانشین نے اس فرمان کو منسوخ کر دیا۔

ہنری چہارم اور یسوعی فرقہ : یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہنری کو کیتھلک جماعت کے راسخ گروہ جیسویٹ (jesuit) کی شورش کا مقابلہ کرنا پڑا کسی نے اس کے قتل کا اقدام کیا تھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور اس جرم کا تعلق اسی جماعت سے کچھ کچھ پایا گیا اس لئے فرانس سے یہ لوگ خارج کر دئے گئے مگر کچھ دنوں بعد یہ لوگ واپس آگئے اور ہنری و پاپائے روم کے درمیان کوئی حقیقی اختلاف نہ تھا۔

بادشاہ کی مزید مطلق العنانی : دستوری امور میں یہ حکومت سابقہ حکومت سے بھی زیادہ مطلق العنان تھی جیسا کہ فتنہ و فساد کے بعد عموماً" ہوا کرتا ہے۔ اس خانہ جنگی کی وجہ سے حکومت کا اقتدار بڑھ گیا مملکتوں کی مجلس عامہ کا کوئی جلسہ منعقد نہ ہوا کیونکہ اس مجلس نے اکثر تاج کے خلاف اور کیتھلک مذہب کی تائید کی تھی جب کبھی بادشاہ کو رائے عامہ حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ مشاہیر کی ایک مجلس منعقد کر کے ان کے سامنے معاملات پیش کرتا اور ان سے رائے لیتا تھا۔ یہ مشاہیر خود بادشاہ کے انتخاب سے

محصول پالیت (Paulette) : مقرر ہوتے تھے پیرس کی پارلیمنٹ میں ایک اہم تغیر یہ کیا گیا کہ اراکین اگر ایک محصول جس کو پالیت (Paulette) کہتے تھے ادا کریں تو ان کی رکنیت دائمی اور موروثی کر دی جائے گی۔ اس طور پر اب پہلے کی طرح بادشاہ کا دباؤ ان پر باقی نہ رہا اور بھی وجوہ تھے کہ آئندہ صدی کے ہنگاموں میں اس جماعت نے خاص حصہ لیا تھا۔

سلی (Sully) : معاشی مسئلہ کا تصفیہ نہایت اہم تھا اور بادشاہ کو اس معاملہ میں اپنے مشہور وزیر سلی (Sully) سے بیش بہا امداد ملی سلی (Sully) نے بادشاہ کو تبدیل مذہب کی رائے دی تھی مگر وہ خود پروٹسٹنٹ رہا۔ یہ شخص ایماندار اور مستقل مزاج اور نیک خصلت تھا اور جزوی معاملات پر بھی اس کی نگاہ تھی مالیات کے الجھے ہوئے مسائل کو اس نے خوب سلجھایا سڑکیں اور نہریں بنوا کر اور نئے طریقوں سے زراعت میں سہولت پیدا کر دی۔ فرانس میں اس نے ریشم کے کیڑے کی پرورش شروع کی جس سے فرانس میں ریشم کی صنعت بہت بڑھ گئی صنعت و حرفت کی طرف اسے زیادہ توجہ نہ تھی لیکن اس کے آقائے نامدار کو اس میں خاص دلچسپی تھی اور فرانس کی صنعت و حرفت کی ابتداء جس کا عروج آئندہ صدی کے وسط میں ہوا ہنری چہارم کے زمانہ میں ہوئی۔

ژولیے (Juliers) کا واقعہ اور ہنری چہارم کا قتل : ایک عرصہ تک بادشاہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی اور تخت کی وراثت کا مسئلہ پھر پیچیدہ ہو گیا تھا لیکن والوا (Vélois) ملکہ مارگریٹ سے اس کا عقد فسخ کر دیا گیا اور 1600ء میں لٹکنی (Tuscony) کے ڈیوک اعظم کی ایک رشتہ دار میری ڈی می ڈی چی سے اس نے عقد کر لیا۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جو لوئی دواز دہم کی لقب سے اس کے بعد اس کا جانشین ہوا۔ اس کی حکومت کے آخری زمانے میں جرمنی کی حالت نازک ہو گئی تھی ژولیے (Juliers) کی ریاست خالی ہو گئی تھی اور دریائے رائن (Rhine) پر واقع ہونے سے نیز جرمنی سے نیدر لینڈز کے راستے پر ہونے کے باعث تمام یورپ کے لئے اس ریاست کی خاص اہمیت تھی' سوال یہ تھا کہ یہ ملک پروٹسٹنٹ گروہ کے قبضے میں دیا جائے یا ہپس برگ (Hapsburg) کے کیتھلک خاندان کو ملے یہ معلوم ہونے لگا کہ اس مسئلہ کے حل کے لئے ایک جنگ عظیم چھڑ جائے گی کیونکہ جرمنی میں اشتعال کے لئے کافی مصالحہ موجود تھا جیسا کہ ہم آئندہ باب میں بیان کریں گے ہنری چہارم نے پروٹسٹنٹ لوگوں کی طرفداری کی اور جولیرس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی حفاظت کے لئے ایک بڑی فوج لے کر جانے کو تیار ہو گیا اس طرز عمل سے انتہا پسند کیتھلک طبقہ اس کے خلاف ہو گیا اور 1610ء میں عین اس وقت جب کہ وہ کوچ کی تیاری کر رہا تھا ایک قاتل نے اسے ہلاک کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ باب 13

تیس سالہ جنگ --- 1618-48ء

(THIRTY YEAR,S WAR __ 1618-48)

ہم دورِ حاضر کے اوائل کی دو بڑی کشمکشوں کے حالات پیش نظر لا چکے ہیں۔ اول ہیسبرگ اور والوا کی کش مکش دوم فلپ ثانی کی جنگیں۔ تیسری بڑی کش مکش یعنی تیس سالہ جنگ 1618ء 1648ء زیادہ تر جرمنی میں لڑی گئی اور وقائع نگاری کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ جنگ اس باب کے حدود سے کسی قدر متجاوز ہے مگر ایسی جنگ کہ مذہب کا حصہ بھی کم از کم اتنا بڑا ضرور تھا۔ جتنا چارلس اور فلپ کی جنگوں میں تھا اور مرکزی نقطہ اس کا بھی ہیسبرگ خاندان ہی کا تھا۔ آسٹریا کا شاہنشاہ فرڈیننڈ دوم (1619ء 1637ء) ہرگز ہمہ گیر حکمرانی کا خواہاں نہ تھا لیکن اس نے جرمنی کو کیتھولک حکومت کے ماتحت متحد کرنے کی ایک آخری اور زبردست فوجی کوشش ضرور کی۔ تیس سالہ جنگ کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں کے درمیان کش مکش ہی کی حیثیت سے شروع ہوئی۔ لیکن خاتمے تک یہ خالص سیاسی کش مکش بن چکی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ہیسبرگوں کی قوت کم ہو جائے۔ فرانس اور سویڈن (جو سیاسیات عالیہ میں نووارد تھا) فائدہ اٹھائیں۔ یہ پرانی جنگوں میں سے آخری اور نئی جنگوں میں سے پہلی تھی۔

1555ء میں آگسبرگ میں جو صلح نامہ ہوا تھا۔ اس سے جرمنی میں کامل مذہبی امن قائم نہ ہو سکا۔ انتہا پسند پروٹسٹنٹ فرقوں میں سے باقی کو تو چھوڑ دیجئے خود کیلون کے فرقے کا اس صلح نامے میں کوئی ذکر نہ تھا اور کلیسائی تحفظ کا مسئلہ غیر منفصل چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس آخری مسئلے پر ایک شاہی فرمان میں واضح کر دیا گیا تھا کہ اگر کوئی کیتھولک پادری پروٹسٹنٹ بن جائے تو جو جائداد اس کے قبضے میں ہو گی وہ کیتھولکوں ہی کے پاس رہے گی۔ لیکن یہ یک طرفہ اعلان تھا اور پروٹسٹنٹوں کے ساتھ اس کے متعلق کوئی بات چیت نہ ہوئی تھی؛ لہٰذا وہ "طبعاً" اسے ناپسند کرتے تھے۔

سترھویں صدی کے آغاز میں جرمنی کی مذہبی حالت زیادہ سے زیادہ پریشان کن ہو رہی تھی۔ کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں خصوصاً" کیلون کے پیروؤں کے درمیان تشدد کے واقعات بڑھ رہے تھے۔ 1608ء میں کیلون کے پیروؤں نے ایک پروٹسٹنٹ یونین قائم کر لی۔ اس سے شہ پاکر 1609ء میں کیتھولکوں نے بھی ایک جمعیت بنالی۔ اس طرح تیس سالہ جنگ شروع ہونے سے دس برس بیشتر جرمنی دو حریف گروہوں میں بٹ گیا۔ ابتدا ہی سے پروٹسٹنٹوں کی یونین اور کیتھولکوں کی جمعیت کے مقاصد و عزائم سیاسی بھی تھے اور مذہبی بھی دونوں میں جرمنوں کے عقیدہ برگزیدگی کی نمائندگی موجود تھی یعنی سلطنت کے مقابلے میں جرمن حکومتوں کی انفرادیت پر زور۔ اگرچہ کیتھولکوں کی جمعیت اور اس کا لیڈر میکسملین والی بویریا آگے چل کر شاہنشاہ فرڈیننڈ کے حلیف بن گئے۔

جنگ کا پہلا دور 1618ء - 1625ء :

جنگ کے پہلے دور کو دورِ بوہیمیا کہتے ہیں کیوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ یہ بو ہیمیا میں شروع ہوئی جو آج کل چیکو سلواکیا کا حصہ ہے۔ لیکن اس زمانے میں ہیبسبرگ شاہنشاہوں کا علاقہ تھا اور اس میں جرمنوں کی ایک زبردست اقلیت تھی جسے یوٹراقوسٹ کہتے تھے۔ یہ نام کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں کے درمیان ایک بڑے جھگڑے کی یاد تازہ کرتا ہے یعنی عشاء ربانی کے انتظام کا معاملہ۔ کیتھولکوں کی عبادات میں غیر مذہبی آدمی کو عشاء میں سے صرف نان ملتا ہے' شراب نہیں ملتی یعنی اسے مسیح کا صرف جسم دیا جاتا ہے' خون نہیں دیا جاتا جو پادری عشاء ربانی کا منتظم ہو شراب وہ لے جاتا ہے۔ یوٹرا ایک لاطینی نام ہے جس کے معنی دونوں یعنی برکت میں نان اور شراب دونوں ملنے چاہئیں۔ دو سو سال پیشتر ہسوں کی تحریک میں جو کیفیت پیش آئی تھی۔ اسی طرح یوٹرا قوزم بھی کم از کم جزوا" چیکوں کی قومیت کا ایک مظاہرہ تھی۔ قوم پرور چیک چاہتے تھے کہ انہیں جرمنوں اور دی آنا کی حکمرانی سے مقامی خود مختاری مل جائے اور وہی اس واقعے کے موجب بنے' جس سے جنگ شروع ہوئی۔ یعنی پراگ میں کھڑکی سے باہر پھینک دینے کا واقعہ جو 1618ء میں پیش آیا۔ باغیوں کا رئیس تھرن کا کاؤنٹ میتھیاس تھا۔ اس نے بو ہیمیا کے مرکزی شہر (پراگ) پر قبضہ کرلیا۔ بات چیت ہو رہی تھی اور میتھیاس نے جوش کی حالت میں دو شاہی گورنروں کو اٹھا کر محل کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ اگرچہ یہ لوگ ستر فٹ نیچے گرے' مگر خس و خاشاک کے ایک انبار پر گرے اور ان کی جانیں محفوظ رہیں۔

فرڈیننڈ دوم نے جو شاہنشاہ بننے والا تھا وہ رسمی طور پر 1619ء میں شاہنشاہ منتخب ہوا) خانہ جنگی کے لئے تیار نہ تھا۔ باغیوں کو جرمنی سے پروٹسٹنٹ فوجوں کی امداد مل گئی۔ انہوں نے بو ہیمیا پر قبضہ کرلیا اور فرڈیننڈ کو شاہ بو ہیمیا کی حیثیت میں معزول کردیا۔ یہ خالی اسامی پر کرنے کے لئے بو ہیمیا کے مختلف طبقوں کی ایک مجلس نے نوجوان فریڈرک پنجم کو منتخب کرلیا' جو پیلیٹینیٹ (مغربی جرمنی) کا الیکٹر اور پروٹسٹنٹ یونین کا رئیس تھا۔ اگرچہ فریڈرک جیمز اول شاہ انگلستان کا داماد اور پروٹسٹنٹ کی حیثیت میں بڑا ہر دلعزیز تھا۔ لیکن نہ انگلستان نے اس کی کوئی امداد کی اور نہ پروٹسٹنٹ یونین نے البتہ اہل ہسپانیہ کیتھولکوں کے طرفدار بن گئے اور ایک فوج پیلیٹینیٹ بھیج دی تاکہ پروٹسٹنٹ یونین ہراس زدہ ہوکر غیر جانب داری کا اعلان کردے۔ بو ہیمیا میں کیتھولکوں کی جمعیت نے فریڈرک کو وھائٹ مونٹن کے مقام پر شکست دی 1620ء اور وہ اپنی نئی بادشاہی سے بھاگنے پر مجبور ہوا۔ پروٹسٹنٹ یونین توڑ دی گئی اور پروٹسٹنٹوں کے جو گروہ جابہ جا رہ گئے تھے' انہیں شہنشاہ کے جرنیل اٹلی نے شکستیں دیں۔

جنگ کا دوسرا دور 1625ء 1629ء : یہ جنگ کا ڈینی دور ہے' کیوں کہ پروٹسٹنٹوں کی زار حالی میں جرمنی سے باہر ایک مجاہد امداد کے لئے تیار ہوگیا۔ یہ ڈنمارک کا بادشاہ کرسچین چہارم 1583ء - 1648ء تھا' جس نے پروٹسٹنٹ افواج کی قیادت سنبھال لی۔ یہ بڑا زبردست اور صاحب عزم بادشاہ تھا۔ لوتھرزم نے شاہی اقتدار میں جو اضافہ کر دیا تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر کرسچین نے اپنا اقتدار بہت بڑھا لیا تھا۔ جب اس نے جنگ میں حصہ لیا۔ تو وہ محض ہم مذہبوں کی حفاظت ہی کا خواں نہ تھا' بلکہ شمالی جرمنی میں ڈنمارک کا سیاسی اور اقتصادی اقتدار بھی بڑھانا چاہتا تھا۔

اس مرحلے پر کش مکش میں ایک نیا عامل داخل ہوا۔ یہ ولنسٹائن (1583ء - 1634ء) ایک نجی فوج تھی' جسے اچھی یا بری شہرت حاصل ہوئی۔ ولنسٹائن بو ہیمیا میں ایک پروٹسٹنٹ جرمن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندان کا فرد تھا' مگر اس کی تربیت کیتھولک کی حیثیت میں ہوئی اور وہ شاہنشاہ کی حمایت میں لڑتا رہا۔ اس نے خود ہی فوج بھرتی کی خود ہی اسے تنخواہ دیتا۔ اس غرض سے یا تو وہ "جبرا" روپیہ وصول کرلیتا یا لوٹ مار کرتا۔ اس سلسلے میں بعض اوقات شاہنشاہ کی طرف داروں اور کیتھولک ہمدردوں کو بھی اس نے نہ چھوڑا۔ دراصل وہ ایک تنخواہ دار فوج کا سالار تھا اور نجی شہری کی حیثیت میں حکمران کا درجہ حاصل کرلینا چاہتا تھا۔ ممکن ہے وہ جرمن سلطنت کے اتحاد کا خواب دیکھ رہا ہو۔ یعنی وہ شارلیمین کی سلطنت کا جانشین بنانا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ نئے نمونے کی بادشاہی پیدا کرنا چاہتا تھا۔ وہ کبھی کامیابی کے قریب نہ پہنچا لیکن اس کی فوج جنگ کے ایک نازک دور میں بڑا عامل بنی رہی۔ اٹلی اور ویسٹفالین کی فوجیں کرسچین چہارم سے عہدہ برا ہونے کے لئے کافی تھیں۔ وہ کرسچین کی شمالی جرمن سرزمینوں سے نکلی ڈنمارک کے اندر داخل ہوگئیں۔

شاہنشاہ اور کیتھولکوں کی کامیابی کا یہ نہایت شان دار دور تھا۔ فرڈیننڈ اور اس کے مشیر حد سے تجاوز کرگئے۔ انہوں نے ایک فرمان جاری کیا جسے "فرمان بحالی" کہا جاتا تھا اور لیوبک میں معاہدہ کیا۔ (1629) ان دونوں چیزوں میں فتوحات سے پورا فائدہ اٹھایا۔ فرمان واپسی کے مطابق صلح نامہ آگسبرگ کی توثیق کر دی گئی۔ کیلون کے پیروؤں اور انتہا پسند پروٹسٹنٹوں کو روا داری سے محروم رکھا گیا۔ بلکہ مطالبہ کیا گیا کہ تمام کلیسائی جاگیریں واپس کی جائیں' جو 1551ء میں کیتھولکوں کے قبضے سے نکل کر پروٹسٹنٹوں کے قبضے میں چلی گئی تھیں' حالانکہ اس واقعے پر تین پشتیں گزر چکی تھیں۔ لیوبک کے معاہدے کے مطابق کرسچین چہارم کو اس کے علاقے واپس دے دیئے گئے' لیکن عہد لے لیا گیا کہ وہ آئندہ جرمنی کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔ بیرونی دنیا کے نزدیک یہ اس امر کی علامت تھی کہ ہیبسبرگوں کا اقتدار بحیرہ بالٹک کی طرف بڑھ رہا ہے اور یہ ایسا علاقہ تھا' جو تقریبا" سارے کا سارا پروٹسٹنٹ تھا اور شاہنشاہ کا اقتدار وہاں محض برائے نام رہا تھا۔ اب پھر پرانا قصہ دہرایا گیا۔ ہیبسبرگ کامیابی کے جوش میں اپنے عام دائرہ اثر سے تجاوز کرگئے۔ جن لوگوں کے دائروں میں انہوں نے مداخلت کی اور تجاوز کے خلاف جم گئے۔ آخر تجاوز کرنے والوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

جنگ کا تیسرا دور : 1630ء میں ہیبسبرگوں کی کامیابی کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس وقت گسٹاوس ایڈالفس شاہ سویڈن (1611ء - 1632ء) سویڈن کی فوج لے کر جرمنی کے شمالی حصے پر نمودار ہوا۔ اسی وجہ سے جنگ کے اس دور کو سویڈان کا دور کہتے ہیں۔ ایڈالفس پروٹسٹنٹوں کا نیا مجاہد تھا' جو کرسچین کا نیا مجاہد تھا' جو کرسچین شاہ ڈنمارک سے زیادہ زبردست تھا۔ پھر ایک مرتبہ مذہبی و دنیوی محرکات ایک دوسرے میں غلط ملط ہوگئے۔ گسٹاوس ایڈالفس زبردست لوتھری تھا اور جس فوج کی قیادت کرتا ہوا وہ آیا' اس کے سپاہی مذہبی بھجن گاتے تھے۔ ڈنمارک کی طرح سویڈن میں بھی اصلاح کلیسا نے شاہی اقتدار کو مستحکم کردیا۔ کرسچین کی طرح گسٹاوس ایڈالفس بھی شمالی جرمنی پر سیاسی ضبط و نظم کا خواہاں تھا۔ اور اسے امید تھی کہ اس طرح سویڈن ہنسیائی لیگ کی پرانی اقتصادی قیادت سنبھال لے گا۔ اس نے روس اور پولینڈ کے خلاف جنگ کرکے بحیرہ بالٹک کے مشرقی ساحل پر علاقے فتح کرلئے تھے۔ اس نے روس اور پولینڈ کے خلاف جنگ کرکے بحیرہ بالٹک کے مشرقی ساحل پر علاقے فتح کرلیے تھے۔ پھر اس کی فوج بہت بڑی اور پوری طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامان سے لیس تھی۔ حالانکہ سویڈن نسبتاً" غریب ملک تھا' لیکن اسے فرانسیسی بادشاہی سے امدادی رقوم مل چکی تھیں' کیونکہ فرانس کے وزیر ریشلی جو رومن کیتھولک کلیسا کا کارڈینل تھا ... کے ذریعے سے اس نے گفت و شنید کرلی تھی۔ فرانس کو بھی قدیم ہیبسبرگ دشمن کی کامیابی تجاوز معلوم ہوتی تھی اور جن لوگوں کے ہاتھ میں فرانسیسی پالیسی کی باگ ڈور تھی۔ وہ پروٹسٹنٹ سویڈن کو امداد دے کر کیتھولک آسٹریا کی شکست کے آرزو مند تھے۔

گسٹاوس ایڈانفس باکمال سالار تھا' جس کی مداخلت سے جنگ کا پورا نقشہ بدل گیا۔ اس سے پیشتر کیتھولکوں کو ایک فتح حاصل ہوئی۔ جس سے ان کے مقاضد کو شکست کے مقابلے میں زیادہ نقصان پہنچا۔ یہ میگڈے برگ کا سقوط اور اس کی لوٹ تھی۔ پروٹسٹنٹوں کا یہ مقدس شہر تھا اور ان کے مقصد و نصب العین کا ایک بڑا نشان تھا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے۔ جسے بین الاقوامی سیاسیات کے طالب علم کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے اور حالات کا جائزہ لیتے وقت اخلاقی قوتوں کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ شاہنشاہی فوجوں نے میگڈے برگ کو حملہ کرکے فتح کیا تھا (مئی 1631ء) اور آتشزدگی اور غارت گری سے اسے تقریباً" بالکل تباہ کر دیا تھا۔ اس وقت شاہنشاہی فوجوں کا سالار پیپمائم تھا' وہی یورش کے وقت فوجوں کو کمان کر رہا تھا۔ اس کا اندازہ یہ تھا کہ بیس ہزار کے قریب آدمی مارے گئے۔ ہر فریق لوٹ کا الزام دوسرے پر عائد کرتا تھا۔ تاکہ یورپ کی رائے عامہ اس کے حق میں ہو جائے۔ میگڈے برگ کی لوٹ کی سہ صد سالہ یادگار 1931ء میں منائی گئی۔ اس موقع پر جو کتاب شائع کی گئی۔ اس میں معاصر یورپی اخباروں کے بیانوں (اس وقت اخبار ابتدائی حالت میں تھے) بھنٹوں' عوامی گیتوں اور کارٹونوں کی صرف فہرست چھیالیس صفحوں میں آئی۔ پروٹسٹنوں نے شاہنشاہی سالار اعظم ٹلی کو شہری کی تباہی لوٹ مار اور باشندوں کو قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا' مگر اکثر مورخ اس الزام سے اسے بری قرار دیتے ہیں' کیونکہ شاہنشاہی فوج قابو سے باہر ہوگئی تھی۔ کیتھولک جواب میں یہ کہتے تھے کہ خود پروٹسٹنوں نے آگ لگائی۔ کیونکہ وہ شکست کھاتے تھے تو ہر چیز تباہ کرتے جاتے تھے۔ مگر پروٹسٹنٹ مظلوم تھے اور جیسے جیسے ان کی مظلومیت کی خبریں اخباروں میں چھپتی گئیں ان کا مقصد تقویت پکڑتا گیا۔

میدان جنگ میں سویڈنوں نے دو فیصلہ کن کامیابیاں حاصل کیں' اول بہ مقام لیپزگ (1631ء) دوم بہ مقام لنزن 1632ء۔ گسٹاوس ایڈانفس لرجان کے میدان میں مارا گیا۔ لیکن اس کی آمد سے جنگ کا پانسا پلٹ چکا تھا۔ ویلنسٹائن موسم گزارنے کے لئے ایک مقام پر جا بیٹھا اور اس نے گفت و شنید شروع کردی' جو مورخوں کے لئے حیرت و پریشانی کا باعث رہی۔ اس کی کوشش یقیناً" یہ تھی کہ پروٹسٹنوں اور شاہنشاہی فریق کے انتہا پسندوں یعنی درباروی آنا کے درمیان ثالث بن جائے۔ شاہنشاہی پارٹی کا یہی حصہ تھا۔ جس نے ہسپانویوں کو بلایا تھا۔ ویلنسٹائن غالباً دل میں محب وطن تھا' کیونکہ وہ تقسیم شدہ جرمنی کو متحدہ کرنا چاہتا تھا۔ 1634ء میں وہ قتل ہوگیا اور اس واقعے نے سارا نقشہ درہم برہم کر ڈالا۔ یہ قتل یقیناً" شاہنشاہ فرڈیننڈ کی براہ راست منصوبہ بندی کا نتیجہ نہ تھا' مگر وہ اس سے بری نہیں ہوسکتا کیوں کہ قاتلوں کو اس نے انعام دیا۔

جنگ کا آخری دور 1635ء 1648ء : اس دور کو سویڈی اور فرانسیسی دور کہتے ہیں۔ دو زبردست حریف ایڈانفس اور ویلنسٹائن مرچکے تھے۔ مگر جنگ جاری رہی۔ سویڈن کے معاملات وہاں کے قابل وزیر کے ہاتھ میں تھے جس کا نام اکسس ٹیرنا تھا۔ دو قابل سالار اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاون تھے۔ ایک بیز دوسرا ٹار شٹسن ۔ 1642ء میں سویڈون نے دوسری مرتبہ بہ مقام لیپزگ فتح حاصل کی اور ہیسبرگ قوت کی بنیاد خطرے میں پڑگئی یعنی بوہیمیا اور آسٹریا کی موروثی سرزمینیں۔ مگر ان کامیابیوں میں پروٹسٹنزم کے بجائے سویڈن کا پہلو غالب تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈنمارک کا بادشاہ کرسچین چہارم بھی خاموش نہ رہ سکا۔ وہ پروٹسٹنٹوں کا مجاہد رہ چکا تھا۔ مگر اب توازن قوی کے اصول نے اسے پریشان کردیا۔ کیوں کہ آسٹرویوں کا خطرہ تو دور تھا' ڈنمارک کے لئے سویڈن کا خطرہ بہت قریب تھا۔ چنانچہ کرسچین نے سویڈن کے خلاف جنگ شروع کردی اور اس کے ملک پر بھر ایک مرتبہ حملہ ہوا۔

اس اثناء میں وہ قوت اس تحیر خیز کش مکش کے اندر داخل ہونے کے لئے تیار ہوچکی تھی' جو انجام کار فیصلہ کن قوت بننے والی تھی۔ فرانسیسیوں نے طے کرلیا کہ جرمنوں اور سویڈوں کے لئے جو ہیسبرگوں کے مخالف تھے' محض مالی امداد کافی نہیں بلکہ جنگ کرنی چاہیے۔ چنانچہ فرانسیسی فوجیں دریائے رھائن کو عبور کرکے جرمنی کے جنوب کی طرف سے شاہنشاہی علاقوں پر حملہ آور ہوئیں۔ ان کا پورا سفر کامیاب تھا۔ 1643ء سے 1648ء تک جنگ کے آخری برسوں میں سخت لڑائیاں ہوئیں۔ شاہنشاہی فوجوں نے کہیں کہیں فتح بھی پائی' لیکن بہ حیثیت عمومی ناکام رہیں۔ 1645ء میں ڈنمارک نے جنگ سے دست کشی اختیار کرکے علیحدہ صلح کرلی۔ 1648ء میں شمالی و مغربی جرمنی کے علاقے ویسٹ فیلیا میں صلح کی کانفرنسوں کا سلسلہ شروع ہوا اور دور حاضر کی بڑی مجالس صلح میں سے یہ پہلی تھی۔ ہیسبرگ شکست کھا گئے' فرانس اور سویڈن کامیاب رہے۔ تیس سالہ جنگ آخری برسوں میں عام جنگ کی حیثیت اختیار کرچکی تھی۔ سات سمندروں میں فرانسیسی اور ہسپانوی لڑ رہے تھے۔ اٹلی میں فرانسیسیوں نے ایلپس کے درون پر قبضہ کرکے ہسپانیہ اور آسٹریا کے ہیسبرگوں کے درمیان نامہ و پیام کے رشتے کاٹ دیئے تھے۔ لیکن اس عام جنگ میں موجودہ دور کی دوسری جنگوں سے ایک نمایاں اختلاف تھا۔ یعنی توازن قوی اس کے ایک بڑے عنصر ان گلستان کے بغیر قائم کرنا تھا۔ انگلستان اس لیے جنگ سے باہر رہا کہ اسے داخلی نازک حالات اور خانہ جنگی سے سابقہ پڑا ہوا تھا۔

جرمنی پر اثرات : ہیسبرگوں کی شکست (1648ء) کا نتیجہ یہ تو نہ ہوا کہ شکست خوردہ قوت بالکل درہم برہم ہوگئی۔ لیکن جرمنی کے تمام علاقوں کی حالت بڑی ہی خوف ناک حد پر پہنچ گئی۔ سترھویں صدی میں لوگوں کے پاس تباہی کے جو آلے تھے وہ آلوں کے مقابلے میں بہت کمزور تھے جو ہمیں میسر ہیں تاہم یقین رکھنا چاہیے کہ جس حد تک انسانی تکالیف و مصائب اور مادی تباہی کا تعلق ہے تیس سالہ جنگ جرمنی کے لئے ویسی ہی برباد کن تھی جیسی بیسویں صدی کی دو گزشتہ جنگیں۔ ایک واضح نکتہ یہ ہے کہ اگر ہم آج کل بہت جلد تباہ کرسکتے ہیں تو بہت جلد درست بھی کرلیتے ہیں۔ لیکن سترھویں صدی میں کسی برباد شدہ شہر کو ازسرنو تعمیر کرنا بڑی طویل کوشش کا محتاج تھا۔ باقی رہیں انسانی تکالیف تو ظاہر ہے حمل و نقل کے وسائل محدود تھے۔ طبی انتظامات چنداں اچھے نہ تھے۔ اس لیے زخموں بیماریوں اور قحط کی وجہ سے اموات کو روکنا جتنا آج ممکن ہے سترھویں صدی میں ممکن نہ تھا۔

مذہبی اور سیاسی جذبات مشتعل تھے اور کوئی بھی فریق دوسرے کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے میں تامل نہیں کرتا تھا۔ پھر ایک مصیبت یہ تھی کہ لڑائی بھڑائی کا کام زیادہ تر تنخواہ دار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی کرتے تھے جن کا ضبط و نظم اچھا نہ تھا۔ مسلسل لڑائیوں میں شریک رہنے سے ان کے دل سخت ہو چکے تھے اور وہ زیادہ سے زیادہ بیدردیوں سے بھی متاثر نہ ہوتے تھے۔ چونکہ فوجی نظم و نسق اچھا نہ تھا۔ اس لیے وہ لوگ ملک کے باشندوں سے چیزیں لے لے کر گزارا کرتے تھے اور اس سلسلے میں دوست دشمن کی کوئی تمیز نہ تھی۔ گرمل شامس نام ایک فرد تھا جس نے ایک طنزیہ ناول لکھا' اس کی عمر دس سال کی تھی جب وہ اس جنگ میں پکڑا گیا۔ وقت کے مزاج کی کیفیت وہ یوں پیش کرتا ہے۔

"گھوڑوں کے لئے چارا حاصل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ دیہات پر حملے کیے جاتے اور اس سلسلے میں سخت محنت و مشقت اٹھائی جاتی بلکہ اکثر جان کا خطرہ ہوتا یا کم از کم کوئی عذر ضرور کرتا۔ جو کچھ وہاں سے ہاتھ آتا' چھینا یا چرایا جاتا' غلہ بھوسے سے الگ کیا جاتا۔ پیس کر روٹیاں پکائی جاتیں۔ کسانوں کو لوٹا جاتا۔ ان کی ملازماؤں' بیویوں اور بیٹیوں کی بے آبروئی کی جاتی۔ اگر غریب کسان جز بز ہوتے یا جرات سے کام لے کر لوٹنے والے کی ایک دو انگلیوں پر ضرب لگاتے تو پکڑے جانے کی حالت میں اس کے سر پر چوٹ ماری جاتی' پکڑے نہ جاتے تو ان کے گھروں سے دھوئیں کے بادل آسمانوں کی طرف اٹھتے نظر آتے۔ میرے آقا کی کوئی بیوی نہ تھی کیوں کہ یہ لوگ مہم کے دوران میں بیویاں ساتھ نہیں رکھتے نہ اسے کوئی شراب پلانے والا تھا' نہ اس کا کوئی حاجت تھا' نہ باورچی' لیکن سائیسوں اور لڑکوں کی ایک فوج اس کی اور اس کے گھوڑوں کی خدمت کے لئے موجود تھی۔ نیز اسے خود بھی گھوڑے کو چارہ ڈالنے یا اسے سواری کے لئے تیار کرنے میں کوئی عار نہ تھی۔ وہ گھاس پھوس بچھا کر یا زمین پر سو جاتا اور اپنا سمور مالا کوٹ اوڑ لیتا۔ ایک روز اس کے کپڑوں میں بہت سی جوئیں پھرتی نظر آئیں۔ اس نے جوؤں کا بھی کوئی خیال نہ کیا۔ کوئی شخص ایک آدھ جوں پکڑ لیتا تو میرے آقا بے اختیار ہنس پڑتا۔"

جنگ کے اختتام تک لوگ اس قسم کی غیر معمولی زندگی کے عادی ہو چکے تھے۔ فوجیں بجائے خود چھوٹے چھوٹے معاشرے بن گئی تھیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اگرچہ جنگ کے اختتام پر شاہنشاہ کی فوج صرف چالیس ہزار تھی مگر بہیر ان کی بیویاں داشتائیں' بچے' ملازم وغیرہ ایک لاکھ چالیس ہزار تھیں اور شاہنشاہی فوج کے افسر کسی نہ کسی طرح ان کے گزارے کا انتظام کرتے رہتے۔ جان و مال کے نقصان کے متعلق اعداد فراہم کرنے کی کوششوں کے مقابلے میں جو عموماً زیادہ قابل اعتماد نہیں ہوتے' اس قسم کی تفصیلات حالات پر زیادہ روشنی ڈالتی ہیں۔

بعض مورخ کہتے ہیں کہ دور حاضر میں جرمنی امن برانداز ہوا تو اس کا سبب جنگ کے یہی تباہی خیز پہلو ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جرمنی سب کے بعد قومی اتحاد حاصل کر سکا لہٰذا احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا۔ پھر اس میں خود مختار حکومت کا نظام جلد فروغ پذیر نہ ہوا' اگر دور حاضر کے اوائل مین منظم طریق پر ترقی کا سلسلہ جاری رہتا تو سترھویں صدی کے غیر منظم حالات میں اقتدار اطاعت کا پورا احساس ہو جاتا' لیکن یہ تعمیمات خاصی خطرناک ہیں۔ ہم محض یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پہلو بھی پیش نظر رکھا جا سکتا ہے' لیکن انہیں ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ جس طنزیہ ناول کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالہ پہلے دیا جاچکا ہے' اس میں جیوپیٹر ایک جرمن ہیرو کی پیش گوئی کرتا ہے' جو جرمنی کو نہ صرف متحدہ کر دے گا' بلکہ اسے عالمی سلطنت کا مرکز بھی بنا دے گا۔ یہ پیش گوئی یوں ختم ہوتی ہے۔

"میں نے اپنے دوست جیوپیٹر سے پوچھا کہ اس حالت میں مسیحی بادشاہ کا کیا بنے گا؟ اس نے جواب دیا کہ انگلستان' سویڈن اور ڈنمارک (کیوں کہ یہ اصل و نسل کے اعتبار سے جرمنی ہیں) اور ہسپانیہ فرانس اور پرتگال کے (کیوں کہ یہ جرمنوں کی قدیم مفتوحہ اور محکوم سرزمینیں ہیں) بادشاہ کے تاج اور بادشاہیاں بحال کر دی جائیں گی اور یہ سب جرمنی قوم کی آزاد جاگیریں متصور ہوں گی۔ پھر آگسٹن کے عہد کی طرح تمام قوموں کے درمیان دائمی امن بحال رہے گا۔"

ویسٹ فیلیا کی صلح : 1648ء میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ جرمنی سیاسی اور ثقافتی بدنظمی کی آخری حد پر پہنچ گیا تھا۔ ویسٹ فیلیا میں جو فیصلے ہوئے ان میں بعض جرمن حکومتیں اچھی رہیں' مگر جرمنی کو بہ حیثیت مجموعی بڑا نقصان پہنچا۔ فرانسیسیوں کو زمین کے کچھ ٹکڑے شمال و مغربی سرحد پر مل گئے' خصوصاً" السامیں۔ سویڈن کو بالٹک کے جنوب اور خود جرمنی میں کچھ زمینیں دے دی گئیں۔ یہاں سے سویڈن نے بحیرہ بالٹک پر ضبط و نظم کے بلند مقصد کے لئے پیش قدمی شروع کی۔ بڑی بڑی جرمنی ریاستوں کے مناسب معاوضوں اور تلافیوں کا خیال رکھا گیا۔ برنڈ نبرگ کو میکڈے برگ کے آس پاس بیش قیمت زمینیں معاوضے میں مل گئیں۔ اگرچہ اسے سویڈن کو کچھ ٹکڑے دینے پڑے۔ آئندہ دو سو سال میں اس نے وہ تمام ٹکڑے واپس لے لیے جو رعایتاً" سویڈن کو دیے گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ برنڈ نبرگ و پروشیا کی عظمت عموماً" 1648ء سے شروع ہوتی ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر اہم شے یہ ہے کہ ویسٹ فیلیا کے صلح نامے میں جرمنی سلطنت کے ترکیبی عناصر کی آزادی رسماً" تسلیم کرلی گئی۔ اس وقت طے ہوگیا کہ مختلف جرمنی حکومتیں آپس میں بھی اتحاد کرسکتی ہیں' غیر ملکی طاقتوں سے بھی میل جول پیدا کرسکتی ہیں۔ بہ شرطیکہ کوئی امر شاہنشاہ کے خلاف نہ ہو۔ آخری شرط ہیسبرگوں کے اطمینان کے لئے رکھی گئی تھی' مگر حقیقت یہ ہے کہ تمام جرمن حکومتوں نے اسی وقت سے اپنی سفارتوں کا انتظام کرلیا۔ اپنے فوجی اور مالی محکمے قائم کرلیے۔ یہی تین چیزیں ہمارے عہد کے نظام عمل داری میں خودمختاری کے واضح نشان ہیں۔ اسی وقت سے ظاہر ہوگیا کہ جرمن قوم کی مقدس رومی سلطنت کوئی سیاسی وحدت نہ تھی۔ ویسٹ فیلیا کے تصفیے میں دو چھوٹی حکومتوں کی آزادی بھی تسلیم کرلی گئی۔ اول ولندیزوں کی متحدہ جمہوریت جو قریباً" نصف صدی سے آزاد چلی آتی تھی۔ دوم سوئٹزرلینڈ کا وفاق جس نے ازمنہ وسطیٰ کے اواخر میں ہیسبرگوں کے ضبط و نظم سے آزادی حاصل کی تھی۔

سب سے آخر میں یہ کہ معاہدوں کی مذہبی دفعات میں وہ مسائل طے کر دیئے گئے' جن کے مطابق جرمنی کے مذہبی اختلافات نے امن پسندانہ طریق پر دور حاضر کی مشینوں کی شکل اختیار کرلی اور تعلیمی جدوجہد شروع ہوگئی۔ تیس سالہ جنگ پروٹسٹنٹوں اور کیتھولکوں کے درمیان آخری رسمی جنگ تھی۔ اگرچہ اس کے بعد بھی ان کی مذہبی عداوت ایک دوسرے پر عمل پیرا رہی۔ کیلون کی پیروؤں کو وہی درجہ مل گیا جو کیتھلکوں اور لوتھر کے پیروؤں کو حاصل تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاکم بہ دستور اپنے علاقوں کے مذہب کا فیصلہ کرنے کا حق دار ہے' لیکن یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اختلاف رکھنے والے ملک چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ پروٹسٹنٹ جرمنی میں مختلف فرقوں کا وجود تسلیم کرلیا گیا۔ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک علاقوں کے درمیان سرحد کا فیصلہ کرتے وقت وہ علاقے کیتھولک تسلیم کرلیے گئے جو اصلاح کلیسا کے بعد دوبارہ کیتھولک بن گئے تھے اور جس حد تک کلیسائی املاک کا تعلق ہے فیصلہ ہوگیا کہ 1624ء کو آخری سال مان لیا جائے' جس کے مطابق جائیدادوں کا معاملہ طے کر دیا جائے' یعنی یکم جنوری 1624ء کو جو حالت تھی وہی قائم رہے۔ جرمنی میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ تیس سال تک ایک دوسرے کی جڑ کاٹتے رہے۔ آخر وہ اپنی اپنی کوششوں سے دستبردار ہوگئے۔

حقیقت یہ ہے کہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک ایک دوسرے پر اپنی مرضی ٹھونسنے کی کوشش کرکے تھک گئے۔ اور جب ان میں سکت باقی نہ رہی تو ایک دوسرے کے متعلق رواداری قبول کرلی۔ یہ معاملے کا برے سے برا پہلو ہے۔ اچھا پہلو یہ ہے کہ آخر انسانوں کو روشنی مل گئی اور وہ آزادی عبادت کو فرد کا حق تسلیم کرنے لگا' مگر ان میں سے کوئی توجیہہ بھی کاملاً" درست نہیں۔ 1648ء تک اہل علم کی ایک اقلیت رواداری کو مستحسن قرار دے رہی تھی۔ امن پسند لوگ جنگ کی ہولناکیوں اور مذہبی تشدد کی بے اثری پر زور دے رہے تھے۔ ایک اور اقلیت جو جدوجہد پر تلی بیٹھی تھی۔ اس صلح کو محض متارکہ سمجھ کر قبول کر بیٹھی۔ اکثریت طویل لڑائیوں کی وجہ سے یقیناً" تنگ آگئی تھی۔ جب ایک مرتبہ فیصلہ ہوگیا۔ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک پہلو بہ پہلو یا ہمسایہ علاقے میں زندگی بسر کرنے لگے تو یہ انتظام بہ حیثیت عمومی طبعی شکل اختیار کرگیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ سوم

مغربی یورپین قیادت کا قیام

(THE ESTABILISHMENT OF WEST EUROPEAN LEADERSHIP)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ باب 14

شاہی نظام نظامت اور طاقت کا توازن

(GRAND MONARQUE AND BLANCE OF POWER)

1610ء میں ہنری چہارم کی وفات پر اس کی سب تدبیریں جو داخلی و خارجی معاملات میں اس نے سوچی تھیں الٹ پلٹ ہو گئیں۔ اور اس کی ملکہ میری ڈی مڈیسائی (Marie de Madici) ولی مقرر ہوگئی۔ چونکہ اس کے شوہر نے اس سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اب اس نے اس کی تجاویز کے خلاف عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس کا ارادہ ہوا کہ فرانس کے شاہی خاندان میں اور اسپین کے شاہی خاندان میں رشتہ قائم کرکے دونوں سلطنتوں کو متحد کر دے۔ وہی اسپین جو اب تک فرانس کا سخت دشمن تھا۔ فرانس کی رائے عامہ اس کی تجویز کے خلاف تھی۔ اوراعیان دولت وپروٹسٹنٹ لوگوں میں فتنہ انگیز تحریکیں شروع ہوچکی تھیں مگراس نے غیر معمولی استقامت و قوت سے کام لیا اور 1612ء میں عقد کے معاہدوں پر دستخط بھی ہوگئے۔ لوئی چہار دہم جو اس وقت صرف گیارہ سال کا تھا۔ فلپ سوم (Phlips III) شاہ اسپین کی بیٹی آسٹریا کی اینی (Anne of Austria) سے منسوب کیا گیا اور ہسپانوی شہزادہ جو بعد میں فلپ چہارم کے نام سے مشہور ہوا۔ فرانس کی شہزادی ایلزبتھ سے منسوب ہوا اس کے بعد فرانس کے معاملات میں بڑی پیچیدگی پیدا ہوگئی۔ 1614ء میں مملکتوں کی ایک مجلس عامہ (States General) منعقد ہوئی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ تاریخ میں یہ مجلس اس وجہ سے یاد کی جاتی ہے کہ اپنی نوعیت کی یہ آخری مجلس تھی جس میں مختلف مملکتوں کے نمائندے جمع ہوئے تھے البتہ 1780ء میں جاکر پھر ایک مرتبہ ایسی مجلس منعقد ہوئی تھی جس نے انقلاب عظمی کا دور شروع کرایا۔

شماس ریشلیو : 1624ء میں کارڈنل ریشلیو (Richelieu) کا بادشاہ کی کونسل میں داخل ہونا ایک خاص اور اہم واقعہ ہے ملکی معاملات میں پہلے پہل وہ ملکہ کے مشیر کی حیثیت سے داخل ہوا اور اب تک اپنی زندگی میں اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جس سے اس کے آئندہ عظیم الشان کارناموں کا کچھ پتا چلتا۔ لیکن 1624ء سے اس کی وفات 1642ء تک یورپ کی تاریخ میں وہ سب سے زیادہ بااثر اور مشہور رہا۔

وہ اسقف بھی تھا اور کارڈنل (بطریق) بھی ایک پکا کیتھلک بھی لیکن پھر بھی روما کا پوپ یورپ کے مدبرین میں اس کو سب سے زیادہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ہیوگینو کا پوپ اور "ملحدوں کا باوا" یہ اس کو خطاب دیئے گئے تھے۔ اس کی حالت بھی واقعی عجیب و غریب تھی۔ خود کیتھلک اور ایک کیتھلک بادشاہ کا وزیر ہونے کے باوجود وہ ہمیشہ یورپ کی پروٹسٹنٹ وول کے ساتھ شریک رہتا تھا۔ اور ایسے وقت میں جب کہ پوپ اور شہنشاہ پروٹسٹنٹ مذہب کو اس کے مقام تولد یعنی جرمنی میں فنا کر دینے کے متوقع تھے۔ ریشلیو نے درمیان میں پڑ کر پروٹسٹنٹ مذہب کو بچالیا اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مذہبی مخالفت کا وہ جوش نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باقی رہتا تھا۔ جو اصلاحات مذہبی کے دور میں تھا بلکہ سیاسی قومی اور خاندانی اغراض اس زمانے میں مذہبی اغراض و مقاصد پر مقدم رکھے جاتے تھے۔ ریشلیو (Richelieu) کے مدنظر دو مقصد تھے جن کو وہ ایک ہی مقصد کی دو شکلیں کہا کرتا تھا اولاً" تو وہ اندرون ملک شاہ فرانس کا اقتدار مطلق قائم کرنا چاہتا تھا اور اس مقصد کے حصول میں اعیان و پروٹسٹنٹ و پارلیمنٹ اور صوبوی جماعتوں سب کے اختیارات و اقتدارات کو ختم کر دینا چاہتا تھا اور دوسرے فرانس کو یورپ میں سب سے زیادہ باعظمت بنا دینا چاہتا تھا۔ اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے اسپین اور آسٹریا کی متحدہ طاقت توڑنا ضروری تھا۔ وہ نحیف جثہ اور ضعیف صحت رکھتا تھا۔ لیکن اس کی قوت ارادی ایسی قوی تھی اور فرانس و یورپ کے سیاسی و ملکی معاملات سے وہ ایسا واقف تھا کہ ایسے زمانے میں جب کہ مادی و جسمانی قوت کا زور و شور تھا وہ سب پر حاوی رہا۔ وہ فرانس کا سب سے اعلی مدبر اور غالباً" سب سے بڑا چارہ سازگزرا ہے۔ اس کا ملکی و خارجی طرز انتظام ایک دوسرے سے پیوستہ ہے۔ لیکن توضیح کے خیال سے دونوں کو علیحدہ علیحدہ بتلانا زیادہ بہتر ہوگا اور پہلے ہم اس کے ملکی و داخلی طرز انتظام کو لیتے ہیں۔

ریشلیو کا ملکی انتظام : اپنے غنیموں میں سب سے پہلے پروٹسٹنٹ لوگوں کی طرف اس کی توجہ ہوئی۔ ان کے مذہب یا عقیدے سے اس میں کئی عداوت نہیں پائی جاتی بلکہ تمام یورپ میں کوئی مدبر اس کے ایسا نہ تھا جو ملک کے حیات و بقاء کے لئے مذہبی رواداری کو سب سے زیادہ اہم سمجھتا رہا ہو۔ لیکن نینٹز (Nautes) کے فرمان کی رو سے جو حقوق و اختیارات پروٹسٹنٹ لوگوں کو مل گئے تھے اس کی اس تجویز میں حائل ہوتے تھے جو اس نے کل ملک کو بادشاہ کے قابو میں لانے کے لئے سوچی تھی۔ کیونکہ ہیوگوناٹ لوگوں کو مجلس منعقد کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ جو ایک قسم کی پارلیمنٹ ہوتی تھی اور پھر بعض شہروں کی فوج بھی ان کے اختیار میں رہنے سے ایک فوجی قوت حاصل ہوتی تھی جس پر بادشاہ کو کچھ قابو نہ رہتا تھا۔ بہت سی لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن 1627ء میں ریشلیو نے پروٹسٹنٹ گروہ کے سب سے زیادہ قلعہ لاروشل (La Rechella) پر حملہ کر دیا۔ یہ قلعہ بندگار پر واقع تھا۔ ہیوگوناٹس نے انگلستان کی امداد کے بھروسے پر مقابلہ کی جرات کی تھی اور ان کو یہ بھی امید تھی کہ اعیان دولت بھی ریشلیو (Richelieu) پر حملہ کر دیں گے کیونکہ وہ ان کے حقوق کو پامال کرنا چاہتا تھا۔ ریشلیو نے خود محاصرہ کا انتظام کیا حالانکہ وہ ایک بطریق تھا۔ تاریخ فرانس میں یہ محاصرہ خاص طور پر امتیاز و شہرت رکھتا ہے۔ انگلستان کی امدادی فوج کو شکست ہوئی اور امراء کی سازشیں بیکار ہوئیں۔ اور باوجود یہ کہ ہیوگوناٹ لوگوں نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا مگر فاقہ کشی کے سبب سے شہر ریشلیو بادشاہ کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد چند مقامات اور رہ گئے تھے۔ اور اگست 1629ء تک سب کچھ ہوگیا۔ ریشلیو نے ہوگوناٹ لوگون سے ایک نیا معاہدہ کیا جو صلح آلے (Alais) کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ میں اس نے پروٹسٹنٹ لوگوں کو وہ مذہبی آزادی جو صلح نینٹز سے ان کو ملی تھی دینے کا اقرار کیا لیکن اس نے ان کے فوجی اقتدارات سلب کر لئے اور آئندہ کے لئے بادشاہ کا وعدہ اور عزت پر اعتماد رکھنے کا مشورہ دیا۔ وہ خود اپنے وعدوں میں بالکل سچا تھا لیکن ستر سال سے کم ہی عرصہ میں پروٹسٹنٹ لوگوں کو تجربہ ہوگیا کہ بادشاہوں کا وعدہ اور عزت کیسی ناقابل اعتبار چیزیں ہیں جب کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ مذہبی تعصب کے زیر اثر ہوں۔

فرانس کے پروٹسٹنٹ لوگوں کو تاجدار سے مقابلہ کرنے میں اعیان دولت سے امداد ملنے کی توقع تھی۔ اس لئے ریشلیو تمام عمر ان روسا کے اقتدارات و زعادی کو مٹانے کے درپے رہا جاگیریت کا دور ختم ہوچکا تھا اور اب کوئی رئیس ایسا نہ تھا جو حکومت سے مساویانہ تعلق رکھتا ہو۔ لیکن روسا اب بھی دولتمند طاقتور اور جنگجو تھے اور اپنے گروہ کے حقوق و امتیازات کا احساس بھی ان میں باقی تھا۔ تمام صدموں اور حملوں کے باوجود جو ان پر ہو رہے وہ لوگ فرانس کے شاہی اقتدارت کی ہمسری کرتے رہے۔

ریشلیو کے عہد انتظام کی ایک عجیب و غریب خصوصیت یہ تھی کہ ادھر وہ تو روسا کے مقابلے میں شاہی اقتدار کو بڑھانا چاہتا تھا ادھر خود شاہی خاندان کے لوگ روسا و امراء کا ساتھ دے رہے تھے۔ خود بادشاہ طبعاً" ان لوگوں سے ہمدردی رکھتا تھا بلکہ روسا کی امداد کرتی رہی والدہ سلطانہ میڈی چی (Marie de Medier) اور بادشاہ کا بھائی گاستون (Gaston) والی آرلیون (Orleans) ہمیشہ ریشلیو کے خلاف سازشیں کرتے رہے حالانکہ شاہی اقتدار و قوت کو وہی سنبھال رہا تھا۔ ریشلیو کی زندگی میں طرح طرح کی سازشیں ہوتی رہیں جس کی وجہ سے اس کو اپنی تدابیر کو عملی جامہ پہنانے میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ ان سازشوں کے مواد سے بہت سے افسانے اور ڈرامے تصنیف ہوئے ہیں۔ ہمیشہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ریشلیو تباہی کے غار پر کھڑا ہوا ہے مگر انجام کار وہ ہمیشہ فتح یاب رہتا تھا۔ والدہ سلطانہ انگلستان اور بلجیم کو جلاوطن کردے گی آرلیون (Orleans) گاستون رئیس آرلیون کو متعدد بار شکست ہوئی اور پھر معاف کر دیا گیا۔ آخر مایوس و مجبور ہوکر اس نے ریشلیو کی اطاعت قبول کرلی۔ شرفا کے ساتھ اس نے ایسی رعایت نہیں کی جیسی کہ شاہی خاندان والوں کے ساتھ۔ چنانچہ 1632ء میں مان میوارنسی (Montmerency) کا ڈیوک گاستون اور لورین (Larraine) کے ڈیوک کے ساتھ شریک ہوا تو اس بغاوت کی پاداش میں وہ جان سے مارا گیا۔ 1641ء میں کانت دی سواسوں (Comte de soissons) نے بغاوت کردی مگر اثناء بغاوت میں وہ ہلاک ہوگیا۔ ورنہ اس کے لئے بھی ریشلیو نے سولی تیار کرا رکھی تھی۔ اپنی زندگی کے آخر زمانہ میں ریشلیو کو معلوم ہوا کہ بادشاہ کا ایک مقرب سپین مار (Cinq Mars) نامی اس کے خلاف اسپین میں سازش کر رہا ہے۔

لیکن یہ شخص بھی اپنے مرتبہ اور بادشاہ کی مقاربت کے باوجود سولی پر چڑھایا جانے سے نہ بچ سکا۔ ریشلیو نے بادشاہ کے دشمنوں کے لئے یہ سولی قائم کر رکھی تھی۔ لیکن صرف جنگ اور جلاد کی کلہاڑی کے ذریعہ سے ریشلیو نے شرفا کی قوت نہیں توڑی بلکہ اس سے بھی زیادہ پر مغز اور مستقل تدبیریں اختیار کی گئیں۔ دو آدمیوں کی باہمی جنگ کو اس نے تعزیری جرم قرار دیا خانگی لڑائیوں کی یہ آخری یادگار تھی۔ وہ قلعے جن کی بدولت روسا کا اس قدر رعب و دبدبہ ملک میں قائم تھا بارود سے اڑا دیئے گئے اور سب سے بڑھ کر روسا کے وقار کو صدمہ پہنچانے والا سرکاری عہدہ داروں کا نیا طبقہ تھا۔ صوبوں کے حاکم ہونے کی وجہ سے روسا کا اقتدار بہت بڑھا ہوا رہتا تھا حتی کہ بعض اوقات یہ لوگ بادشاہ کا مقابلہ کر بیٹھے تھے لیکن ریشیو نے ایک نیا طریقہ نکالا کہ صوبجات کی کارندگی اوسط طبقہ کے لوگوں کو دینے لگا۔

جن کو مہتمم پولس (Intendants) و مالیات کے نام سے موسوم کیا گیا ان لوگوں کو عام طور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر مہتمم امور عامہ (Intendants) کہا جاتا تھا بعض صوبوں میں تو اب بھی روسا و امراء ہی حاکم رکھے گئے مگر برائے نام کیونکہ یہ ظاہر تھا کہ حکومت تو دراصل نئے عہدہ داروں کی تھی جن کو فوج بھرتی کرنے کا محصول عائد کرنے کا اور معدلت گستری کا کامل اختیار تھا۔ اس وقت سے انقلاب عظمیٰ تک فرانس میں ان ہستیوں کا رتبہ وزراء کے بعد سب سے بلند رہا۔ اپنے اپنے ضلع میں یہ لوگ سیاہ سفید کے مالک ہوتے تھے اور بعض اوقات ان کو فرانس کے صوبوی بادشاہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا لیکن یہ لوگ شاہی اختیارات میں کبھی دخل نہیں دیتے تھے بلکہ شاہی اقتدار کو بڑھانے کی کوشش کرتے تھے۔

نیابتی حکومت ریشلیو کے اغراض و مقاصد کے باہر تھی۔ 1624ء کی اسٹیٹس جنرل (States-General) مملکتوں کی مجلس کا وہ خود ایک رکن تھا۔ لیکن ایسی مجلس منعقد کرنے کا وہ سخت مخالف تھا جو اس کے تجاویز و طرز انتظام کی یقیناً" مخالف تھی۔ اور فرانس کی پارلیمنٹ کی بھی اس سے زیادہ وقعت نہ تھی۔ قانون سازی اور حکومت کے طرز عمل میں ان کو دخل دینے کا اختیار نہ تھا۔ صوبوں کی نیابتی انجمنوں کا وہ بھی مخالف تھا۔ جس کو مملکت صوبہ دار کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ جہاں کہیں شورش یا خطرناک بدامنی کا ظہور ہوتا تھا تو یہ مملکت توڑ دیجاتی تھیں۔ اور ان کے بجائے سرکاری حکام مقرر ہوتے تھے جن کو "ایلوس" (Elus) کہتے ہیں۔ اور جہاں کہیں ایسی صوبوی مملکتیں قائم تھیں وہاں ان کے ساتھ بہت سختی کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اور ان کے بہت سے اختیارات شاہی افسروں کو دیدیئے گئے تھے۔ ایک ہی مجلس تھی جس کی مشاورت کو ریشلیو قبول کرتا تھا یہ مجلس ملک کے ان بڑے بڑے لوگوں کی ہوتی تھی جن کو بادشاہ انتخاب کرکے طلب کرتا تھا یہ لوگ "مخصوصین" (Notables) کے نام سے مشہور تھے ان کا کام صرف اپنی رائے بتلانا تھا یہ بالکلیہ بادشاہ کے مرضی پر رہتا تھا کہ چاہے وہ قبول کرے یا انکار کرے۔ اس لئے وہ کسی طور پر شاہی اختیارات مین مخل نہیں ہوسکتے تھے اور اسی وجہ سے ریشلیوان کو پسند کرتا تھا۔

شاہی کے کل پرزے اس نے سنبھالے اور درست کئے۔ بادشاہ کی کونسل ہی سب اختیارات کام میں لاتی تھی اور اس کونسل (Council) کی مختلف شاخیں تھیں۔ ہر شاخ کے ذمہ ایک خاص کام رہتا تھا یہی کونسل لوئی چہار دہم کے عہد میں اور بعد کو بھی انقلاب کے پہلے تک فرانس کی حکومت کرتی رہی جس کو آخر کار انقلاب نے درہم برہم کردیا۔

ریشلیو بحیثیت مدبر وسیاس : ملکی معاملات سے زیادہ خارجی معاملات میں ریشلیو کو دلچسپی تھی اور جنگ سی سالہ اور یورپ کے بین الاقوامی تعلقات پر اس کا اثر بین تھا۔ یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا سمارک سے پہلے کوئی شخص ریشلیو کی طرح بااثر گزار ہے اس کے تدبر کی داستان بڑی پیچیدہ دلچسپ ہے۔ لیکن یہاں ہم صرف اس کے نتائج مختصراً" لکھدیں گے۔

آسٹریا اور اسپین کی متفقہ ہیپسبرگ قوت کو وہ توڑنا چاہتا تھا کیونکہ یہی قوت فرانس کی ہمسری کا دعوی کرسکتی تھی۔ اور فرانس کی عظمت و وسعت میں سد راہ ہو رہی تھی۔ اسپین اور اسٹریا کے مابین آمدورفت دشوار کرنے کے لئے اس نے درہ والٹلائن (Valteline) پر ایک مخالف طاقت کا قبضہ کرا دیا تھا۔ یہ درہ آلپس (Alps) کے پہاڑوں میں سے ہوکر میلان (Milan) سے آسٹریا کو جاتا ہے۔ اور ہسپانوی فوج اکثر اس میں سے گزرا کرتی تھی۔ جرمنی کی جنگ کو وہ بڑے غور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے دیکھتا رہا اور کئی مرتبہ نازک وقت میں اس نے اس پر اپنا اثر بھی ڈالا۔ گسٹاؤس ایڈولفس کو جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔ فرانس کی مدد پر زیادہ بھروسہ تھا۔ جب کہ اس نے پروٹسٹنٹ لوگوں کی طرفداری میں جرمنی پر حملہ کیا تھا۔ اور 1630ء میں ریشلیو نے اس سے ایک معاہدہ بھی کیا جس کی رو سے سوئیڈن کی فوج کو فرانس تنخواہ دینے لگا سویڈن کی طاقت کے متعلق وہ کہتا تھا کہ ایسا زہر ہے جو بطور تریاق استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن اگر ضرورت سے زیادہ استعمال کیا جائے تو مہلک ہوگا۔ اس لئے جنگ لوئزن میں گسٹاؤس کی ہلاک اسے کچھ ناگوار نہ ہوئی جب پروٹسٹنٹ گروہ کو نارڈ لنگن میں شکست ہوئی اور فرانس کے کیتھلک ملک سے ہی ان کو مدد ملنے کی امید تھی۔ اور اس کے بعد بھی اس جنگ کے آخری زمانہ میں برابر فرانس کا دخل نمایاں رہا۔ جو حقیقت میں خود ریشیو کا دخل تھا۔ برنارڈ ئیس ویمار کا برنارڈ (Bernard of Welinar) اور اس کی فوج فرانس ہی سے تنخواہ پاتے رہے۔ اور جب برنارڈ فوت ہوگیا تو اس کی فوج راست فرانس کی ماتحتی میں آگئی۔ جنگ کے آخری زمانے میں لڑائی زیادہ تر فرانس اور اسپین کے درمیان فرانس کے شمالی و مشرقی سرحد پر ہوتی رہی۔ البتہ مشرق میں سویڈن والے آسٹریا کو بھی دبا رہے تھے ابتداً فرانس کی فوج کو کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن ریشلیو کی حکمت عملی سے خود ہسپانوی جزیرہ نما میں اسپین کے دشمن پیدا ہوگئے۔ پرتگال (Portugal) جس کو فلپ دوم کی فوج نے اسپین میں شامل کرلیا تھا۔ 1640ء میں بغاوت کر بیٹھا۔ اور کیٹالونیا (Catulonia) کے صوبہ میں بھی شورش ہوگئی جو کئی سال تک جاری رہی۔ 1642ء میں یہ ریشلیو کی وفات کے بعد لڑائی کا فیصلہ تو نہیں ہوا مگر فرانس کا پلہ بھاری نظر آنے لگا تھا۔ اس کا آقا لوئی سیزدہم بھی اسی سال مئی کے مہینے میں فوت ہوگیا اور فرانس و یورپ میں ایک نئے دور کے آغاز کے آثار معلوم ہونے لگے۔

مزارین : لیکن پھر بھی تغیر نہیں ہوا جیسا کہ خیال کیا جاتا تھا ریشلیو کی زندگی کے آخری زمانے میں مزارین (Mazarin) سے وہ امداد لیتا رہا اور اسی کو ریشلیو نے اپنا جانشین نامزد کیا۔ نیا وزیر اطالوی نسل سے تھا اور فرانسیسی زبان اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا تھا۔ نہ فرانسیسیوں کی خصلت سے واقف تھا۔ ملکی معاملات میں اس نے خود کو ریشلیو کا ہم پلہ ثابت کردیا اور ریشلیو کی تدابیر کو اسی اندازہ و دلچسپی کے ساتھ تکمیل کو پہنچا دیا۔ لوئی چہار دہم پانچ ہی سال کا تھا اس لئے ایک طویل مدت تک کوئی ولی مقرر ہونے کی امید نہ تھی۔ والدہ سلطانہ آسٹریا کی اینی بلا کسی چون وچرا کے ولی ہوگئی۔ اور وہ برابر مزارین کی حمایت او اعانت کرتی رہی۔ بعضوں کا خیال ہے کہ مزارین کو بطریق تھا لیکن پوری طرح وہ پابند نہیں تھا اور اس نے خفیہ طور پر ملکہ سے عقد بھی کرلیا تھا۔ اس کی توجہ سب سے پہلے اس جنگ کی طرف مبذول ہوئی۔ اس میں فرانس کی فوج کو ابتدائی ناکامیوں کے بعد سے اب شاندار فتح نصیب ہورہی تھی فرانس کی طرف دو بڑے نامور سپاہی ڈیوک آف کونڈے (Duke of Conde) اور مارکوئس تیورن (Marquis Turenne) پیدا ہوگئے تھے کانڈے تو شاہی خاندان سے تھا۔ اور تیورن سے زیادہ جری و منچلا تھا۔ شروع شروع فرانس میں اس کی بہت شہرت ہوئی لیکن فن سپہ گری وصف آرائی میں نیز شائستگی کے لحاظ سے تورین یورپ کا بہترین سپاہی تھا اور اس کو اپنے شاندار رقیب و ہمسر سے بڑھ کر فتوحات نصیب ہوئے اور فرانس کی خدمت بھی اس نے زیادہ وفاداری سے کی 1643ء میں بلجین سرحد کے قریب بمقام راک روا (Roerio) کانڈی کو (Conde) عظیم الشان فتح نصیب ہوئی۔ یہ لڑائی اس وجہ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشہور ہے کہ چارلس پنجم کے عہد کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ اسپین کی اصل پیدل فوج کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ اس کے بعد ہی صلح کی گفت و شنید شروع ہوگئی مگر بے نتیجہ کیونکہ آسٹریا ضروری رعایتیں منظور کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ لیکن 1648ء میں پھر اسی جوار میں بمقام لان (Lens) کانڈی کو اور ایک فتح حاصل ہوگئی اور اب مجبور ہوکر دوسرے سال میں صلح ویسٹ فیلیا طے ہوگئی۔

صلح ویسٹ فیلیا مزارین کی سب سے بڑی کامیابی تھی لیکن پھر بھی فرانس کی رائے عامہ اس کے موافق نہ ہوئی۔ بلکہ جنگ کا اصلی بار کم ہوگیا۔ تو فرانس کے مختلف عناصر بدامنی نے شاہی اختیارات کی مخالفت پر سر اٹھایا۔ حالانکہ اسپین سے لڑائی کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا بلکہ اور گیارہ سال تک جاری رہا۔ ادھر اس جنگ کی وجہ سے فرانس کی مالی حالت بہت خراب ہوگئی تھی گو جرمنی کے ایسا دور ابتلا تو نہیں تھا۔ ایسی حالت میں محاصل کا بار اٹھا دینے کا مطالبہ کیا گیا ادھر رؤسا بھی یہ سمجھ رہے تھے کہ ریشیو کے مقابلے میں تو ان کو کامیابی نہیں ہوئی تھی لیکن اس کے کمزور جانشین کے مقابلہ میں وہ اپنا اثر و اقتدار ملک میں قائم کرسکیں گے۔

فرونڈ (Fronde) کی شورش : اس کے بعد فرانس کی تاریخ کا وہ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جس کو "فرونڈ" (Fronde) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ لفظ محض ایک فرقے کا عرف تھا۔ مختلف و متضاد اسباب کی بناء پر یہ تحریک شاہی اختیارات کے خلاف ہنگامہ کرنے کے لئے ہوئی تھی۔ اور اختلاف و تضاد کی وجہ سے ہی ناکام بھی ہوئی۔ اس کے وہ اصلی سبب تھے۔ ایک تو پارلیمنٹ پریس کا محاصل کے متعلق اعتراض و اصلاح کا مطالبہ تھا۔ اور دوسرے روسا کی عام مخالفت جس میں شہزادہ کانڈی خاص طور پر شریک تھا۔

پیرس کی پارلیمنٹ : پیرس کی پارلیمنٹ دستوری اصلاحات کو بروئے عمل لانے کے لئے موزوں نہ تھی کیونکہ اس کے ذمہ صرف عدل گستری کا ایک کام تھا اس کی رکنیت ارث یا اشتراک کے ذریعے حاصل ہوسکتی تھی اور یہ اراکین نہ تو شاہی تقرر سے ہوتے تھے اور نہ عام انتخاب سے۔ وضع قوانین اور حکومت کے معاملات میں صرف ایک طریقہ پر پارلیمنٹ کا دخل تھا۔ وہ یہ کہ بادشاہ کے احکام کو پارلیمنٹ درج رجسٹر کرتی تھی۔ اور جب تک یہ احکام پارلیمنٹ کے رجسٹر میں درج نہ ہوں ان پر قانون کا اطلاق نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن اس کا کوئی تصفیہ اب تک نہیں ہوا تھا کہ پارلیمنٹ رجسٹری کرنے سے انکار بھی کرسکتی ہے یا نہیں۔ گو یہ مسلمہ تھا کہ اگر کسی مجوزہ قانون کے متعلق پارلیمنٹ کوئی اعتراض یا عذر کرنا چاہے تو حکومت سے اس کا اظہار کرسکتی ہے۔ پارلیمنٹ نے یہ پیچیدہ و مبہم اختیارات اب استعمال کرنا چاہے۔ اور 1648ء میں اس کے پاس "مالیات" (Financial) کے متعلق احکام بھیجے گئے تو اس نے رجسٹری کرنے سے انکار کردیا۔ اور پھر اس کے بعد پیرس اور مفصلات میں مالیاتی نظم و نسق کے متعلق عام بے اطمینانی دیکھ کر پارلیمنٹ نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھنے کا ارادہ کیا۔

پارلیمنٹ کے مطالبات : اس قسم کی دوسری مجلسیں بھی تھیں جو شاہی کونسل سے نکلی تھیں۔ مثلاً" ایوان محاسبی۔ ایوان کروڑ گیری اور مجلس اعلی پارلیمنٹ نے ان سب کو ہموار کرلیا۔ اور سب نے متفقہ طور پر حسب ذیل مطالبات اسی انداز میں پیش کئے جیسے کہ اس وقت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی انگلستانی پارلیمنٹ نے کئے تھے۔ وہ مطالبات یہ تھے کہ محاصل کم کر دیئے جائیں اور بلا تحقیقات کے محض شاہی حکم پر گرفتار (اور قید کرنے کا طریقہ منسوخ کر دیا جائے۔ اور ا۔نٹنڈنٹ (Intendents) (مہتمم امور عامہ) جو شاہی حکام کے بجائے مقرر ہوئے تھے۔ برطرف کر دیئے جائیں۔ پہلے تو حکومت نے کچھ پس و پیش کیا مگر بعد میں لان (Lens) کی لڑائی کی خبر پاکر ان پارلیمنٹی مخالفین کی اچھی طرح خبر لی۔ پارلیمنٹ کے سردار گرفتار کرنے گئے تو سخت جنگ و جدال کا اندیشہ ہوگیا۔ اس وقت حکومت ذرا دب گئی۔ کیونکہ انگلستان کی مثال پیش نظر تھی۔ اور وہاں چارلس اول کے قتل ہونے سے زیادہ مخالفت کا انجام بادشاہ کی نگاہ میں خوفناک نظر آنے لگا تھا۔ اس وقت اگرچہ مزارین نے ہار ہی مان لی لیکن محض اس لئے کہ بعد میں اس سے بھی زیادہ سخت حملہ کرسکے۔ شاہی فوج جمع کی گئی اور کانڈی کی کمان میں رکھی گئی۔ پیرس کا معمولی طور پر محاصرہ کرلیا گیا۔ یہ ظاہر تھا کہ پارلیمنٹ کے مفنین اور رؤسا میں کوئی مستقل اتحاد نہیں قائم ہوسکتا اور آخر کار 1629ء میں مصالحت ہوگئی شرفا تو محض اس وجہ سے خوش ہوکر اس شورش میں شریک ہوئے تھے کہ انٹنڈنٹ (Intendents) لوگوں پر بھی پارلیمنٹ نے حملہ کیا تھا۔ اس مصالحت کے بعد حکومت نے مالیاتی معاملات میں رعایت کرنے کا وعدہ کیا۔ اور پارلیمنٹ نے جو عوام کی حمایت میں کھڑی ہوئی تھی۔ اب اس سے علیحدہ ہوگئی۔

دوسری فرونڈ (Fronde) : اس طریقے پر پہلی فرونڈ کا اختتام ہوا لیکن اس کے بعد ہی سے دوسری فرونڈ ہوئی جو پہلے سے بالکل ہی مختلف نمونے کی تحریک تھی۔ دوسری فرونڈی کے مدنظر کوئی دستوری اصلاح نہ تھی۔ اور نہ حقوق عامہ کی حمایت میں یہ تحریک شروع ہوئی اصل میں ناخوش و ناراض شرفا کی یہ آخری کوشش تھی۔ ان کو شہزادی کانڈی (Conde) کے حوصلہ و کارگزاری پر بھروسہ تھا۔ مزارین محسوس کر رہا تھا کہ شاہی اقتدار کے خلاف کانڈی ایک خطرناک رویہ اختیار کر رہا ہے۔ اس لئے اس نے 1650ء میں اسے اور چند دیگر شرفا کو گرفتار کرالیا۔ اس پر بڑا غم و غصہ ہوا۔ حتی کہ تیورین (Turenne) بھی جو انتہا کا وفا شعار تھا کانڈی کی ہمشیرہ کے کہنے پر اس کے طرفداروں میں ہوگیا۔ پیرس نے باغیوں کا ساتھ دیا اور شہزادہ کانڈی کی رہائی اور مزارین کی جلاوطنی کا مطالبہ کیا۔ عقلمند وزیر کو سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

اور کانڈی کو رہا کرکے وہ ملک سے باہر چلا گیا۔ لیکن یہ شکست محض ظاہری تھی کیونکہ جلاوطنی کی حالت میں بھی والدہ سلطانہ اور حکومت وقت اس کے مشورہ پر اسی طرح عمل کرتی تھیں جس طرح کہ اس کے برسر اقتدار ہونے کے زمانے میں ہوا کرتا تھا۔

ایک بے سرو پا جدوجہد شروع ہوگئی۔ اس کی حکایت ان تذکروں اور سرگزشتوں میں پائی جاتی ہے جو کارڈنیال دی رینز (Cardinal de Ratz) مادام دی لونگوی (Madam de Longevile) وغیرہ نے کہے ہیں اور جن میں انہوں نے اس زمانہ کی سازشوں اور دو اشخاص کی لڑائیوں کا نہایت دل کش نقشہ پیش کیا ہے۔ لیکن یہ جھگڑے تھے بھی نجس اور غلیظ اور سب بکھیڑے کا باعث ذاتی ہوس تھی۔ تیورین پھر بادشاہ کی طرف آگیا۔ اور بہت جلد اس نے شاہی فوج کی فوقیت ثابت کردی۔ 1652ء میں شہر پیرس کی فصیل کے باہر کانڈی کو شکست فاش ہوئی اور وہ خود گرفتار ہونے کے بال بال بچا۔ تھوڑے دنوں بعد وہ فرانس سے نکل گیا اور ہسپانیہ والوں کے ساتھ جاکر شریک ہوگیا۔ جن کے خلاف کہ اس سے پہلے وہ نہایت شان سے لڑچکا تھا۔ شہر پیرس نے فوراً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی بادشاہ سے صلح مصالحت کرلی اور مزارین واپس آگیا پارلیمنٹ کو امور عامہ میں دست اندازی کرنے سے قطعاً" منع کردیا گیا۔ انٹینڈنٹ (Intendents) پھر بحال کر دیئے گئے اور ریشلیو کا طرز انتظام پھر کامل طور پر قائم ہوگیا۔ اب صرف اسپین سے جنگ باقی رہ گئی تھی۔ سوا سمیں بھی جانبین مالی مشکلات سے تنگ آکر مصلح مصالحت کے خواہاں تھے لیکن صلح کے لئے کچھ ایثار کی ضرورت تھی جس کے لئے دونوں میں سے کوئی بھی تیار نہ تھا۔ اس لڑائی کو دو تھکے ہوئے گھوڑوں کی دوڑ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور حالانکہ کئی مقابلوں میں فرانس کو کامیاب ہوچکی تھی۔ لیکن قطعی اور فیصلہ کن حملہ نہیں ہوا تھا۔ 1657ء میں ایک سیاسی چال کی وجہ سے فرانس کو فتح و کامیابی حاصل ہوگئی۔ آلیور کرامول (Oliver Cromwell) کے کارناموں نے یورپ کو متوجہ کرلیا تھا اور یہ ظاہر تھا کہ انگلستان میں کرامول (Cromwell) اور اس کے رفیق "آئرن سائڈ" کی بدولت نہایت اعلیٰ درجہ کی فوجی طاقت قائم ہوگئی ہے۔ فرانس اور اسپین کے بادشاہ اسے جمہوری اور بادشاہ شکن سمجھ کر اس سے بہت متنفر ہوگئے تھے۔ اور فرانس کے بادشاہ کا انگلستان کے شاہی خاندان سے قریبی رشتہ بھی تھا کیونکہ چارلس اول کی بیوہ ملکہ لوئی سیز دہم کی بہن تھی۔ لیکن ان دونوں ملکوں کی فوجی ضرورت ایسی شدید تھی کہ دونوں نے اس انگریز "محافظ قوم" سے امداد چاہی۔ پہلے تو اس نے کچھ پس و پیش کیا مگر چونکہ اسپین کی نوآبادیات پر اس کا دانت لگا ہوا تھا۔ اس لئے آخر کار اس نے مزارین سے اتحاد کرلیا۔ لاک ہارٹ (Lockhart) کی کمان میں ایک فوج بھیجی گئی اور 1658ء میں ڈنکرک (Dunkirk) کے قریب ہی ڈونس Dunes کی لڑائی ہوئی۔ کانڈی ہسپانوی فوج کی کمان کررہا تھا اور میورین والا کھارٹ پہلو بہ پہلو اس کا مقابلہ کر رہے تھے نتیجہ میں مزارین اور اس کے حلیف کو زبردست فتح نصیب ہوئی۔ انگریزوں کو اس اعانت کے معاوضے میں ڈنکرک (Dunkirk) مل گیا اور صلح کے دیگر اہم شرائط کے متعلق گفت و شنید شروع ہوگئی۔ اور 1659ء میں پیری نیز (Pyrennes) کی صلح طے پائی جو دراصل صلح ویسٹ فیلیا کا ضمیمہ یا تکملہ کہی جاسکتی ہے۔ اور اسی صلح سے جنگ سی سالہ کا خاتمہ سمجھنا چاہئے۔ جنوب اور شمال میں فرانس کو مقبوضات ملے۔ شمال میں فرانس کو مقبوضات ملے شمال میں تو آرتوا (Artois) اور پیری نیز (Pyrenees) کی طرف روی ٹون (Roussillion) کے مقامات ملے۔ ان ارضی مقبوضات سے بڑھ کر فرانس کو یہ فائدہ ہوا کہ اس کی دھاک بیٹھ گئی۔ کیونکہ فرانس ہی نے پہلے تو جرمنی کو صلح کرنے پر مجبور کیا اور اب اسپین کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق شرائط قائم کئے۔ کانڈی کا قصور معاف کردیا گیا اور وہ پھر فرانس میں واپس آکر مرتے دم تک وفاداری سے رہا یہ بھی توقع تھی۔ کہ دونوں ہمسر اور مخالف ملکوں میں اب دوستانہ تعلق کا ایک دور شروع ہو جائے گا اور دونوں آپس میں متحد و متفق ہوجائیں گے۔ کیونکہ لوئی چہار دہم کی نسبت اسپین کی شہزادی ماریا تریزا (Maris) (Terasa) سے طے ہونے لگی۔ عقد کا معاہدہ جو ہوا اس میں لوئی چہار دہم نے ہسپانوی ملک و تاج کے متعلق اپنے کل حقوق سے جو میریا تیریزا کی وجہ سے اس کو حاصل ہوسکتے تھے دست برداری لکھدی مگر یہ دست برداری اس شرط کے ساتھ تھی کہ ایک بہت بڑی رقم اس کو جہیز میں دی جائے۔ اسپین یہ رقم ادا نہیں کرسکا۔ اس لئے لوئی چہار دہم اپنے کو اس معاہدہ کا پابند نہیں سمجھتا تھا اور بعد میں اپنی بیوی کی طرف سے ہسپانوی تخت و تاج کا اس نے دعویٰ کیا جس میں اس کے عہد حکومت کا بقیہ زمانہ صرف ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ صلح مزارین کی بہت بڑی کامیابی تھی لیکن وہ اس کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکا۔ اس نے بہت دولت جمع کرلی تھی۔ جو ایک عالیشان کتب خانہ قائم کرنے اور علوم و فنون کی ترقی میں اس نے صرف کی اس کی وفات سے پہلے ہی یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ نوعمر بادشاہ امور سلطنت و طرز انتظام میں زیادہ آزادی کا خواستگار ہے۔ مزارین کی وفات کے بعد فرانس اور یورپ کی حالت میں بین فرق واقع ہوگیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 15

برطانیہ--- پیورتن انقلاب' پارلیمنٹ

(Britain - Puritanrevolution, Parliament)

سولھویں صدی میں برطانیہ کی تاریخ خاص خاص امور میں مغربی یورپ کی سلطنتوں سے بہت مشابہت رکھتی تھی مثلاً نیابتی حکومتوں پر شہنشاہیت کا غلبہ مذہبی مناقشات اور تمناؤں کا آثر اور احیاء علوم میں خاص طور پر حصہ لینا۔ لیکن سترھویں صدی میں انگلستان و برطانیہ عظمیٰ کی تاریخ مغربی یورپ کی دول سے بالکل مختلف ہے اور بہت سی خصوصیات ایسی ہیں جن کی نظیر دوسرے ممالک میں نہیں ملتی حالانکہ بقیہ یورپ سے تعلقات ویسے ہی قائم ہیں۔ اور پورے عہد اسٹوارٹ میں فرانس کی حکومت کی تمثیل کا اثر بھی انگلستان کی حکومت پر گہرا اور خطرناک رہا۔ اسٹریفرڈ (Strafford) نے چارلس اول کے لئے وہی سب کرنا چاہا جو ریشلیو نے لوئی سیزدہم کے لئے کیا تھا اور جب پیورتن (Puritan) شورش کے بعد عود شاہی کی بدولت چارلس دوم تخت نشین ہوا تو وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ہر حکمران کو حکومت کا وہی نمونہ قائم کرنا چاہئے جو فرانس میں تھا اور مذہب و سیاست دونوں میں وہ اسی نمونے کی تقلید کرنا چاہتا تھا۔ لیکن 1688ء کے انقلاب نے ان خیالات کو خاک میں ملا دیا۔ یورپ کی سیاسی زندگی میں پارلیمنٹ کی اس فتح (انقلاب) کا خاص حصہ ہے۔ 1688ء کے اوائل میں اگر ہم ایک نظر یورپ پر ڈالیں تو عام رجحان پارلیمنٹی اداروں کے خلاف اور شخصی حکومت کے مرکزی نظم و نسق کے موافق پایا جاتا ہے ایسا خیال کیا جاتا تھا کہ رعایا کو حکومت کے معاملات میں شریک کرلینے سے سلطنت کی تقویت زائل ہو جاتی ہے 1688ء میں انگلستانی پارلیمنٹ کی فتح اور مابعد کی صدی میں اس کی جنگی تجارتی مالیاتی کامیابیوں نے نیز نو آبادیات کے معاملے میں اس طرز حکومت کی کامیابی نے یورپ کی تاریخ میں ایک نیا رجحان پیدا کردیا۔ اور پھر مدبرین و اصول قائم کرنے والوں میں سیاسی آزادی کا دور دورہ شروع ہوگیا۔

1603ء میں جب انگلستان میں جیمز اول تخت نشین ہوا تو ملکہ ایلزبتھ کے طرز حکومت میں تغیر و تبدیل ہونے کا یقین تھا۔ کیونکہ ٹیوڈرز (Tudor) لوگوں کا طرز حکومت غیر محسوس طریقے پر محض اس وجہ سے اختیار کیا گیا تھا کہ داخلی و خارجی خطرات کا دفعیہ ہوسکے اور جب یہ خطرات دفع ہوگئے تو پھر اس طرز حکومت میں تغیر ہونا لازمی تھا۔ لیکن جیمز اول کے رویے کی وجہ سے یہ تغیر بہت جلد اور خطرناک واقع ہوا جیمز اول ملکہ الزابتھ کا بالکل ضد تھا۔ اس میں ملکہ کی سی احتیاط و دانشمندی نہ تھی۔ نہ یورپ کی سیاسی حالت سے وہ اتنا واقف تھا سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ملکہ ایلزابتھ ملک کی نیابت کرتی تھی۔ برخلاف اس کے جیمز اول نے مذہبی و سیاسی معاملات میں انانیت پسندی اختیار کی۔ بادشاہوں کے "خدائی حقوق" کا وہ بڑا قائل تھا۔ سولھویں صدی میں تو اس کا مبارک فقرے کے یہ معنے لئے جاتے تھے کہ دنیاوی سلطنت جن کی نمائندگی بادشاہ یا حکمران کرتا تھا بغیر کلیسا کی تائید کے قائم رہ سکتی تھی۔ ابتدا" یہ عقیدہ پروٹسٹنٹ لوگوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مخصوص تھا لیکن سترھویں صدی میں اس فقرے کے معنی بالکل بدل گئے۔ جیسا کہ اکثر فقروں کے معنی بدلتے رہتے ہیں اور اس فقرہ کا یہ مطلب لیا جانے لگا کہ بادشاہ کی ذات تقدس مآب ہوتی ہے اور خدا کی مرضی جس طرح انجیل میں ظاہر ہوئی تھی بادشاہوں کی مطلق العنانی کی تائید کرتی ہے اور ان کے شاہی حقوق و اختیارات میں مداخلت کو ناجائز قرار دیتی ہے اور یہ کہ بادشاہ خاص معنوں میں آدم کا جانشین ہوتا ہے اس لئے تمام دنیا پر حکومت کرنے کا اسے حق ہے۔ دوسرے ممالک میں بھی یہ مسئلہ معلوم تھا مگر انگلستان میں جس بلند آہنگی سے اس کا چرچا اٹھا اور کہیں ایسا نہیں ہوا۔ پارلیمنٹ بھی ایک جوش حیات سے لبریز تھی۔

پارلیمنٹ سترھویں صدی میں : سولھویں صدی میں اگر انگلستان اور فرانس کا ہم مقابلہ کریں تو ایک سطحی تشابہ تو ضرور معلوم ہوگا۔ لیکن تخالف اس سے زیادہ نمایاں تھا۔ 1660ء یا اس کے قریب کے زمانے میں ایک سرسری نظر والا یہ کہہ سکتا تھا کہ فرانس میں اسٹیٹس جنرل کا اثر بمقابلہ انگلستان کے پارلیمنٹ کے اثر کے زیادہ رہے گا۔ لیکن یہ رائے بالکل سرسری و سطحی ہوتی کیونکہ اسٹیٹس جنرل (States General) گو دعوی بہت لمبا چوڑا کرتی تھی۔ لیکن اس کے اختیارات ایسے ہی ہوتے تھے جیسے کہ حکومت وقت کی کمزوری سے وہ حاصل کرسکے۔ اور جب کبھی حکومت وقت قوی ہوتی تھی وہ اس کی پرواہ بھی نہیں کرتی تھی اور اس کو علیحدہ کردیتی تھی چنانچہ 1614ء میں اسی طرح یہ معدوم کر دی گئی اور پھر صرف ایک مرتبہ انقلاب کے زلزلہ خیز زمانے میں نمودار ہوئی۔ اور جب اسٹیٹس جنرل کی جڑ اتنی کمزور تھی تو پارلیمنٹ پیرس (Paris) کے لئے آزادی کا دم بھرنا دشوار تھا۔ قانون پیشہ لوگوں نے آزادی کے حق میں بہت کچھ کیا ہے مگر یہ لوگ اس لفظ کو تنگ اور یک طرفہ معنی پہنانے کے عادی ہیں۔ اور پارلیمنٹ پیرس (Paris) اگر اس سے زیادہ روشن خیال ہوتی تو بھی اسے ایسے دستوری اختیارات حاصل نہ تھے کہ وہ حکومت پر کوئی روک قائم کرسکتی چہ جائیکہ حکومت کی مخالفت لیکن انگلستان کی پارلیمنٹ انگلستان کے امور ملکی میں صدیوں سے نمایاں طور پر حصہ لے رہی تھی۔ اس کے امتیازات کی تعیین تو نہیں ہوئی تھی نہ اس کے متعلق کوئی نظریہ یا اصول قائم ہوا تھا لیکن عہد ٹیوڈر (Tuder) میں بھی اس کو نیست و نابود کر دینے کا خیال نہیں ہوسکا۔ جب کبھی شخصی حکومت کمزور و بدنام ہوتی اور خارجی خطروں سے ملک محفوظ ہوتا تو پارلیمنٹ اپنا قدم آگے بڑھاتی تھی۔ اور ملکی معاملات میں "من ہم چیزے ہستم" کی مصداق دخل دیتی تھی حتی کہ انجام کار کل اختیارات کا خود کو ہی منبع قرار دیدیا۔ علاوہ اس کے انگلستان میں یہ بھی ممکن نہ تھا کہ مخالف گروہ فوجی امداد سے پارلیمنٹ کو زیر کرلے۔ کیونکہ سمندر کی وجہ سے یہاں کبھی مستقل فوج قائم ہی نہ رہی۔ اس طور پر گویا سمندر نے برطانیہ کی آزادی کو بچالیا۔

مذہب نے بھی بادشاہ اور پارلیمنٹ کی مخالفت کو زیادہ کردیا ایلزابتھ اور ہنری ہشتم نے جو کلیسا (مذہب) قائم کیا تھا وہ بہتوں کے نزدیک ایک درمیانی منزل تھا بعض ایسے تھے جو عہد ماقبل کے سے رسم و رواج کی پابندی کرنا چاہتے تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو جے نی (Geneva) عقائد کو کنٹربری (Canterbury) میں رواج دینا چاہتے تھے اور پر سیٹیرین (Presbytarian) طریقہ کو ایپسکوپل (Episcopal) (جس میں پادریوں کی حکومت ہوتی تھی) طریقہ سے بہتر سمجھتے تھے۔ اس جدوجہد کی تیاریاں جیمز اول کے عہد میں ہونے لگیں۔ پارلیمنٹ بخلاف مرضی بادشاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود کو محاصل عائد کرنے کا مجاز قرار دینے لگی۔ اور امور مملکت میں بادشاہ کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرنے لگی جیمز نے ان اعتراضات کی تردید میں شایان شان طریقہ نہیں اختیار کیا اور نہ زور اندیشی و مصلحت ہی سے کام لیا۔ اور اس وجہ سے مرنے کے بعد اپنے بیٹے چارلز اول (Charles I) کے ذمہ ایک کٹھن کام چھوڑ گیا فرانس کی تاریخ اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے انگلستان میں اس جھگڑے کی ایک اور خصوصیت ہم بتلا دیتے ہیں اور وہ انگلستان کی حکومت کے خارجی طرز عمل کی ناکامی تھی۔ انگلستان کے تاجداروں نے بعض اوقات یہ سوچا ہوگا کہ انگلستان میں بھی اس نمونے کی حکومت کیوں قائم کی جائے جیسی کہ فرانس میں تھی۔ اس کا ایک جواب جو شاید سب سے اہم تو نہیں یہ ہے کہ انگلستان کے خارجی طرز عمل میں ان لوگوں نے کوئی شان یا کامیابی حاصل نہیں کی۔ ریشلیو اور مزارین نے فرانس کو یورپ کا پنچ بنا دیا تھا برخلاف اس کے انگلستان کے پہلے دو اسٹوارٹ (Stuart) حکمرانوں نے غیر قوموں کی نظر میں انگلستان کو مضحکہ خیز بنا دیا۔ اسپین نے اسے شکست دی اور ذلیل کیا اور فرانس نے پھر بارہا ہرایا اور مات دی۔ انگلستان کی دستوری حکومت اور اس کے خارجی طرز عمل میں ایسا گہرا تعلق نہیں رہا۔ جیسا کہ دوسرے ممالک میں تھا مگر یہ تعلق اہمیت ضرور رکھتا تھا۔

جب چارلز اول کو پہلی پارلیمنٹ سے سامنا ہوا تو اسپین اور فرانس سے جنگ میں ناکامی اور بدنام ڈیوک آ بکنگھم کی طرفداری کی وجہ سے وہ ناقابل اعتبار ٹھہرایا گیا پہلی دو پارلیمنٹس غصے میں برخاست کر دی گئی لیکن ہیوگوناٹ (Heugonot) لوگوں کی طرفداری میں راچیلی (Rachelli) کو مہم بھیجنے کی اسے فکر تھی۔ اس لئے اس نے ایک تیسری پارلیمنٹ منعقد کی۔ محاضرہ راچیلی (Rachelli) فرانس و انگلستان دونوں کی تاریخ میں یکساں اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی بدولت ریشلیو (Richelun) کا سکہ بیٹھ گیا اور انگلستان کے بادشاہوں کے لئے یہ مہلک ثابت ہوا بادشاہوں کی مالی ضرورتوں کی وجہ سے اکثر پارلیمنٹ کو اپنے اختیارات اور رعایا کی آزادی حاصل کرنے میں سہولت ہوتی تھی۔ اس وقت 1638ء میں مجبوراً" چارلز اول کو (Petition of Rights) کو "عرضداشت حقوق" منظور کرنا پڑا جس میں یہ درج تھا کہ بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے محصول عاید نہیں کیا جاسکتا۔ اور کوئی انگریز بلا سبب و بلا تحقیقات قید نہیں کیا جاسکتا اور نہ سپاہی و ملاح بغیر مالک مکان کی اجازت کے اس گھر میں ٹھہرائے جاسکتے انگلستان کی آزادی کا یہ زبردست دستاویز تھا۔ لیکن اس پر بھی بادشاہ اور پارلیمنٹ کی باہمی مخالفت کا خاتمہ نہیں ہوا۔ اور تھوڑے دنوں میں یہ پارلیمنٹ بھی مثل سابقہ پارلیمنٹوں کے برخاست کر دی گئی۔ 1629ء سے 1640ء تک گیارہ سال کا عرصہ گزر گیا۔ اور اس درمیان میں چارلس اول اپنے نائب وینٹ ورتھ (Wentworth) کی امداد سے جو بعد میں ارل اسٹریفرڈ (Earl Strafford) کے نام سے مشہور ہوا بغیر پارلیمنٹ کے حکومت کرتا رہا۔ اور انگلستان کی حکومت کو فرانس کے نمونے پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔ امن کے زمانے میں ملک کے اخراجات پورا کرنے کے لئے آمدنی کے ذرائع بھی نکالے گئے۔ اور جب ناظم عدالت نے یہ فیصلہ کر دیا کہ جہاز سازی کے لئے جب اور جس قدر روپیہ بادشاہ چاہے وصول کرسکتا ہے تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ شاہ انگلستان کو فرانس کی سی مطلق العنانی حاصل ہوگئی۔ اگر نظمائے عدالت کی یہی رائے قائم رہتی تو انگلستان میں اس کا وہی اثر ہوتا۔ جو فرانس میں 1439ء کے دو فوجی قانون کا ہوا۔ اور پھر بھلا اس کی تنسیخ کس طرح ممکن تھی۔ اگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخالفت کی جاتی تو جو فوج وینٹ ورتھ (Wentworth) نے آئرلینڈ میں جمع کر رکھی تھی وہ اس کو دبا دینے کے لئے کافی تھی۔

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مذہبی جوش و تعصب سیاسی اغراض کے ساتھ شامل نہ ہوا ہوتا تو کیا چارلز اول مغلوب ہو سکتا تھا؟ بہرحال اسی مذہبی جوش نے کام تمام کردیا۔ بادشاہ نے لاڈ Laud کی تائید میں جو 1633ء میں کنٹربری (Canterbury) کا اسقف اعلےٰ مقرر ہوا تھا انگلیسی کلیسہ کو وہ رسومات و تبرکات بحال کر دیئے جسے پورتن Puritan لوگ باقیات روما سمجھتے تھے۔ اس کے بعد اس نے اسکاٹ لینڈ کے کلیسہ کے لئے بھی ایسا ہی کرنا چاہا۔ استعفوں کا تقرر تو جیمز اول ہی کے زمانے میں ہوگیا تھا۔ اب اسی قسم کی ایک کتاب صلواۃ عام جیسی انگلستان میں رائج تھی وہاں بھی اس نے جاری کرنا چاہا۔ پرسبیٹیرین (Presbytarian) لوگوں نے اس کو بت پرستی اور پاپائیت پسندی کے برابر قرار دے کر اس کی مخالفت شروع کردی۔ اس شکایت نے بشمول دے کر شکایات دینوی ایک شورش برپا کردی۔ جو اسکاٹ لینڈ کے اسقفوں کی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ بس فورا" ہی چارلس اول کی مجوزہ تدابیر الٹ گئیں اس کی یازدہ سالہ حکومت صرف امن کے زمانے میں کارگر تھی یا لڑائی کی صورت میں اکثر برابر کامیابی ہوتی رہتی۔ اور اب تو جنگ ناکامی کے ساتھ شروع ہوگئی۔ پھر ان اخراجات کی پابجائی کہاں سے ہوتی۔ لامحالہ بادشاہ کو پارلیمنٹ منعقد کرنی پڑی۔ چنانچہ 1640ء میں اس نے بھی ایک پارلیمنٹ منعقد کی جو طویل پارلیمنٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اور غالبا" تمام پارلیمنٹی مجالس سے زیادہ ممتاز اور اہم سمجھی جاتی ہے بشرطیکہ 1792ء کی فرانسیسی کان وینشن (Convention) (مجلس) کو اس کا ہم پلہ نہ سمجھا جائے۔

پیورتن (Puritan) شورش اور سی سالہ جنگ کا مقابلہ : 1640ء سے 1660ء

تک کا زمانہ زیادہ دلچسپی اور توجہ کا باعث سمجھا گیا ہے اور اس عہد کے متعلق جتنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں شاید کسی دوسرے عہد کے متعلق نہیں ہوئی ہیں لیکن ہم یہاں اس زمانے کا ایک خاکہ بھی پیش نہیں کرسکتے البتہ اس خانہ جنگی جس کو اصلی انگلستانی انقلاب کہنا چاہئے اور اسی زمانے کی فرانس و جرمنی کی خانہ جنگیوں میں جو فرق ہے جو اس کو چند الفاظ میں بتلا دیا جاتا ہے پیورتن شورش اور جرمنی کی جنگ سی سالہ میں کچھ زیادہ مماثلت نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ دونوں میں مذہبی و سیاسی اسباب مشترک ہوگئے تھے۔ آیرستان (آئیرلینڈ) کا قصہ تو مختلف ہے لیکن انگلستان میں یہ لڑائی ناشائستہ یا وحشیانہ انداز میں نہیں ہوئی۔ جان و مال کا نقصان بھی زیادہ نہیں ہوا علاوہ اس کے خود میارزین کو معاملہ نزاعی میں غرض دلچسپی تھی۔ اس لئے ان کو اجارہ دار نہیں کہا جاسکتا اس جزیرہ کے لوگوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ خود ہی کرلیا اور غیر قوموں کی کوئی مداخلت نہیں ہوئی۔ نہ غیر ملک کی فوج آئندہ ساحل پر کبھی اتری۔ جنگ سی سالہ میں مغربی یورپ کی تمام سلطنتیں شریک تھیں۔ لیکن پیورٹن بغاوت کا تعلق صرف انگلستان۔ ایرستان (آئیرلینڈ) اور اسکاٹ لینڈ سے ہی رہا۔

فرانس کی شورش فرونڈ (Fronde) سے البتہ اس (پیورٹن شورش) کو مشابہت ہے لیکن وہ بھی زیادہ نہیں۔ فرانس میں بھی مذہبی غرض موجود تھی لیکن ژان سینی (Jansenism) تحریک جس کے زیر اثر پیرس کی بہت سی پارلیمنٹس تھیں۔ اتنی قوی اور وسیع الاثر نہ تھی جتنی کہ انگلستان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی پیورتن تحریک دونوں شورشوں میں وہی فرق تھا۔ جو ژان سینی اور پیورتن تحریک میں پیرس اور ویسٹ منسٹر (Westminister) کی پارلیمنٹ میں کیرا مول (Cromwell) اور کانڈی (Conde) میں انگریزی اور فرانسیسی اعیانیت میں تھا۔

طویل پارلیمنٹ کی کامیابی : طویل پارلیمنٹ کے طرز عمل کی بدولت فورا خانہ جنگی شروع ہوگئی پارلیمنٹ والوں نے ارل اسٹریفورڈ (Eari Straffod) کو پھانسی دیدی۔ اور چارلس نے بھی اسے بچانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ (اگر لوئی سیزدہم بھی اس طرح ریشلیو کو اس کے مخالفین کے پنجے میں دیتا تو فرانس کی تاریخ پر کیا اثر پڑتا) اس کے بعد ان لوگوں نے بادشاہ کے مذہبی و ملکی طرز انتظام پر اعتراض کرنا شروع کیا۔ پارلیمنٹ کے بڑے بڑے سرداروں کو گرفتار کرا کے بادشاہ نے رعب ڈالنا چاہا مگر اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی اور اس حرکت کو لوگوں نے اعلان جنگ سمجھ لیا۔ پہلے دو سال تک تو لڑائی برابر کی رہی لیکن اس کے بعد دو وجوہ سے پارلیمنٹ کو فتح مل گئی۔ ایک سبب تو یہ تھا کہ پارلیمنٹ نے اسکاٹ لینڈ سے اتحاد قائم کرلیا۔ اس وجہ سے کہ انگلستان نے "اتحاد وار تباط کے معاہدہ" (Solemn League and Covenant) کو تسلیم و قبول کرلیا تھا اور اب اسکاٹ لینڈ کی فوجیں پارلیمنٹ کی طرف سے لڑنے کے لئے انگلستان میں وارد ہوگئیں دوسرے یہ کہ کرامول اپنے نئے طرز کی فوج تیار کر رہا تھا۔ یہ فوج بالکل باقاعدہ تھی۔ اس کو تنخواہ بھی باقاعدہ دی جاتی تھی۔ اور قواعد وغیرہ کی خوب مشق کرائی جاتی تھی۔ اور ساز و سامان سے بھی خوب آراستہ تھی اور مذہبی جوش بھی اس میں اس قدر تھا کہ پریسبٹرین سے بھی بڑھ کر یہ فوج بالکل آزادی کی خواہاں تھی۔ ان وجوہات سے 1642ء میں چارلس کو یارسٹن ہور (Marston Moor) پر شکست ہوئی اور 1645ء میں بمقام نیس لی (Naseli) اس کا قلع قمع ہوگیا۔

فوج کا پارلیمنٹ کے خلاف ہونا : جس فوج نے یہ سب کیا وہ کوئی معمولی فوج نہ تھی مذہبی و سیاسی معاملات میں وہ اپنا الگ اصول رکھتی تھی۔ اور پارلیمنٹ کے حکم کی تعمیل سے اس نے قطعا" انکار کردیا اس نے بادشاہ سے گفت و شنید شروع کی اور اگر بادشاہ اس کے تجاویز کو قبول کرلیتا اور فوج کے سرداروں سے اتحاد کرلیتا تو شاید ممکن ہے کہ اس کو پھر تخت اور کچھ اقتدار حاصل ہوجاتا۔ لیکن وہ استحسانیت کا معتقد اور اپنے کمال تدبر و حکمت عملی پر ضرورت سے زیادہ اعتماد رکھتا تھا اسکاٹ لینڈ اور انگلستان کے فوجی سرداروں کے باہمی نفاق اور اختلاف سے اس نے فائدہ اٹھایا اور اسکاٹ لینڈ والوں کو اپنی حمایت میں انگلستان پر حملہ کر دینے کی ترغیب دی۔ اس واقعہ سے پہلے اس کے قتل کا کوئی خیال بھی نہیں ہوا تھا۔ دستور حکومت پر اس کا پہلا حملہ نہیں بلکہ یہ دوسری خانہ جنگی اس کے قتل کا باعث ہوئی کیونکہ ادھر تو فیر فیکس نے (Fairfax) اس کے انگریز حامیوں کو کولچسٹر (Colchester) میں روک رکھا۔ اور ادھر کرامول (Cromwell) نے اسکاٹ لینڈ والوں کو اور ان کے انگریز ساتھیوں کو پرسٹن (Perston) میں پیس ڈالا اس کے بعد فوج فتح سے سرخرو اور قتل و خون کی عادی ہو کر لندن کی طرف بڑھی کہ "اس آدمی" چارلز اسٹوارٹ سے تصفیہ کرنے۔ پارلیمنٹ کو فوج نے قابو میں کرلیا جو اراکین فوج کی رائے سے متفق نہ تھے وہ نکال دیئے گئے۔ طویل پارلیمنٹ کے قلیل التعداد اراکین رہ گئے۔ جن کو رمپ (Rump) (ہٹھا- پچھلا یا باقی حصہ) کہتے ہیں۔ انہی لوگوں نے فوج کے حکم سے بادشاہ کے متعلق تحقیقات اور اس کے قتل کے لئے ایک عدالت قائم کی (جنوری 1649ء)۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد جمہوریت قائم ہوگئی جس کے مخالفین ہر طرف تھے۔ انگلستان کی بیشتر رعایا جمہوریت والوں کے خلاف تھی آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ بھی اس کے خلاف تھے۔ اس کا امکان بھی نہیں پایا جاتا تھا کہ یہ نئی حکومت گیارہ سال تک قائم رہ سکے گی۔ جیسا کہ اس کی قسمت میں تھا فوجی اور انتظامی امور میں جمہوریت کی طرف کرامول ایک غیر معمولی قوت و قابلیت رکھتا تھا۔ اور جوشیلا بھی تھا اور عملی بھی پارسا بھی تھا اور پھر انگلستان کے مالیاتی و اقتصادی نفع نقصانات سے باخبر وہ حالات کی وجہ سے انقلاب پسند ہوگیا تھا مگر وہ حقیقت میں اتنا ہی قدامت پسند بھی تھا۔ آیرستان (آئرلینڈ) کی مخالفت تو اس نے شروع کر دی لیکن اس کے مظالم اور رعایا کو ان کے زمینات سے جبراً" بالاوجہ بیدخل کر دینے سے آیرستان اور ایسی بدمزگی پھیل گئی اور اس کی حکومت میں ایسی پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں۔ کہ انگلستان اب تک نہیں سلجھا سکا اسکاٹ لینڈ کی طرف سے جمہوریت کو زیادہ خطرہ کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ ایڈن برگ (Edinburgh) میں چارلس دوم کو بادشاہ کا لقب دیا جاچکا تھا۔ اور تمام اسکاٹ لینڈ باوجودیکہ ان کے آپس میں بہت سی باتوں میں اختلاف تھا فوج کی ان حرکتوں پر جو اس نے انگلستان میں کی تھیں یکساں متنفر تھا۔ لیکن جنگ کے شروع زمانے میں اسکاٹ لینڈ کو جو فوجی فوقیت حاصل تھی اب وہ انگلستان کو حاصل ہوگئی تھی۔ اور اسکاٹ لینڈ کی فوج خلاف امید 1650ء میں بمقام ڈنبر (Dunbar) شکست کھا گئی۔ اور جب چارلس دوم نے انگلستان پر فوجکشی کی تو ورسسٹر (Worcester) کے مقام پر وہ شکست کھا گیا۔ یہ دونوں فتوحات کرامول کی کارگزاری سے ہوئے اور اس کا اثر ملک میں بڑھتا گیا حتی کہ وہی ایک شخص رہ گیا جس کا حقیقی اثر ملک میں تھا۔

انگلستان کی آئندہ حکومت کے متعلق بہتوں کی فکر تھی۔ ملک کی رعایا کا تو کوئی اثر نہ تھا۔ جو کچھ اقتدار تھا فوج کا تھا 1653ء میں کرامول نے رمپ (Rump) پارلیمنٹ کو بھی ختم کردیا۔ کیونکہ اب یہ پارلیمنٹ ملک کی نمائندگی کا دعوی ہی نہیں کر سکتی تھی۔ عہدہ داران فوج نے ایک نئی تجویز پیش کی جس کو انسٹرومنٹ آف گورنمنٹ (Instrument of Government) آلہ قانون حکومت میں ظاہر کیا گیا۔ اس کی رو سے ایک پارلیمنٹ کا قیام جس میں صرف ایک بیت العوام ہو تجویز کیا گیا۔

اور بیت العوام کے اراکین کا انتخاب ہر حلقہ انتخاب سے کیا جائے یہ تجویز 1832ء کے اصلاحی قانون کا پیش خیمہ تھی۔ سب کا صدر ایک حامی ملک قرار دیا گیا جس کی مدد کے لئے ایک مجلس نظامیہ رکھی گئی۔ حامی ملک (موئد الملک) کی خدمت عمر بھر کے لئے کرامول کو دی گئی۔

گو کرامول ایک بڑا آدمی تھا اور اس کی نیت بخیر تھی۔ لیکن صورت حال کچھ اطمینان بخش نہ تھی اور نئی تجویز حکومت ناقابل عمل بڑی بات تو یہ تھی کہ رعیت کا بیشتر حصہ پیورتن لوگوں کو برسراقتدار نہیں پسند کرتا تھا۔ اور شاہی حکومت کا خواہاں تھا۔ کرامول کے طرز حکومت کو عام لوگ بالکل ناپسند کرتے تھے اور اس کے اقتدار کا دار و مدار صرف فوج پر تھا۔ لیکن وہ ایسا سمجھنے سے قاصر تھا اس نے اس نئے طرز حکومت کو کچھ رد و بدل کرکے ٹھیک کرنا چاہا تاکہ انگلستان کی رعایا کا بیشتر حصہ اس کو قبول کرے لیکن اس نے جو رتبہ حاصل کیا تھا وہ محض تلوار کی مدد سے حاصل کیا تھا۔ اس لئے صرف تلوار ہی کی مدد سے وہ حکومت بھی کر سکتا تھا اس کی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ 1665ء میں فرانس و اسپین دونوں ایک دوسرے کے خلاف اس کی اعانت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خواستگار تھے اور جب اس نے فرانس کا ساتھ دیا تو فرانس کو قطعی فتح حاصل ہوگئی۔ اور صلح پیرنیز (Pyrennese) طے ہوئی لیکن کرامول اس صلح تک زندہ نہ رہ سکا اور ستمبر 1658ء میں فوت ہوگیا۔

اس کی وفات کے بعد ایک ابتری پھیل گئی جس کا خاکہ اس طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ انگلستان کی پیشتر رعایا اس نئے طرز حکومت کی مخالف تھی۔ شاہی پسند عمومیت پسند پر مبٹرین (Prysbetarian) انگلیسی کلیسہ والے اور پارلیمنٹ والے سبھی تو کراصول کے قائم کردہ "مجمیہ" کے ملکی و مذہبی طرز انتظام سے ناراض تھے۔ اس حکومت کا دارومدار فوج پر تھا۔ اور فوج اب اپنی حالت پر قائم نہ رہی۔ رچرڈ کراول (Richard Cromwell) جو حامی ملک کے عہدہ پر اپنے باپ کا جانشین ہوا کمزور طبیعت کا آدمی تھا اور وہ بہت جلد مستعفی ہوگیا۔ فوج کے سردار سب آپس میں لڑنے لگے۔ اس خلفشار میں رمپ (Rump) پارلیمنٹ کو پھر برسرکار آنے کا موقع مل گیا۔ اور وہ لوگ سمجھنے لگے کہ اب ان کو پھر اقتدار بھی حاصل ہوگا لیکن اس مرحلے کا حل فوج ہی سے ممکن تھا۔

منک (Monk) : منک (Monk) اسکاٹ لینڈ کی فوج کا سردار تھا اور ابتدا" استاد پسند تھا لیکن بعد میں بالکل کرامول کا پیرو ہوگیا یہ شخص انگلستان میں معہ فوج کے آگیا۔ اور بڑے تشویشناک سکوت کے بعد اس نے اعلان کیا کہ انگلستان میں اپنی قسمت کا فیصلہ ایک آزاد پارلیمنٹ کے ذریعہ سے کرے اس نئی پارلیمنٹ نے سب سے پہلے تو یہ اعلان کردیا کہ حکومت بادشاہ والامرا اور دارالعوام کے ذریعہ سے ہوگی اور اس کے بعد اس نے چارلس دوم کو اپنے آبائی تخت پر جلوہ افروز ہونے کے لئے طلب کیا وہ آیا اور نہایت جوش و خروش اور اظہار وفاداری کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا۔

چارلس دوم کے مقاصد : مغربی یورپ کی دوسری سلطنتوں کے مانند انگلستان میں بھی ایک شخصی حکومت قائم ہوگئی بادشاہ کا منشاء تھا کہ اس مماثلت کو اور بڑھا دے یعنی یہ کہ مذہبی و سیاسی امور میں انگلستان بھی فرانس کی تقلید کرے۔ لیکن اس مقصد کے حصول کی سب کوششیں بے سود ہوئیں۔ 1660ء میں بھی انگلستان فرانسیسی نمونہ سے اتنا ہی مختلف تھا جتنا کہ 1640ء میں۔ فوج کی حکومت اور پیورتن اقتدار سے نفرت ہونے کی وجہ سے شاہی حکومت کا عود ہوا تھا ورنہ شاہی مطلق العنانی کے اشتیاق میں ایسا نہیں کیا گیا تھا۔ جس طرح کہ شاہی کا عود ہوا تھا۔ اسی طرح پارلیمنٹ کا عود بھی ساتھ ساتھ ہوا تھا۔ شاہی اور پارلیمنٹ پھر دست بگریبان ہوگئے دونوں کے مخالف دعووں کا کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا۔ اور یہ جنگ محض نظریہ کی نہ تھی۔ نہ آگے پیچھے کا جھگڑا تھا بلکہ اصل نزاع اقتدار و اختیار کی تھی کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ "جب دو آدمی ایک گھوڑے پر بیٹھیں گے تو ایک آگے ہوگا اور ایک پیچھے ہوگا۔"

ایک عرصہ کی جلاوطنی کے بعد اب شاہانہ زندگی چارلس دوم کو بہت بھلی معلوم ہونے لگی اور اس نے تہیہ کرلیا کہ پھر ایسی سیاحت کو نہ جائے گا۔ وہ بڑا ذہین تھا اور اس کو وقت پر خوب سوجھتی تھی۔ کسی بات کے لئے وہ دیوانہ وار جوش میں نہیں آتا تھا۔ اور پھر خطرہ کا احساس اسے بہت جلد ہو جاتا تھا۔ پارلیمنٹ سے بہت جلد کشیدگی شروع ہوگئی۔ نہ تو مذہب میں پارلیمنٹ اور بادشاہ کے خیالات ایک تھے نہ سیاست میں۔ پارلیمنٹ انگلیسی کلیسہ کی پابند تھی اس سے اختلاف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھنے والوں کے لئے سخت قوانین نافذ تھے۔ اور بادشاہ کا رجحان رومن کیتھلک مذہب کی طرف تھا۔ اور وہ مذہبی رواداری کے اصول کی آزمائش کرنا چاہتا تھا۔ خارجی معاملات کا بھی اثر پڑا۔ اگر بادشاہ کو فتح و نصرت نصیب ہوتی تو اس کا بہت کچھ لحاظ کیا جاتا۔ لیکن انگلستان نے حماقت سے 1665ء میں تجارتی اغراض اور نو آبادیات کے لئے ہالینڈ سے جنگ کردی۔ ہالینڈ کا بیڑا دریائے ٹیمس (Thames) تک چڑھ آیا۔ اور چیتھم (Chatham) پر حملہ کرکے لندن کو ہفتوں محصور کر رکھا۔ ایسی ذلت انگلستان کو کبھی نصیب نہیں ہوئی اور داخلی سیاست میں اس کا فوری رد عمل جھنجھلایا ہوا تھا۔ آخر کار بادشاہ نے اپنے وزیر کلیرنڈن (Clarendon) کو قربان کر دیا اور مالی معاملات میں پارلیمنٹ کی نگرانی و اختیارات اور زیادہ ہوگئے۔

1668ء میں جنگ ارث کے دوران میں جب فرانس اسپین کے بلجیمی (Belgian) صوبوں پر حملہ کر رہا تھا تو چارلس دوم نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے تمام ملک کو اطمینان و مسرت حاصل ہوئی۔ لوئی چہار دہم کی زیادتی کو روکنے کے لئے وہ سویڈن (Sweden) اور ہالینڈ کے ساتھ اتحاد ثلاثہ میں شامل ہوگیا۔ اس انتظام سے بہت کامیابی ہوئی۔ اور لوئی نے ایگزلا شامل (Aix La. Chapelle) کی صلح قبول کرلی۔ لیکن انگلستان کے خارجی طرز انتظام کی یہ نئی روش بہت جلد چھوڑ دی گئی چارلس دوم کی ذات کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا تھا۔ کیونکہ پارلیمنٹ نے اس کے اخراجات پر نگرانی میں کمی نہیں کی۔ اور نہ تو پروٹسٹنٹ و کیتھلک مخالفین کے ساتھ روا داری برتنے کی اسے اجازت دی۔ فرانس کی مثال اب بھی اسے دل کش معلوم ہوتی تھی فرانس کے تاجدار کی اعانت سے وہ اپنے کو انگلستان کا حقیقی حکمراں بنا لینے کی توقع رکھتا تھا اور یہ بھی امید تھی کہ وہ علانیہ کیتھلک مذہب کی پیروی بھی کرسکے گا۔ اس لئے 1670ء میں اس نے فرانس سے ڈوور (Dover) کا خفیہ معاہدہ کرلیا۔ اس نے فرانس سے وعدہ کیا کہ جب کبھی فرانس ہالینڈ پر حملہ کرے گا تو وہ بھی فرانس کی اعانت کرے گا۔ اس کے معاوضے میں اس کی شخصی حکومت کو پارلیمنٹ کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے اور کیتھلک مذہب کو انگلستان میں روا رکھے جانے کے لئے فرانس نے رقمی اور فوجی امداد دینے کا وعدہ کیا۔ کوئی بادشاہ اپنی رعایا کے خلاف ایسے غدارانہ معاہدہ میں کبھی شریک نہ ہو گا۔ چارلس اول جن افعال کی پاداش میں قتل ہوا وہ تو نسبتاً درگزر کرنے کے قابل تھے اور لوئی چہار دہم کی غداری بھی ایسی سنگین نہ تھی۔

چارلس دوم کی یورپ میں مشکلات : یہ ایک جرم بھی تھا اور حماقت بھی۔ اس کے عہد کی دوسری خرابیاں اسی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ اور اسی کی بدولت جیمس دوم اور اسٹوارٹ خاندان کو انگلستان کے تخت و تاج سے محروم کردیا گیا۔ یہ پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ ہالینڈ پر فرانس کا حملہ کس طرح ناکام رہا اور شہزادہ آرنج (Orange) کا اقتدار کس طرح بڑھ گیا۔ وہی آرنج جو انگلستان کے ولیم سوم کے نام سے موسوم ہوا۔ اس معاہدہ کو بہت راز میں رکھا گیا مگر شبہ پیدا ہوگیا تھا اور آخر کار اس کا انکشاف ہوگیا۔ پروٹسٹنٹ لوگ اور پارلیمنٹ بادشاہ کے سخت مخالف ہوگئے۔ 1764ء میں ہالینڈ سے صلح کرنے پر وہ مجبور کیا گیا۔ لیکن پھر بھی اس کے معاندین کا شبہ اور مخالفت کم نہ ہوئی چارلس دوم کو کوئی صحیح النسب اولاد نہ تھی۔ اس لیے یہ اغلب تھا کہ اس کا بھائی جیمس اس کے بعد تخت کا وارث ہوگا۔ اور جیمس تو علانیہ کیتھلک مذہب کا پیرو تھا مخالفین جو پہلے تو "ملکی جماعت" کے نام سے موسوم تھے اور بعد میں وھگ کہلائے اس بات پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تلے ہوئے تھے کہ "قانون اخراج" جاری ہو جائے جس کے ذریعے سے جیمس کو اس کے مذہب کی وجہ سے محروم الارث کرنا مقصود تھا۔ اگر یہ مسودہ قانون منظور ہو جاتا تو وھگ فرقہ کی بڑی کامیابی ہو جاتی۔ جو کچھ 1688ء کے انقلاب کی بدولت ہوا وہ اسی قانون کے ذریعہ حاصل ہو جاتا۔ کیونکہ اس قانون کی رو سے "شاہی برنہاء حق خدا داد" جو اکثر شاہی مطلق کے مترادف ہوتی تھی ہمیشہ کے لئے معدوم ہو جاتی۔ اور اس کی رو سے آئندہ کی شخصی حکومت پارلیمنٹ کی منظوری کی محتاج ہو جاتی۔ لیکن چارلس دوم نے اس تجویز کو اپنی پوری قوت سے رد کرنا چاہا۔ اس مقابلہ میں اس نے بڑی قوت و مستقل مزاجی سے کام لیا۔ خاندانی حقوق کے اصول کو وہ قائم رکھنا چاہتا تھا اور اس اصول کے صحیح ہونے کا اس کو کامل یقین تھا پارلیمنٹس بار بار برخاست کردی جاتی تھیں کیونکہ وہ مسودہ "قانون اخراج" پر زور دیتی تھیں۔ ادھر وھگ جماعت نے بھی جس کا سردار شافٹسبری (Shaftesbury) تھا اپنا مقصد حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ انگلستان کی تاریخ بھر میں شافٹس بری ایسا سازشی اور چال باز آدمی کوئی نہیں گزرا ہے پاپائی سازش کے بیہودہ اور مصنوعی قصے انہوں نے پھیلانے شروع کیے اور ملک خانہ جنگی میں مبتلا ہونے کے قریب ہوگیا۔

اس بیں فتح بادشاہ کو نصیب ہوئی اس کے مخالفین اپنی بے انتہا بے اصولی اور غیض و غضب کا شکار ہوگئے۔ انہوں نے مانمتھ کے ڈیوک (Duke of monmath) کو تخت و تاج کا مدعی کھڑا کیا جو بادشاہ کا ولد الحرام بیٹا تھا۔ اور نہایت کمزور طبیعت اور کم لیاقت کا آدمی تھا۔ بادشاہ نے ضروری اخراجات کے لئے روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے پھر لوئی چہار دہم سے گہرے تعلقات قائم کرلئے۔ کیونکہ اس جنگ و جدال کا دار و مدار روپیوں پر تھا۔ کیا بغیر پارلیمنٹ کے منظورہ محاصل کی مدد کے بادشاہ امور سلطنت کو سنبھال سکتا تھا۔ یہی ایک سوال تھا جس کے جواب پر سب کچھ منحصر تھا۔ لوئی چہار دہم کی اعانت سے چارلس دوم پارلیمنٹ کا محتاج نہ رہا اور 1681ء سے 1685ء وفات تک اس نے کوئی پارلیمنٹ منعقد نہیں کی۔ اتنا ہی اس کی کامیابی کے لئے کافی تھا اور پھر رائے عامہ بھی پلٹ کر اس کے موافق ہوگئی۔ پاپائی کے کنوئیں میں وہی گر پڑے جنہوں نے اس کو وضع کیا تھا یا کام میں لائے تھے۔ وھگ لوگ بالکل اعتبار سے گر گئے۔ شافٹس بری ہالینڈ کو بھاگ گیا اور وہیں فوت ہوا۔ رائے عامہ کے ردعمل کی وجہ سے جیمس ڈیوک آف یارک (Duke of York) جس کے خلاف مسودہ "قانون اخراج" مرتب ہو رہا تھا بادشاہ کے دربار میں لایا گیا اور اس عہد حکومت کے آخری دو سال میں اس کا بہت اثر رہا۔

لیکن بادشاہ کی کامیابی کی بدولت خارجی امور میں انگلستان کمزور ہوگیا۔ جب چارلس دوم پارلیمنٹ منعقد نہیں کرسکتا تھا تو یہ ظاہر تھا کہ وہ کوئی حربی یا بحری مہم کا بھی خیال دل میں نہیں لاسکتا تھا کیونکہ اس کے لئے سرمایہ پارلیمنٹ ہی کے ذریعہ سے جمع ہو سکتا تھا اور یہی زمانہ لوئی چہار دہم کے "الحاق مکرر" (Reunions) کی عدالتوں کا تھا جس کے ذریعہ سے اس نے لکسمبرگ کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ اگر پارلیمنٹ ہوتی تو وہ ضرور مداخلت کرنے پر اصرار کرتی اور دوسرے ممالک کی نظر بھی انگلستان پر تھی کہ وہ اس معاملے میں کچھ رہبری کر دے گا۔ لیکن کوئی رہبری نہ ہوئی اور اسٹراسبرگ (Strassberg) لکسمبرگ (Luxemberg) وکیسل (Casselle) بلا کسی مقاومت کے بجز جرمنی کی ایک ناکام احتجاج اور اسپین کی ایک بے سود حربی کوشش کے فرانس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قبضہ میں آگئے۔

جیمس دوم کے آثار : 1685ء میں جیمس دوم جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو شاہی اقتدارات میں اضافہ ہونے کے آثار تھے۔ وہگ فرقہ تو ساقط الاعتبار ہوچکا تھا۔ پارلیمنٹ بھی مطیع تھی۔ اگر جیمس دوم دانشمندی سے کام لیتا اور سیاست کو مذہب سے جدا رکھتا تو 1688ء کا انقلاب ممکن ہے کہ شاہی طرز حکومت کی کامیابی کا باعث ہوجاتا۔ اور انگلستان کی حکومت فرانسیسی نمونہ کی ہوتی۔ لیکن اس میں دانشمندی کی صفت نہ تھی اور اپنے مذہب کی خاطر وہ خطرہ میں پڑنا اور قربان ہو جانا پسند کرتا تھا۔ اس کی نیت تھی کہ انگلی کلیسہ سے اختلاف رکھنے والے پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھلک لوگوں کے ساتھ روا داری کا سلوک جائز کرا دے۔ لیکن پارلیمنٹ میں پروٹسٹنٹ احساس شاہیت سے زیادہ قوی تھا اور پارلیمنٹ والوں نے بادشاہ کے ساتھ اتحاد عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی۔ اور اس کے بعد بادشاہ سے حماقت پر حماقت سرزد ہوتی رہی۔ اس کے مذہبی مراعات کے اعلان کو ملک یوں بھی تسلیم نہ کرتا۔ لیکن فرانس میں۔ "فرمان نیشنز" (Nantes) کے استرداد کی وجہ سے اور بھی مخالفت بڑھ گئی کیونکہ اس سے یہ عیاں ہوگیا کہ رومن کیتھلک مذہب کبھی مساوات پر قائم نہیں رہ سکتا۔ انگلستان کے رومن کیتھلک لوگوں کو عبادت کی آزادی دینے کے متعلق بادشاہ کی رائے بالکل درست و حق بجانب تھی کیونکہ سلطنت کے خلاف غداری کرنے کا خیال انہوں نے مدتوں سے ترک کر دیا تھا۔ لیکن فرانس میں پروٹسٹنٹ لوگوں کے ساتھ لوئی چہار دہم کا ظالمانہ سلوک اور پھر لوگوں کے ذہن میں یہ خیال کہ رومن کیتھلک مذہب اور مطلق العنانی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ باتیں ایسی تھیں کہ کسی ایسے تغیر کا امکان بھی جو حقیقت میں درست و منصفانہ تھا جاتا رہا۔ سات اسقفوں پر غداری کا الزام لگایا گیا اس وجہ سے کہ انہوں نے ایک خلاف قانون فرمان کے خلاف ایک محضر پیش کیا تھا۔ اس الزام سے عام ناراضی پھیل گئی۔ اور جب یہ اسقف عدالت سے بری ہوگئے تو لوگوں کے جوش و خروش کی انتہا نہ تھی۔ اسی اثناء میں خلاف امید بادشاہ کے یہاں ایک صاحبزادہ پیدا ہوا۔ اور اس سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوگیا کہ بادشاہ کی وفات سے بھی شاہی طرز حکومت میں کوئی فرق رونما نہ ہوگا۔ کیونکہ نوزائیدہ بچہ اپنے باپ کے مذہب کی تعلیم پائے گا۔ اور آئندہ اسی کے سیاسی تدابیر پر عمل کرے گا۔

ولیم سوم کی آمد : اس لئے بادشاہ کے داماد ہالینڈ کے اسٹیتھالڈر (Stathalter) ولیم سوم (Williarn III) کو جو یورپ میں پروٹسٹنٹ مذہب کا حامی اور فرانس کا سخت دشمن مشہور تھا طلب کیا گیا کہ وہ آکر پروٹسٹنٹ مذہب اور انگلستان کی پارلیمنٹی آزادی کو بچائے۔ اس واقعہ کا یورپی سیاسی حالت پر کیا اثر پڑا۔ ہم بتلا چکے ہیں۔ اور یہ بھی ہم بتلا چکے ہیں کہ ہالینڈ میں لوئی چہار دہم اگر چڑھائی کردیتا تو ولیم سوم وہاں سے ہرگز نہ روانہ ہوسکتا۔ لیکن اس نے ایسا کرنے کے بجائے رائن (Rhine) کے شہروں پر حملہ کردیا۔ اس لیے ولیم جہاز پر سوار ہوا اور 5 نومبر 1688ء کو توربے (Torbay) پر آکر اترا جیمس نے کچھ توضعف ارادت سے اور کچھ صورت حال کا غلط اندازہ کرکے یہ خیال کیا کہ فرانس کی مدد سے وہ انتقام و فتح حاصل کرے گا۔ اسی خیال سے مقاومت ترک کرکے وہ فرانس کو چل دیا۔ ولیم سوم بادشاہ بنا دیا گیا۔ اور اس طرح 1688ء کا انقلاب تکمیل کو پہنچا۔ ولیم کو ایک عرصہ تک جنگ وجدال میں مصروف رہنا پڑا اور اس اثناء میں بعض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نازک مواقع بھی پیش آئے تب جاکر کہیں 1697ء میں صلح رزوک (Reswiek) کے ذریعہ سے یہ انقلابی بندوبست قائم ہوا۔

1688ء کا انقلاب : یہ انقلاب تھا کیا جس کو ایک مدت تک "شاندار انقلاب" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ گو اب اس فقرہ کا رواج نہیں رہا۔ اس کے بعد سے یورپ میں ایسے نتیجہ خیز و تہلکہ خیز انقلابات ہوئے ہیں کہ 1688ء کے انقلاب کو شاندار انقلاب کہنا کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ "نسبتاً" یہ انقلاب بہت باقاعدہ و باضابطہ ہوا تھا اور انگلستان میں اس کی بدولت خونریزی بھی بہت کم ہوئی۔ 1688ء اور 1789ء یا 1848ء کے خیالات میں کتنا تخالف ہے لیکن 1688ء کا (انقلاب) زیادہ کامیاب رہا اور اس کے نتائج دو مدات کے تحت بتلائے جاسکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بادشاہ اور حکومت کے مقابل میں ہر انگریز کو کامل آزادی حاصل ہوگئی۔ آئندہ یہ جھگڑا باقی نہ رہا کہ بادشاہ بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے محاصل عائد کرسکے۔ یعنی بادشاہ بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے محاصل اجرا نہیں کرسکتا تھا اور بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے نہ مستقل فوج رکھ سکتا تھا نہ کسی کو بلا تحقیقات قید کرسکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ جو اختیارات کہ پہلے بادشاہ کو حاصل تھے وہ 1688ء کے انقلاب کی بدولت گو "فوراً" تو نہیں لیکن رفتہ رفتہ پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آئے حالانکہ اس وقت تک پارلیمنٹ عوام کی نمائندہ نہیں ہوئی تھی۔ دار الامراء و دار العوام دونوں کی وجہ سے اصل قابواعیاں دولت کا ہوتا تھا اور "تقریباً" ڈیڑھ سو برس تک انگلستان کے زمیندار شرفا پارلیمنٹ کے حل و عقد کے مالک بنے رہے فرانس اس معاملے میں کسی قدر انگلستان سے مختلف تھا۔ وہاں اشرافیہ بے دخل ہوچکی تھی اور بادشاہ اپنے مقرر کردہ انٹنڈنٹ (Intendant) و دیگر ملازمین کے ذریعہ سے حکومت کرتا تھا جو عموماً" متوسط طبقہ کے لوگ ہوتے تھے۔ پارلیمنٹ میں زمیندار اشرافیہ کے قائم رہنے سے ہی سلطنت برطانیہ قائم ہوسکی۔ اس کی مثال روما کے سنیات (Senate) کی سی تھی جس نے سلطنت روم قائم کی۔

آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ میں انقلاب : ولیم سوم کی حکومت کو خارجی امور سے زیادہ تعلق رہا۔ اس حکایت دھرانے کی ضرورت نہیں البتہ اتنا بتلا دینا چاہتے ہیں کہ پرسبیٹرین مذہب جس کو اسٹورٹ خاندان نے اکھیڑ دینے کی کوشش کی تھی اسکاٹ لینڈ میں مستقل جڑ پکڑ چکا تھا۔ اسکاٹ لینڈ اب بھی ایک خود مختار ملک تھا جس کو انگلستان سے اس قدر تعلق ضرور تھا کہ دونوں ملک کا حکمران ایک ہی شخص ہوتا تھا۔ اس انقلاب نے دونوں ملکوں کے روابط کو اور زیادہ مضبوط کردیا اور اس کے بعد کے عہد میں وہگ وزارت نے اسکاٹ لینڈ کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ اسکاٹ لینڈ اور انگلستان دونوں کی پارلیمنٹیں ایک میں ضم کرکے برطانیہ عظمی کی پارلیمنٹ قائم کر دی جائے۔ سترھویں صدی میں آئرلینڈ کی تاریخ ایک طویل و غمناک حکایت ہے۔ کیتھلک مذہب کے جوش اور انگلستان کی منافرت کے باعث یہ ملک جیمس دوم کا طرفدار ہوگیا تھا۔ ایک زمانے میں بڑی کامیابی کی امید بھی ہوگئی تھی مگر جنگ بواین (Bayne) میں ولیم سوم نے اور بعد میں ڈیوک آف مارلیرا نے اسٹورٹ خاندان کی سب امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ آئرلینڈ کے پروٹسٹنٹ زمینداروں کی عظمت ملک میں قائم تھی اور ایک صدی تک اس کو کوئی صدمہ نہ پہنچا۔

قانون وراثت : عہد حکومت کے آخری زمانے میں جب ولیم سوم کے کوئی اولاد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کی امید نہ باقی رہی اور اس کی سالی شہزادی این (Anne) سے اولاد کی امید رہی جو تخت نشین ہوسکے تو ایک "قانون وراثت" (Act of Settlement) منظور کیا گیا جس کی رو سے جیمس دوم (Jarnes II) کی اولاد اور دوسرے کیتھلک مذہب کے متعین کو تخت سے محروم الارث قرار دیا گیا اور تخت و تاج ہنوور (Electroess of Hanover) الکٹرس (منتخب حکمران) کو منتقل کر دیا گیا۔ جو جیمس اول کی نواسی اور پروٹسٹنٹ مذہب کی پیرو تھی۔ اس طور پر گویا شاہی کا دار و مدار پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہونے کا دوبارہ ثبوت و اظہار ہوگیا۔

ملکہ این (Anne) : ملکہ این (Anne) کے عہد حکومت کا مختصر حال بھی درج کیا جاتا ہے۔ اس عہد کا خاص واقعہ تخت اسپین کی وراثت کی جنگ تھی جس کا حال بیان کیا جاچکا ہے۔ اس عہد کے داخلی امور کے متعلق بھی ہم کو کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ٹوری (Tory) فرقہ پھر برسر اقتدار آگیا اور یہ لوگ "قانون وراثت" (Act of Settlement) کو مسترد کرکے بجائے ہنوور کے الکٹرا (منتخب حکمراں) کے جیمس دوم کے بیٹے کو جو رومن کیتھلک تھا تخت پر بٹھانے کے کوشاں تھے۔ اس میں کوئی راز کی بات نہ تھی کیونکہ 1688ء کا انقلاب اقلیت کا فعل تھا۔ اور پاپائی اقتدار کی منافرت و خوف کی وجہ سے قوم بھی شریک ہوگئی تھی۔ لیکن ولیم سوم کبھی ہر دلعزیز نہ ہوسکا۔ اور خاندان اسٹوارٹ کی محبت اب تک لوگوں کے دلوں میں باقی تھی۔ انگلیسی کلیسا بھی اس جذبہ وفا شعاری کی آبیاری کرتا رہا کیونکہ بادشاہوں کے خداداد حقوق کے مسئلے کی اب بھی وہ تلقین و تبلیغ کرتا تھا۔ ملکہ این کے عہد میں ٹوری فرقہ کو موقع مل گیا۔ خود ملکہ کو ان لوگوں سے ہمدردی تھی۔ کلیسا بھی ان کی پرجوش تائید کرنے لگا۔ یہ جدوجہد اصل میں وھگ لوگوں کی ایک لڑائی تھی اور شروع شروع تو وھگ فرقہ ہی برسر اقتدار رہا۔ لیکن جوں جوں یہ لڑائی بڑھتی گئی تو ملک میں جان و مال کے نقصان سے تنگ آگیا اور ٹوری لوگوں کو آگے بڑھنے کا موقع مل گیا مارلبرو کی ڈچس (Duches of marlbrough) سے ملکہ کا جھگڑا ہو جانے سے یہ تغیر اور بھی جلد ظہور پذیر ہوگیا۔ یہ ایسی سازشوں کا زمانہ تھا کہ انگلستان کی حالیہ تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں پائی جاتی اور اس میں آکسفورڈ (Oxford) و بولنگ بروک (Bolingbroke) نے خاص طور پر حصہ لیا۔

ہینوور خاندان کی تخت نشینی : ملکہ این (Anne) کی ناگہانی موت سے اور خود ٹوری سرداروں میں جھگڑا پڑ جانے سے اسٹوارٹ خاندان کا کوئی شخص تخت پر بیٹھ نہ سکا اگر ہنوور خاندان کی تخت نشینی روکنا مقصود تھا تو پھر ایک جنگ کرنا پڑتی۔ لیکن بولنگ بروک (Bolingbroke) میں اتنی ہمت نہ تھی۔ 1714ء میں بغیر کسی مخالفت کے جارج اول بادشاہ تسلیم کرلیا گیا اور انگلستان کی تاریخ کا ایک اہم و ممتاز دور ختم ہوگیا۔

برطانوی تاریخ میں سترھویں صدی کا زمانہ غیر ملک والوں کی زیادہ دلچسپی کا باعث ہوا ہے اس عہد میں بڑے مشہور اور حیرت انگیز واقعات پیش آئے ہیں اور ان واقعات میں بڑے بڑے لوگوں اور خاص اصول کا دخل رہا ہے۔ اس تمام عہد میں ایک سلسلہ مبارزت قائم رہا اور ان مبارزین میں بعض ایسی شریف ہستیاں گزری ہیں جن کی نیک نامی کی وجہ سے انگلستان والے [illegible] ناز کرسکتے ہیں۔ علم و ادب میں اس عہد نے وہ مرتبہ نہیں حاصل کیا جو سولھویں [illegible] انگلستان کو [illegible] معاشرتی [illegible] کے لئے [illegible]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہی کا اعادہ و انحطاط کا دیباچہ تھا۔ انگلستان والوں نے فرانس کے طرز معاشرت و خیالات کے معائب تو اختیار کرلیے اور لوئی چہار دہم کے عہد کے محاسن کی تقلید سے بے بہرہ رہے لیکن چارلس دوم (Charles) اور اس کے عیش پرست مصاحب اور لندن کے رنگین مزاجوں کو انگلستان کا نمونہ نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ انگلستان کے صرف ایک طبقہ خاص کے نمائندے کہے جا سکتے ہیں۔ جس عہد میں چارلس دوم بکنگھم (Buckingham Charles II) ٹائٹس اوٹس (Titus Oats) ہوئے تھے اسی عہد میں ملٹن (Milton) نیوٹن۔ (Newton) رن۔ (Wren) بیسن (Bunyan) اور پن (Penn) ایسے بزرگ بھی گزرے ہیں۔

نیوٹن کی کتاب پرنسپیا 1687ء : رن (Wren) احیائے علوم کے بعد انگلستان کا سب سے بڑا میر عمارت ہوا ہے اور سینٹ پال (St. Paul) اور دیگر گرجاؤں کی خوبصورتی کا صحیح اندازہ ابھی تک نہیں ہوسکا ہے۔ نیوٹن (Newton) کی کارگزاری بھی انسانی ذہن کی سب سے بڑی کامیابی کا نمونہ ہے۔ انگریزی کے اس ہیت سے "کہ قدرت اور قانون قدرت اخفا میں تھے خدا کے حکم سے نیوٹن کا ظہور ہوا تو سب روشنی پھیل گئی۔" نیوٹن کے پیش رواں کی جدوجہد کا کچھ اندازہ نہیں ہوتا جس کی بدولت خود نیوٹن ایسی زبردست کامیابی حاصل کرسکا لیکن اس میں شک نہیں کہ اصول ریاضی کو ترقی دے کر اور کشش اراضی کے صحیح قانون کو معلوم کر کے اس نے اجرام فلکی کی گردش کے صحیح قانون کو دریافت کرلیا اور اس طور پر نظام عالم کا ایک صحیح پتہ اس نے انسان کے ہاتھوں میں پہنچا دیا۔

مذہبی سردار : یہ صدی پرجوش مذہبی مناقشات سے بھی پر تھی صدر اسقف لاؤ (Laud) کی حیات کے سیاسی اثرات کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ لیکن اس کے افعال کے سیاسی نتائج کے سوا انگلستان کی تاریخ میں اس کا نام یوں بھی ممتاز ہے کہ انگلستان کے مقررہ مذہب کا قرون وسطی کے کیتھلک مذہب سے صاف و صریح تعلق ہونا تسلیم کرلیا گیا۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ انگلستان کے مقررہ مذہب سے انحراف کرنے والوں میں بڑے بڑے لوگ یا کم ازکم ان کی تصانیف پیورتن فرقہ کی فتح و کامیابی کے زمانے میں نہیں بلکہ اس کی شکست کے زمانے میں ظہور پذیر ہوئیں انجمن احباب کے بانی مبانی (Society of Friends) مسٹر فاکس (Fox) نے 1648ء میں کام شروع کیا اور چارلس دوم و جیمس دوم کے عہد حکومت تک سرگرم کار رہا اور 1690ء میں فوت ہوا۔ پن (Pen) بھی اس انجمن کا سربرآوردہ رکن تھا اور فاکس سے کم اس کو شہرت نہیں ہوئی۔ بلکہ امریکہ سے اسے تعلق ہونے کی وجہ سے اور پنی سلوینا (Pennsylvania) آباد کرنے سے اس کو بھی شہرت نصیب ہوئی۔ بنیان (Bunyan) کی مشہور کتاب پلگرمس پراگرس (Pilgrim's Progress) 1678ء میں طبع ہوئی۔ اس کی زندگی اور تصانیف سے اس زمانے کے انگلستان کے مقررہ مذہب سے انحراف کرنے والوں کی قوت و عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

ملٹن (Milton). : انگلستان کے مقررہ مذہب سے انحراف کرنے والوں کی خصوصیت بتلانے کے لئے ملٹن (Milton) کا نام فاکس پن اور نیسن کے نام کے ساتھ بھی شریک کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس کی روح مثل ایک ستارہ کے تھی جو سب سے علیحدہ و ممتاز ہو۔ انگلستان کے شعرا میں اس سے اعلی کوئی نہیں ہے اور اس کے کمال کو سمجھ لینا شعر فہمی کی دلیل ہے۔ پیراڈ ایزلاسٹ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فردوس گم شدہ) 1678ء میں طبع ہوئی جبکہ انگلستان ہالینڈ والوں کے ہاتھ سے ہزیمت و خفت اٹھا چکا تھا اور چارلس دوم کے دربار کی بری حالت لوگوں کو نظر آنے لگی تھی۔

ہابز (Hebbes) : اس صدی میں علم السیاست کا بھی مشغلہ جاری رہا جو کہ ہمیشہ تجربات و مسائل وقت کے زیر اثر رہتا ہے۔ ابتدا" بادشاہوں کے خداداد حق کا غلغلہ رہا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ خانہ جنگیوں کے زمانے میں انگلستان کے مصائب دیکھ کر ہابز (Hobbes) نے لیو میتھن (Leviathan) تصنیف کی جو سلطنت جمہوری کے مادہ صورت اور اقتدار کے متعلق تھی۔ اس قسم کی خرابیوں کا علاج (جیسی کہ خانہ جنگی کے زمانے میں رونما ہوئی تھیں) اس کے نزدیک صرف ریاست (سلطنت) اور اس کے حکمراں کی قوت کے ذریعے سے ممکن تھا اس کی اس تصنیف کا اثر تمام دنیا پر پڑا۔ اور ریاست (حکومت) کے بڑھانے میں اس کی تصنیف ٹرا ئشکے (Treitschke) اور دوسرے جرمن مصنفین کے فلسفہ سیاست سے بہت مشابہت رکھتی تھی۔ پیورتن بغاوت کا عکس جس طرح ہابز (Hobbes) پر پڑا۔ اسی طرح 1688ء کے انقلاب کے عقائد کولاک (Lock) نے اختیار و بیان کیا۔ بادشاہوں کے خدائی حقوق کا بھی وہ مخالف تھا اور ہابز (Hobbes) کی مطلق العنان ریاست (حکومت) کا بھی۔ اس کے خیال کے مطابق ریاست (حکومت) کی بناء ایک باہمی معاہدہ پر تھی اور اس وجہ سے ایک محدود شاہی اور محدود دستور کے قیام کی ضرورت اس نے بتلائی۔ ایک صدی تک وہگ اور انگلستان کے دستور اسی کی تصانیف کے تابع رہے۔

---

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 16

لوئی چہار دہم کا زمانہ

(Louis XIV)

کچھ مدت سے فرانس میں بادشاہ تو برائے نام حکومت کرتا تھا۔ حقیقی حکومت تو وزیراعظم کی ہوتی تھی۔ اس وجہ سے جب مزارین (Mazarin) فوت ہوا تو یہی خیال ہوا کہ اس کا کوئی جانشین ضرور ہوگا۔ مگر تو عمر بادشاہ لوئی چہار دہم اس بات پر تلا ہوا تھا کہ حکومت کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے لے اور جب اس نے اس کا اعلان کر دیا کہ وہ خود اپنا وزیراعظم رہے گا تو اس کے درباریوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ اپنے ارادے پر قائم رہا اور اپنے طویل عہد حکومت کے آخر تک کی فرانس کے داخلی و خارجی معاملات کو خود ہی سلجھاتا رہا۔ لوئی چہار دہم جب تخت نشین ہوا تھا تو اس کی عمر صرف پانچ سال کی تھی اور اب تک اسے اپنی لیاقت ظاہر کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اس کی قابلیت و اطوار کے متعلق اختلاف آرا ہے لیکن اس طویل مدت میں جب کہ فرانس یورپ کی سب سے مضبوط طاقت تھا اس نے جس طرح فرانس کے معاملات درست رکھے اس سے اس کی اعلیٰ تدبر اور یورپ کے سیاسی حالات کماحقہ واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ خود کوئی بڑا سپاہی نہ تھا۔ اور نہ کسی بڑی مہم میں وہ شریک ہوا لیکن محاصرے کے فن میں اس کو بڑی دلچسپی تھی اور ان محاصروں میں خود بھی موجود رہتا تھا جن کے ذریعے سے بڑے بڑے قلعے فرانس کے قبضے میں آگئے۔ یورپ کی تاریخ اسے سپاہی یا مدبر کی حیثیت سے نہیں پیش کرتی بلکہ موجودہ زمانے کا اعلیٰ و بہترین شخصی حکومت کا نمونہ ثابت کرتی ہے وہ بڑے رکھ رکھاؤ کا آدمی تھا اور صورت شکل بھی اس کی بہت اچھی تھی اور اخلاق جو طرز عمل کے لحاظ سے وہ یورپ کی سب سے زیادہ قوی اور اعلیٰ ترین شخصی حکومت کا موزوں نمائندہ تھا۔ اس کا دربار بڑا عالیشان و گراں خرچ تھا۔ اور فن تعمیر مصوری و قلم ادب کی ترقی کے باعث اس کا عہد حکومت بے مثل سمجھا جاتا ہے۔

یورپ کے تمام سلاطین بھی سمجھتے تھے کہ بادشاہ ہونا چاہئے تو ایسا اور حکومت ہونی چاہئے تو ایسی جیسی فرانس میں ہے ہر جگہ پارلیمنٹی اور نیابتی ادارے روبہ زوال تھے البتہ انگلستان میں ان کا زور تھا لیکن 1660ء میں جب چارلس دوم پھر تخت نشین ہوگیا تو انگلستان میں بھی ان پر سخت ذلیل حملے شروع ہوگئے۔ اس زمانے کی حالت کے لحاظ سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ دنیا کے متمدن ممالک میں کبھی بھی کوئی نیابتی ادارے قائم ہو سکیں گے۔ مستقبل میں شاہی مطلق ہی کے آثار پائے جاتے تھے۔

فرانس میں مرکز حکومت خود بادشاہ کی ذات تھی۔ پارلیمنٹ پر ہر طرح کا دباؤ ڈالا جاتا تھا۔ اسٹیٹس جنرل (States-General) (مملکتوں کی مجلس عامہ) کا انعقاد ہی نہیں ہوتا تھا۔ ہر مقام کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صوبہ داری و شہری ادارے شاہی حکومت کے تابع بنا دیئے گئے تھے۔ حکومت کی اصلی کل شاہی کونسل اور اس کی متعلقہ کونسلیں تھیں۔ ان چھوٹی چھوٹی کونسلوں کے ذمے سلطنت کے مختلف محکمے دیدئے گئے تھے۔ ان کونسلوں میں امراء نہیں رکھے گئے تھے۔ بلکہ متوسط طبقے کے لوگ شریک کئے گئے تھے۔ بادشاہ کے طرز حکومت کا یہی خاص جزو تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ میں عوام کو بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ میں اپنے مشیر کار ایسے طبقے سے اس وجہ سے منتخب کرتا ہوں کو کہ یہ معلوم ہو جائے کہ میں اپنے اقتدارات میں کوئی حصہ نہیں لینا چاہتا ملک کے اہم مسائل کا تصفیہ شاہی کونسل ہی سے ہوتا تھا۔ ان فیصلوں کی بجا آوری شاہی کارندوں کے ذمے تھی خصوصاً" این تاندان (Intendent) مہتمم امور عامہ کے ذمے۔

اس عہد کے شاندار علمی کارنامے : یہ دور فرانس کے لئے بڑی شان و شوکت کا ثابت ہوا۔ کیونکہ زندگی کے ہر شعبے میں ممتاز ہستیاں نمودار ہوئیں۔ اس عہد کی شان و شوکت کا اندازہ ان بڑے علماء و اہل تصنیف سے ہوسکتا ہے جو خود بادشاہ کی صحبت سے فیضیاب ہوتے تھے فرانسیسی ڈراما کے تین سب سے بڑے مصنف کورنٹی (Corneille) راسین (Racine) مولیر (Moliere) اسی عہد میں گزرے ہیں گو اول الذکر نے اپنی سب سے زیادہ مشہور تصنیف لوئی چہار دہم کے عہد حکومت سے پہلے ہی شائع کر دی تھی۔

مولیر (Moliere) : بادشاہ اور مشہور ڈراما نویس مولیر (Moliere) میں ذاتی دوستی تھی اور درباریوں و پادریوں کے حملے سے مولیر کو بچانے میں بادشاہ خود حصہ لیتا تھا اس عہد کے ڈراموں اور خصوصاً" مولیر کے تصانیف سے ہم کو شاہی دربار کے انداز اور ذہن کی رسائی کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ دربار والے اس پایہ کے ڈراموں کی داد دے سکتے تھے علم و ادب کے ہر شعبہ میں یہی حالت تھی فلسفہ دے کارت (Descartes) پاسکال (Pascal) بوسوے (Bossuet) فے لون (Fenelon) نے نام پیدا کیا۔

سین سی مون : اس عہد کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سے تذکرے اور سرگزشتیں تصنیف ہوئیں۔ ان میں سب سے بڑی تصنیف تذکرہ سین سی مون (Saint Simon) ہے۔ جو لکھی تو گئی تھی اسی زمانے میں مگر اس وقت شائع نہیں کی گئی۔ اس کا مصنف شاہی مطلق العنانی کا سخت مخالف تھا اور اعیان و اشرافیہ کے و عادی و حقوق کا بڑا طرف دار تھا۔ اس نے اس زمانے کی روایتوں اور ذلیل و بدنام کن واقعات کو بالتفصیل لکھا ہے خصوصاً" ایسے واقعات جن سے بادشاہ اور اس کے درباریوں پر حرف آسکے ان میں بہت سے واقعات کی صداقت تو مشتبہ ہے مگر پھر بھی یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی مواد موجود ہے کہ بادشاہ کے دربار کا ایک رخ ایسا بھی تھا جو دیانت و اخلاق اور صحیح الخداقی سے۔ گرا ہوا تھا۔ کار زار میں بادشاہ کے ماتحتین نے قابل تعریف خدمت کی۔ گذشتہ عہد کے بڑے بڑے سپہ سالار اس کو ملے تھے۔

کانڈی۔ ٹورین : کانڈی (Conde) اور ٹورین (Turenne) عروج پر تھے اور مغربی یورپ میں کوئی سپہ سالار ان کے مقابل کا نہ تھا۔ انہی کے ساتھ مشہور انجینرو وچ بون (Vauban) کا نام بھی شریک کرنا چاہئے جس کی فوجی قابلیت مذکورہ بالا اشخاص سے کم نہ تھی اور اس عہد کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخری حصہ میں بادشاہ کے خطرناک طرز عمل کی ممانعت کرکے اس نے اپنے کو ایک سچا اور پکا محب وطن بھی ثابت کردیا۔ ان ہی لوگوں کی طرح جو فوجوں کی کمان کرتے تھے اور لڑائی کی تجویزیں عمل میں لاتے تھے۔

لوووا (Louvois) : بادشاہ کا وزیر دج لووا بھی (Louvois) قابل قدر تھا۔ یہ شخص بڑا تنک مزاج اور سخت گیر تھا اور کئی صورتوں میں اس کا اثر حکومت وقت کے لئے مضر بھی ثابت ہوا لیکن فوجوں کو آراستہ کرنے میں اور ان تمام کاموں میں جو ایک وزیر فوج کو کرنا چاہئے تمام یورپ میں کوئی اس کا عدیل نہ تھا۔

جب لوئی چہار دہم تخت نشین ہوا تو فرانس اپنے عروج پر تھا۔ کوئی سلطنت یورپ میں ایسی نہ تھی جو تنہا اس کے مقابلے پر آسکے بلکہ بڑے بڑے اتحادی جتھوں کا بھی وہ مقابلہ کرسکتا تھا۔

کولبر (COLBERT) : لیکن اس کی مالی حالت بہت ابتر اور افسوس کے قابل تھی۔ فوکے (Fouquet) وزیر مالیات نے جنگ کے زمانے میں کچھ تدبیریں نکالیں تھیں لیکن اس کے متعلق یہ خیال تھا کہ اس نے ناجائز ذرائع سے بہت بڑی دولت جمع کرلی ہے۔ لیکن اس کا اثر ایسا تھا اور اس کے معاونین اتنے تھے کہ اسے نکالدینا مشکل تھا۔ بادشاہ کو اپنے ہی وزیر کے خلاف سازش کرنا پڑی اور آخرکار فوکے (Fouquet) برطرف کردیا گیا اور دائمی قید میں ڈالا گیا۔ اس کے بجائے مالیات کا انتظام کولبر کے ہاتھوں میں دے دیا گیا۔ (Colbert) کولبر کا نام اس کے عہد کے معروف ترین ناموں میں ہے اور اس سے زیادہ لائق اور قابل اعتماد وزیر فرانس کو نصیب ہی نہیں ہوا۔ وہ مزارین (Mazarin) کی ماتحتی کرچکا تھا۔ اور مزارین نے اس کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ فرانس کی مالی حالت سنبھالنے میں وہ ہمہ تن مصروف ہوگیا۔ اس کے کاموں کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی کارگزاری کا ایک خاکہ پیش کردینا ضروری ہے۔ سب سے پہلے محاصل کے وصول و انتظام کی طرف اس نے توجہ کی۔

اس مد میں اس نے کوئی اصولی تبدیلی نہیں کی اس نے تقریباً" وہی محاصل قائم رکھے اور وصول کا طریقہ بھی وہی رکھا جو پہلے تھا۔ لیکن سخت نگرانی اور حکومت کے ان ملازمین کو جو ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے سخت سزائیں دے کر اس نے ملک پر جو بار محاصل کی وجہ سے تھا بہت ہلکا کر دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ آمدنی محاصل بھی سابق سے زیادہ ہوگئی لیکن اس نے محاصل کے انتظام و نگرانی تک اپنے کو محدود نہیں رکھا بلکہ فرانس کے لئے نئے ذرائع آمدنی و دولت کی بھی فکر کرنے لگا۔ فرانس اب تک تجارتی ملک نہ تھا بلکہ تمام مصنوعہ اشیاء وہ قریب کے ممالک سے درآمد کرتا تھا۔ کولبر نے یہ حالت بدل دینے کا ارادہ کیا۔ جراب بننا اور کپڑا بننا اور لیس بنانا اور شیشے کے آلات بنانا یہ سب سکھانے کے لئے اس نے انگلستان ہالینڈ اور اٹلی کے کاریگروں کو فرانس میں آنے کے لئے ترغیب دی اور جب یہ صنعتیں فرانس میں قائم ہوگئیں تو اس نے غیر ملکی اشیاء پر زبردست محصول عائد کرکے ملکی اشیاء سے مقابلہ کرنے سے روک دیا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے گماشتوں کے ذریعے سے اشیاء کی تیاری پر بھی نگرانی رکھتا تھا۔ اس کا یہی کام بہت مشہور ہے جس کی وجہ سے کولبر ٹزم (Colbertism) کالیریٹ بعض ملکوں میں محفوظ تجارت کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اس کی قائم کردہ صنعتیں بہت ہی تھوڑے دنوں میں جاتی رہیں لیکن ان میں سے بعض تو فرانس کی مستقل آمدنی کا ذریعہ بنیں ساتھ ہی ساتھ اس نے تجارت کو بہت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فروغ دیا۔ یورپ کی بحری تجارت اس زمانے میں انگلستان اور ہالینڈ کے ہاتھوں میں تھی اور منشوری جماعتوں کے ذریعہ سے یہ ممالک تجارت کرتے تھے۔ کولبر نے سوچا کہ کیا یہی طریقہ فرانس کے لئے کبھی کار آمد نہیں ہوسکتا۔ بحر ہند بحر اٹلانٹک، بحر متوسط اور امریکہ میں تجارت کرنے کے لئے کمپنیاں قائم کی گئیں۔ اس میں بھی ایسا ہوا کہ بہت سی کمپنیاں (جماعتیں) تو ٹوٹ گئیں لیکن بعض بہت دنوں تک قائم رہیں بہرحال اس مین کلام نہیں کہ اس کے زمانے میں فرانس کی تجارت بہت بڑھ گئی۔

یہی نہیں بلکہ سڑکیں عمدہ عمدہ بنوائی گئیں نہریں جاری کی گئیں اور جہاز سازی کو بہت ترقی دی گئی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ فرانس بھی انگلستان کی طرح تجارتی و صنعتی اغراض کو سب چیزوں پر مقدم رکھے گا۔ کولبر نے فرانس کے بیڑے کو بھی انگلستان اور ہالینڈ کے بیڑوں کے برابر کا بنا دینا چاہا۔

لوئی چہار دہم : لوئی چہار دہم کے ابتدائی عہد حکومت میں بہت سی باتیں ایسی تھیں جس کی وجہ سے اس کی حکومت عام پسند سمجھی جاتی تھی۔ وہ سب کے ساتھ یکساں انصاف کرتا تھا۔ اور اس نے یہ ظاہر کردیا کہ قانون کے مقررہ تعزیرات سے کوئی شخص اپنی امارات یا ریاست کی وجہ سے نہیں بچ سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ فرانس کے اکثر و بیشتر لوگ اس کی حکومت صدق دل اور جوش سے پسند کرتے تھے۔ لیکن اس کے عہد حکومت کا پرامن زمانہ تھوڑے ہی دنوں تک رہا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ جنگ کے ایسے سلسلے میں پھنس گیا جس میں شروع شروع تو وہ فتحیاب رہا لیکن جس کی وجہ سے روز بروز یورپ کی سلطنتوں کا جتھا اس کے خلاف قائم ہوتا رہا اور بالآخر فرانس اس بارگراں کو برداشت نہ کرسکا اور اس کے ذرائع خالی ہوگئے اور لوئی چہار دہم کے عہد کی شان و شوکت ناکامی اور بدنامی سے بدل گئی۔

جنگ ارث : اس سلسلے کی پہلی لڑائی "جنگ ارث" یا جنگ ملکہ کے نام سے مشہور ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ لوئی چہار دہم نے جب اسپین کی شہزادی میریا تھریسا سے عقد کیا تھا تو اس نے عہد کیا تھا کہ اسپین کے ملک و تاج کے متعلق اپنی بیوی کی طرف سے وہ دعویدار نہ ہوگا۔ لیکن 1665ء میں جب فلپ چہارم (Philip IV) شاہ اسپین کا انتقال ہوا تو لوئی چہار دہم نے فوراً" ہسپانیہ کے مقبوضات نیدرلینڈز کے متعلق اپنی بیوی کی طرف سے دعوی کردیا۔ وہ اس بات پر قائم تھا کہ معاہدہ پرنیز (Pyrennese) کی شرط کے مطابق جہیز کا روپیہ نہیں دیا گیا اس لئے وہ بھی اپنے وعدے کا پابند نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی جتایا کہ نیدرلینڈز کے قانون وراثت کی عجیب خصوصیت یہ ہے کہ پہلی بیوی کے بطن کی بیٹی کا حق دوسری بیوی کے بطن کے بیٹے سے زیادہ مرجح ہے۔ اس لئے اس ملک پر اس کی بیوی کا حق بمقابلہ اس کے سوتیلے بھائی چارلس دوم (Charles II) شاہ اسپین کے زیادہ تھا یہ حقوق تسلیم نہیں کئے گئے اس لئے لا محالہ جنگ چھڑ گئی۔ ہسپانوی بھلا فرانس کی شائستہ و آراستہ فوج کا کیا مقابلہ کرسکتے تھے اور اب ایسا معلوم ہونے لگا کہ کل ہسپانوی نیدرلینڈز بہت جلد تاخت و تاراج ہوکر فرانس کی سلطنت میں شامل ہو جائے گا کہ یکایک ایک تغیر رونما ہوا۔ فرانس کی پیش دستی سے تمام دول یورپ کے سینے میں حسد و خوف پیدا ہوگیا تھا اور انگلستان سوئیڈن و ہالینڈ نے فرانس کا سیلاب روکنے کے لئے ایک اتحاد قائم کرلیا ایک طویل جنگ کا مسالہ جمع ہوگیا تھا لیکن لوئی چہار دہم نے سرخم کردیا۔ فرانس کی شمالی سرحد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تو کچھ اضافہ ہوا لیکن بقیہ سب مفتوحہ ملک 1668ء میں اسپین کو واپس کردیا گیا۔

ہالینڈ سے جنگ : اس کے بعد چند سال تک فرانس کو امن حاصل رہا لیکن 1672ء میں اس سے بھی بڑھ کر ایک لڑائی ہالینڈ سے شروع ہوئی جس کے اسباب آسانی سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ تجارت میں ہالینڈ والے فرانسیسیوں کے حریف تھے۔ اس لئے کولبرٹ نے بھی جو بہت امن پسند تھا اس جنگ کا خیر مقدم کیا جو ایک حریف کو فنا کر کے فرانس کی تجارتی ترقی کی شاہراہ صاف کر دی گئی۔ علاوہ اس کے ہالینڈ ایک ایسی جمہوریت کا نمونہ پیش کررہا تھا۔ جو شاہ فرانس کی مطلق العنانی کا ناگوار تھی اس کے علاوہ فرانس کے سیاسی اور مذہبی مہاجرین کا یہ ملک ملجا بنا ہوا تھا اور حال میں ایسی کتابیں بھی ہالینڈ میں شائع ہوئی تھیں جس میں شاہ فرانس کے طرز حکومت و طرز عمل پر حملہ کیا گیا تھا اور 1667ء کے اتحاد و ثلاثہ کے قیام میں جو حصہ ہالینڈ نے لیا تھا اس کو بھی لوئی چہاز دہم نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے کئی وجوہ سے ہالینڈ کی چھوٹی سی مگر سرسبز سلطنت اس عظیم الشان بادشاہ کی سدراہ ہو رہی تھی۔ اس جنگ کے چھڑنے میں بھی لوئی چہار دہم نے اپنی معمولی حکمت عملی سے کام لیا۔

ڈوور کا خفیہ معاہدہ : ڈوور (Dover) کے خفیہ معاہدہ کی بناء پر شاہ انگلستان نے وقت ضرورت پر لوئی چہار دہم کی مدد کرنے کا وعدہ کرلیا تھا۔ سوئیڈن کو بھی کچھ دے دلا کر ہموار کرلیا گیا تھا اس لئے 1672ء میں جب جنگ چھیڑ دی گئی تو ہالینڈ بے یار و مددگار تھا اور تنہا فرانس کے حملے کی تاب نہیں لاسکتا تھا۔ فرانسیسی فوج نے دریائے رائن (Rhine) پار کرکے کئی شہر اور قلعے فتح کرلیے اور امسٹرڈم (Amsterdam) (دارالسلطنت) کے قریب فوج پہنچ گئی۔ ہالینڈ والوں نے بیکار و بے سود فرانسیسیوں سے منت سماجت کی لیکن کامل اطاعت سے کم تولوئی (Louis) منظور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور معلوم بھی یہی ہوتا تھا کہ عنقریب ایسا ہو جائے گا۔ لیکن عین اس نوبت پر حالت بدل گئی ہالینڈ میں ایک انقلاب ہوا اور ولیم خاموش (William the Silent) کا پڑپوتا ولیم آف آرینج (William of Grange) برسر اقتدار ہوگیا۔ ولیم خاموش وہی ہے جس نے ایک صدی قبل ہالینڈ کے پروٹسٹنٹ باشندوں کی بیش بہا خدمت انجام دی تھی۔ ولیم آرینج کے ہاتھ میں فوجی اور سیاسی اختیارات زبردستی دیئے گئے اور اس سے کہا گیا کہ جس طرح اس کے پڑدادا نے اس سے بھی زیادہ دشوار موقع پر ملک کو بچایا تھا وہ بھی اب بچائے ولیم آف آرینج نے جو بعد میں ولیم سوم (William III) شاہ انگلستان کے نام سے مشہور ہوا۔ اپنے کو اس کام کا اہل بھی ثابت کردیا اور خود بڑا سپاہی تو نہ تھا لیکن تدبر و سیاست میں یورپ نے اس کا ثانی کم دیکھا ہے۔ پہلے تو بند کاٹ دیئے گئے اور ہالینڈ کے زرخیز میدانوں پر سمندر کا پانی بہنے لگا اور پھر دانشمندانہ گفت و شنید سے فرانس کے خلاف پھر ایک اتحاد قائم ہوگیا۔ اسپین نے اپنے پرانے غنیم ہالینڈ کا ساتھ دیا۔ برینڈن برگ (Brandenburg) کی مملکت جو اب تک فرانس کی طرفدار تھی اس کے خلاف ہوگئی۔ سلطنت (آسٹریا) نے بھی فرانس کی چیرہ دستی کا مقابلہ کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ اور آخر کار انگلستان کے لوگوں نے اپنے بادشاہ کو اس وعدے کے خلاف طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور کیا جو اس نے لوئی چہار دہم سے کیا تھا۔ انگلستان، ہالینڈ پر حملہ کرنے سے باز رہا اور کچھ دنوں کے بعد اس کی تائید میں الٹا فرانس پر حملہ کر بیٹھا۔

اس کے بعد جو لڑائی ہوئی اس میں فرانس کی سپاہ نے یورپ کی دوسری فوجوں پر اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوقیت ثابت کر دی اور 1678ء میں جب صلح نیمے گوین (Nimeguen) طے ہوئی تو فرانس بہت سی رعایتوں کا مدعی ہوا۔ اس کی شمالی سرحد میں اور اضافہ ہوگیا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کی مشرقی سرحد پر اسپین نے فرانشی کا مٹی (Franche Comte) کا علاقہ مل گیا۔ جتنا وہ ملک چاہتا تھا اتنا تو اسے نہیں ملا پھر بھی اس کے مقبوضات میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا اور اس کی عظمت میں کوئی فرق نہ آیا۔

اس جنگ میں جو فائدے اسے حاصل ہوئے اس سے کہیں بڑھ کر امن و صلح کے زمانے میں اسے مقبوضات حاصل ہوئے۔ یہ واقعہ "الحاق مکرر" کے نام سے مشہور ہے جسے سمجھنے کے لئے ہمیں پھر صلح ویسٹ فیلیا کے شرائط دیکھنا پڑیں گے۔ اس صلح کی رو سے السس (Alsace) اور لورین (Lorraine) کا کچھ علاقہ "مع زمین و حقوق ملحقہ" کے فرانس کو ملا تھا۔ ان حقوق کی کوئی صراحت نہ تھی اور اب ایسے پرامن وقت میں جبکہ یورپ تھک کر اور جنگ سے عاجز آکر امن و سکوت کا طالب تھا لوئی چہار دہم نے ان فقروں کی تشریح کے لئے یک طرفہ تحقیقات جاری کرائی۔ اس نے ایک عدالت قائم کرکے اس کے سامنے اپنا دعوی پیش کیا اور اس طرح خود ہی مدعی اور خود ہی منصف بن گیا۔ ایک ایسی کارروائی کے ذریعہ سے جو بالکل ناجائز و خلاف قانون تھی۔ السال (Alsace) کا بہت بڑا علاقہ اس کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا حتی کہ جرمن شہر اسٹراسبرک (Strassburg) بھی اس کو مل گیا۔ اسی قسم کی ناجائز کارروائی سے شمال میں لکسمبرگ (Luxemburg) کا شہر اور ایلپس (Alps) کے اس پار اٹلی میں کیسل (Cassale) کا شہر بھی اس کو مل گیا۔ یہ مقامات یوں بھی اہم تھے اور اس وجہ سے آئندہ فتوحات کا راستہ کھل گیا۔ ان مقامات کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ اس کارروائی اور قبضہ پر جرمنی برانگیختہ ہوگیا۔ اور 1684ء میں رئیس بن (Ratisbon) ایک مجلس دیئت (Diet) اس معاملے پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوئی۔ لیکن اس کی مجلس کی بدولت فرانس کا رعب و دبدبہ اور بھی نمایاں ہوگیا۔ لوئی (Louis) نے اس مجلس کو ایک اعلان جنگ بھیجا کہ جو کچھ اس نے حاصل کیا تھا۔ بیس سال کے لئے فورا" اس کو دیدیا جائے ورنہ وہ جنگ شروع کردے گا۔ پہلے تو بے آبروئی کے خیال سے مجلس نے پس و پیش کیا مگر آخر کار اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ یہی سال 1684ء اور مجلس دیئت (Diet) میں یہ گستاخانہ فتحیابی فرانس کی عظمت و اقتدار کی معراج سمجھنا چاہئے

اس کے بعد سے فرانس کی قوت روبہ زوال ہوئی اور بہت جلد لوئی (Louis) پھر ایک سلسلہ جنگ میں پھنس گیا جس میں ابتدا بڑی بڑی مشکلوں سے اسے فتح ملتی رہی مگر پھر بعد میں تو اسے فتح نصیب ہی نہ ہوئی بلکہ شکست ہوتی رہی۔ اس وجہ سے اس عظیم الشان بادشاہ کی حکومت کا آخری زمانہ اس کے شاندار آغاز سے بالکل مختلف تھا۔

اس عہد کے مذہبی کارنامے : اور اب ہمیں اس انقلاب کے اسباب ڈھونڈھنا چاہئے۔ مناسب ہوگا کہ اس عہد کی مذہبی زندگی پر ایک نظر ڈالی جائے۔ شباب کے زمانے میں بادشاہ نے آزادہ روی اختیار کی تھی اور اس کے عمال پر مذہب کا کوئی اثر نہ تھا اس نے صرف سیاسی امور میں خود کو فرانس کا مالک بنانا چاہا۔ بلکہ مذہبی معاملات میں بھی ایسے ہی اختیارات حاصل کرنے کا عزم کیا اور دینی و مذہبی حکام کے مقابل میں وہ اپنا حکم قائم رکھنے میں کامیاب بھی رہا۔ اس طرح 1282ء میں پوپ سے ایک نزاع کی بناء پر اس نے ایک اعلان کردیا جو گیلیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آزادی (Gallican Liberty) کی بابتہ تھا۔ کیلیکن آزادی سے مراد فرانس کے رومن کیتھلک کلیسہ کے حقوق تھے۔ اس مشہور اعلان میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ "پوپ کا اختیار صرف روحانی معاملات تک محدود ہے اور شاہی اختیارات پر کسی طرح موثر نہیں ہوسکتا اور یہ کہ پوپ کو کوئی اختیار بادشاہ کو معزول کرنے کا نہیں ہے نہ رعایا کو اطاعت و فرمانبرداری کے غرض سے سبکدوش کرنے کا" اس اعلان کے ایک حصے میں یہ بھی درج تھا۔ کہ "پوپ کا حکم اسی وقت قطعی ہوسکتا ہے جبکہ ایک کونسل بھی اس پر منظوری دے" پوپ نے اس پر اعتراض کیا مگر بے سود کیونکہ لوئی چہار دہم نے اس معاملے کو اپنی مرضی کے مطابق طے کیا۔

ژان سینی تحریک. : اس معاملہ میں تو اس نے پوپ کی مخالفت کی لیکن مذہبی پابندی کا قاعدہ اس نے ان لوگوں کے لئے جو اس کی ممانعت کرتے تھے قائم رکھا۔ خودرومن کیتھلک فرقے میں ایک تحریک ژان سینی (Jansenism) کے نام سے اٹھی تھی۔ یہ نام ایپر(Vepres) کے اسقف ژان سینی (Jansen) کے نام پر رکھا گیا کیونکہ اسی کی تصانیف سے اس تحریک کے حامیوں کے خیالات ماخوذ تھے جو لوگ اس تحریک میں شریک ہوئے انہوں نے اپنے کو کیتھلک کلیسا کا تابع اور پابند ظاہر کیا اور عقائد و رسومات میں بھی کیتھلک کلیسہ کے خلاف عمل کرنے سے انہوں نے قطعاً" انکار کیا۔ لیکن انہوں نے فرانس کے دوسرے کیتھلک لوگوں سے زیادہ تقوی کی پابندی کالزوم رکھا۔ اور اس لحاظ سے ابتدائی کیتھلک مذہب اور انجیل کو حالیہ روایات پر ترجیح دیتے تھے۔ بہت سے بڑے بڑے لوگوں کی شرکت سے یہ تحریک مشہور ہوگئی۔ راسین (Racine) اس میں شریک ہوگیا۔ اور اس کے اثر میں اس نے اپنی بہترین کتاب لکھی پاسکال (Pascal) جو فلسفے اور حکمت میں نام پیدا کرچکا تھا اس تحریک کا روح رواں تھا۔ بادشاہ نے اس تحریک کو اپنے اور پوپ کے اختیارات میں خلل انداز خیال کیا۔ پوپ نے متعدد فرامین اس تحریک کے خلاف جاری کیے اور بادشاہ نے ب ھی اس تحریک کو مٹا دینے میں اپنی تمام قوت صرف کردی حالانکہ اگر اس تحریک کو دوسرے طور پر ابھارا جاتا تو فرانس کی قوت و حیات کا باعث ہوتی اور پھر رومن کلیسا کے اختیارات پر بھی کوئی برا اثر نہ پڑتا۔

ہیو گینولوگ : لیکن پروٹسٹنٹ لوگوں سے بادشاہ کی معاملت اس سے بھی زیادہ اہم اور قابل مطالعہ ہے اور یہاں بھی وہی مطلق العنانی آزادی کا خون کرتی رہی۔ اور ایسا کرنے سے خود اس کی تقویت اور بنیاد کمزور ہوتی گئی۔ فرانس کے پروٹسٹنٹ لوگوں میں اب وہ قوت باقی نہ تھی جو ہنری چہارم اور ریشلیو (Richelieu) کے زمانے میں ان کو حاصل تھی ان کی تعداد بھی گھٹ گئی تھی اور ان کی معاشرتی فوقیت بھی جاتی رہی۔ اشرافیہ سے بھی ان کا تعلق منقطع ہوگیا تھا۔ انہوں نے غداری کی کوئی علامت ظاہر نہیں کی اور فرانڈی (Fronde) شورش میں انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ ان کا انہماک زیادہ تر تجارت اور اسی قسم کے دوسرے پیشوں میں رہتا تھا۔ چنانچہ فرانسیسوں کے کسی طبقہ نے کالبرٹ کو ایسی بیش بہا امداد نہیں پہنچائی جیسی کہ ان لوگوں نے لوئی چہار دہم کے ابتدائی عہد میں ان سے کچھ زیادہ تعرض نہیں ہوا گو ان کے حقوق و امتیازات کو محدود کرنے کا رجحان ضرور تھا۔ لیکن بعد میں بادشاہ کا رجحان مذہبی معاملات میں زیادہ ہوگیا۔ اس معاملہ میں مادام دی میتون (Madame de Maintenon) نے اس پر بہت اثر ڈالا۔ یہ عورت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اولا" تو لوئی کی ناجائز اولاد کی انا تھی لیکن ماریا تھیریز (Maria Theresa) کی وفات پر اس کی زوجیت میں آگئی۔ بادشاہ کو اب مذہب سے سچی اور گہری دلچسپی ہوگئی اور پروٹسٹنٹ مذہب کو وہ شاہی اختیارات کی توہین کا باعث ہی نہیں بلکہ کفر کے ہم معنے سمجھنے لگا جس کی بیخ کنی اس نے ضروری خیال کی۔ ان تدابیر میں فرانسیسی کلیسا کے سرداروں نے اس کو اور بھی بڑھایا حتی کہ بوسویٹ (Bossuet) تو اس کے مظالم ہی کو اس کی شہرت و ناموری کا سبب بتلاتا تھا۔ پہلے تو پروٹسٹنٹ لوگوں کے حقوق و امتیازات کی تحقیق و تخفیف شروع ہوئی۔ ان پر سخت نگرانی قائم کی گئی اور معمولی معمولی باتوں پر ان کی عبادتگاہیں ڈھا دی گئیں اور ان کی جائدادیں حتی کہ ان کی اولاد بھی ان سے چھین لی گئی ان کی حالت شکارکی سی ہوگئی جس کو شکاریوں نے حلقہ میں گھیر لیا اور آہستہ آہستہ اس حلقہ کو تنگ کرتے جاتے ہوں رشوت اور جبر سے ان کو کیتھلک مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا اور بہت سے لوگ ان دونوں میں سے کسی ایک طریقے کے شکار ہوگئے۔

تب آخر کار 1685ء میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ پروٹسٹنٹ گروہ کے بیشتر حصہ نے کیتھلک مذہب اختیار کرلیا ہے اور فرمان نین نانت (Nantes) جو دائم النفاذ سمجھا جاتا تھا اب اس کی پابندی بادشاہ پر لازم نہیں ہے۔

فرمان نین نانت (Nantes) کی تنسیخ : اس لئے وہ منسوخ کر دیا گیا۔ عبادت کی آزادی یک لخت سلب کر لی گئی گو ضمیر کی آزادی ایک مضحکہ خیز طریقہ پر قائم رکھی گئی۔ کسی شخص کو فرانس سے ترک سکونت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن اس امتناع کی تعمیل نہ ہو سکی اور ہزاروں پروٹسٹنٹ لوگ سوئزرلینڈ پر اشیا و ہالینڈ و انگلستان میں جاکر پناہ گزیں ہوئے۔ فرمان نین نانت کی تنسیخ کے نتائج کے متعلق پروٹسٹنٹ مورخین نے مبالغہ ضرور کیا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اہم اور برے نتائج ضرور مترتب ہوئے۔ فرانس کی کئی ہزار رعایا نکل گئی جن میں سے بعض تو انتہا کے صلح جو۔ محنتی اور کارگزار تھے۔ اور یہ لوگ اپنے ساتھ وہ صنعتیں بھی دوسرے ملکوں کو لیتے گئے جو وہ یہاں کرتے تھے۔ اور اس حکومت سے ان کو دائمی منافرت ہوگئی۔ جس نے ان کو نکالا تھا۔ ہالینڈ اور انگلستان دونوں نے ان کی آمد سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن پراشیا (Prussia) میں انکی آمد اس سے بھی زیادہ نتیجہ خیز ہوئی (وہاں کے والی) فریڈرک ولیم (Fri William) منتخب اعظم نے برلن اور اس کے جوار میں ان لوگوں کو مکانات و زمینات دیئے۔ یہی لوگ اس شہر کے عروج کا باعث ہوئے جو آخر میں فرانس کے اس قدر خطرناک ثابت ہوا۔ یہ لوگ ایک ایسے بادشاہ کے مذہبی دیوانگی اور کورانہ مظالم کی بدولت ہجرت کرگئے تھے جو بعض لحاظ سے واقعی میں عظیم الشان بادشاہ تھا۔

بادشاہ کی مذہبی پالیسی (طرز عمل) اور اس کا انجام جس کی بدولت فرانس کے علمی و تجارتی حیات کو صدمہ و ضعف پہنچا اس ملک کی قوت کے زوال کا باعث ہوا۔ اس کے سوا اور اسباب بھی تھے جو بادشاہ کے قابو سے باہر تھے فرانس اور ترکی میں عرصے سے ایک غیر رسمی لیکن اہم موافقت تھی اور ترکوں کے وائنا پر حملہ اور حملہ کی دھمکی کی وجہ سے اکثر مرتبہ شہنشاہ آسٹریا فرانس کے خلاف لڑائیوں میں شریک نہیں ہوسکا تھا۔ اب 1683ء میں ترکوں کو سب سے بڑی شکست ہوئی ان لوگوں نے بڑی شدت سے وائنا (Vienna) کا محاصرہ کرلیا تھا اور شہر فتح ہو جانے کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ جان سوبکی شاہ (John Subieski) پولینڈ (Poland) نے اسے بچالیا ترک بے ترتیبی سے پسپا ہوگئے اور ان کا کثیر نقصان ہوا۔ ترکوں کی بڑی طاقت کا زوال اس تاریخ سے شروع ہوا۔ ہنگری (Hungary) کا بیشتر حصہ ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا اور اب فرانس کو سلطان کی معقول امداد کی توقع نہ رہی۔ انگلستان میں بھی تغیرات ہو رہے تھے جو انجام کار فرانس کے لئے مہلک ثابت ہوئے۔ بادشاہ (لوئی) کا تعلق چارلس دوم سے کچھ خوشگوار نہ تھا لیکن پھر بھی اور تدبیروں سے اس نے انگریزی حکومت کو فرانس کے خلاف عملی مخالفت کرنے سے باز رکھا جب جیمز دوم تخت نشین ہوا تو لوئی چہار دہم کو زیادہ خوشگوار تعلق قائم کرنے کی توقع ہوگئی کیونکہ دونوں بادشاہ کیتھلک مذہب کے پیرو تھے اور یکساں مذہبی اغراض کی وجہ سے دونوں میں گہری موافقت ہونی لازمی تھی۔ لیکن جیمز دوم سرپھرا اور ناعاقبت اندیش حکمران تھا اور اس میں ایک قسم کی قومی نخوت تھی جس کی وجہ سے فرانسیسی بادشاہ کی استعانت کو وہ حقیر سمجھتا تھا اور اس طرح کی حماقت کرتے کرتے اپنی رعایا کے مذہبی و قومی جوش و تعصب سے خود متصادم ہوگیا جس کی وجہ سے تین سال بعد 1688ء میں انگلیسی انقلاب واقع ہوا جس نے صرف پروٹسٹنٹ مذہب اور نیابتی حکومت کو انگلستان میں قائم نہیں رکھا بلکہ فرانس کے مقابل میں ایک ایسے دشمن کو کھڑا کر دیا کہ لوئی چہار دہم کو ایک خطرناک اور پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑنے والے غنیم سے کبھی سابقہ نہ ہوا تھا۔

1688ء میں لوئی چہار دہم کا اقبال نازک حالت میں ہوگیا۔ ایک طرف تو جیمز دوم (James II) انگلستان میں انقلاب کرانے کے درپے تھا اور لوئی چہار دہم کو خوب معلوم تھا کہ فرانس پر اس انقلاب کا کیا اثر پڑے گا۔ جیمز دوم کے غرور اور قومی حمیت نے اس کی امداد قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے اپنی توجہ مشرقی سرحد کی طرف منعطف کی وہاں کولون (Cologne) کی انتخابی مملکت اسقفی انتخاب کے جھگڑوں میں مبتلا تھی اور یہ شہر اس وجہ سے اہمیت رکھتا تھا کہ یہاں سے ایک سڑک نیدرلینڈز (Netherlands) کو جاتی تھی اور دریائے رائن (Rhine) پر ایک پل بھی یہاں بنا ہوا تھا۔ اس لیے شاہ فرانس چاہتا تھا کہ یہاں کا والی اور اسقف اعلیٰ کوئی ایسا شخص منتخب ہو جو فرانس کا طرفدار ہو۔ پہلے تو معلوم ہوا کہ یہ مقصد آسانی سے حاصل ہو جائے گا۔ لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ کولون کو فرانس کے زیر اثر لانے میں فوجی امداد کی ضرورت ہوگی۔ اس لیے اس نے اپنی فوج کی نقل و حرکت شروع کردی۔ اور کولون کی طرف بڑھنے کے لیے فوج کو تیار کرر کھا۔

ہالینڈ میں ولیم سوم : ان واقعات کا گہرا تعلق انگلیسی انقلاب سے تھا۔ انگلستان کے شورش پسند سرداروں نے ہالینڈ کے ولیم اسٹاڈہولڈر (William Statthalter) کے پاس اپنا مشہور محضر بھیج دیا تھا۔ کیونکہ جیمز دوم کے رشتہ داروں میں وہی ایک غیر کیتھلک تھا ولیم بھی اس مہم کے لئے آمادہ تھا لیکن صوبہ جات متحدہ اسے ایسے وقت میں روانگی کی اجازت دینے پر تیار نہ تھے۔ جبکہ فرانس کا طرز عمل نامعلوم تھا کیونکہ اگر فرانسیسی فوج ہالینڈ پر حملہ آور ہوتی تو ہالینڈ کو اپنی قوت کے کل ذرائع اور ولیم کو اپنی تمام طاقت کے دفع کرنے میں صرف کر دینا پڑتی۔ کولون پر فرانسیسیوں کے حملے کرنے سے یہ خوف جاتا رہا۔ اور ولیم کو انگلستان جانے کی فرصت مل گئی جہاں [illegible] بڑی ہوشیار اور خوش نصیبی سے اپنے کو پروٹسٹنٹ اور پارلیمنٹی انگلستان کا بادشاہ [illegible] ساتھ کرتا تھا کہ فرانس ایک زبردست حلیف کی اعانت سے محروم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگیا اور فوراً" انگلستان کے مخالف گروہ میں شریک ہوگیا۔

فرانس کے خلاف زبردست اتحاد : کولون پر فوج کشی اور انگلیسی انقلاب نے ایک جنگ عظیم کا سلسلہ ڈالدیا۔ فرانس کا ایسا خوف اور حسد چھا گیا تھا کہ ولیم سوم یورپ کے تمام دول کو شاہ فرانس کے خلاف متحد کرنے میں کامیاب رہا۔ پہلے تو شہنشاہ (آسٹریا) اور ہالینڈ انگلستان کے ساتھ شریک ہوگئے اس کے بعد اسپین (Spain) اور برینڈن برگ (Brandenburg) بھی شامل ہوگئے اور آخر میں سویڈن ڈنمارک نے بھی اس جتھے کا ساتھ دیا۔ جنگ بڑی سخت اور عرصہ تک رہی لیکن براعظم یورپ میں کوئی ممتاز و دلچسپ واقعات نہیں پیش آئے۔ یہ لڑائی اصل میں محاصرہ کی لڑائی تھی اور واوبن (Vauban) نے فرانس کی سرحدی قلعہ بندی ایسے اعلی پیمانے پر کی تھی کہ تمام جنگ محاصروں کا ایک سلسلہ بن گئی تھی۔ اس لیے اس مہم کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس کے مطالعے سے فرانس کی فوجی قوت اور اس کے سپہ سالاروں کی فوقیت اور فن سپہ گری کی واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ جنگ کے شروع میں خشکی اور تری میں دونوں جگہ فرانس غالب نظر آتا تھا 1690ء میں فرانس کے بیڑے نے بیچی ہیڈ (Beachy Head) کی لڑائی میں انگلستان اور ہالینڈ کے متحدہ بیڑے کو شکست فاش دی۔ حیرت ہے کہ لوئی چہار دہم نے اس فتح سے اور فائدہ کیوں نہ اٹھایا لیکن 1692ء میں نصیب نے اس کی یاوری نہ کی اور لاہوگ (Le Hogue) کی لڑائی میں پھر انگلستانی بیڑے نے اپنی برتری ثابت کر دی اور پھر ایک عرصے تک کے لئے انگلستانی ساحل پر فرانس کی فوج کشی کا اندیشہ جاتا رہا۔ یہ جنگ سمندر اور یندر لینڈز (Netherlands) تک محدود نہیں رہی بلکہ اس کا سلسلہ آئرلینڈ میں ہی تھا جہاں جیمز دوم (James II) انگلستان سے بھاگ کر گیا تھا اور جہاں سے قوت حاصل کرکے پھر انگلستان فتح کرلینے کی اسے توقع تھی۔ ہم مذہب اور انگلستان سے عداوت ہونے کی وجہ سے بہت سے آئیرلینڈ والوں نے اس کا ساتھ دیا اور اس کی فوج کو فتوحات بھی ایسے حاصل ہوئے کہ کل جزیرہ اس کے قابو میں آجاتا لیکن اس نوبت پر اس کے عدم استقلال اور بے ثباتی کا اظہار ہوگیا ولیم سوم دس بارہ قوموں کی ملی جلی فوج لے کر آپہنچا اور بوائن (Boyne) کی لڑائی میں بھی پھر انگریزوں کا سکہ آئرلینڈ والوں پر بٹھا دیا۔ براعظم پر لڑائی بہت بڑے پیمانے پر ہو رہی تھی۔ اور اس کے لئے بہت روپیہ بھی ضرورت تھی اور باوجودیکہ فرانس جو لڑائی لڑا اس میں فتحیاب ہوا اور جس شہر کا محاصرہ کیا اس کو فتح کرلیا۔ لیکن اس کی مالی حالت ایسی ابتر ہوگئی کہ وہ مصالحت پر مجبور و آمادہ ہوگیا۔

صلح رزوک (Ryswick) : نو برس کی مسلسل لڑائی کے بعد آخر کار 1697ء میں صلح رزوک (Ryswick) نے اس لڑائی کا خاتمہ کیا اس صلح کی رو سے فرانس کو ان مقبوضات میں کچھ دینا پڑا جو اس کے پہلے کی لڑائیوں میں حاصل کیا تھا اور نیز ان میں سے جو اس نے "الحاق مکرر" (Renunion) کی عدالتوں سے حاصل کیا تھا۔ لیکن اب بھی الیس (Alsace) اور اسٹرا سبرگ (Strassburg) اس کے قبضہ میں رہے اور گو اس لڑائی میں اس کا تھوڑا سا ملک جاتا رہا۔ لیکن اس فوجی عظمت اور وقار میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا تھا کہ اب بھی وہ یورپ میں سب سے اعلی درجہ کی فوجی طاقت رکھتا تھا۔ ولیم سوم کے لئے اتنا ہی بہت تھا کہ وہ اپنے کو انگلستان کے تخت پر قائم رکھ سکا اور اس صلح کی رو سے لوئی چہار دہم نے یہ عہد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلیا کہ حصول تخت انگلستان کی سعی و کوشش میں وہ کوئی امداد اسٹوارٹ (Stuart) خاندان کو نہ دے گا۔

اسپین کا معاملہ : لوئی چہار دہم نے ایک اور خاص وجہ سے صلح رزوک (Ryswik) قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ جس معاملے کی بابت یہ لڑائی دلیم سے ہو رہی تھی۔ اس سے بھی زیادہ اہم ایک مسئلہ مدبرین یورپ کے سامنے آنیوالا تھا۔ کئی سال سے چارلس دوم (Charles II) شاہ اسپین (Spain) کی صحت بہت خراب ہوگئی تھی اور اب میڈرڈ (Madrid) کی اطلاعوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا خاتمہ قریب ہے اور اس کی وفات پر یورپ کے مدبرین کو ایسا نادر موقع ہاتھ آنے والا تھا۔ جس کی کوئی مثال یورپین سیاست میں نہیں مل سکتی تھی۔

اس رائے پر اعتراض کیا گیا ہے کہ سولھویں صدی کے آخر میں یا سترھویں صدی کے شروع میں ہسپانیہ روبہ زوال ہوچکا تھا اس لئے کہ وسط سترھویں صدی تک اس نے بڑی استقامت اور فوجی قابلیت کا ثبوت دیا اور وہاں کے مصنفین و مصورین نے یورپ کی دوسری سلطنتوں سے اسے ممتاز بنا رکھا تھا سترھویں صدی کے آخر میں البتہ اسپین کمزور ہوگیا اور اس کا سبب اس کی دساتیر اور معاشرتی طرز انتظام کی خصوصیات میں مضمر تھا۔ ان دونوں امور میں سے کونسا اصل باعث زوال ہوا اس کے متعلق اختلاف ضرور ہوگا۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بہت سے اسباب مل کر اسپین کی تباہی کا باعث ہوئے۔ سب سے پہلے تو اس کا مالی انتظام یورپ میں سب سے بدتر تھا۔ کلیسہ اور آشرافیہ کو مالی امتیازات حاصل ہونے سے جو خرابیاں فرانس میں انقلاب تک پیدا ہوتی رہیں۔ وہ سب اسپین میں بھی تھیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بعض نقائص وہاں پیدا ہوگئے تھے۔ اس کی محاصل کا طریقہ بھی ایسا تھا کہ اس کی تمام صنعتیں تو برباد ہوگئیں اور پھر بھی سرکاری خزانہ میں کوئی معقول اضافہ نہ ہوا۔

علاوہ اس کے اسپین کی ذہنی حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی سولھویں صدی اور اوائل سترھویں صدی میں کیتھلک ردعمل کی تحریک کی حمایت کرنے میں تو اس کی رعایا اس سے متفق تھی۔ لیکن کیتھلک مذہب کی اس ملک میں کامل فتح ہو جانے سے اور ان مظالم کے وجہ سے جو کیتھلک کلیسا نے محکمہ تفتیش کے ذریعے ڈھائے ایک تباہ کن ذہنی جبر و تعدی کا سلسلہ قائم ہوگیا جو اسپین کی تباہی کا باعث ہوا۔ اس وجہ سے کہ اسپین اس کو محسوس ہی نہیں کرتا تھا۔ جب کہ یورپ میں سائنس (حکمت) کی تحریک شروع اور کامیاب ہو رہی تھی جس کی بدولت ان ممالک کو جہاں اس کا چرچا تھا۔ دولت و قوت حاصل ہو رہی تھی۔ اس وقت اسپین میں اس قسم کی تحریک کی سرسبزی کا امکان ہی نہ تھا۔ کیونکہ سیاسی، علمی، مذہبی، کسی معاملے میں آزادی خیال کی اجازت ہی نہ تھی۔ سولھویں اور سترھویں صدی کے اوائل میں علوم و فنون کا یہاں اس قدر زبردست چرچا تھا کہ یورپ کے کسی ملک میں نہیں ہوا۔ لیکن سترھویں صدی کے وسط تک سب کچھ ختم ہوگیا اور پھر اسپین سیاسی و دماغی بیکاری میں پڑگیا۔ علاوہ ان باتوں کے یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ دو صدی سے اسپین دنیا کے ہر حصے میں فوج کشی کرتا رہا۔ اس نے امریکہ کے دونوں براعظم کو فتح اور آباد کرنے کا عزم کرلیا تھا۔ اٹلی پر بھی وہ حکومت کرنا چاہتا تھا اور اس ارادہ میں قریب قریب کامیاب بھی ہوگیا تھا۔ جنگ سی سالہ میں بھی اس کو اتنی ہی وابستگی رہی جتنی کہ آسٹریا کو نیدرلینڈ کو واپس لینے کے لئے اور انگلستان کو فتح کرنے کے لئے بھی وہ لڑا۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شک نہیں کہ ان لڑائیوں میں اس کی فوج اور اس کے مدبروں کو بعض عظیم الشان کامیابیاں حاصل ہوئیں لیکن ان کی بدولت اسپین کے خزانے اور قوت پر زبردست اور خطرناک بار پڑا۔ اس کے سلاطین تو اس قسم کی دور دراز اور خیالی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف تھے اور ادھر ہسپانوی رعایا کی بہبودی کا کچھ خیال نہ ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے اصل بنیاد ہی جس پر شہنشاہت کی عمارت کھڑی تھی کمزور اور ناکارہ ہوگئی۔ اسپین ایک ایسے ملک کی نظیر ہے جو اپنے ہی شہنشاہی منصوبوں کی بدولت تباہ ہوا۔

شاہ چارلس دوم : ایسے لوگوں پر جو کئی لحاظ سے نامور تھے چارلس دوم حکمران تھا اس کے آباؤ اجداد جس قسم کے دماغی مرض میں مبتلا ہوئے تھے۔ اس مرض کا شدید حملہ اس پر بھی ہوا۔ یوں بھی ان مسائل کے حل کرنے کا اہل نہ تھا جو اسپین کے حکمران کو پیش آسکتے تھے نہ حکمرانی کی اس میں قابلیت تھی اور آخر زمانے میں تو وہ تقریباً" بالکل مخبوط الحواس ہوگیا تھا۔ اس کی بیوی اور اس کے محرم راز پادری کا اس پر بہت اثر تھا اور اپنے فرائض منصبی کے انجام دینے کی اس نے کوئی کوشش بھی نہیں کی۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اور تیس سال سے یورپ اس فکر میں تھا کہ چارلس دوم کی وفات پر اسپین کا کیا حشر ہوگا یہ طے کرنا کہ کون حقدار تھا ذرا مشکل تھا۔ اور اگر حقیقت کا تصفیہ بھی ہو جاتا تو رقابت کی وجہ سے دول یورپ ایسے تصفیہ کو کیوں تسلیم کرتیں جس سے ان کی ہوس کی تکمیل نہ ہوسکتی تھی۔ مختصراً" یہ کہا جاسکتا ہے کہ کل تین دعویدار تھے۔ لوئی چہار دہم نے فلپ چہارم شاہ اسپین کی بیٹی سے عقد کرلیا تھا اور اپنی بیوی کے حق کی بناء پر کل متروکہ اپنے بیٹے کے نام سے وہ چاہتا تھا دوسرے شہنشاہ لیوپولڈ اول (Leopold I) فلپ چہارم (Philip IV) کی بہن میریا (Maria) کا بیٹا تھا اور وہ اپنی ماں کی طرف سے ہسپانوی تخت کا دعویدار تھا۔ ان دونوں میں لوئی چہار دہم کا دعوی زیادہ قوی تھا۔ لیکن صلح پیرینیز (Pyrenees) میں اس نے اس قسم کے دعوے سے دست برداری حاصل کرلی تھی گو ہم یہ بتا چکے ہیں کہ وہ اپنے کو اس دست برداری کا پابند نہیں سمجھتا تھا۔ تیسرا دعویدار بیویریا (Bavaria) کا (انتخابی) (Electroal) خاندان تھا۔ میکس میینویل (Max Emmanuel) نے چارلس دوم کی بھتیجی اور فلپ چہارم کی پوتی سے عقد کیا تھا۔ اس کے دعوے میں بھی دست برداری کا عذر عارض ہوتا تھا۔ لیکن خاندان بیویریا نے کئی وجوہ سے اس دست برداری کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ پھر اب یہ معاملہ کس طرح طے ہوتا۔ انگلستان کے ولیم سوم کو بھی اس معاملے میں گہری دلچسپی تھی۔ کیونکہ اس کے ذریعے سے اس کے حریف لوئی چہار دہم کی قوت میں زبردست اضافہ ہونے کا امکان تھا لیکن انگلستان کی رعایا اس کے ساتھ کسی تازہ جنگ میں شریک ہونے کے لئے آمادہ نہ تھی۔ اس لیے اسے حکمت عملی سے کام لینا پڑا۔ اس نے لوئی چہار دہم سے گفت و شنید شروع کی اور دو معاہدے تقسیم کے طے کیے۔ اس معاملے میں نہ تو شاہ اسپین کا عندیہ لیا گیا اور نہ اسپین والوں کا۔ پہلے معاہدے کی رو سے یہ طے ہوا تھا کہ متروکہ کا بیشتر حصہ تو بیویریا کے شہزادہ کو دیا جائے کیونکہ تخت اسپین پر اس کے بیٹھنے سے توازن طاقت میں کوئی فرق نہ آئے گا اور آسٹریا و فرانس اسپین دور دراز مقبوضات حاصل کرلیں۔ ممکن ہے کہ یہ انتظام قائم رہتا۔ کیونکہ شاہ اسپین نے بیویریا کے شہزادہ کے حق میں وصیت لکھدی تھی۔ لیکن شہزادہ کی ناگہانی وفات سے پھر کل معاملہ از سر نو طے کرنا پڑا۔ ایک جدید معاہدہ تقسیم و علیحدگی مرتب ہوا۔ اس مرتبہ متروکہ کا بیشتر حصہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آسٹریا کے شہزادہ چارلس کے حصے میں رکھا گیا۔ شہزادہ چارلس شہنشاہ کا دوسرا (منجھلا) فرزند تھا۔ فرانس کو ہسپانیہ کے اطالوی مقبوضات دیئے گئے۔

چارلس دوم کی وصیت : ادھر ولیم سوم سے گفت و شنید ہو رہی تھی اور ادھر فرانسیسی سفیر میڈرڈ (Madrid) میں بادشاہ اور اس کے درباریوں کو فرانس کی حمایت پر آمادہ کر رہا تھا۔ پہلے تو اس کی کوششیں بیکار معلوم ہوئیں لیکن جب چارلس دوم فوت ہوا تو معلوم ہوا کہ اس نے لوئی چہار دہم کے پوتے فلپ آف آن ژو (Philip of Anju) کے حق میں وصیت کی ہے اور کل ملک کا اسی کو حقدار بنا دیا ہے اس خیال سے کہ فرانس کی قوی سلطنت تمام ملک کو ایک شیرازہ میں قائم رکھ سکے گی۔

سوال یہ تھا کہ کیا لوئی چہار دہم اس معاہدہ تقسیم پر قائم رہے گا جس پر اس نے دستخط کر دی تھی۔ یا اب وہ اس وصیت کی تعمیل کرے گا اس کی اطلاع فوراً" ہی ورسیلیس (Versailles) میں اس کو پہنچا دی گئی تھی۔ بمقابلہ معاہدہ تقسیم وصیت کے ذریعہ سے زیادہ عظیم الشان فوائد حاصل ہونے کی امید تھی علاوہ اس کے آسٹریا نے معاہدہ تقسیم سے انکار کر دیا تھا اور اب اس کی تعمیل بغیر جنگ کے ممکن بھی نہ تھی۔ اس لیے شاہ فرانس نے خیال کیا کہ جب جنگ ہی کرنا ہے تو بڑے انعام کے لئے کیوں نہ لڑا جائے۔ اس نے اپنے پوتے کو فلپ پنجم شاہ اسپین تسلیم کرلیا اور ایک بڑی جنگ کے لئے تیاری شروع کردی۔ لیکن اس کی نادانی سے جنگ غیر ضروری طور پر بڑھتی گئی۔ فلپ کے ہسپانوی تخت پر بیٹھنے میں یورپ کوئی تعرض نہ کرتا۔ اگر یہ صاف طور پر ظاہر کر دیا جاتا کہ فرانس اور اسپین اب بھی علیحدہ علیحدہ دو سلطنتیں رہیں گی۔ لیکن لوئی ابتدا ہی سے فرانس اور اسپین کو سمجھنے لگا تھا اور فرانسیسی و ہسپانوی فوج کا ادل بدل ممکن سمجھنے لگا تھا۔ چنانچہ ہسپانوی نیدر لینڈز کے شہروں میں فرانسیسی دستہ متعین کر دیا گیا۔ ادھر انگریزوں کے جذبے کو بھی اس سے ایک اور بڑی غلطی سے بھڑکا دیا۔ جیمز دوم جلا وطنی کی حالت میں پیرس (Paris) میں فوت ہوگیا تو انگلستان کی بیوی ملکہ نے لوئی چہار دہم کی منت و سماجت کی کہ اس کے بیٹے کو جو بعد میں نو عمر اور مدعی تخت (Young Pretender) کے نام سے مشہور ہوا کم از کم بادشاہ کا خطاب تو عطا کر دے۔ حالانکہ صلح رزوک میں لوئی چہار دہم نے وعدہ کیا تھا کہ اسٹوارٹ (Stuart) کے شاہی خاندان کو کوئی امداد نہ دے گا۔ اس وجہ سے انگلستان میں اس کی یہ حرکت عہد شکنی سمجھی گئی۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے اس نے ملکہ کی استدعا قبول کرلی اور شہزادہ کو جیمز شاہ انگلستان کے نام سے خطاب کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان کی پارلیمنٹ جو اب تک ولیم سوم کی مرضی کے مطابق لڑائی میں شریک ہونے پر رضا مند نہ تھی اب فوج کشی کی ضرورت کی قائل ہوگئی اور اس نے حسب ضرورت سپاہی اور روپیہ دینے کی منظوری دیدی ولیم سوم کا آخری کارنامہ اور اس کی زندگی سب سے بڑا کام یہ تھا کہ فرانس کے خلاف اس نے پھر اتحاد اعظم قائم کردیا فوج کشی سے پہلے ہی وہ مرگیا۔ لیکن تدبر و سپہ گری میں ڈیوک آف ماربرا (Duke of Marlborough) اس کا جانشین ہوا اور ان امور میں اس نے خود کو اپنے آقائے نامدار سے بھی بڑھ کر ثابت کردیا گو تدین اور حسن اخلاق میں اس سے کم رتبہ رکھتا تھا۔

اس طور پر لڑائی شروع ہوگئی۔ اسپین اور بیویریا (Bavaria) کی رفاقت سے فرانس مضبوط نظر آتا تھا۔ اور بیویریا نے تو واقعی میں بہت مدد دی لیکن اسپین باوجودیکہ اس قدر وسیع الرقبہ مدد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرسکا اصل میں اسپین کا شیرازہ ہی بکھر گیا تھا۔ نظم و نسق اور اس کی حکومت بالکل ناقص تھی۔ فرانس اور ہسپانیہ کا ساتھ ایسا ہی تھا جیسا کہ ایک زندہ جسم کے ساتھ ایک نقش بندھی ہو۔ دوسری جانب یورپ کی تمام بڑی سلطنتیں انگلستان، ہالینڈ سلطنت (آسٹریا) اور ولایت برینڈ نبرگ جس نے 1700ء میں سلطنت پر اشیا (Prussia) کا لقب اختیار کرلیا تھا۔ شریک تھیں اور بڑی بات یہ تھی کہ یہ اتحاد مقاصد اور شرکاء کے باہمی جھگڑوں سے محفوظ رہا جس میں کہ اکثر اتحادی مبتلا رہتے تھے۔ انگلستان نے فوجی امداد تو سب سے زیادہ نہیں دی لیکن رقمی امداد اس نے سب سے بڑھ کر دی اور انگلستان کے فرستادہ مارلبرا اور شہنشاہ کے فرستادہ یوجین میں گہری دوستی اور بڑی موافقت بھی رہی اور تمام دوران جنگ میں ہالینڈ کے گرانڈ پنشنری ہائن سی (Heinsius Grand Pensionary) اس کے ساتھ ان دونوں نے پوری طرح مل جل کر کام کیا۔ بمقابلہ فرانس کے ان اتحادیوں میں زیادہ اتفاق تھا حالانکہ اسپین کا تاجدار فرانس کے بادشاہ کا پوتا تھا۔ اب جو لڑائی شروع ہوئی اس کا اثر بہت وسیع رہا۔ یورپ کی جنگ کو اتنی سلطنتوں اور ممالک سے تعلق نہیں رہا ہے۔

روس و سویڈن کی لڑائی : یہ لڑائی وراثت اسپین کی جنگ کے نام سے مشہور ہے ایک زمانہ میں اس کا سلسلہ ایک دوسری لڑائی سے جا ملا تھا جو مشرقی یورپ میں ہو رہی تھی اور جس میں سوئیڈن کی سلطنت پر روس، پولینڈ اور جرمن مملکتوں نے فوج کشی کردی تھی اس کا تذکرہ آئندہ باب میں آئے گا یہاں پر ہم صرف اس لڑائی کے نتائج بیان کر دیں گے جو مغربی یورپ میں ہو رہی تھی۔

اس جنگ کو چار حلقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک نونیدر لینڈز تھا۔ جہاں کے ہسپانوی مقبوضات پر ڈچ اور انگریز حملہ کر رہے تھے دوسرے اٹلی میں آسٹریا والے فرانسیسیوں اور اسپین والوں کو میلان (Milan) سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تیسرے بویریا (Bavaria) تھا جو شروع جنگ میں اصل لڑائی کا مرکز تھا اور جب تک وہاں فرانس وبویریا والوں کی فوج رہتی اس وقت تک آسٹریا والوں کے لئے ناممکن تھا کہ کافی تعداد میں آکر مارلبرا کی امداد کرسکیں اور اس میدان کارزار میں اکثر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرانس کو قطعی فتح حاصل ہو جائے۔ چوتھا معرکہ جنگ اسپین تھا جہاں لڑائی کی حالت ہمیشہ بدلتی رہی اور آخر کار ایسے انجام کو پہنچی جس کی توقع نہ تھی ایک پانچواں حلقہ بھی شامل کرلینا چاہئے کیونکہ جب فرانس کی فوجیں ان لڑائیوں میں مصروف تھیں تو سیوے نیز کے (Cevennes) علاقے کے لوگوں نے شدید بغاوت کر دی اور اس وقت ایسا معلوم ہونے لگا۔ فرانس اس بغاوت کو فرو نہ کرسکے گا۔

اس کتاب میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس جنگ کی رفتار اور وہ لڑائیاں جن میں فرانس و انگلستان نے شہرت حاصل کی بیان کی جا سکیں۔ ہم صرف اس لڑائی کے خاص خاص حصے بتلا دیں گے اور اس کے آخری انجام کے اسباب۔ 1704ء میں جنگ بلن ہیم (B lenheim) نے اس لڑائی کو دو حصوں میں منقسم کردیا۔ اس لڑائی تک فرانس کی قسمت نہیں پھری تھی لیکن اس وقت مارلبرا نے بڑی حکمت سے اپنی فتحیاب فوج کو شہزادہ یوجین (Eugene) کی فوج سے ملالیا۔ اور دونوں نے مل کر فرانس کو ایسی زبردست شکست دی جس کی نظیر فرانس کی تاریخ میں نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس وقت سے بیوریا میں لڑائی رک گئی۔ اور اب صرف بقیہ حلقوں میں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے لڑائی ہوتی رہی اور ایک عرصہ تک لڑائی کا چڑھاؤ اتار متحدین کے موافق ہی رہا۔ مارلبرا کی فوج نے ہسپانوی نیدر لینڈز کو تاخت و تاراج کردیا۔ اور اٹلی سے بھی فرانسیسی نکال دیئے گئے۔ اسپین میں بھی فرانس اور اس کے رفیقوں پر یہی مصائب گزرے۔ 1704ء میں جبل الطارق (Gibralter) انگریزوں کے قبضہ میں آگیا تھا اور کچھ ہی دنوں بعد آسٹریا کا آرچ ڈیوک میڈرڈ (Madrid) میں بھی داخل ہوگیا اور اس نے چارلز سوم (Charles III) شاہ اسپین کا لقب اختیار کرلیا۔

اب ایسا معلوم ہونے لگا کہ انجام کار فرانس بالکل ہی عاجز و مجبور ہو کر رہے گا لیکن دو وجہ سے فرانس اس نوبت پر پہنچنے سے بچ گیا۔ اولاً تو اسپین کا قومی جذبہ جوش میں آیا جیسا کہ نازک حالتوں میں اکثر ہوا تھا۔ اور باوجود یکہ فرانسیسی اب اس قابل نہ تھے کہ کوئی مدد کرسکیں لیکن اسپین والوں نے خود اپنے بل بوتے پر اپنا کھویا ہوا ملک حاصل کرلیا اور اتحادیوں کو شکست دے کر پھر فلپ پنجم کو فاتحانہ میڈرڈ لے آئے انہوں نے اپنے دشمن کو جنوب میں جبل الطارق (Gibralter) اور مشرق میں بارسیلونا (Barcelona) کے سوا سب مقامات سے نکال باہر کیا۔ دوسرا سبب جس سے فرانس کو فائدہ پہنچا خود اتحادیوں کا غور اور خود اعتمادی تھی۔ 1709ء میں جب لوئی چہار دہم نے صلح کے شرائط پیش کرنے کی درخواست کی تو ایسی شرائط پیش کی گئیں جو تباہ کن اور بے حد ذلیل تھیں اور باوجود یکہ ملک کی قوت بالکل صرف ہوچکی تھی لوئی چہار دہم نے بھی لڑائی جاری رکھنے کا عزم کرلیا اور اس وقت سے فرانس کی حالت سنبھلنے لگی گو شکستیں اب بھی اس کو ہوتی رہیں۔ علاوہ اس کے 1711ء میں انگلستان میں ایک تغیر ہوا جو فرانس کو تباہی سے بچانے کا بہت بڑا سبب ہوا۔ شروع سے یہ جنگ وھگ (Whig) فرقہ کی رائے سے ہوئی تھی اور ٹوری (Tory) فرقہ ہمیشہ سے صلح کا خواہاں تھا۔ وھگ فرقہ کے مخالفین کی طرف خود ملکہ کا رجحان ہونے سے اور بھی اس لڑائی کے اخراجات و نقصانات سے نیز مذہبی مناقشات کی وجہ سے وھگ جماعت کزور ہوگئی۔ ملکہ اور اس کی محبوب نظر بیگم مارلبرا (Lady Marlbrough) میں جھگڑا ہو جانے سے وھگ فرقہ معزول ہوگیا اور ٹوری فرقہ نے برسر اقتدار ہوتے ہی صلح کی بات چیت شروع کردی اور شاہ فرانس کے سامنے ایسی شرائط پیش کی گئیں کہ اس کو کبھی توقع نہ تھی۔ اور شہزادہ یوجین ڈیوک آف مارلبرا کے اصرار کے باوجود انگلستان بہت جلد اس جنگ سے کنارہ کش ہوگیا۔ اب تنہا آسٹریا والوں کو فرانسیسیوں نے ڈینین (Denian) کی لڑائی میں سخت شکست دی اور آخرکار مصالحت ہوگئی۔ برطانیہ عظمیٰ سے فرانس نے 1713ء میں بمقام یوٹرے (Utrecht) صلح کی اور آسٹریا سے 1714ء میں بمقام ریسٹاٹ (Restadt)

اس صلح کے خاص شرائط یہ تھے۔ فلپ پنجم اسپین کا بادشاہ مان لیا گیا۔ لیکن اس وعدہ کے ساتھ کہ فرانس اور اسپین دونوں علیحدہ علیحدہ دو سلطنتیں رہیں۔ اسپین کے مقبوضات میں البتہ بہت کمی ہوگئی۔ نیدر لینڈ (Nehtherlands) میلان (Milan) نیپلس (Naples) اور سارڈینیا (Sardinia) آسٹریا کو مل گئے۔ انگلستان نے جبل الطارق (Gibralter) اور مینار کا (Minorea) کا بندگارہ مہین (Mahon) لے لیا۔ سسلی (Sicily) سیوائے (Savoy) کی مملکت میں شامل کر دیا گیا۔ لیکن اسپین کے قومی جذبہ کو اس بات سے بہت تسلی تھی کہ اس نے اپنی تنہا قوت سے اپنی مرضی کا حکمران اپنے تخت پر قائم رکھا۔ فرانس کو اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا کہ اس وقت خیال کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا تھا۔ انگلستان میں پروٹسٹنٹ تاجداری تسلیم کرلی گئی اور فرانس سے "جھوٹے مدعی" کو نکالدیا گیا۔ فرانس سے نیو فاؤنڈ لینڈ (Newfoundland) خلیج ہڈسن (Hudson Bay) اور نووا سکاشیا (Nova Scotia) کے مقبوضات انگلستان کو ملنا بہت مفید ثابت ہوا گو اس وقت اس کی اہمیت ظاہر ہوئی۔ آسٹریا اور ہالینڈ کو فرانس سے جو کچھ ملا وہ "نسبتاً" کم تھا۔ اس جنگ کا سب سے اہم نتیجہ فرانس کے لئے ان مقبوضات کا نقصان نہیں تھا گو پشت مابعد میں اس کا بہت بڑا اثر پڑا بلکہ اصل نقصان یہ ہوا کہ اس جنگ کی بدولت فرانس بالکل چور چور ہوگیا اس کی مالی حالت بالکل ابتر ہوگئی۔

معاہدہ یوٹریکٹ : چنانچہ ان حالات میں جو صلح ہوئی وہ فرانس کے لئے خاص سازگار تھی۔ یہ یوٹریکٹ کے مقام پر 11 اپریل 1712ء کو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے۔

1. لوئی چہاردھم کے پوتے فلپ کو ہسپانیہ اور اس کی نو آبادیوں کا بادشاہ مان لیا گیا۔ مگر تسلیم کرایا گیا کہ فرانس اور ہسپانیہ کے علاقے کبھی یکجا نہ ہوں گے۔
2. فرانس نے نیو فاؤنڈلینڈ اور نواسکوشیا کے علاوہ ہڈسن' بے کا علاقہ انگلستان کے حوالے کردیا۔ ہسپانیہ نے جبل طارق اور جزیرہ منورقہ انگلستان کو دے دیے۔ نیز اسے ٹھیکہ دے دیا کہ افریقہ سے غلاموں کے گروہ ہسپانوی نو آبادیوں میں پہنچاتا رہے۔ فرانس نے انگلستان میں پراٹسٹنٹ بادشاہوں کی جانشینی بھی منظور کرلی۔
3. ہسپانوی نیدرلینڈز کا علاقہ ہالینڈ کے حوالے کر دیا گیا' لیکن ساتھ ہی فیصلہ کر دیا کہ سرحد کے متعلق تصفیے کے بعد اسے آسٹریا کو دے دیا جائے۔ سرحدی ناموں میں ولندیزی فوج رکھنے کا فیصلہ ہو گیا۔ لل 2 فرانس کو دے دیا گیا۔ ڈنکرک کی قلعہ بندیاں ڈھا دی گئیں۔
4. ڈیوک آف سیوائے کو سسلی بادشاہی دے دی گئی' لیکن ہسپانیہ سے اسے دست بردار ہونا پڑا۔
5. پروشیا کے شہزادے کے لئے شاہی خطاب کی تصدیق ہوگئی' نیز اسے تیوشاتل 3 اور کچھ علاقے اور دے دیے گئے۔
6. جنوبی امریکہ میں پرتگالی مقبوضات کی حدوں کے متعلق جو جھگڑا تھا۔ اس کا تصفیہ ہو گیا۔

لوئی چہاردھم کا انجام : اس جنگ کے اختتام کے وقت لوئی چہار دہم بہت بڈھا ہوگیا تھا اور مسلسل یکے بعد دیگرے داخلی و خارجی مصیبتیں اس پر پڑتی رہیں۔ اس کی وراثت تو فیصل شدہ تھی لیکن اس زمانے میں اس کا بڑا بیٹا مرگیا اور اس کے بعد ہی اس کے پوتے اور پڑپوتے کا بھی انتقال ہوگیا۔ اب تخت کا وارث ایک دو سالہ بچہ رہ گیا تھا اور اگر اس کا بھی انتقال ہو جاتا تو وراثت کا مسئلہ جھگڑے میں پڑ جاتا اور اگر زندہ بھی رہتا تو ایک عرصہ تک کسی مدارالمہام کی ضرورت ہوتی۔ اس لئے لوئی چہار دہم آخری زمانے میں مدار المہامی کے لئے ایک کونسل مقرر کرنے میں مصروف رہا تاکہ اس کے بعد یہ کونسل حکومت کرسکے۔ سب سے بڑی خواہش اس کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ تھی کہ اس کا چچیرا بھائی ڈیوک آف آرلینس (Duke of Orleans) برسر حکومت نہ آسکے کیونکہ اس کے سیاسی خیالات سے لوئی کو خوف تھا اور اس کے مذہبی عقائد کو وہ نفرت سے دیکھتا تھا۔ اپنی آخری وصیت میں اس نے مدارالمہامی کے لئے ایک کونسل مقرر کی جس کے اراکین خود اس کے ولد الحرام بیٹے مقرر ہوئے البتہ صدارت ڈیوک آرلینس (Duke of Orleans) کو دی گئی۔ اس طور پر اس نے توقع کی تھی کہ اس کی وفات کے بعد بھی (جو 1715ء میں واقع ہوئی) اسی کا طرز حکومت قائم رہے گا۔

یورپ کی تاریخ میں اس کی وفات ایک اہم واقعہ ہے۔ تقریباً" ایک صدی سے یورپی تہذیب و تمدن کا فرانس ہی رہبر و پیشوا بنا رہا۔ اور تمام سلطنتیں صلح و جنگ نیز حکمرانی میں اس کی تقلید و تتبع کرتی رہیں۔ گزشتہ جنگ کی مالی تباہی اور بعد کی نااہلی حکومت کی وجہ سے فرانس اس بلند مرتبہ سے بہت جلد کرگیا اور دوسرے مجاہدین کے لئے یورپ کا اکھاڑہ اس نے خالی کرا دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ چہارم

مشرقی یورپ کی کایا پلٹ

(THE TRANSFORMATION OF EASTERN EUROP)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 17

پرشیا اور آسٹرین بادشاہیت

(PRUSSIA AND AUSTRAIN MONARCHY)

اگر یورپ کے موجودہ نقشے پر ہم ایک نظر ڈالیں تو ٹھیک جرمنی کے شمال میں روسی سرحد سے لے کر ہالینڈ و بلجیم و فرانس کی سرحد تک پرائیشیا (Prussia) ملک پھیلا ہوا معلوم ہوگا۔ بڑے بڑے دریاؤں کے دھانے اور بڑے بڑے بندرگاہ اسی کے قبضے میں ہیں۔ جزیرہ نمائے ڈنمارک کا نشیبی حصہ بھی اسی میں شامل ہوگیا۔ اس کے سوا شمالی جرمنی میں جو خود مختار ریاستیں ہیں۔ وہ کوئی اہمیت نہیں رکھیں۔ پراشیا (Prussia) کی بدولت جرمنی میں اتحاد قائم ہوا۔ اور جرمنی کی خارجی پالیسی کا انحصار بھی پرائیشیا (Prussia) ہی پر ہے۔ انگریز اکثر پرائیشیا و جرمنی ایک سمجھتے تھے، حالانکہ یہ ایک سہو ہے مگر قابل معافی کیونکہ جرمنی بخشت ایک سلطنت کے محض پرائیشیا کے تاریخ و سعی کی بدولت قائم رہے۔

وہ تاریخی واقعات جن کی بدولت یہ صورت حال قائم ہوگئی ہے۔ عجیب و غریب ہیں۔ موجودہ پرائیشیاء ایک مصنوعی اور بناوٹی مملکت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ایسے اضلاع پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے سے علیحدہ اور مختلف ہیں۔ اور محض مصاہرت یا وراثت کے اتفاقی اسباب سے اس میں مل گئے۔ یا یوں کہنا چاہئے جنگ و تدبر کے اثر نے ان دونوں کو متحد کر دیا تھا۔ لیکن اگر ہم اس ملک کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ اشتمال اتفاقی یا مصنوعی نہیں ہے۔ پرائیشیا کے عروج سے جرمنی کو نیا جنم ملا۔ اور پرائیشیا موجود مرتبے تک محض اس وجہ سے پہنچ سکا کہ جرمنی کی تمام ریاستوں میں صرف یہی ایک ریاست ایسی تھی جس میں حقیقی جرمنیت پائی جاتی تھی اور تمام رعایا کے خواہشات و خصوصیات کی صحیح نمائندگی بھی یہی ریاست کرتی تھی۔

پراشیاء کے عروج کے تین اجزا و اسباب : پرائیشیا کے عروج و ترقی کے خاص اجزا تین ہیں ایک تو ولایت برینڈ نبرگ (Brandenburg) ہے۔ جس کو اس سلطنت کی اصل بنیاد و مرکز کہا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد وہ ملک ہے جو کہ اصل پرائیشیا کہلاتا تھا۔ یہ ملک والی برینڈنبرگ نے اپنی مملکت میں اضافہ کرلیا تھا۔ اور بعد میں تمام سلطنت اسی نام پر پرائیشیا کہی جانے لگی۔ تیسرا جز دو خاندان ہوہن زالرن (Hohenzollern) تھا جس نے حکمت عملی و فتوحات و خوش نصیبی سے کل ملک کو ایک متحدہ سلطنت بنا دیا۔

برینڈنبرگ کی ابتدائی تاریخ : شروع شروع میں یہ مملکت ایک سرحدی چوکی تھی جس کو مارک (Mark) یا سرحد کہتے تھے۔ سلیوانک (Slavonic) اور دوسرے غیر جرمن اقوام جو دریائے ایلب (Elbe) کے اوس پار آباد تھیں۔ ان کی روک تھام کے لئے اصل میں یہ چوکی قائم کی گئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ یہ سرحدی صوبہ ا سکینین (Ascanian) خاندان کے عہد میں بہت بڑھ گیا۔ لیکن 1319ء جب یہ خاندان فنا ہوگیا کہ ایک صدی تک بد نظمی رہی۔ اور اس اثناء میں حکمران بھی بدلتے رہے اور صوبہ کی وسعت بھی کم ہوتی گئی۔ آخر کار 1215ء میں شہنشاہ سگس منڈ (Sigismund) نے یہ صوبہ اور اس کا لوازمہ و خطاب مسجنی اپنے دوست فریڈرک (Frederick) کو دیدیا جو خاندان ہوہن زائرن سے تھا۔ اور نیورن برگ (Nurnberg) کا برگراو (Burgrave) بھی اور جس نے کانسٹس (Constance) کی مجلس کے زمانے میں شہنشاہ کا بہت ساتھ دیا تھا۔ اس شخص کے لئے بڑا مشکل کام امن قائم کرنے کا تھا۔ اور اپنی کھوئی اراضی پر اسے پھر قبضہ کرنا تھا۔ جرمنی میں ہمیشہ اس قسم کا میلان طبع رہا ہے کہ بڑی بڑی مملکتوں کے ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ حالانکہ فرمان طلائی کی شرائط کے لحاظ سے بغیر کسی تقسیم و تخفیف کے ہر ولایت اولاد نرینہ کو ترکے میں ملنا چاہیئے تھی۔ لیکن 1473ء میں (آکیلس کے قانون توریث) (Dispositio Achillea) نے ولایت برینڈ نبرگ کو ہمیشہ کے لئے ناقابل تجزیہ قرار دیا۔ (اکیلی قانوی توریث) (Dispositio Achillea) البرٹ (Albert) اکیلس (Achilles) والی برینڈ نبرگ کے خاندانی وراثت کے بندوبست و تصفیہ کو کہتے ہیں۔ اس تصفیے کی رو سے خاندان کے دوسرے مقبوضات تو ایک حد تک تقسیم ہونے کے لئے لائق قرار دیئے گئے۔ مگر برینڈ نبرگ کی ولایت سالما" بڑے بیٹے کا حق قرار دی گئی۔

1511ء میں ہاہن زلارن (Hohenzollern) خاندان کا البرٹ آقائے نامدار منتخب ہوتا ہے

: اس طور پر ہاہن زالرن خاندان برینڈ نبرگ میں جم گیا۔ لیکن پرائیشیا کو اب تک اس خاندان سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس غیر جرمن ملک میں ٹیوٹانی مبارزین فتح و تبلیغ کر رہے تھے۔ اور اس کو برینڈن برگ سے بجز پڑوس اور ہم مذہب ہونے کے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن ان مبارزین کی حالت ابتر ہو رہی تھی ٹینین برگ (Tanningburg) کی مشہور لڑائی میں پولینڈ والوں نے اس کو شکست دے دی تھی' اور ان کے ملک کا کچھ حصہ جس کو مغربی پراشیا کہتے تھے پولینڈ والوں نے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ اور بقیہ ملک پر بھی شاہ پولینڈ کی جاگیری سرداری قائم ہوگئی تھی اس وجہ سے ان کی حالت نازک ہوگئی تھی۔ اور اب انہیں کسی غیر ملکی حامی و مددگار کی ضرورت پیدا ہوئی اس لئے 1511ء میں انہوں نے ہاہن زالرن خاندان کے البرٹ کو اپنا آقائے نامدار بنالیا۔ یہ شخص اسی خاندان کا رکن تھا۔ جو کہ برینڈ نبرگ میں حکمراں تھا۔ جب مذہبی اصلاحات کا دور شروع ہوا تو البرٹ نے سمجھ لیا اگر وہ پروٹسٹنٹ مذہب اختیار کرے تو مبارزین کا کل ملک اس کے زیر اقتدار ایک دنیاوی مملکت بن جائے گا۔ جو اس کے بعد اس کی اولاد کو منتقل ہوسکے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اس طور پر پرائیشیا میں ہاہن زالرن (Hohenzollern) خاندان کی حکومت قائم ہوگی۔

پرائیشیا اور برینڈ نبرگ کا اتصال 1611ء

: 1611ء میں البرٹ کے خاندان کا کوئی وارث نہ رہا۔ اس لئے جو کم فریڈرک (Joachim Frederick) والی برینڈ نبرگ پرائیشیا کا بھی وارث و مالک بن گیا۔ لیکن اس زمانے میں بھی پرائیشیا پولینڈ کا جاگیردار ماتحت بنا رہا۔ اور برینڈ نبرگ و پرائیشیا کے درمیان پولینڈ کے مقبوضات بھی حائل تھے۔ ٹھیک اسی زمانے میں ایک اور ترکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برینڈنبرگ کے ہاہن ذالرن خاندان کو بوجہ مصاہرت مل گیا۔ جو اہمیت میں اس سے کم نہ تھا۔

ژولیخ - کلیوز (Cleves Julich) اور برگ (Berg) کا اضافہ : 1609ء میں ژولیخ (Julich) کلیوز (Cleves) اور برگ (Berg) کاڈیوک جب فوت ہوا تو اوس کی وراثت کے بارے میں جھگڑا شروع ہوگیا۔ والی برینڈ نبرگ نے اس کی بھتیجی سے عقد کیا تھا۔ اس لئے وہ بھی دعویدار ہوا۔ آخر کار اس ولایت کا بیشتر حصہ برینڈ نبرگ میں شامل ہوگیا۔ یوں بھی یہ اضلاع اہمیت رکھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ان کے اطراف کے مقبوضات بھی شامل ہو جانے سے ان اضلاع کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔ اس طور پر والی برینڈ نبرگ مختلف لقب کے ساتھ تین مختلف قطعات پر حکومت کرنے لگا۔ ان میں سے ایک تو مقبوضات رائن (Rhine) تھے۔ دوسرے ولایت برینڈ نبرگ اور تیسرے ولایت پرایشیا تھی۔ ان منتشر مقبوضات سے ایک ایسی متحدہ قوی سلطنت قائم ہو جانا جو تمام یورپ سے زیادہ متحدہ و متفق ہو جائے۔ ممکن نہیں معلوم ہوتا تھا۔

برینڈ نبرگ (Brandenburgh) جنگ تیس سالہ میں الکٹر اعظم : جنگ تیس سالہ میں برینڈ نبرگ نے کوئی نمایاں حصہ نہ لیا۔ والی ملک مسمی جارج ولیم خود کالونی مذہب کا پیرو تھا۔ اور اس کی رعایا لوتھری مذہب کی۔ وہ غیر جانبدار رہنا چاہتا تھا۔ لیکن دونوں فریقوں نے اس کے ملک کو برباد کردیا اور جرمنی کا کوئی صوبہ ایسے ابتلا میں نہیں پڑا۔ 1614ء میں فریڈرک ولیم "منتخب اعظم" اس کا جانشین ہوا۔ موجودہ پرایشیا کا بانی یہی شخص ہے۔ اس قسم کے لوگ پرایشیا کے تخت پر اکثر متمکن ہوئے۔ وہ قوی دل و دماغ رکھتا تھا۔ اس میں استبدادیت بھی ایک حد تک تھی۔ اوس میں کوئی کشش نہ تھی۔ نہ دلچسپی نہ تخیل آفرینی کا سامان رکھتا تھا۔ لیکن سلطنت کی فلاح و بہبودی کا اس کو بہت خیال تھا۔ اور اس وجہ سے نہ وہ خود کام اور محنت سے جی چراتا تھا نہ دوسروں ہی کو پہلو تہی کا موقع دیتا تھا۔ صلح ویسٹ فیلیا (Westphalia) میں برینڈن برگ کو بہت سے فوائد حاصل ہوئے۔ چنانچہ میگڈ بیرگ (Magdeberg) اور مشرقی پامیرمینیا (Pomerania) اس میں شامل کر دی گئی۔ آخر الذکر کی اہمیت اس وجہ سے بہت زیادہ ہے کہ سمندر سے آمد و رفت کا اس نے راستہ کھول دیا۔ لیکن فریڈرک ولیم کے نتیجہ خیز مشاغل اس صلح کے بعد شروع ہوئے اس کا سب سے بڑا کام اتحاد قائم کرنے کا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس نے پرایشیا کی تجارت کو بھی فروغ دیا۔ اور جنگ تیس سالہ میں پرایشیا کی فوج پر جو دھبہ لگ گیا تھا اس کو مٹا دیا۔

آزاد اداروں کی بربادی : تمام ملک کے نیابتی اداروں کو فنا کر دینے کے بعد کہیں سلطنت کا اتحاد قائم ہوسکا۔ برینڈ نبرک پرشیا کلیوز (Cleves) ہر جگہ انتظامی انجمنیں (Estates) قائم تھیں۔ لیکن سب مٹا دی گئیں۔ ان جماعتوں نے اپنی بقا کے لئے ہرچند بہت کوشش کی اور ان کے قائد بھی ہنرمند و مستعد تھے۔ لیکن سب بے سود ہوا۔ مرکزی سلطنت کے احکام سب سے بالا قرار دیئے گئے۔ اور اس کی کونسل تمام نظم و نسق کا ذریعہ قرار دی گئی۔ اداروں میں بہت سے اختلافات اب بھی باقی رہے۔ لیکن اتحاد کی طرف پہلا قدم اٹھ چکا تھا اور یہ امر قابل لحاظ ہے کہ پہلے ہی قدم میں آزاد اداروں کو ٹھکرا دیا گیا۔

الکٹر اعظم (Elector) کی جنگی فتوحات : "منتخب اعظم" بہت سی لڑائیوں میں شریک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا۔ اور کبھی ایک طرف سے اور کبھی دوسرے طرف ہوکر وہ لڑائی لڑتا رہا۔ لیکن سب سے زیادہ بار آور وہ لڑائی تھی۔ جس میں وہ پولینڈ کے خلاف لڑا تھا۔ سوئیڈن کے بادشاہ کا ساتھ دے کر فتح وارسا (Warsaw) میں وہ شریک ہوگیا۔ لیکن اس جنگ کا خاص نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے شاہ پولینڈ کو اس پر آمادہ کرلیا کہ پرائیشیا پر اس کا جاگیری سرداری جو حاصل تھی اس سے دست کش ہو جائے اور خود والی برینڈ نبرگ کو پرائیشیا کا تاجدار تسلیم کرلے۔ 1675ء میں اس کا سب سے بڑا فوجی کارنامہ ہوا۔ اس وقت وہ سوئیڈن والوں سے برسر پیکار تھا۔ جو شاہ فرانس کے حلیف بن گئے تھے۔ سوئیڈن والوں نے برینڈنبرگ پر فوج کشی کی۔ مگر فریڈرک ولیم نے جنگ فہربیلن (Fehrbellin) میں اس کو شکست فاش دی۔ اس فتح کے باعث اس کو "منتخب اعظم" کا لقب ملا۔

صنعت و حرفت کی ترقی : اس نے اپنے علاقے میں نہریں بنوائیں اور باہر کی اشیاء پر محصول عائد کرکے اپنی ملک کی صنعت و حرفت کو بھی ترقی دی۔ صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے سب سے کارگر تدبیر اس نے 1685ء میں اختیار کی۔ وہ اس طور پر کہ فرانس کے ہیوگینو (Huguenots) لوگوں کو جب لوئی چہار دہم نے اپنے ناعاقبت اندیش طرز حکومت کے بدولت جلا وطن کردیا تو اس نے ان کر برلن (Berlin) میں پناہ دی۔ انہیں لوگوں کے بسنے سے برلن اس قدر سرسبز ہوگیا۔ ان مہاجرین کے ساتھ بڑی رعایتیں کی گئیں۔ اور زراعت و صنعت و حرفت میں ترقی کرکے ان لوگوں نے ملک کی دولت بڑھا دی۔

فریڈرک اول شاہ پرائیشیا : 1688ء میں فریڈرک ولیم کا جانشین اس کا بیٹا فریڈرک سوم ہوا۔ یہ شخص اپنے باپ کے برعکس اپنے عہدہ کی شان و شوکت کا دلدادہ تھا اور سلطنت کے نظم و نسق کا بھی اس میں مادہ نہ تھا۔ لیکن اس کا عہد حکومت اس وجہ سے ممتاز ہے کہ فریڈرک سوم والی برینڈ نبرگ فریڈرک اول شاہ پرائیشیا کے لقب سے بھی ممتاز ہوگیا۔ جرمنی کے (3) شہزادوں (Princes) نے شاہی کا خطاب حاصل کرلیا تھا۔ مثلاً ہینوور (Hanover) کا والی انگلستان کا بادشاہ ہوگیا تھا اور سیکسنی (Saxony) کا والی پولینڈ کا بادشاہ بن گیا تھا۔ اور ہالسٹین (Holstein) کا ڈیوک ڈنمارک کا تاجدار ہوگیا تھا۔ اس لئے اب برینڈ نبرگ کا والی بھی اسی طرح بادشاہ بننے کا مستحق تھا۔ ہسپانوی وراثت کی جنگ شروع ہونے سے پہلے جو کارروائی و گفت و شنید ہوئی۔ اس کی وجہ سے شہنشاہ (آسٹریا) کو برینڈ نبرگ کی رفاقت بہت کارآمد معلوم ہوئی۔ ابتداً" تو تاجداران فرانس و انگلستان کے مجوزہ معاہدہ تقسیم کی مخالفت کے لئے اور بعد میں لوئی چہار دہم (Louis XIV) کی اس کوشش کو بیکار کرنے کے لئے جو تخت اسپین اپنے پوتے فلپ (Philip) کو دیئے جانے کے لئے وہ کر رہا تھا۔ ان وجوہ سے شہنشاہ لیو پولڈ اول (Leopold 1) نے بادشاہ کے خطاب کی منظوری دیدی۔ اس شرط کے ساتھ کہ سلطنت آسٹریا کے کسی حصے پر قبضہ نہ کیا جائے۔ پرشیا حدود سلطنت کے باہر تھا۔ اس وجہ سے تاریخ کے طالب علم کو یہ دیکھ کر جرمنی کی سربرآوردہ سلطنت ایسے ممالک پر مشتمل تھی۔ جو اصل میں جرمن نہ تھے۔ خلجان ہوتا ہے۔ یہ جدید عمل محض نام و نمود کی خاطر نہ تھا بلکہ اس شاہی خطاب کے حاصل کرنے سے حکومت کو اور بھی مطلق العنانی و استبدادیت کا موقع مل گیا۔ ہسپانوی وراثت کی جنگ اور اسی زمانے کی شمالی نبرد آزمائی میں پرائیشیا کی شرکت کا بیان ہم نہیں کریں گے۔ یہ وہی لڑائیاں ہیں۔ جن میں چارلس دوازدہم شاہ سوئیڈن نے ناموری بھی حاصل کی تھی اور پھر آخر کار تباہ بھی ہوگیا۔ لیکن اتنا ہم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرور بتلا دیتے ہیں کہ پرائیشیا کے سپاہیوں نے بلین ہیم (Blenheim) اور دوسری لڑائیوں میں اپنی وہ شہرت قائم رکھی جو وارسا و فہربلین (Fehrbellin Warsaw) کی لڑائیوں میں انہوں نے حاصل کی تھی۔

فریڈرک ولیم اول : 1713ء میں فریڈرک ولیم اول اپنے باپ (فریڈرک سوم) کا جانشین ہوا۔ یورپ کا کوئی تاجدار ایسا عجیب و غریب نہ تھا۔ اس میں "منتخب اعظم" کے صفات تھے۔ لیکن حد سے متجاوز اور ایک گونہ بہیمیت لئے ہوئے جو دیوانگی کی حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ کفایت کے خیال سے وہ اپنے باپ کی سی شان و شوکت کے خیالات کا مخالف تھے۔ اور تخت نشین ہوتے ہی اس نے اپنے باپ کے زمانے کے رنگیلے مصاحبوں کو علیحدہ کردیا۔ اس کے بعد وہ ملک کے نظم و نسق کی اصلاح اور اقتصادی فلاح و بہبود میں مصروف ہوگیا۔ پرائیشیا میں نیابتی حکومت یا آزادی کا ذکر تو کجا۔ بادشاہ کے افعال پر نکتہ چینی کا بھی کسی کو یارہ نہ تھا۔ وہ (فریڈرک ولیم اول) کہا کرتا تھا۔ کہ ہم بادشاہ اور آقا ہیں۔ ہم کو حق ہے کہ جو چاہیں کریں۔ سلطنت کا انتظام شاہی عہدہ داروں کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔ جن کی تنخواہیں کم اور نگرانی زیادہ رکھی جاتی تھی اور اگر کوئی جرم ان پر ثابت ہو جاتا تھا تو سخت سزا دی جاتی تھی بادشاہ نے تعلیمی امور میں دلچسپی ظاہر کی۔ جس سے اب تک پرائیشیا کے تاجدار بے اعتنائی برتتے آئے تھے۔ مذہبی مباحث میں بھی اس کو خاص دلچسپی تھی۔ لیکن ہر معاملے میں وہ پراشیائی (تنگ نظر و مطلق العنان) تھا۔ وہ کہتا تھا کہ قدیم تاریخ یا دوسرے ممالک کی تاریخ پڑھنے سے کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوسکتا۔ صرف برینڈنبرگ کی تاریخ اس کے نزدیک اہمیت رکھتی تھی اور برینڈ نبرگ یا پرائیشیا میں دو باتوں پر اس کی خاص توجہ تھی۔ ایک تو وصول محاصل دوسرے انتظام فوج۔ یورپ کی دوسری قدیم سلطنتوں کے مقابلے میں اس کے ملک کی زمینیں خراب تھیں لیکن وہ ان زمینوں سے جتنا بھی ممکن ہوسکتا تھا پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا اور اس پیداوار سے بڑا حصہ سلطنت کے خدمات کے معاوضے میں وصول کرلیتا تھا۔ مالی بدعنوانیوں کو دیکھ کر اس کے غصے کی انتہا نہ رہتی تھی۔

پرشوی فوج میں اضافہ : بجز وہ ایک مرتبہ کے وہ اپنے عہد حکومت بھر امن امان قائم رکھ سکا۔ لیکن اس نے پھر پرائیشیا (Prussia) کی پناہ کو بے انتہا بڑھا دیا۔ اور ساتھ ساتھ بہت کارآمد بھی بنا دیا۔ جب وہ تخت پر بیٹھا ہے تو صرف (38000) سپاہی اس کے پاس تھے۔ لیکن 1739ء میں ان کی تعداد (83000) ہوگئی فرانس کے پاس (160000) اور آسٹریا کے پاس بمشکل ایک لاکھ کی فوج تھی۔ مگر پرائیشیاء کی فوج تعداد کے علاوہ زیادہ کام کی بھی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اگر موقع آتا تو خود بادشاہ سپاہ سالاری کرنے سے تو قاصر رہتا لیکن قواعد کرانے کے کام میں وہ کسی سارجنٹ سے کم نہ تھا۔ اور پھر اس نے اپنی فوج کو اچھی طرح مسلح و آراستہ کر رکھا تھا۔ اور اس کی فوج کا انضباط بھی اعلیٰ پیمانے کا تھا۔ لیکن جس طرح کہ اس کے ہر کام میں بدمذاقی و بے شعوری پائی جاتی ہے۔ یہاں بھی اس کے قوی ہیکل گرینڈیر (Grenadier) پیادہ سپاہیوں میں موجود تھی۔ جن کے ساتھ وہ اتنی ہی محبت رکھتا تھا۔ جتنا کہ ایک کتا پالنے والے اپنے کتوں کے ساتھ اور جن کی خاطر وہ خود اپنا اور اپنے پڑوسیوں کا ملک غارت کرنے سے بھی نہیں شرماتا تھا۔

باپ بیٹے : اس کی خانگی زندگی بھی یورپ کے لئے اہم ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ فریڈرک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعظم اسی کا بیٹا تھا۔ شروع ہی سے باپ بیٹے میں نزاع رہی تھی۔ باپ تو ظالم و جاہل اور کندہ ناتراش تھا اور بیٹا علم کا سرپرست تھا اور اس کا طرز معاشرت جرمن ہونے کے بجائے فرانسیسی تھا اور بظاہر پراشیا کے معاملات میں اس کو دلچسپی بھی نہ تھی۔ فنون لطیفہ کا وہ شائق تھا اور مذہب کے متعلق اسے شکوک تھے۔ اپنے باپ کی بلانوشی و بسیار خوری اور تمباکو کشی سے اس کو سخت نفرت تھی۔ اس وجہ سے درباری زندگی اس کے لئے وبال ہوگئی۔ اور اس نے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ گرفتار ہوگیا۔ اور دربار میں لایا گیا۔ وہاں اس کو سزائے موت سنائی گئی۔ آخر میں اس کی جان بخش دی گئی۔ مگر اس کا ہمراہی دوست قتل کر دیا گیا اور دوسرے لوگوں کو بھی بلا سبب و بلا تحقیقات سخت سے سخت سزائیں دی گئیں۔ نو عمر شاہزادے کو مجبوری کے آگے سر جھکا دینا پڑا۔ اور دل پر جبر کرکے اس نے اپنے باپ کے مذہب کی پیروی کا اعلان کیا۔ نظم و نسق کے کاموں میں سچے شوق سے منہمک ہو گیا۔ اپنے باپ کے حکم سے اس نے ایک ایسی عورت سے عقد بھی کر لیا۔ جس کو نہ تو وہ پسند کرتا تھا اور نہ جس سے اسے محبت تھی۔ اس کا دل و دماغ بہت قوی تھا۔ لیکن پھر بھی جب 1740ء میں وہ تخت پر بیٹھا تو اس میں پہلی سی شائستگی اور انسانیت باقی نہ تھی۔ وہ بدظن اور تلخ ہوگیا تھا اور ہر بات پر جبر کرنے کا عادی۔

شہنشاہ چارلس ششم کی وفات : فریڈرک دوم کی تخت نشینی اسی تاریخ کو ہوئی جس تاریخ کو شہنشاہ چارلس ششم کی وفات واقع ہوئی۔ جس کے باعث خاندان آسٹریا کی تاریخ میں ایک نیا باب کھل گیا۔ جس میں فریڈرک بہت بڑا حصہ لینے والا تھا۔ آسٹریا کے خاندان نے جنگ تیس سالہ میں اپنی سب تدبیروں پر پانی پھرتے دیکھا تھا۔ مگر بعد ازاں اس کے مقبوضات و اقتدار و قوت میں معقول اضافہ ضرور ہوا۔ لیکن یہ جدید مقبوضات غیر جرمن ملک میں تھے اور آئندہ کے واقعات نے ثابت کردیا کہ اسی وجہ سے جرمنی کا حقیقی سردار آسٹریا نہیں بن سکا۔ رومن کیتھلک تحریک کا ردعمل تمام ملک (آسٹریا) میں کامیابی کے ساتھ پھیل گئی تھی تعلیمی حالت بھی پست تھی۔ اور علوم و فنون حکمت و ادب کسی کی ترقی نہ ہوئی لیکن آسٹریا کی فوج ہسپانوی وراثت کی جنگ میں اور ترکوں کے مقابلے میں برابر فتحیاب رہی۔ ترکوں پر جنوبی و مشرقی سمت میں اس نے مسلسل فتوحات حاصل کیے۔ چنانچہ 1571ء کی جنگ لیپا نٹو (Lepanto) میں ترکی کی بحری قوت بالکل ٹوٹ گئی۔ گو اس کی بڑی طاقت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ بلکہ 1683ء میں یہ طاقت بڑھتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ لیکن انجام کار اس کا زوال شروع ہوگیا۔ ترکی فوج نے وی اینا (Vienna) پہنچ کر اس شہر کا محاصرہ کرلیا۔ شہنشاہ لیو پولڈ اول (Leopold I) وہاں سے بھاگ نکلا اور شہر فتح ہو جانے کو تھا کہ سوبیسکی (Sobieakl) شاہ پولینڈ نے فوج کشی کرکے بچالیا۔ اور ترک بے سرو سامانی سے پسپا ہوگئے۔ 1680ء میں ترک موہیکز (Mohacz) کے میدان میں شکست کھا گئے۔ جہاں 1526ء میں انہوں نے عظیم الشان فتح حاصل کرکے ہنگری پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس کے بعد ہر دسویں سال ان کا ملک اور ان کی طاقت گھٹتی گئی۔ 1699ء میں سلطان المعظم نے صلح کرکے کل ہنگری کا ملک خالی کردیا۔ اس کے قبل ہیپسبرگ (Hapsburg) خاندان والے گو اپنے کو شاہ ہنگری کہتے تھے۔ لیکن ان کے قبضے میں صرف مغرب و شمال کی تھوڑی سی زمین کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی زمانے میں شاہی قوت لو ہنگری و بوہیما (Bohemia) میں جاگیر دار روسا کی قوت و قومی آزادی کے جزبے کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پامال کرنے میں کامیابی ہوئی۔ اب تک ہنگری کا تخت و تاج انتخابی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن 1687ء میں اس تخت پر آسٹروی خاندان کا موروثی حق تسلیم کرلیا گیا۔ مخالفت تو اب بھی باقی رہی۔ لیکن ہنگروی وساتیر کے عناصر آزادی کمزور پڑگئے تھے۔

1711ء میں چارلس ششم شہنشاہی تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ خاندان ہیپسبرگ (Hapsburg) کے مقبوضات اس کی بیٹی ماریا تھیریزا (Maria Thersa) کو مل جائیں۔ اور شاہنشاہی کا لقب اس کے خاوند لورین کے فرانسس (Francis of Lorraine) کو اس لئے اس نے پریگمیٹک سنکشن (Pragmatic Sanction) (فرمان شاہی جو قانونی اثر رکھتا ہو) مرتب کیا جس میں اس نے اپنی لڑکی کے حقوق کا اعلان کیا۔ اس فرمان پر اس نے تقریباً تمام وول یورپ کی دستخط لے لی۔ اور خود اپنی سلطنت کے مختلف علاقوں کی بھی۔ اس کے بہادر سپاہ سالار پرنس یوجین (Eugene) نے اسے متنبہ کردیا کہ اس قسم کے معاہدوں سے زیادہ محفوظ طریقہ تو یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کی فوج قائم رکھی جائے۔ لیکن چارلس ششم اپنی وفات تک بھی سمجھتا رہا۔ کہ اس نے اس تدبیر سے اپنی بیٹی کا حق وارثت استوار کر دیا ہے۔

فریڈرک کا حملہ سائلیشیا : 1740ء میں چارلس ششم کی وفات پر معلوم ہوگیا کہ یہ کاغذی ضمانت بالکل بیکار تھی۔ پرایشیا کے فریڈرک نے سائلیشیا (Silesia) کے زرخیز صوبے پر فوج کشی کی۔ یہ صوبہ دریائے اوڈر (Oder) کے بالائی حصے میں تھا۔ اس کے کچھ حصے کے متعلق فریڈرک جائز طور پر دعوے بھی کرسکتا تھا۔ لیکن جیسا کہ اس نے اپنے تزکرے میں خود بیان کیا ہے کہ اس صوبے کی دولت لینے اور اپنی ہوس بجھانے کے لئے اس نے اس پر حملہ کیا تھا۔ اس کے باپ کی تیار کردہ فوج باوجود نا تجربہ کاری کے کارآمد ثابت ہوئی۔ اور سائلیشیا پرایشیا کے قبضے میں آگیا۔

آسٹروی وراثت کی جنگ : ایک زبردست یوروپین جنگ شروع ہوگئی۔ اور پریگمٹک فرمان کا کسی نے بھی لحاظ نہ کیا۔ فرانس پرایشیا کے ساتھ شریک ہوگیا۔ اور انگلستان چونکہ تمام صدی فرانس سے مخالف رہا تھا۔ اس وجہ سے وہ ماریا تھیریزا کو نقدی امداد دینے لگا۔ پرایشیاء فرانس نے چارلس والی بیویریا (Bavaria) کو شہنشاہی تخت پر بٹھانے کا قصد کرلیا۔ یہ جنگ 1748ء تک جاری رہی اور صرف یورپ تک محدود نہیں رہی بلکہ فرانس و انگلستان کے سپاہی امریکہ و ہندوستان میں ایک دوسرے سے لڑنے لگے کیونکہ انگلستان کا اصلی مقصد اس جنگ میں شرکت کرنے سے تجارتی اور نو آبادیاتی فوائد حاصل کرنے کا تھا۔

ماریا تھیریزا اور ہنگری : اس جنگ کے دوران میں بہت سی بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن یہاں ہم ان کی رفتار سے بحث نہ کریں گے پہلے پہل تو ماریا تھیریزا کی حالت نازک معلوم ہوتی تھی کیونکہ سائلیشیا میں اس کی فوج شکست کھا گئی تھی اور بوہیمیا میں بھی فرانس و بیویریا کے سپاہی گھس آئے تھے۔ آخرلاچار ہوکر اس نے ہنگری والوں کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔ حالانکہ ہنگری والے بارہا اس کے مورثوں سے لڑچکے تھے اور اس وقت بھی دستوری آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ملکہ نے ان کے بہت سے حقوق و امتیازات بھی ان کو دیدیئے اور ان کی مجلس یعنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیٹ (Diet) کی خودمختاری و آزادی کا لحاظ رکھنے کا وعدہ کیا۔ ہنگری والے جن کو میگیریس (Magyars) کہتے ہیں۔ حسین ملکہ کی حمایت پر جو اپنے بچے کو گود میں لے کر ان کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ جوش و خروش پر آمادہ ہوگئے۔ انہوں نے کہا "ماریھیریزا باہم اپنے بادشاہ کے لئے جان دے دیں گے۔ اور انہوں نے اپنے عمل سے اپنے قول کی تصدیق کردی۔ ایک بڑی زبردست ہنگری والوں کی فوج مغرب کی طرف روانہ ہوئی اور بوہیمیا میں پہنچ کر آسٹریا کا پلہ بھاری کردیا۔ فرانسیسی فوج بڑی مشکل سے فرانس تک واپس جائے گی۔ انگریزوں نے ملکہ کی زیادہ تر نقد سے مدد کی۔ لیکن نیدر لینڈ زورائن کی طرف انہوں نے بھی ایک دستہ فوج کا بھیج دیا۔ جس کی وجہ سے غنیم کی توجہ تقسیم ہوگئی۔ ڈینگن (Dettigon) میں محض ایک چال سے (انگریز) بچ گئے مگر آخرکار 1745ء میں فرانس کے ہاتھوں سے بمقام فونٹنوا (Fontenoy) ان کو شکست فاش ہوئی۔ اور تمام نشیبی اضلاع کو فرانس نے برباد کردیا۔ فریڈرک نے سخت مقابلہ کے باوجود سائلیشیا پر قبضہ کیا۔ ان وجوہ سے 1748ء میں صلح ایکس لا شیپل (Aix-la-Chapelle) طے پائی۔ فریڈرک کا مفتوحہ ملک اس کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا۔ لیکن فرانس اس ملک پر قبضہ نہ رکھ سکا جو اس کی فوجوں نے جیتا تھا اور اس کے سب مفتوحات جاتے رہے۔

اس صلح نے فریقین کو محض دم لینے کی مہلت دی۔ اس لئے کہ ماریا تھیریزا کے دل میں سائلیشیا واپس لینے کا خیال باقی تھا اور فرانس اور انگلستان کے مابین ابھی نوآبادیات کا کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن دوبارہ جنگ شروع ہونے سے پہلے سابقہ اتحاد میں عجیب و غریب تغیرات ہوگئے جس کو انقلاب سیاسی کہتے ہیں۔

انقلاب سیاسی : سولھویں صدی کے اوائل سے فرانس اور آسٹروی خاندان میں خصومت چلی آرہی تھی۔ یورپ کی سیاسی فضا میں ان دونوں کے ایسے تعلقات مستقل سمجھ لیے گئے تھے اور تمام دول یورپ انہی دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ شرک ہو جاتی تھیں۔ برطانیہ عظمیٰ اور فرانس کی عداوت اتنی قدیم نہ تھی اور نہ مدبرین کی توجہ ہی اس طرف زیادہ منعطف تھی۔ اب فرانس اور آسٹریا متفق ہوگئے تو برطانیہ نے فریڈرک والی پرائیشیا سے اتحاد قائم کرلیا۔ یہ تحریک آسٹریا نے ابھاری تھی۔ اور ماریا تھیریزا کے وزیر کاؤنٹز (Kaunitz) نے فرانس کی رفاقت کی ضرورت کا اس کو یقین دلایا تھا۔ فرانس کے لئے تو غالباً" یہی مناسب تھا کہ وہ اس جھگڑے سے الگ ہی رہتا۔ مگر لوئی یازدہم کے دربار میں کوئی دانشمند مشیر نہ تھا اور بادشاہ زیادہ تر اپنی داشتہ مادام دی پومپا دور (Madame de pompadour) کے کہنے پر چلتا تھا۔ فرانس نے آسٹروی تجاویز کو دل سے پسند کیا اور پھر جنگ شروع ہوگئی۔ کچھ تو آسٹریا پرائیشیا کی باہمی کشیدگی کے باعث اور کچھ ہندوستان وکنیا ڈائین فرانس و برطانیہ کے باہمی جھگڑوں کی وجہ سے نوآبادیات میں جو لڑائیاں ہوئیں اور برطانیہ کو کینا ڈاؤ ہندوستان میں جو فتوحات حاصل ہوئے ہم ان کا ذکر نہیں کریں گے۔ یورپ میں البتہ فریڈرک والی پرائیشیا کے خلاف آثار پائے جاتے تھے۔ اس کے مقابلے میں ایک طرف تو آسٹریا کی فوج تھی۔ جو گزشتہ جنگ کے بعد سے اچھی طرح تیار ہوگئی تھی اور دوسری طرف مغرب میں فرانس کی فوج تھی۔ جس نے گزشتہ جنگ میں بہت کچھ نام پیدا کیا تھا اور زیادہ مدت نہیں گزرنے پائی تھی کہ روسی فوج بھی اس کے مقابلے پر آکھڑی ہوئی۔ اس طور پر ہوا کہ میریا تھیریزا نے بہت گفت و شنید کے بعد زارینہ کو اپنی مدد پر آمادہ کرلیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تدبیر و حکمت عملی میں بھی فریڈرک کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کیونکہ ان تین زبردست مخالفین کا مقابلہ کرنے کے لئے بجز برطانیہ کے اور کوئی اس کا حلیف اور مددگار نہ تھا اور پھر برطانیہ کی قوت کا دار و مدار بھی صرف بحری طاقت اور دولت پر تھا۔

جنگ ہفت سالہ : اس جنگ ہفت سالہ میں پرائیشیا ایسے ہی دور ابتلا میں پڑا۔ جیسے کہ جنگ سی سالہ میں شروع میں تو اس کے سپاہیوں نے زبردست فتوحات حاصل کئے۔ مگر آخر میں روس و آسٹریا دونوں نے اسے شکست دی۔ برلن غنیم کے قبضے میں آگیا اور فریڈرک کے دل میں خودکشی کرنے کا خیال بھی اس وقت پیدا ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس شکست و تباہی میں پرائیشیا بالکل مٹ جائے گا۔ لیکن یہ سب ہوتے ہوئے بھی پرائیشیا آخر کار اس جنگ سے صحیح سلامت نکل آیا۔ اس کے مقبوضات میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ اس کی عظمت و سطوت بڑھ گئی۔ اور اسکے کئی وجوہ تھے۔

روزبک اور لیوتھن (Rosback and Leuthen) : فریڈرک نے سپہگری کے ایسے جوہر دکھائے کہ دنیا کے سب سے بڑے سورماؤں میں شمار ہونے لگا۔ دھاوا اور لڑائی دونوں میں اس نے خود کو یکتا و یگانہ ثابت کردیا۔ 1757ء میں بمقام روز بک (Rosback) اس نے فرانسیسی فوج کو شکست دیدی اور شکست بھی ایسی آسانی اور اس قدر فوجی تفوق کے ساتھ کہ فرانس بہت خفیف ہوا۔ اسی سال بمقام لیوتھن (Leuthen) بھی ایک شان دار فتح حاصل کی اور اس نے ایسے جدید طریقے سے حملہ کیا کہ آئندہ طریقہ نبرد آزمائی ہی بدل گیا۔

انگلستان کی وزارت پٹ کے ہاتھ میں : اس کے علاوہ برطانیہ کی رفاقت بھی بیش بہا ثابت ہوئی پٹ (Pitt) جو بعد میں لارڈ چیتھم (Chatham) کے نام سے مشہور ہوا۔ انگلستان میں برسراقتدار تھا۔ اس نے براعظم پر کثیر فوج بھیجنے کا عزم کرلیا تھا۔ جس کی وجہ سے کیناڈا اور ہندوستان کے معاملات سے روگردانی کرکے فرانس کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اور چیتھم کے بقول انگلستان نے جرمنی کے میدان میں کیناڈا کو فتح کیا۔ فریڈرک نے پٹ (Pitt) کے خدمات کا شکریے کے ساتھ اعتراف کیا۔ فریڈرک کے بچ جانے کا اصل سبب یہ تھا کہ فرانس کی حکومت بالکل ناکارہ تھی۔ کیونکہ اس زمانے میں فرانس نے نہ کوئی نامور سپاہی پیدا کیا نہ کوئی مدبر۔ پھر بھی 1761ء میں ہرچند فریڈرک کا سا فن سپہگری کا ماہر جوانمرد موجود تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ بچ نہیں سکتا۔ جنگ کیونرس ڈآرف (Kunersdrof) 1759ء میں روسیوں نے اس کو سخت شکست دیدی تھی۔ 1760ء میں روسی اور آسٹروی بھی برلن میں داخل ہوگئے تھے اور 1761ء کے ختم سال تک پرائیشیا کے ملک پر ان کا قبضہ رہا۔ فریڈرک کی وہ عظیم الشان فوج جس سے اس نے جنگ کا آغاز کیا تھا۔ تقریباً معدوم ہوگئی تھی اور اس کی مالی حالت بہت نازک تھی اور سب سے خطرناک بات یہ ہوئی کہ جارج سوم شاہ انگلستان کے طرز عمل کی وجہ سے پٹ نے 1761ء میں استعفا پیش کردیا اور اس کی جگہ پر ایسے وزرا کا تقرر ہوا جو براعظم پر لڑائی جاری رکھنے کے سخت مخالف تھے۔ پرائیشیا کی تباہی قریب تھی کہ زارینہ الزابتھ (Elizabeth) کا انتقال ہوگیا جس کو فریڈرک سے دلی بغض و عناد تھا۔ اس سے نجات مل جانا بہت غنیمت ہوا۔ اس کا جانشین اس کا بھتیجا پیٹر سوم ہوا۔ یہ شخص کمزور طبیعت کا تھا۔ اور شاہی پرائیشیا کا وہ اتنا مداح تھا کہ اس کو اپنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استاد کہا کرتا تھا۔ اس لئے روس نے فریڈرک سے صلح کرلی اور جنگ کا رخ بالکل پلٹ گیا۔ لیکن چار ہی ماہ بعد اس کی جرمن نژاد بیوی نے اس کو قتل کردیا اور خود کیتھرائن دوم کے نام سے تخت پر متمکن ہوگئی۔ اس نے فوراً ہی پرائیشیا سے قطع تعلق کرلیا۔ مگر فریڈرک اور پرائیشیا کو نجات مل گئی تھی۔ یورپ جنگ سے عاجز آگیا تھا اور آخرکار 1763ء میں صلح پیرس (Paris) نے اس کا خاتمہ کردیا۔ سائلیشیا اب بھی فریڈرک کے قبضہ میں رہا۔ تمام یورپ پر ایشیا کو حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ فریڈرک کے طریقہ حکومت و جنگ کی سب پڑوس کی سلطنتیں تعریف کرتی تھیں۔ حتی کہ جن ریاستوں کو اس سے نقصان پہنچا تھا۔ وہ بھی اس کی تبع اور تقلید کرنے لگیں۔

روشن خیال مستبدین : اٹھارھویں صدی کو روشن خیال مستبدین کا عہد کیا جاتا ہے کیونکہ بہت سے ملکوں میں ایک نیک نیت فرمانروا کے ہاتھ میں کل اختیارات آجانے سے بہت سے مفید اور سودمند انقلاب ہوئے۔ ڈنمارک۔ سویڈن روس و آسٹریا اس کی تمثیل ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر پرایشیا فریڈرک کی سلطنت لوئی چہار دہم کا بالکل ضد تھی۔ اس کے یہاں رسمی یا شان و شوکت کی باتیں نہ تھیں۔ خدا مان سلطنت میں خود بادشاہ پر سب سے زیادہ کام کا بار تھا۔ وہ خود بھی بھاری بھاری فرائض اپنے سر لیتا تھا اور اپنے زیردستوں اور رعایا پر بھی بھاری فرائض ڈالتا تھا۔ ہر شخص پر لازم تھا کہ ملک کی فلاح و بہبودی کو سب پر مقدم سمجھے اور بادشاہ کے لئے تو یہ مذہبی عقیدہ بن گیا تھا صلح پیرس کے بعد پھر فریڈرک کسی قابل ذکر لڑائی میں لڑا ہی نہیں جنگ سے ایسی تباہی و بربادی پھیل گئی تھی کہ سلطنت کو ازسرنو بنیاد ہی سے قائم کرنا تھا۔ زراعت و تجارت کی تحریص و ترغیب سلطنت نے دینا شروع کی اور خود حکومت کی نگرانی میں رہتی تھی۔ جس کا مفید نتیجہ اس کے عہد حکومت میں ظاہر ہوگیا۔ شباب کے زمانے میں وہ فرانس کے فلسفیوں کے زیر تعلیم رہا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ظلم و تعدی کا اس نے استیصال کردیا۔ اور تمام ملک میں مذہبی رواداری قائم کردی۔

پولینڈ کی پہلی تقسیم : 1786ء تک وہ حکومت کرتا رہا۔ 1772ء میں رایشیا کے حدود میں اس نے ایک اور بیش قیمت علاقہ کا اضافہ کردیا۔ کیونکہ اسی سال پولینڈ کی پہلی تقسیم ہوئی۔ پرایشیا روس و آسٹریا کے شکنجہ میں پولینڈ بے دست و پا ہوگیا تھا۔ اس کی رعایا میں فرقہ بندی ہوگئی تھی اور کسانوں کی حالت زرعی غلاموں کی سی ہوگئی تھی۔ اس کے وساتیر ناقابل عمل تھے اور اس کا تاجدار روس کی زار بنہ کا منظور نظر بن گیا تھا۔ 1772ء میں ایسا معلوم ہونے لگا کہ مشرقی یورپ میں پھر جنگ چھڑ جائے گی۔ فریڈرک کے مشورے پر تینوں دول نے اپنی پرانی خصومتیں اور ترکی سرحد کے باہمی نزاعات کو بھلا کر بیچارے پولینڈ کو آپس میں تقسیم کرلینے پر آمادگی ظاہر کردی۔ میریا تھیریزا کو پہلے تو تامل ہوا کہ یہ طرز عمل اس کے خیال میں اتنا ہی خلاف انصاف تھا جیسا کہ پرایشیا کا سائلیشیا Silesia پر قبضہ کرلینا۔ لیکن آخر میں وہ بھی سب کے ساتھ شریک ہوگئی۔ روس کو سب سے زیادہ وسیع ملک ملا۔ لیکن پرایشیا کو سب سے زیادہ بیش قیمت حصہ ملا۔ کیونکہ اس نے مغربی پرایشیا پر ہاتھ مارا اور اس کی وجہ سے پرایشیا کی سلطنت کا سلسلہ برینڈنبرگ تک قائم ہوگیا۔ اور یہ سلسلہ قائم ہونے سے سلطنت کی قوت و اتحاد میں بہت اضافہ ہوگیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماریا تھیریزا (Maria Theresa) : 1780ء میں ماریا تھیریزا (Maria Theresa) کا انتقال ہوگیا۔ تاریخ یورپ میں وہ ایک نامور اور شریف ہستی تھی۔ ہیپسبرگ خاندان کے کسی تاجدار کے ساتھ مابعد کی نسل کو اتنی ہمدردی و محبت نہیں ہوئی جتنی کہ اس خوبصورت دیندار محب وطن اور مستقل مزاج عورت کے ساتھ تھی۔ جس کا عہد حکومت ناکام و ناشاد نہیں کہا جاسکتا۔ 1765ء تاریخ وفات تک اس کا خاوند شہنشاہی لقب سے ممتاز رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جوزف دوم (Joseph II) سلطنت کا وارث ہوا۔ اور 1780ء میں تمام ہیپسبرگ علاقہ پر وہی حکمراں تھا۔

جوزف ثانی (Joseph II) : جوزف ثانی فریڈرک کا مداح بھی تھا اور اس سے متنفر بھی وہ اس کو اپنے خاندان کا جانی دشمن سمجھتا تھا لیکن اس زمانے میں حکمرانوں میں اس کو سب سے بہتر اور قابل تقلید خیال کرتا تھا۔ جوں ہی وہ تخت پر بیٹھا اس نے پرائیشیا کے تاجدار کی تقلید میں اس کے ویسے ہی اصلاحات اپنے ملک میں جاری کرنا شروع کردیا۔ سلطنت کو متحد اور تاجدار کے اختیارات کو لامحدود کردینا۔ یہی دو باتیں اس کے مدنظر تھیں۔ مذہبی روا داری نے افتراق و اشتقاق کو بہت کچھ مٹا دیا۔ تمام ملک میں جرمن زبان سرکاری زبان قرار دی گئی۔ اور تمام ملک کو مختلف اضلاع میں تقسیم کردیا گیا۔ جہاں بلالحاظ قوم و ملت انصاف برتنے کا اہتمام کیا گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہیپسبرگ خاندان کے مختلف النوع مختلف الزبان و مختلف النسل مقبوضات و رعایا کو پرائیشیا کے مانند ایک سلطنت میں قائم کردے لیکن اس نے فریڈرک کی سلطنت اور اپنی سلطنت کے مابہ الامتیاز فرقہ کو محسوس نہیں کیا تھا۔ پرائیشیا بھی متفق نہ تھا۔ لیکن اس کی تمام رعایا جرمن نسل سے تھی اور سب کا مذہب پروٹسٹنٹ تھا۔ برخلاف اس کے آسٹریا ایسی مملکتوں کا مجموعہ تھا۔ جو پانچ سو برس سے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان رہتی چلی آئی تھیں۔ بلکہ بعض تو جاگیری عہد و قرون وسطے سے اسی حالت میں تھیں۔ اس کے ملک کے خاص خاص حصے یہ تھے۔ (1) آسٹریائے خاص جو ہیپسبرگ خاندان کا ابتدائی ملکیت تھا۔ اس حصے میں جرمن قوم آباد تھی اور سب کا مذہب رومن کیتھلک تھا (2) ہنگری جس میں ٹران سلوینیا (Transylvania) بھی شامل تھی۔ اس حصے میں میگیر (Magyar) لوگ آباد تھے۔ جن کو اپنی قومیت پر بہت ناز تھا۔ یہاں جاگیری ادارے قائم تھے جو آخر وقت تک قائم رہے۔ (3) بوہیمیا (Bohemia) موریویا (Moravia) جہاں چک (Czeeh) قوم آباد تھی اور یہاں عام طور پر پروٹسٹنٹ مذہب کی پیروی کی جاتی تھی۔ ان لوگوں میں بھی فوقیت کا احساس پیدا ہوگیا تھا۔ (4) اطالوی مقبوضات یہ ملک آسٹریا کا ہم مذہب تھا لیکن زبان و طرز معاشرت و خیالات میں دونوں بالکل ایک دوسرے سے مختلف تھے (5) آسٹروی نیدر لینڈز (بلجیم) جو صلح یوٹریکٹ (Utrecht) میں ملا تھا۔ یہاں کیتھلک مذہب تھا اور یہاں کی زبان و طرز معاشرت بہ نسبت آسٹریا کے فرانس سے زیادہ ملتی جلتی تھی۔ یہ تقسیم مکمل تو نہیں ہے۔ لیکن اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جوزف ثانی نے کتنے مشکل کام کو اپنے سر لیا تھا اور ایسی مختلف النوع مملکتوں کو ایک کردینا اور سب جگہ جرمن زبان قائم کردینا کتنا دشوار تھا۔ اس کی مذہبی روا داری اور تعلیم کو عام کر دینا اس کے بہترین اصلاحات تھے۔ مگر انہیں دونوں پر سب سے زیادہ مخالفت ہوئی۔ اس کی زندگی قابل تحسین کوشش میں صرف ہوئی۔ لیکن انجام بجز مایوسی و ناامیدی کے کچھ نہ ہوا بوہیمیا (Boheimia) وہنگری (Hungary) میں اس کی تجاویز کی برملا مخالفت کی گئی اور بلجیم تو کیتھلک مذہب کے حقوق و امتیازات کو قائم و برقرار رکھنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے شورش پر آمادہ ہوگیا - اس کی خارجی تجاویز بھی ناکام ہوئیں اور یہ ناکامیاں اس کی موت کا باعث ہوگئیں۔ اپنے بھائی لیوپولڈ دوم کے سپرد وہ ایک مشکل کام کرگیا لیوپولڈ (Leopold) کا پہلا کام تو اپنی سلطنت کے مختلف عناصر کو ہموار کرنا تھا۔ جو اس کے پیشرو کے طرز عمل کی وجہ سے برافروختہ ہوگئے تھے۔ ابھی اس کو اس کام سے فرصت نہ ہوئی تھی کہ فرانسیسی انقلاب کی وجہ سے سیاسی پیچیدگیوں کا سامنا ہوگیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 18

یورپ کی توسیع

بہت سے تاریخی جغرافیاؤں میں نقشوں کا ایک سلسلہ دیا گیا ہے' جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں معلوم دنیا کے حدود کیا تھے۔ اس کی ابتدا ہومر کی معلوم دنیا سے ہوتی ہے جو مشرقی بحیرہ روم اور اس کے حواشی سے کسی قدر زیادہ تھی۔ پھر سکندر اعظم اور رومیوں کی معلوم دنیائیں پیش نظر آئیں۔ مرکز ان کا بھی بحیرہ روم تھا اور اس کی شمالی و جنوبی حدیں یورپ و افریقہ کے اندر جاتی تھیں۔ لیکن ان کے حالات کمتر ہی معلوم تھے۔ البتہ ایشیا کے مغربی حواشی بالکل واضح تھے۔ امریکاؤں کا کسی کو خواب و خیال بھی نہ تھا۔ زمنہ وسطی کے آخری دور میں اکتشافات شروع ہوئے یہاں تک کہ دور حاضر کے خطے دریافت ہوئے۔ اسی طرح جغرافیائی علم فروغ پاتا رہا۔ یہاں تک معلوم ہوتا ہے یہ سب کچھ کل ہی واقع ہوا۔ معلوم دنیا کی ترکیب میں ایک ایسی اشاریت ہے جو بجائے خود اپنی حقیقت سے واضح کر رہی ہے' کیوں کہ اس کا مطلب ہے یونانی درومی معاشرے کے متعلقہ افراد اور مغرب میں ان کے مسیحی جانشینوں کی معلوم دنیائیں۔ چینیوں اور امریکی ہندوستانیوں کی بھی معلوم دنیائیں تھیں' قدیم و جدید۔ انسان اس سیارے پر ہمیشہ پھرتے رہے۔ تاریخ سے پیشتر کے ادوار میں اس کی بھی معلوم دنیائیں تھیں۔ قدیم و جدید۔ انسان اس سیارے پر ہمیشہ پھرتے رہے۔ تاریخ سے پیشتر کے ادوار میں اس نقل و حرکت کے جانبازانہ کارنامے بھی موجود تھے۔ مثلاً بحرالکاہل میں پولینیسیاؤں کی آباد کاری' مگر ان لوگوں نے نہ نقل و حرکت کے ریکارڈ رکھے اور نہ یہ معلوم ہے کہ ان کا اصل وطن کہاں تھا۔ ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ معاشرے تھے جن میں توسیع کا عمل جاری ہوا۔ بلکہ وہ افراد کے گروہ تھے' جنہوں نے رہ نوردی اختیار کرلی تھی اور ان کے ساتھ اپنی روایات' عادات یا آلات کے سوا کچھ نہ تھا۔ مغربی یورپ کی توسیع بالکل مختلف تھی۔ قدیم یونان درومہ کے وقت سے تحریری دستاویزیں محفوظ رکھی گئیں' نقشے تیار کرلیے گئے اور اصل وطن کا تعلق شاخوں سے بہ دستور قائم رہا۔ مغربی معاشرے کی توسیع ایک معاشرے اور اکثر مملکتوں کے گروہ کی حیثیت سے ہوئی۔

اس توسیع کی ابتدا پندرھویں صدی کے وقت سے ہوئی' لیکن یہ مختلف اہم صورتوں میں اس توسیع سے بالکل مختلف تھی۔ جس میں قدیم مشرق کی ثقافتیں مغربی و شمالی یورپ تک پہنچ گئیں۔ اول دور حاضر کی توسیع رفتار میں زیادہ تیز اور دائرے کے لحاظ سے بہت وسیع تھی۔ اگرچہ قطب شمالی و قطب جنوبی کے بعض اسرار یا دنیا کے کم آباد وحشی اندرونی حصوں کی تفصیلات بیسویں صدی تک بھی معلوم نہ تھیں' تاہم یہ کہنا بہ حیثیت عمومی درست ہے کہ اہل یورپ کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یورپی دنیا 1450ء کے بعد اڑھائی تین صدیوں میں معلوم ہوچکی تھی۔ دوم موجودہ توسیع میں پہلی مرتبہ مغربی معاشرہ سمندروں کے پار پہنچا۔ قدیم اور متوسط زمانوں کی بحر پیمائی صرف تنگ سمندروں اور ساحلی علاقوں تک محدود تھی۔ قدیم زمانے کے ملاحوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ رات گزارنے کے لئے کشتیاں خشکی پر چڑھا لیتے۔ اہل مغرب نے اوقیانوس اور بحرالکاہل کو عبور کیا اور بیچ میں حفاظت کے لئے کوئی خشکی موجود نہ تھی۔ سوم اس توسیع میں اہل مغرب بیزنطینی اور اسلامی روابط کے حلقے سے بہت باہر نکل گئے۔ بیزنطینی اور مسلمان ہی سقراط اور مسیح کی ثقافتوں کے جانشین تھے۔ اہل مغرب نے نسلوں عقیدوں اور ثقافتوں کے حیرت انگیز تنوع سے ربط ضبط پیدا کیا۔ ان میں برہنہ لوگوں سے اعلیٰ درجے کی مہذب چینیوں تک تمام گروہ شامل تھے۔ از منہ وسطیٰ میں جرمن نسل کے لوگوں کو رام کرکے مسیحی بنایا گیا تھا۔ اس وقت سے اہل مغرب نے قدیم گروہ سے کوئی تعلق پیدا نہیں کیا تھا۔ سب سے آخر میں یہ ——— اور اس نقطے کو بڑی اہمیت حاصل ہے ——— کہ توسیع پذیر یورپ کے پاس اعلیٰ زائد قوت موجود تھی، جو ہمارے زمانے تک قائم رہی۔ اسی قوت نے مغربی معاشرے کے لئے وہ کارنامہ انجام دینے کا موقع مہیا کردیا جو کوئی معاشرہ پیشتر انجام نہیں دے سکا تھا، یعنی اپنا اثر پوری دنیا پر قائم کرلیا۔

اس قوت میں ایک اہم عنصر اسلحہ میں آتشباز اسلحہ جائز یا ناجائز طریق پر غیر یورپی لوگ بھی حاصل کرسکتے تھے اور انہوں نے حاصل کرلیے جس قوت سے اہل یورپ دنیا پر غالب ہوئے، وہ محض آتشباز اسلحے کی ملکیت تک محدود نہ تھی۔ اس سلسلے میں اصل چیزیں یہ تھیں۔ فنی و اقتصادی برتری اور برتر سیاسی و مجلسی تنظیم، جن کی بناء پر اعلیٰ فوجی تنظیم کے لئے گنجائش پیدا ہوئی۔ یہ برتری مغرب کے کسی مشترکہ مرکز سے وابستہ نہ تھی، بلکہ تقریباً" نصف درجن حریف مغربی قوموں کی کش مکش سے پیدا ہوئی۔ ان میں سے ہر قوم دوسروں کا گلا کاٹنے کے لئے تیار تھی اور اپنے مغربی حریفوں کو شکست دینے کے لئے دیسی باشندوں میں ہتھیار تقسیم کرنے اور انہیں منظم کردینے پر آمادہ رہی۔ فرانسیسیوں نے شمالی امریکہ میں وحشیوں کو انگریزوں کے خلاف اور انگریزوں نے وحشیوں کو فرانسیسیوں کے خلاف ہتھیار دیئے۔ اروکوئس بھی اہل یورپ کے خلاف دفاع کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ فرانسیسی، انگریز، پرتگیز، ولندیز، ہسپانوی، بعدازاں جرمن اور امریکی مشرق بعید میں ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے رہے، لیکن بیسویں صدی کے وسط تک کوئی ایشیائی قوم (جاپان کے سوا اور جاپان بھی 1980ء کے آس پاس) جنگ یا سیاسیات میں مغربیوں کا کامیاب مقابلہ نہ کرسکی۔ مغربیوں کی برتری اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ حریف قوتوں کی رقابتیں عملیہ توسیع میں تاخیر کا باعث نہ ہوئیں، بلکہ اس عملئے میں زیادہ قوت پیدا ہوئی اور وہ زیادہ تیزی سے انتہا کو پہنچا۔

دنیا بھر کے اندر مغرب کی توسیع میں یہ مادی برتری کس حد تک ایک روحانی اور اخلاقی برتری تھی۔ (اور ہے) یہ ایک ایسا سوال ہے کہ اس کا جواب اہل مغرب اس یقین کی بناء پر نہیں دے سکتے، جس یقین کی بناء پر ہمارے اجداد نے دیا، لیکن آپ یورپ کی کامیاب توسیع کو اس وقت تک ذہن نشین نہیں کرسکتے، جب تک یہ نہ سمجھ لیں کہ جن لوگوں کے ہاتھوں یہ توسیع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمل میں آئی۔۔۔۔ اگرچہ وہ لالچ یا منچلے پن کی وجہ سے حرکت میں آئے ہوں یا ممکن ہے' وطن میں اپنی تقدیر سے مایوس ہوگئے ہوں یا اور محرکات بھی انہیں پیش آئے ہوں۔۔۔۔۔ تاہم وہ اس یقین کے ساتھ نکلے تھے کہ خدا کا کام انجام دے رہے ہیں۔ تہذیب کی خدمت کر رہے ہیں اور اپنے ساتھ بہتر طریق زندگی نئی سرزمینوں میں لے جا رہے ہیں۔ وہ بڑے پراعتماد اور سرگرم لوگ تھے۔ ان میں بڑا حوصلہ اور انتہائی قوت برداشت تھی اور انہوں نے کرہ ارض کے خط و خال درست کر دیئے۔

توسیع کے محرکات اور نوعیت : سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ یورپ کے اوقیانوسی ساحل پر رہتے تھے' انہوں نے پندرھویں صدی کے نصف آخر میں کیوں اس سمندر میں جہاز رانی شروع کی' جس میں قدیم اور متوسط زمانوں کے ملاحوں نے قدم رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی؟ ہم اس سوال کا جواب قطعیت سے نہیں دے سکتے۔ یورپی قوموں میں دور احیاء علوم نے ایک زبردست بیداری پیدا کی۔ منچلے پن اور نئی چیزوں کے لئے سرگرم تعاقب کا ایک دور شروع ہوگیا۔ یہ بڑے اکتشافات اسی کا ایک جزو تھے۔ مقناطیسی پرکار جیسی چھوٹی سی چیز نے سمندروں میں سفر ممکن بنا دیا۔ پرکار کے بغیر ابتدائی دور کے ملاح مطلع صاف ہونے کی حالت میں بھی۔۔۔۔۔ جب سورج اور ستارے ان کی رہنمائی کرسکتے تھے۔۔۔۔۔ بے بس تھے۔ پرکار کیونکر بنی؟ اس بارے میں معلومات مبہم ہیں' لیکن ہم جانتے ہیں کہ پندرھویں صدی کے آغاز میں یورپی ملاح اس سے واقف ہو چکے تھے اور کولمبس کے زمانے تک یہ جہاز رانی کا ایک خاص جزو بن چکی تھی۔ پندرھویں صدی کے اواخر تک سمندر میں جہازوں کا مقام متعین کرنے کے لئے بہتر طریقے اور بہتر آلات تیار ہوچکے تھے۔ جہاز بنانے والے پرانے طریقے چھوڑ چکے تھے' جو بحیرہ روم کے لئے جہاز بنانے میں استعمال ہوتے تھے۔ وہ طول میں زیادہ اور عرض میں کم جہاز بنانے لگے تھے' جو زیادہ دیر تک سمندر کی موجوں کا مقابلہ کرسکتے اور اس طرح ان کی کوشش ایسے جہاز بنا لینے کے لئے وقف رہی' جو نامعلوم سمندروں میں کام دے سکیں۔ گویا فنی اعتبار سے وسیع اکتشافات کے لئے زمین تیار ہوچکی تھی۔

سیاسی اعتبار سے ایک نیا واقعہ پیش آیا' یعنی ترک مشرق قریب کے عام تجارتی راستوں پر قابض ہوگئے اور ابھی ان کی توسیع جاری تھی اس وجہ سے لوگوں نے چین اور ہندوستان تک کے لئے نئے راستوں کی تلاش شروع کردی۔ اس وقت تک اطالوی خصوصاً وینس اور جنیوا کے ملاح مشرق قریب میں قدم جمائے بیٹھے تھے اور مشکلات کے باوجود ترکوں سے معاملات طے کر رہے تھے۔ اس سے بھی زیادہ اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ ہسپانیہ' پرتگال' فرانس اور انگلستان سب سیاسی اور اقتصادی سرگرمیوں میں مصروف تھے اور سب اس مسلک پر کاربند ہو رہے تھے' جس کی نشان دہی اطالویوں نے کی تھی۔ مشرق قریب میں ان کا راستہ رکا تو ان کی نگاہیں اوقیانوس کی طرف اٹھیں جس پر کوئی قابض نہ تھا۔

تجارتی ریاستوں کی فیت اور سیاست سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے تھے' جنہوں نے کولمبس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو نامعلوم سمندروں کے پار بھیجا' تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے' وہاں کیا ہے اور نئے تصورات کا تجربہ کرے۔ کولمبس چاہتا تھا کہ زمین کی گولائی کے متعلق اس کا نظریہ ثابت ہو جائے۔ زمین کی گولائی ہی کی بناء پر اس کا یہ عقیدہ تھا کہ کوئی شخص یورپ سے مغربی سمت روانہ ہو تو وہ ایشیاء پہنچ جائے گا۔ کوئی عقل مند انسان یہ نہیں مانتا کہ کولمبس کے پہلے سفر کی توجیہہ خالص علمی اصطلاحات میں کی جاسکتی ہے' لیکن ان اصطلاحات کے بغیر اس کی کوئی توجیہ ہے ہی نہیں۔ اکتشافات اور بعد کی یورپی توسیع کے بنیادی خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ اس تحریک کی رہنمائی جزوا" تجرباتی سائنس کی نئی روح نے کی۔ اسی روح نے لوگوں کو ابھارا۔ مثلا" اگر وہ سنتے کہ "جنگلی سانڈ" نہیں موجود ہے تو وہ روانہ ہو جاتے' تاکہ کسی نہ کسی کو لے آئیں' لیکن از منہ وسطی میں ان کے ابداد لو جنگلی سانڈ کے وجود تسلیم کرنے کے لئے اسے دیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہی نئی سائنٹیفک روح تھی' جس نے جنگلی سانڈوں' بنات البحر اور بحری سانپوں کو لوگوں کے دلوں سے دور کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری دنیا کی پوری چھان بین کرلی گئی۔ عجیب دنیاؤں کے متعلق جو پہلی خبریں ملیں۔ ان سے عجائبات کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا یعنی یورپ میں سیاحت نامے شائع ہونے لگے' جن میں سے بعض حقیقی تھے اور بعض میں انتہائی مبالغے سے کام لیا گیا تھا۔

دور حاضر کے اوائل کے ان اکتشافات اور نو آبادیوں کی منظم' مسلسل اور سائنٹیفک نوعیت کو واضح کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس کا مقابلہ ابتدائی دور کی بحریمائی کے متفرق' غیر منظم اور غالبا" افسانوی سلسلے سے کرلیا جائے۔ روایات ان ابتدائی سفروں سے بھرپور ہیں' بلکہ انیننس کے سفر کا بھی ذکر ہے۔ یہ ایک براعظم تھا۔ جو کبھی آباد تھا' اب سمندر میں ڈوب چکا ہے۔ افلاطون اور بعد کے شارحین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ امریکہ کی دریافت کا سہرا آئرلینڈ' سکنڈے نیویا اور برطانیہ کے ماہی گیروں کے سر ہی باندھا جاتا ہے' لیکن یہ دریافت وسطی کے مغرب میں پھیل نہ سکی۔ ان تمام افسانوں میں سے ایک یہ ہے کہ وائی کنگ دسویں صدی کے اختتام پر شمالی امریکہ پہنچ گئے تھے۔ اغلب ہے' یہ درست ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سکنڈے نیویا کے لوگ آئس لینڈ پہنچ کر آباد ہوگئے تھے اور انہوں نے گرین لینڈ میں بھی ایک آبادی چوکی کی حیثیت میں قائم کرلی تھی۔ ان کے افسانوں ادب اور رزمیہ نظموں میں لیف ایرکسن کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ انگوروں کی سرزمین میں پہنچا۔ اکثر ماہرین کا خیال یہ ہے کہ یہ نیو انگلینڈ کے ساحل کا کوئی حصہ تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ از منہ وسطی کے دوران میں اور غالبا" اور ان کے اواخر پر شمال و مغرب کے یورپی ماہی گیر گرانڈ بینکس پہنچ گئے ہوں' جو نیو فاؤنڈ لینڈ کے ساحل کے پاس ہے۔

تاہم یہ امر تعجب انگیز ہے۔ (خصوصا" اہل سکنڈے نیویا کے معاملے میں جو خاصے منظم تھے) کہ اب تک شمالی افریقہ میں کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی' جو یورپی الاصل ہو اور جو کولمبس سے پہلے وہاں پہنچی ہو۔ یہ لوگ بڑے منچلے تھے کہ ہم اب تک ان کی کوئی بھی چیز نہ پاسکے۔ حتی کہ ایک چمچہ' برچھی کی ایک انی یا کوئی ٹوٹا پھوٹا برتن یا کوئی ایسی انسانی چیز' جو نیا عذر تھل۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان ہی اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہو غالباً" کسی امریکی نے براعظم امریکہ میں اپنا سلسلہ نسب پیچھے پہنچانے کی آرزو میں کولمبس سے بھی پیشتر بحری سفروں کے افسانے تیار کیے۔ نیو پورٹ (روڈ آئی لینڈ) میں پتھر کا ایک برج ہے' جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اہل سکنڈے نیویا نے بنایا' لیکن جب اس کی کھدائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس کے نیچے مٹی کی نالیوں کے ایسے ٹکڑے تھے' جو سترھویں صدی میں بنے۔ 1898ء میں مینسوٹا کے اندر کھدائی کے سلسلے میں ایک پتھر ملا' جس پر سکنڈے نویائی حروف کندہ کیے گئے تھے۔ اس بناء پر دعوی کیا گیا کہ یہاں سویڈن اور ڈنمارک کے باشندے 1362ء میں آباد ہوئے تھے۔ لیکن بعض محتاط ماہرین فن اس کی صحت کے متعلق شبہات ظاہر کر رہے ہیں۔ بہرحال ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے۔ اگر سیکڑوں اہل یورپ بھی کولمبس سے پہلے نئی دنیا پہنچے تو وہ دونوں دنیاؤں کے درمیان کوئی مستقل تعلق قائم نہ رکھ سکے۔ وہ ایسے اکتشافی نہ تھے' جن کا ذکر ہم ابھی کرنے والے ہیں اور بہرحال ان کی پشتیبانی کے لئے کوئی منظم مجلسی مقصد موجود نہ تھا۔ جو ابھی ہمارے سامنے آئے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆باب 19

فرانس' ہالینڈ' انگلستان

ہسپانیہ اور پرتگال ایک پشت پہلے اکتشافات شروع کر چکے تھے۔ انہوں نے تجارتی سلطنت قائم کرلی تھی اور ایک صدی سے نو آبادیوں کی سلطنت قائم کر رہے تھے۔ شمالی اوقیانوس کی مملکتوں نے بہت جلد تاخیر کی تلافی کے لئے سرگرم کوششیں شروع کر دیں۔ اگرچہ 1500ء میں پرتگیز کارٹے ریال نے شمالی امریکہ کا ساحلی علاقہ شمال میں گرین لینڈ سے' جنوب میں نیو انگلینڈ تک چھان مارا تھا' مگر پرتگال کو اس ساحل پر کوئی قدمگاہ نہ مل سکی۔ کارٹے ریال سے پیشتر 1497ء اور 1498ء میں جان کیبٹ اور سباسٹین کیبٹ (دونوں باپ بیٹا اور دونوں اطالوی) ہنری ہفتم شاہ انگلستان کے لئے برسٹل سے روانہ ہوئے۔ انہوں نے ساحلی علاقے کا کچھ حصہ دیکھا۔ غالباً" جزیرہ برٹین کی زاس اور ان کے سفر شمالی امریکہ میں انگلستان کے دعاوی کی بنیاد بن گئے۔

فرانسیسی انگریزوں سے بھی پیچھے نکلے۔ فرانس کے بادشاہ فرانس اول نے بھی ایک اطالوی دیرا زا نوکر بھیجا' جو 1524ء میں کیرولینا کی شمالی سمت میں پہنچا (1524ء) لیکن شمالی امریکہ میں فرانسیسیوں کے دعوے کا اصل بانی جیکوے کارٹر تھا' جو دریائے سینٹ لارنس میں کوبیک سے آگے تک چلا گیا اور فرانسیسی پرچم کیسپے پر لہرایا 1534ء اگرچہ فرانسیسی تاخیر سے گئے' لیکن انہوں نے بڑی سرگرمی سے کام کیا اور سترھویں صدی کے اوائل تک دریائے لارنس اور خلیج فنڈی کے خطے میں سمور کی تجارت کے مرکز بنا لیے تھے۔ ان کا سب سے بڑا مکتشف چمپلین تھا' جس نے نیوانگلینڈ کے ساحل کا نقشہ جنوب میں مارتھا کے تاکستان تک تیار کیا اور 1609ء میں وہ جھیل دریافت کی' جو اسی کے نام سے موسوم ہوئی۔

انگریزوں نے کیبٹوں کے کیے ہوئے کام پر فوری توجہ نہ کی۔ وہ سولھویں صدی کے وسط میں اس طرف پلٹے اور ہسپانیہ کی تجارتی اجارہ داری کو توڑنے کا پر منفعت کام شروع کردیا۔ جان ہاکنز نے 1562ء میں غلاموں کی تجارت شروع کی۔ اس کا ایک عزیز فرانس ڈریک بحرالکاہل میں سفر کرتے ہوئے کیلیفورنیا جا پہنچا اور اس علاقے کا نام نیوالبین انگلستان کی ملکیت قرار دے دیا۔ وہ بحرالکاہل اور بحرہند کے راستے انگلستان واپس آیا۔ اس طرح انگریزوں نے پہلی مرتبہ دنیا بھر کا چکر لگایا۔ شمالی امریکہ سے ذرا آگے شمال و مشرق کی جانب ماہی گیری کا ایک مرکز ہے۔ سولھویں صدی کے اواخر تک اس مرکز کے لئے کش مکش شروع ہو چکی تھی۔ 1583ء میں انگریزوں نے سر ہمفرے گلبرٹ کے زیر سرکردگی نیو فاؤنڈ لینڈ کو اپنی ملکیت قرار دے دیا۔ اس طرح ماہی گیری کے اس قیمتی مرکز میں انگریز آباد کاروں کو ایک مستقل قدمگاہ مل گئی۔

تیرہ نو آبادیاں: قیام : 1583ء میں وائسرائے نے جزیرہ رو آنوک میں آبادی قائم کرنے کی کوشش کی۔ انگریزوں نے اس کا نام اپنی کنواری ملکہ الزبتھ کے نام پر ورجینیا رکھا۔ زیہ آبادی باقی رہی اور نہ وہ آبادی باقی رہی۔ جو 1587ء میں قائم کی گئی تھی' تاہم آئندہ صدی کے اوائل میں انگریزوں کو جیمز ٹاؤن (ورجینیا) نیز پلائی ماؤتھ (نیو انگلینڈ) میں دو مستقل قدمگاہیں میسر آگئیں (بالترتیب 1607ء و 1620ء) دونوں مقاموں کے اردگرد نو آبادیاں شروع ہو گئیں۔ عام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریقہ یہ تھا کہ ہر خطے سے دیسی باشندوں کو باہر نکالا جاتا اور ان کی جگہ انگریز مرد و زن آباد کیے جاتے، لیکن ابتدا میں یہ دو قد مگاہیں بھی ہسپانویوں اور پرتگیزوں کی طرح محض تجارتی کوٹھیاں تھیں اور دونوں مرکز انگیریز تجارتی کمپنیوں نے قائم کیے تھے جن کے صدر دفتر انگلستان میں تھے۔ دونوں کو خصوصاً" ورجینیا والوں کو امید تھی کہ ہسپانویوں کی طرح انہیں بھی بیش قیمت دھاتوں کے وسیع ذخیرے مل جائیں گے۔ دونوں کو مایوسی ہوئی، تاہم وہ انتہائی محنت و مشقت اٹھا کر اپنی جگہ جمے رہے۔ 1612ء میں تمباکو کی کاشت شروع کی۔ اس اثناء میں ایک شخص بروئے کار آیا، جو اب تقریباً" افسانوی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا نام کیپٹن جان سمتھ تھا۔ یہ مکتشف بھی تھا اور ذی وسائل بھی۔ اس نے ورجینیا کی نو آبادی کی سمور اور کوڈ مچھلی کی تجارت کو محفوظ رکھا اور پلائی سمتھ کیلون کے پیروؤں کی استقامت کے باعث محفوظ رہ گیا۔ پھر دونوں کے اردگرد زراعت شروع ہوئی۔ اس کے علاوہ انگلستان کے ساتھ تجارت بھی جاری رہی۔ نیزویسٹ انڈیز کے ساتھ ناجائز تجارت بھی ہوتی رہتی تھی۔ باہر سے بہت تھوڑے تارکین وطن پہنچے، تاہم دونوں مرکز آہستہ آہستہ پھیلتے رہے، کیوں کہ زمین بہ کثرت موجود تھی، 1776ء میں تیرہ نو آبادیاں وجود میں آچکی تھیں اور ان کی آبادی تقریباً" تیس لاکھ تھی۔

ان انگریز نو آبادیوں کی تکمیل سے پیشتر یہ ضروری تھا کہ ایک اہم اجنبی عنصر اور ایک معمولی عنصر کو وہاں سے باہر نکالا جاتا۔ ہالینڈ بھی ہسپانیہ کی کامیاب مزاحمت کے بعد تجارت اور سلطنت کے لیے مقابلے کے میدان میں آگیا تھا۔ انہوں نے نئی دنیا میں ایک نئی مہم بھیجی۔ جس کا رئیس ایک انگریز ہنری ہڈسن تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ شمالی و مغربی راستہ مل جائے۔ ہڈسن دریائے ہڈسن کے ساتھ ساتھ البنی تک پہنچا 1609ء - تین سال میں ولندیزوں نے جزیرہ میں بٹن میں نیو ایمسٹرڈم کی بنیاد رکھی۔ اس مرکز سے وہ آگے بڑھے اور سمور کی تجارت میں حصہ دار بن گئے۔ اس تجارت کے لئے ان کا مرکز فورٹ اورنج تھا، جو البنی کے مقام پر قائم کیا گیا تھا۔ پھر وہ پھیلتے پھیلتے ان حصوں میں پہنچ گئے، جو آج کل نیو جرسی اور کنیکٹیکٹ کہلاتے ہیں۔ ایک ہی پشت میں انہوں نے ایک زبردست نو آبادی قائم کرلی، لیکن شدید بین الاقوامی مقابلے میں انگریز اور فرانسیسی ان کے حریف تھے۔ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان ان کا زندہ رہنا خوش نصیبی کا باعث تھا، لیکن ہالینڈ میں کوئی ایسی صورت نہ تھی کہ وہ بڑی طاقت بن جاتا۔ 1660ء میں انگلستان سے جنگ شروع ہوئی تو ولندیز نیو ایمسٹرڈم کھو بیٹھے۔ انگریزوں نے 1664ء میں اس پر قبضہ کرلیا اور اس کا نام نیویارک رکھا۔ اگرچہ ولندیز تھوڑی تعداد میں آئے، تاہم انہوں نے آئندہ ریاست ہائے متحدہ کو اہم خاندان دیئے۔ مثلاً سٹوئی ویسنٹ، سویلر اور روز ویلٹ۔

اہل سویڈن بھی عظمت کے راستے پر چلنے لگے تھے۔ 1638ء میں انہوں نے دریائے ڈیلا ویر پر فورٹ کرسٹیانا بنایا، لیکن وہ کوئی زبردست مدمقابل نہ تھا۔ 1655ء میں فورٹ کرسٹیانا پر ولندیز قابض ہوگئے۔ پھر انگریزوں نے ولندیزوں کو نکال دیا۔ پنسلوینیا کے لیے دولت مند انگلش کویکر ولیم پین کو فرمان ملا تھا (1681ء) اہل سویڈن اور ولندیزوں کے نکلنے سے جو خلا پیدا ہوا۔ اسے ولیم پین نے پر کردیا۔ یہ ایک کلیدی نو آبادی تھی اور آگے چل کر کلیدی ریاست بن گئی۔

اٹھارھویں صدی کے اوائل میں انگریزی نو آبادیوں کا ایک سلسلہ مین سے جارجیا تک قائم ہوچکا تھا۔ تیرہ نو آبادیاں الگ الگ قائم ہوئی تھیں۔ ان کے فرمان یکساں نہ تھے۔ غالباً"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکی روایت میں جنوبی اور شمالی ریاستوں کے اختلافات سے متعلق مبالغہ کیا گیا ہے۔ مساچوسٹس کو ان لوگوں نے آباد نہیں کیا تھا' جو جمہوریت پسند تھے اور جنہیں سر کے بال چھوٹے رکھنے کے باعث گول سرے کہتے تھے اور ورجینیا ان انگریزوں نے ان انگریزوں نے آباد نہیں کیا تھا' جو بڑے بڑے زمیندار' اشراف اور "بانکے" تھے۔ یہ دونوں نو آبادیاں ------ ساتھ ہی تمام نو آبادیاں ------ قسم قسم کے گروہوں سے آباد ہوئی تھیں۔ جن کے درمیان وطن میں خاصا مجلسی اور اقتصادی اختلاف تھا۔ صرف بالائی طبقہ مستثنیٰ سمجھنا چاہئے۔ ڈیوک ترک وطن پر آمادہ نہ ہوئے' لیکن غریب ترک وطن کرسکتے تھے' نہ کیا۔ وہ یا تو ملازم بن کر وہاں پہنچے یا ملاح کی حیثیت میں کسی جہاز پر روانہ ہوگئے اور وہاں خفیہ خفیہ اتر گئے۔ طبقہ اوسط کے آدمی بہ کثرت آئے اور ہر جگہ آباد ہوئے۔ نیو انگلینڈ میں بھی خوش حال لوگوں کی خاصی آبادی تھی۔

تاہم یہ درست ہے کہ نیو انگلینڈ میں زیادہ ترکیلون کے پیرو آباد تھے۔ وہ پہلے سے وسیع مقامی خود اختیاری کے متعقد تھے اور بڑے بڑے زمیندار امراء پر انہیں قطعاً" اعتماد نہ تھا۔ وہ بھی درست ہے کہ جنوبی نو آبادیوں' خصوصاً" ورجینیا میں زیادہ تر انگلیکی آباد ہوئے' جو مجلسی امتیازات کے بھی حامی تھے اور بڑے بڑے زمیندار بھی تھے۔ ورجینیا میں کلیسائے انگلستان کو مسلم مان لیا گیا۔ مساچوسٹس میں پیوریٹنوں کا زور تھا۔ وہ وطن میں تقلید کے بندھنوں سے آزاد تھے' لیکن نئے وطن پہنچ کر تقلید کے بندھنوں میں جکڑے گئے۔ جغرافیہ اور آب و ہوا نے جنوب میں تمباکو' چاول' نیل یا کپاس میں سے کسی ایک جنس کی کاشت شروع ہوگئی۔ نیوانگلینڈ اور وسطی حصے کی نو آبادیوں میں چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی پیدا ہوگئے اور وہاں صنعت و تجارت بھی چھوٹے پیمانے پر جاری رہی۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ مجلسی نظام و قواعد کی ابتدائی اختلاف نے نہیں' بلکہ طبعی ماحول نے شمال اور جنوب کے نشو و ارتقا میں تنوع پیدا کیا اور آگے چل کر ان میں مسلح جنگ شروع ہوئی۔

تیرہ نو آبادیاں ادارے : ہم ان آباد کاروں کے جانشین ہوئے اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ انگریز نو آباد کار اپنے ساتھ مذہبی آزادی' بحث و نظر کے ذریعے سے حکومت اور جمہوری معاشرہ لائے تھے اگرچہ وہ محض بیج لائے تھے' محض ممکنات لائے تھے جو پوری طرح اداروں کی شکل میں ظہور پزیر نہیں ہوئے تھے۔ یہ آباد کار اس انگلستان سے آئے تھے' جہاں فرقوں کی طویل کش مکش کے بعد مذہبی آزادی کا تصور محض شروع ہوا تھا۔ نیو انگلینڈ اور ورجینیا کے آباد کاروں کے لئے فطری تقاضا یہی تھا کہ وہ ریاستوں کے لئے کلیسائی نظام قائم کرتے' تاہم معاصر انگلستان کی طرح یہ تارکین وطن بھی بہت سے متصادم مذہبی گروہوں میں بٹے ہوئے ہوئے تھے اور وہ کوئی ایسی مذہبی یکسانی پیدا نہیں کرسکتے تھے' جو جنوبی جانب ہسپانوی نو آبادیوں میں اور شمالی جانب فرانسیسی نو آبادیوں میں موجود تھی۔ نیو انگلینڈ میں بھی بپٹسٹوں' کریکروں اور اسقفی اصول کے پابندوں کے ظہور سے الحاد شروع ہوچکا تھا' جو نیو ہیمپشائر میں رفتہ رفتہ پہنچ گئے تھے۔ بعض نو آبادیاں ایسے گروہوں نے قائم کی تھیں جو پہلے سے مذہبی آزادی پر کاربند تھے۔ انہوں نے کلیسا اور حکومت کو الگ الگ کر دیا تھا۔ میری لینڈ جزوا" اس لیے آباد ہوا تھا کہ جن لوگوں کو وطن میں سب سے بڑھ کر قابل اعتماد سمجھا جاتا تھا یعنی کیتھولک' انہیں پناہ دے دی جائے۔ پنسلوینیا کو کریکروں نے آباد کیا' جو کلیسا اور حکومت کی علیحدگی کے سچے معتقد تھے۔ روڈ آئی لینڈ راجر ولیمز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دوسروں نے قائم کیا تھا' جو خلیج مساچوسٹس کی آرتھوڈکسی قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان تمام نو آبادیوں میں کامل مذہبی آزادی موجود تھی اور اسے ریاست ہائے متحدہ کے دستور میں جگہ دے دی گئی۔

جمہوریت کے بیج بھی پہلے سے موجود تھے' اگرچہ ابتدائی آبادکاروں نے نہ صرف ورجینیا' بلکہ شمال میں بھی طبقاتی امتیازات اس بے تکلفی سے قبول کر لیے تھے۔ جس پر ہم آماہ نہیں ہوسکتے۔ نو آبادیوں میں امرا کا کوئی رسمی طبقہ پیدا نہ ہو۔ ابتدا میں یقیناً" ایسا رجحان موجود تھا کہ ساحلی خطوں کے اندر ایک خاص درجے یا کمتر درجے کی امیری کو فروغ حاصل ہو۔ لیکن اس کے مقابلے میں سرحدی مقامات پر مساوات پیدا ہوگئی اور شہروں میں صلاحیت رکھنے والے لوگوں کے لئے ہر کاروبار اور پیشے کا دروازہ کھل گیا۔ بحث و نظر کے بعد حکومت کا کاروبار چلانے کا سلسلہ بھی نو آبادیوں میں ابتدا ہی سے جاری تھا۔ تمام نو آبادیوں میں ـــــ مالکانہ نو آبادیوں سمیت مثلاً پنسلوینیا کی نو آبادی جو ایک مالک کو عطا ہوئی تھی ـــــ کسی نہ کسی قسم کی قانون ساز مجلسیں موجود تھیں۔ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں' جہاں نئی دنیا کے اندر انگریزی' ہسپانوی اور فرانسیسی اور ہسپانوی حکومتیں مرکزیت مآب نوکر شاہی بادشاہیاں تھیں۔ ان کی نمائندہ مجلسیں محض شورائی حیثیت رکھتی تھیں۔ انہیں محاصل عائد کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ شاہی گورنر لاطینی امریکہ اور نیو فرانس میں جس طرح چاہتے' صوبوں کا انتظام کرتے۔ جو آدمی ان کی طرف سے مقرر ہوتے' ان پر انحصار رکھتے اور اپنے اختیار سے روپیہ فراہم کر لیتے۔ انگلستان میں بھی یقیناً" بادشاہی قائم تھی' لیکن وہاں کی بادشاہی پارلیمانی تھی۔ سترھویں صدی کے اندر وہ دو انقلاب دیکھ چکی تھی۔ اگرچہ اکثر نو آبادیوں میں شاہی گورنر تاج کی نمائندگی کرتے تھے' لیکن انگریزی حکومت میں ایسا نوکر شاہی نظام موجود نہ تھا' جیسا فرانسیسی اور ہسپانوی حکومتوں میں موجود تھا۔ انگریزی نو آبادیوں کے شاہی گورنروں کے پاس محروروں کا عملہ بھی کافی نہ تھا اور انہیں اپنی قانون ساز مجلسوں کے ذریعے سے روپیہ حاصل کرنے میں بڑی مشکل پیش آتی تھی۔ ان ریاستوں کی تاریخ گورنروں اور قانون ساز مجلسوں کے جھگڑوں سے پر ہے اور ان جھگڑوں میں گورنر کو اکثر مات کھانی پڑتی' کیوں کہ مقامی لوگوں سے زیادہ امداد مل نہیں سکتی تھی اور انگلستان کی طرف سے وقتاً" فوقتاً" کمی۔ گورنر کی تائید ہوتی۔ مزید برآں حکومت کی مقامی وحدتوں۔ نیو انگلینڈ نے قصبے اور باقی نو آبادیوں میں کاؤنٹیز (اضلاع) میں عوام کی رائے شریک تھی اور نوکر شاہی اقتدار غائب تھا۔ سب سے آخر میں یہ کہ آبادکار انگلستان سے ایک مستقل قانون ساتھ لائے' جس میں جیوری کے ذریعے سے مقدمات کی سماعت ہوئی۔ گویا نوکر شاہی انتظامی قانون بھی یہاں کارفرما نہ تھا۔

مختصر یہ کہ صرف خالی زمین ـــــ سرحد ـــــ کے مواقع ہی نہیں' بلکہ انگریز روایات و افکار اور مرکزی حکومت کی کمزوری بھی امریکی جمہوریت کی نشوونما میں بڑے عامل تھے۔ جو چیزیں انگریز اپنی نو آبادیوں میں لائے وہ فرانسیسی اور ہسپانوی نہ لائے۔

نیو فرانس : شمالی جانب خلیج فنڈی کے خطے اور دریائے لارنس کے طاس میں فرانسیسیوں نے کارٹی اور چمپلین کے اکتشافات کے مطابق اپنی ریاست قائم کی' جس کا نام نیو فرانس رکھا۔ نیو فرانس تقریباً" ڈیڑھ صدی تک شمالی امریکہ کی انگریز نو آبادیوں کے لیے خطرہ بنا رہا۔ دریائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لارنس اور جھیلوں کے متعلق فرانسیسیوں کو براعظم کے قلب میں پہنچ جانے کا موقع مل گیا۔ انگریزوں اور دریائے سپی کے درمیان ایک کوہستانی سلسلہ موجود تھا جسے اپیلا شین کہتے تھے۔ فرانسیسی اس وجہ سے بھی مشرق کی جانب بڑھے چلے گئے کہ ان کی سب سے بڑی اقتصادی دلچسپی سمور کی تجارت تھی۔ سمور قیمت بہت کم پاتے ہیں اور ان کا وزن بہت کم ہوتا ہے۔ انہیں چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں لاد کر لے آنا بہت آسان ہے۔ پھر یسوعیوں نے جو فرانسیسی کیتھولک تھے' پروٹسٹنٹ انگریزوں کے مقابلے میں تبلیغ کے لئے خاص جوش و خروش کا اظہار کیا۔ پادری اور شکاری دونوں مغربی جانب بڑھے چلے گئے۔ آخر شمالی امریکہ میں فرانسیسیوں نے قصداً" سامراجی پالیسی اختیار کرلی اور اس وقت فرانس میں بوربون بادشاہوں کا وقار و اقتدار کمال پر پہنچا ہوا تھا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں نے نہیں' فرانسیسیوں نے براعظم کے اندرونی حصے کی چھان بین کی۔ 1712ء میں انہوں نے نو آبادیوں کا ایک خطہ قائم کردیا ——— یا کہنا چاہئے کہ جگہ جگہ تجارتی چوکیاں بنا دیں۔ ان کے درمیان میلوں تک جگہیں خالی تھیں' جہاں دیسی باشندے آباد تھے ——— اس طرح ساحل اوقیانوس کی تمام انگریزی نو آبادیوں کے گرد فرانسیسیوں کا ایک حلقہ قائم ہوگیا۔ ان فرانسیسی متکشفوں' مشنریوں اور تاجروں کی داستان امریکی مورخ فرانس پارکمین نے بڑے عمدہ طریق پر پیش کی ہے اور یہ تاریخ کا ایک نہایت مسحور کن باب ہے۔ ان میں سے اکثر کے نام امریکی میراث کا جزو ہیں۔ مثلاً کیو پلیر ڈی لاسال' پیئر مارکرے' جولیے' فرنٹینک' کارڈی نیک' البرول - ایک خط کو بیک سے مغرب کی طرف جاتا تھا۔ پھر موبائل اور نیو لیانز ——— یہ نو آبادی اٹھارھویں صدی کے اوائل میں قائم ہوئی تھی اور لوئی چہار دوم کے نام پر اس کا نام لوئیسیانا رکھا گیا تھا۔ سے مختلف خطوط شمال میں سپی تک جاتے تھے۔ پھر کینیڈا اور الینائس کے خطوں سے مل جاتے تھے۔

تاہم فرانسیسیوں کا یہ سامراجی اقدام نقشے پر تو یقیناً" خاصا اثر انگیز معلوم ہوتا ہے' لیکن اس میں اتنا استحکام نہ تھا کہ انگریزوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا جاتا۔ یہ ایک تجارتی سلطنت تھی' جن میں فوجی عزائم بھی شامل تھے۔ مگر کوبیک کے سوا اس سلسلے میں مستقل نو آبادیوں کی حیثیت اختیار نہ کی۔ اٹھارھویں صدی کے نازک دور میں وہاں چند ہزار باشندوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فرانسیسی خاص تعداد میں ملک چھوڑ کر باہر ہی نہ نکلے وہ تاجروں یا منچلے آدمیوں کی حیثیت میں وسیع علاقوں کے اندر پھیل گئے۔ اگر ہیوجینات یہاں آتے تو اسی طرح آباد ہو جاتے جس طرح نیکی یورٹین آباد ہوئے وہ اس لئے نہ آسکے کہ شاہی پالیسی نیو فرانس میں کیتھولک مذہب قائم رکھنے پر تلی بیٹھی تھی۔

انڈیز: غربی و شرقی : شمال و مغربی یورپ کی بحری طاقتیں ہسپانیہ اور پرتگال دونوں کی نئی اور پرانی دنیاؤں میں دخل انداز ہوئیں۔ فرانسیسیوں' ولندیزوں اور انگریزوں' تینوں کی خواہش تھی کہ جنوبی امریکہ میں قدم جمانے کا موقع مل جائے' لیکن وہ صرف گوائنا میں آباد ہوسکے' جس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ بحیرہ کریبیا پر ہسپانیہ کی گرفت انہوں نے توڑ دی اور اس سمندر کے بے شمار جزیروں کو سامراجی اقتدار کا بوقلموں عکس نما بنا دیا اور یہاں مسلسل بحری جنگوں اور قزاقی کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ جزائر غرب الہند آج بہت معمولی علاقہ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر دور حاضر کے اوائل میں سامراج کا بہت بڑا مرکز تھے۔ یہاں سے اصل باشندے نکالے جا چکے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی جگہ غلام حبشی آگئے تھے' جن کی مزدوری بہت معمولی تھی اور وہی اپنے آقاؤں کے لئے گرم سیر فصلیں پیدا کرتے تھے' مثلاً تمباکو' پھل' قہوہ اور سب سے بڑھ کر گنا' چینی پیدا کرنے میں جن کا کوئی حریف نہ تھا۔

فرانسیسیوں' ولندیزوں اور انگریزوں نے ہسپانیہ و پرتگال کی ان تجارتی سلطنتوں پر بھی چھاپے مارنے شروع کر دیئے تھے' جو انہوں نے پرانی دنیا میں قائم کرلی تھیں۔ وہ ایک دوسرے پر بھی چھاپے مارتے تھے' خواہ سرکاری طور پر حالت امن ہوتی یا حالت جنگ۔ 1715ء تک انہوں نے تجارتی اور سامراجی سلطنتوں کی بنیادیں ایشیاء اور افریقہ میں استوار کرلی تھیں۔

دور حاضر کے اوائل میں ہندوستان کو حد درجہ بیش بہا سمجھا جاتا تھا اور اسی کے لئے سب سرگرمی سے بازی لگائے بیٹھے تھے۔ سلطنت مغلیہ جنوبی ہند میں چنداں طاقت ورنہ تھی کہ اہل یورپ کو باہر رکھ سکتی' لیکن اس میں اتنی طاقت ضرور تھی کہ ان لوگوں کو ساحلی حواشی کے اندر نہ آنے دیا۔ رفتہ رفتہ فرانسیسی اور انگریز دونوں ہندوستان کے ان مقامات میں قدم جما کر بیٹھ گئے' جو زوال پذیر پرتگیزوں سے ان کے ہاتھ آئے۔ انگریزوں نے 1612ء میں پرتگیزی بیڑے کو شکست دی اور اس کے فوراً" بعد سورت میں تجارتی حقوق حاصل کرلئے سورت ہندوستان کے مغربی ساحل پر ہے۔ 1690ء میں انگریزوں نے بنگال (مشرقی ہند) میں ایک شہر کی بنیاد رکھی۔ جس نے بڑی شہرت پائی' یعنی کلکتہ۔ فرانسیسیوں کو جنوبی ساحل پر مدارس کے نزدیک ایک قدم گاہ مل گئی تھی' جس کا نام پانڈی چری رکھا گیا اور انہوں نے اور مرکز بھی بنا لیے۔ اٹھارھویں صدی کے اوائل میں شمالی امریکہ کی طرح ہندوستان کے سٹیج پر بھی فرانس و برطانیہ کے درمیان سمندر پار سلطنت کے لئے فیصلہ کن کشمکش شروع ہونے والی تھی۔

دونوں ملکوں نے شمالی امریکہ کی طرح ہندوستان میں بھی تجارتی کمپنیوں کے ذریعے سے کام شروع کیا۔ انگریزی کمپنی کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی تھا اور فرانسیسی کمپنی کا نام "کمپنی وا اندیز اور نیشلز" تھا یہ کمپنیاں تجارت کرتی رہیں۔ جب دونوں حکومتوں کو معلوم ہوا کہ تجارتی کوٹھیوں کے اردگرد کچھ علاقوں پر بھی قبضہ ضروری ہے تو دونوں اپنی اپنی کمپنی کی پشتیبان بن گئیں اور ہندوستان کے ساتھ پورے تعلقات خالص تجارتی نہیں رہ سکتے تھے۔ رفتہ رفتہ دونوں ملک اپنی اپنی کمپنی کی حمایت کرتے رہے۔ ہندوستانیوں کی سیاسیات اور لڑائیوں میں الجھ گئے' لیکن کسی بھی ملک نے مشرق میں نیو انگلینڈ اور نیو فرانس قائم کرنے کی کوشش نہ کی۔

ولندیز بھی مقابلے کے میدان میں پرجوش طریق پر اتر آئے۔ ان کی ایسٹ انڈیا کمپنی 1602ء میں قائم ہوئی تھی۔ آئندہ چند عشروں میں انہوں نے پرتگیزوں کو سیلون سے نکال دیا۔ لیکن ولندیز ہندوستان کے پاس سے گزرتے ہوئے جنوبی و مشرقی ایشیاء خصوصاً" جزائر مشرق الہند کی طرف متوجہ ہوگئے۔ یہاں سے بھی انہوں نے پرتگیزوں کو خارج کر دیا۔ صرف تیمور ان کے پاس رہ گیا۔ انگریزوں نے مداخلت کی کوشش کی' مگر وہ بھی ناکام رہے۔ اگرچہ اٹھارھویں صدی میں ولندیزوں کی سیاسی قوت پر تیزی سے زوال آگیا' تاہم جاوا اور سماٹرا پر ان کی گرفت ایسی مضبوط تھی کہ ہالینڈ کی سلطنت جزائر مشرق الہند میں خود ہمارے زمانے تک قائم رہی۔

افریقہ : تینوں بحری شمالی طاقتوں کو افریقہ کے گرد وہی بحری راستہ اختیار کرنا پڑا۔ جو پندرھویں صدی میں پرتگیزوں نے دریافت کیا تھا۔ تینوں نے افریقہ میں بھی کوٹھیاں قائم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلیں۔ ولندیزوں نے افریقہ کے جنوبی سرے پر قبضہ کرلیا۔ 1652ء یہی راس امید کا علاقہ تھا' بے جنگی نقطہ نگاہ سے بڑی اعلیٰ حیثیت حاصل تھی۔ ہالینڈ سے انڈونیشیا اور مشرق بعید تک بڑا لمبا بحری سفر تھا۔ ولندیزی جہازوں کو ایک ایسے مقام کی ضرورت تھی' جس سے وہ سرد سامان لے سکتے۔ راس امید اصل ولندیزوں کے لئے ایسا ہی مقام تھا۔ اردگرد کا علاقہ خالی تھا' البتہ قدیم زمانے کے قبائل وہاں کہیں کہیں موجود تھے اور اس کی آب و ہوا اہل یورپ کے لئے سازگار تھی۔ اگرچہ تارکین وطن کی کوئی بڑی جماعت وہاں نہ پہنچی' تاہم آہستہ آہستہ ایک نو آبادی بن گئی۔ اس نو آبادی سے جنوبی افریقہ میں ولندیزی نژاد باشندوں کی ابتدا ہوئی' جنہیں افریکنز کہتے ہیں۔ مغربی افریقہ میں بھی ولندیزوں نے پرتگیزوں سے بعض تجارتی مرکز چھین لیے' جو گولڈ کوسٹ اور گنی کے اندر واقع تھے۔ اس طرح وہ غلاموں کی نفع بخش تجارت میں بھی حصہ دار بن گئے۔

فرانسیسیوں نے بھی افریقی ساحل پر کچھ علاقے حاصل کرلیے۔ نقشہ دیکھنے سے واضح ہوسکتا ہے کہ یہ علاقے اکٹھے نہ تھے' بلکہ جابہ جا جداگانہ مرکز تھے' جن میں دوسرے بھی مداخلت کرسکتے تھے۔ 1626ء میں فرانسیسی حسینی گال (مغربی افریقہ) پہنچ گئے۔ بحرہند میں انہوں نے جزیرہ مڈغاسکر پر قبضہ کرلیا۔ جسے لوئی چہاروم نے 1686ء میں اپنی سلطنت کا جزو بنا لیا۔ 1517ء میں انہوں نے مارشیس ولندیزوں سے چھینا اور اس کا نام آئیل و فرانس رکھا۔ انگریز مقابلے پر آئے تو انہوں نے دریائے کیمبیا (مغربی افریقہ) کے دہانے پر ایک قدمگاہ حاصل کرلی۔ 1662ء- پھر فرانسیسیوں اور ولندیزوں سے اور علاقے چھین لیے۔ غرض اٹھارھویں صدی میں افریقہ اور آس پاس کے سمندروں کا نقشہ سامنے رکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ساحل پر مرکزوں کا ایک سلسلہ موجود تھا' جن پر مختلف سامراجی یورپی طاقتیں قابض تھیں۔ اندرون ملک میں کوئی یورپی داخل نہ ہوا۔ وہاں صرف بردہ فروش اور دیسی تاجر جاتے تھے۔ گویا افریقہ کا اندرونی حصہ جیسا تھا' ویسا ہی رہا۔ انیسویں صدی میں "تاریک براعظم" کے دروازے یورپی تہذیب کے لئے کھلے۔

مشرق بعید : چین پرانی سلطنت تھی اور وہ اہل یورپ کی جوع الارض کا مقابلہ بخوبی کرسکتی تھی۔ پرتگیز زوال اقتدار کے دور میں مکاؤ سے چمٹے رہے۔ ان کے پیچھے پیچھے ولندیز بھی پہنچ گئے اور انہوں نے 1624ء میں فارموسا کے اندر ایک مرکز حاصل کرلیا۔ یسوعی چین پہنچے تو اپنے ساتھ یورپی آلات اور ایسے علوم لے گئے' جن سے اہل چین کو دلچسپی تھی۔ اس وجہ سے سترھویں صدی یسوعیوں کے ساتھ چین کے اندر روا داری کا برتاؤ ہونے لگا' لیکن وہ مسلمہ چینی طور طریقوں کے مقابلے میں کوئی ترقی نہ کرسکے۔ چینیوں کو یقین تھا کہ ان کی سرزمین کو روحانی اور ثقافتی اعتبار سے پوری دنیا میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اہل یورپ جاہل اور بربری ہیں۔ ان کا فرض یہ ہے کہ چین کو خراج دیں' چنانچہ کنٹین اور مکاؤ سے تجارت کا معمولی سلسلہ جاری رہا۔ تاہم اس تجارت کی بدولت چین اور یورپ کے درمیان روابط قائم رہے۔ چین کے دروازے آگے چل کر کھلے۔

جاپان میں بھی یورپی مداخلت چین ہی کی طرح شروع ہوئی۔ سولھویں صدی میں پرتگیز اور 1609ء میں ولندیز تجارتی روابط قائم کرسکے۔ 1549ء میں مشہور یسوعی مشنری سینٹ فرانس زیویئر نے جاپان میں کام شروع کیا۔ اہل یورپ سے تجارت کا مرکزی ناگاساکی تھا۔ جاپانیوں کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ردعمل چینیوں سے بھی زیادہ زبردست تھا۔ لوگوں کی بڑی تعداد کو تو عیسائی نہ بنایا جاسکا۔ لیکن مسیحیت نے خاصی ترقی کی۔ ٹوکو گاوا خاندان کے لوگ 1600ء سے 1868ء تک جاپان کے جاگیر دار جنگی حکمران تھے۔ وہ مسیحیت سے ڈرتے تھے اور اس ڈر کی وجہ ایک یہ تھی کہ ان کی قومی روایات کے لئے خطرہ موجود تھا' دوسری وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنی حکمرانی معرض خطر میں نظر آتی تھی۔ انہیں خیال تھا کہ ممکن ہے اس طرح یورپی طاقتوں کو سیاسیات جاپان میں مداخلت کا موقع مل جائے اور وہ ٹوکو گاوا کے دشمنوں سے ساز باز شروع کردیں' لہٰذا انہوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اپنی سرزمین کے دروازے اجنبی خطرات کے لئے بند کردیں۔ غیر ملکیوں کو ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی اور اہل جاپان ملک سے باہر نہیں جاسکتے تھے۔ بڑے جہاز بنانے کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ جو سمندر میں سفر کے لئے ضروری تھے۔ ولندیزوں کو ناگا ساکی کی بندرگاہ کے ایک جزیرے میں رہنے کی اجازت تھی۔ وہاں بھی ان کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ 1715ء کے بعد سال بھر میں ان کے صرف دو جہاز آسکتے تھے۔ 1853ء میں امریکہ سے پیری جاپان پہنچا تو حیرت انگیز دربندی کا یہ سلسلہ ٹوٹا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ باب 20

بحرالکاہل کی طرف پیش قدمی

(OPENING OF THE ATLANTIC)

دور حاضر کے اوائل میں یورپ کی توسیع صرف ان بحری طاقتوں تک محدود نہ تھی' جو اوقیانوس کے کنارے پر تھیں۔ بے شک ہم امریکیوں کی روایت طبعاً" کولمبس' میجالن' کیپٹن جان ہمتھ اور ان کے پیروؤں ہی کی سعی و کوشش پر مبنی ہے' لیکن تاریخ عمومی میں روسیوں کے ان حیرت انگیز انکشافات اور فتوحات کو بھی جگہ ملنی چاہئے' جو سائبیریا کے اندر عمل میں آئی اور نئی دنیا میں یورپ کی توسیع سے متوازی چیزیں اس توسیع میں بھی پائی جاتی ہیں۔ محض سنین کے اعتبار سے بھی برابری بہ دستور نمایاں ہے۔ یورپ اور ایشیا کے درمیان کوہستان یورال پہاڑوں کا ایک نسبتاً" کم بلند سلسلہ ہے۔ ماسکو والوں نے پہلے پہل اسے 1483ء میں عبور کیا۔ 1559ء میں انہوں نے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ 1647ء میں بحرالکاہل کے کنارے آکوٹسک کے اندر ایک قلعہ تعمیر کرلیا اور اس ہزاروں مربع میل سرزمین کا نام انہوں نے سائبیریا رکھا۔ ایک اور متوازی حقیقت' جو کم اہم نہیں' یہ ہے کہ جس روس میں یہ توسیع ہوئی' وہ نئے دور کی ایک بادشاہی تھی۔ بعض اعتبارات سے چارلس پنجم اور فلپ دوم کے ہسپانیہ سے بھی زیادہ نئی تھی۔ تاہم ہسپانیہ کی طرح مسیحی مملکت تھی۔ جو مسلمانوں کے طویل تسلط سے آزاد ہوئی تھی۔

جس سائبیریا میں سے روسی بحرالکاہل کی طرف بڑھے' وہ ایک وسیع سرزمین تھی' تاہم خطہ منجمد شمالی کی طرح کا ما ابر فستان نہ تھی' جیسا کہ مغربی یورپ کے عام لوگ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اس میں دریاؤں کی روانیاں واقع تھیں' جن میں سے پیش قدمی سہل تھی اور اس کے اکثر حصے میں کہیں کہیں آبادی تھی' مگر یہ لوگ مختلف قسموں کے قبیلے تھے۔ ان میں خانہ بدوش بھی تھے۔ جو نسل و ثقافت کے اعتبار سے تاتاری تھے۔ اور اسکیمو بھی تھے' جو خطہ منجمد میں رہتے تھے۔ ان لوگوں نے بڑھتے ہوئے روسیوں کو بے حد امداد دی۔ وسطی حصے میں جنگلات تھے۔ یہاں جو قبیلے آباد تھے اور ثقافتی اعتبار سے اسی درجے پر تھے' جس پر شمالی امریکہ کے مقامی باشندے تھے۔ غرض روسی مشرق کی کہانی خصائص و ماحول کے اعتبار سے مغربی امریکہ کی کہانی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ یہاں بھی سمور کے تاجر' شکاری' قانون باہر مجرم' وحشی' دوست یا دشمن' مکڑی کی جھونپڑیاں وغیرہ ملیں۔ یہی پوری توسیع کی تاریخ کا خلاصہ ہے۔ اہل یورپ کی آتش بار اسلحے کی بدولت مقامی باشندوں پر فوقیت مل گئی۔ لوک کہانیاں بھی دونوں مقاموں پر ایک ہی وضع کی ہیں۔ یہاں قازقوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کے رئیس یرماک کا ایک کارنامہ درپیش کیا جاتا ہے۔ جس نے سائبیریا میں وہی کام انجام دیا جو کارٹیز نے میکسیکو میں انجام دیا تھا۔

"ایک مقام پر قازقوں کی چھوٹی سی فوج کو ایک درے میں سے گزرنا پڑا' جہاں دریا کا پانی بڑی تیزی سے نیچے گرتا ہے (یہ وہی مقام ہے' جہاں دریائے ٹربول بلند کناروں اور تنگ مقام میں سے گزرتا ہے۔) یہاں تاتاریوں نے چٹانوں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکڑی کے بڑے بڑے شہتیروں سے ایک روک کھڑی کرلی تھی۔ شہتیر لوہے کی زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ خود کنارے کی بلند چوٹیوں پر مورچے جما کر بیٹھ گئے تھے۔ یرماک اور اس کے ساتھی کشتیوں کے چھوٹے سے بیڑے میں بڑھے چلے جا رہے تھے۔ عین آخری وقت میں انہیں خطرے کا احساس ہوا۔ بعض ساتھیوں نے رئیس سے کہا کہ کشتیاں چھوڑ دینی چاہیں۔ جو بڑی محنت سے تیار کی گئی تھیں اور آئندہ سفر کی کامیابی انہیں پر موقوف تھی۔۔۔۔۔ اور پیدل اس علاقے سے گزرنا چاہیئے' تاکہ تاتاریوں کے مورچے ایک طرف چھوڑے جاسکیں' لیکن یرماک کی چالاکی اور ہوشیاری کی بہترین نمائش کا بھی یہی موقع تھا۔ اس نے حکم دے دیا کہ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے شہتیر کاٹ کر لمبی کشتیوں میں رکھ لیے جائیں۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی پھٹی ہوئی وردیاں لے کر ان شہتیروں پر چڑھا دیں اور ہر ایک کے سر پر قازقوں کی قلیاق رکھ دی۔ ہر ایک کے ساتھ ایک پودا باندھ دیا۔ جو قازقوں کے لمبے برچھوں سے مشابہ تھے۔ ان مصنوعی جنگجوؤں کو شام کے دھندلکے میں آگے بڑھایا۔ ہر کشتی کو کھینچنے کے لئے ایک ایک بہادر نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ تاتاریوں نے اپنی کمانوں سے تیر برسانے شروع کردیئے' لیکن یہ دیکھ کر وہ ہمت ہار بیٹھے کہ ان کے بعد ایک نئی اور زبردست فوج آپہنچی۔ یہ یرماک کی فوج تھی' جو بڑی حد تک برہنہ تھی۔ ان لوگوں نے جھاڑیوں سے احتیاط کے ساتھ گزرتے ہوئے تاتاریوں پر عقب اور بازوؤں سے نہایت شدید حملہ کیا۔"

اس روسی توسیع کے کارندے بے شمار تھے اور ان کے مقاصد بھی مختلف تھے۔ مثلاً وہاں سعی و کوشش کے بغیر ملک کے اندر دولت ہاتھ آسکتی تھی اور ملک کے اندر سعی و کوشش کے بغیر چارہ نہ تھا یا کم از کم ایسی دولت مل سکتی تھی' جس پر قانون املاک کی کوئی پابندی عائد نہ ہو۔ اگرچہ سمور نے بھی لوگوں کو اکثر اپنی طرف کھینچا' لیکن اقتصادی پیشقدمی کا سب سے بڑا محرک سمور کی تجارت تھی۔ خوش نصیبی یہ تھی کہ اس وسیع خطے میں دیسی باشندوں نے سمور کو کبھی ہاتھ بھی نہ لگایا تھا اور انہیں وہ سب تدبیریں آتی تھیں' جن کی ضرورت سمور کے شکاریوں کو تھی۔ سمور کی تجارت کے ساتھ ساتھ لوگ وہاں آباد ہونے لگے۔ بعض کو لکڑی کی تجارت کا خیال ہوا۔ بعض نے بھیڑیں پال لیں۔ رفتہ رفتہ کاشتکار بھی وہاں پہنچنے لگے۔ سب سے پہلے وہاں جو لوگ پہنچے وہ سٹروگانوف تھے۔ انہوں نے خطہ یورال میں ایک ریاست پیدا کرلی۔ اسی حصے میں لوہے کی بڑی اچھی کانیں تھیں اور انہوں نے زار سے رعایتیں بھی حاصل کرلیں۔ یہی لوگ تھے' جنہوں نے قازقوں کے اس گروہ کو بلایا' جس کا رئیس یرماک تھا۔ قازق سرحدی لوگوں کو کہتے ہیں۔ نبلا" یہ روسی تھے اور روس نے مشرقی جانب توسیع کا جو سلسلہ شروع کیا' اس میں یہ لوگ مرکزی حکومت کے حددرجہ قابل اعتماد کارکن ثابت ہوئے۔ عام سرحدی آدمیوں کی طرح یہ لوگ ایک حد تک اکھڑ تھے اور قانون کی بھی بہت زیادہ پروا نہیں کرتے تھے' لیکن کلیسا اور زار کی وفاداری میں حددرجہ مخلص تھے۔ مشکلات و مصائب میں ضبط و نظم اور صبر و تحمل کے ایسے نمونے پیش کرتے' جو باقاعدہ، منظم فوجیں بھی اکثر پیش نہیں کرسکتیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحرالکاہل اور چین کی طرف پیشقدمی : سائبیریا دنیا کی ایک سب سے بڑی سلطنت کا ہمسایہ تھا۔ مغربی یورپ کے لوگ سمندر کے راستے چین پہنچے تھے۔ روسی ایک دو نسل بعد خشکی کے راستے چین پہنچ گئے۔ ایک روسی فاتح خبروف سترھویں صدی کے وسط میں ایک مسلح فوج کے ساتھ دریائے امور کی وادی کے راستے بڑھا۔ سامنے اتنی بڑی چینی فوج ملی' جس سے وہ عہدہ برآ نہیں ہوسکتا تھا' لیکن روسیوں نے امور کے علاقے سے آگے قدم نہ بڑھایا اور وہاں سے منچوریا پہنچنے لگے۔ منچوریا ہی چین کے نئے حکمران خاندان کا وطن تھا۔ منچوریا میں لڑائی شروع ہوگئی۔ جس میں روسیوں کے چھوٹے چھوٹے دستے چین کی بڑی بڑی فوجوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس دور میں لڑائی کا عام طریقہ یہی تھا۔ لیکن چینیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ آخر 1689ء میں روسیوں نے دانشمندی سے کام لیتے ہوئے چینیوں سے عہد نامہ کرلیا' جس کے مطابق امور کے علاقے سے فوج نکال لی گئی اور خاص منچوریا میں روسیوں کو آباد ہونے کی ممانعت کردی گئی۔ ایک یورپی طاقت کے ساتھ یہ پہلا معاہدہ تھا' جس پر چینیوں نے دستخط کیے۔ یہ یکسوئی اور توازن قوی کا معاہدہ تھا۔ اس کے مطابق چین کے شمال میں روسیوں کے لئے قیام کی ایک زبردست جگہ مل گئی۔ مگر چین کے قلب سے وہ منقطع تھے۔ بیچ میں منگولیا کا علاقہ حائل تھا' جہاں آبادی زیادہ نہ تھی۔ منگولیا رسما چینیوں ہی کے ماتحت تھا۔ گویا منگولیا چینیوں اور روسیوں کے درمیان ایک علاقہ حائل بن گیا۔

روس مشرقی جانب سے نئی دنیا میں بھی پہنچا۔ ویس بیرنگ ایک ڈین ملاح تھا' جس نے روسیوں کی ملازمت اختیار کرلی تھی۔ اٹھارھویں صدی کے اوائل میں اس نے ایشیاء اور امریکہ کے درمیان آبنائے کی چھان بین کی اور یہ آبنائے اسی کے نام سے موسوم ہوئی' یعنی بیرنگ۔ پھر وہ جزیروں کے اس سلسلے پر پہنچا' جنہیں ایلوشی جزیرے کہتے ہیں۔ یہ ایلاسکا سے ملے ہوئے ہیں۔ یہاں بھی سمور بہت تھے اور روس نے ایلاسکا پر قبضہ کرلینے کی کوشش کی' حتی کہ وہ شمالی کیلیفورنیا تک پہنچ گئے۔ یہاں ہسپانوی اور انگریز موجود تھے اور تعلقات میں کشیدگی شروع ہوگئی۔ آخر روسی پیچھے گئے۔ 1867ء میں روس نے ایلاسکا ریاست ہائے متحدہ کے ہاتھ فروخت کردیا۔ کیلیفورنیا میں انہوں نے جو قلعہ بنایا تھا وہ وطن سے بہت دور تھا اور کوئی سامراجی مقصد پورا نہیں کرسکتا تھا۔ اس زمانے میں روس نئی دنیا کے اندر کوئی زبردست عامل نہیں بن سکتا تھا۔

بحیرہ منجمد اور لیوانت : 1715ء میں اہل یورپ اکتشافیوں' مشنریوں' تاجروں اور سلطنت کے سفیروں کی حیثیت سے ہر طرف پھیل گئے تھے اور تقریباً" ہر مقام پر جاپہنچے تھے۔ انہوں نے بحر منجمد کے اکتشافات میں بھی حصہ لیا' کیوں کہ امید تھی' شمال و مغرب یا شمال و مشرق سے کوئی ایسا راستہ ضرور مل جائے گا' جو مشرق بعید کے لیے قریب تر ہوگا۔ اٹھارھویں صدی میں یہ چھان بین خاصی ترقی کرچکی تھی۔ ہنری ہڈسن محض دریائے ہڈسن ہی نہیں' بلکہ خلیج ہڈسن بھی دریافت کرچکا تھا' جو شمال میں واقع تھی۔ سترھویں صدی کے اواخر میں منچلے انگریزوں اور سرمایہ داروں نے مل کر ایک کمپنی بنائی۔ یعنی ہڈسن بے کمپنی (خلیج ہڈسن کی کمپنی) شروع میں مقصود یہ تھا کہ خلیج کے ساتھ ساتھ کویبک کی فرانسیسی آبادی کے شمال مغرب میں سمور کی تجارت کی جائے۔ سولھویں صدی کے اواخر میں ولندیز بیرنٹس کی سرکردگی میں یورپ کے بحر منجمد میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے سپٹزبرگن دریافت کرلیا تھا اور اس سمندر کو عبور کر گئے تھے۔ جس کا نام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے اپنے لیڈر کے نام پر بحیرہ بیرنٹس رکھا۔ پھر روسیوں نے حکومت کی سرپرستی میں سلطنت کے ان سوال کی چھان بین کی' جو بحر منجمند شمالی پر واقع تھے۔ (اٹھارھویں صدی)

صرف ایک سمت ـــــ جنوب مشرق ـــــ اہل یورپ کے لیے توسیع کا دروازہ بند رہا تھا۔ عثمانی ترکوں کی زبردست سلطنت کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ شرق و غرب کی حکومتوں کے درمیان اس علاقے ـــــ مشرق قریب یا لیوانت (لیوانت فرانسیسی لفظ ہے' جس کے معنی ہیں طلوع ہونا یعنی سورج کے طلوع ہونے کا مقام) کے لیے مدت تک کشمکش جاری رہی۔ آخر ترکوں نے ان سرزمینوں پر اپنا قبضہ مستحکم کرلیا۔ جنہیں ہم آج کل بلقان کہتے ہیں۔ بہت صدیاں پہلے مسلمانوں نے ہسپانیہ میں قدم بڑھایا تو وہاں سے انہیں واپس ہونا پڑا۔ دوسرے سرے پر ترک دو مرتبہ 1529ء اور 1683ء وی آنا کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے۔ تاہم اگر اس وقت کے حالات پر گہری نظر ڈالی جائے تو ظاہر ہوگا کہ ہیپسبرگ خاندان نہ صرف ترکوں کا مقابلہ ہی کر رہا تھا' بلکہ وی آنا کے ڈرامائی محاصروں اور فرانس و ترکی کے اتحاد کے باوجود آہستہ آہستہ کامیابی حاصل کررہا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطنت ترکی بین الاقوامی سیاسیات کی اصطلاحات میں یورپی نظام کے اندر واقع تھی۔ اور اگرچہ لیوانت کی سرزمینیں سیاسی اعتبار سے سلطنت ترکی کی حفاظت میں تھیں' لیکن وہاں یورپی تجارت کا سلسلہ بڑھ رہا تھا۔ اہل رئیس اور جاہل جنیوا نے اجارہ داری کے جو سلسلے قائم کئے تھے' وہ اوقیانوس کی زیادہ سرگرم تاجر قوتوں کے سامنے بھی قائم نہ رہ سکے۔ سب سے بڑھ کر یہ فرانس نے سترھویں صدی کے اواخر میں لیوانت کے اندر آہستہ آہستہ مداخلت شروع کر دی تھی اور نپولین 1798ء میں مصر سے جو مہم شام لے گیا۔ وہ مداخلت کا ایک طبعی نتیجہ تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ باب 21

روس کی مغربیت اور پولینڈ کی تقسیم

(WESTERIZING OF RUSSIA, PARTITIONS OF POLAND)

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بحر بالٹک (Baltic) نے تاریخ میں وہ شہرت نہیں حاصل کی جو بحر متوسط (Mediterranean) کو میسر ہوئی۔ اس وجہ سے کہ بحر بالٹک کے ساحل کی زمینیں "بہتا" کم زرخیز ہیں اور اس کے بہت سے بندرگاہ سال کے بیشتر حصے میں برف کی وجہ سے بند پڑے رہتے ہیں۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں اس کے ساحل پر بڑے بڑے دول قائم ہوئیں اور اب ہم ان ممالک بالٹک کا ایک اجمالی خاکہ پیش کریں گے۔

اسکینڈے نیویا کی تینوں سلطنتوں کا عارضی طور پر یکجا ہونا : سولھویں صدی کے آغاز میں اس کا امکان پایا جاتا تھا کہ پورے بحر بالٹک پر صرف اسکینڈ نیویا (Scandinavia) سویڈن ناروے (Sweden Norway) کی سلطنت قابض و متصرف رہے گی کیونکہ کرسچین دوم (Christian II) ڈنمارک (Denmark) ناروے (Norway) سویڈن (Sweden) تینوں ممالک پر حکمراں تھا۔ گویا تینوں ممالک ایک میں ضم تو نہیں کر دیے گئے تھے لیکن اس قسم کا امکان ضرور تھا۔ کیونکہ ایک مرتبہ یہ تینوں ملک ملا دیئے گئے تھے۔ اس وجہ سے اب بھی ایسی صورت کا پیدا ہو جانا محال نہ تھا اور یورپ کے لئے بہت مفید ثابت ہوتا کیونکہ صلح و جنگ میں اسکینڈیویا (Scandinavia) والوں نے اپنے کو یورپ کی سربرآوردہ اقوام کا مدمقابل ثابت کر دیا تھا لیکن یہ ان ہونی بات تھی۔ مذہبی اصلاحات کے طوفاں خیز زمانے نے اس اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا کیونکہ کرسچین دوم (Christian II) نے سویڈن (Sweden) میں جبراً" رومن کیتھلک مذہب قائم کرنے کی کوشش میں ایک شورش و بغاوت برپا کرا دی جس کو وہ فرو نہ کر سکا۔ ناروے البتہ اس کے قبضے میں رہا اور سویڈن کے جنوبی اضلاع پھر ایک مدت تک اس کے قبضے میں رہے۔ لیکن سویڈن اور ڈنمارک ہم مذہب ہونے اور ایک ہی طرز معاشرت رکھنے کے باوجود دو صدی تک آپس میں وقتاً" فوقتاً" لڑتے رہے۔ وسط صدی سے پہلے ہی ڈنمارک نے لوتھری مذہب اختیار کر لیا تھا لیکن اس طور کی مذہبی مماثلت کے باوجود اتحاد علمی یا اتحاد سیاسی قائم نہیں ہو سکا۔

سویڈن میں گسٹیوس (Gustavus) : سویڈن میں گسٹیوس واسا (Gustavus Vasa) نامی ایک شخص شاہ ڈنمارک اور اس کی مذہبی حکمت عملی کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا تھا اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد 1523ء میں سویڈن کا تخت اسے مل گیا اور یورپ کے قابل ترین شاہی خاندانوں میں ایک کا وہ بانی ثابت ہوا۔ خاندان واسا (Vasa) کے شاہان سویڈن مختلف اوضاع و اطوار کے گزرے ہیں اور اس میں بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے مکاری اور ظلم و استبداد سے کام لیا ہے۔ لیکن پرائیشیا (Prussia) کے خاندان ہاہن زائرن (Hohenzollern) نے بھی ایسے بادشاہوں کا سلسلہ پیدا نہیں کیا جو قابلیت اور حب الوطنی میں خاندان واسا کے تاجداروں سے زیادہ ممتاز ہو۔ اس خاندان کے عہد حکومت میں سویڈن نے یورپ کے معاملات میں اپنی دولت اور آبادی کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مناسبت سے بہت زیادہ حصہ لیا کیونکہ سویڈن کا ملک بالکل مفلس تھا اور اٹھارھویں صدی کے آخر تک بھی اس کی آبادی کبھی ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ نہ ہو سکی اور اس کے کل مقبوضات کو ملانے پر بھی جملہ آبادی ڈھائی کروڑ سے زیادہ نہیں تھی لیکن اس آبادی کا بیشتر حصہ مضبوط اور قوی کسانوں اور زبردست پہاڑیوں پر مشتمل تھا اور فوجی اغراض کے لئے یہ لوگ بہت کارآمد تھے۔ ان کے بہادری کے کارناموں کا ہم ذکر کر چکے ہیں جو ایک صدی بعد (سترھویں صدی میں) انہوں نے گسٹاوس ایڈالفس (Gustavus Adolphus) کی ماتحتی میں جنگ تیس سالہ کے دوران میں دکھائے تھے۔ اس کے بعد ایک مدت تک یہ لوگ یورپ کے بہترین سپاہی مانے جاتے تھے۔ حالانکہ اپنی سابقہ شجاعت و مستعدی یہ لوگ کھو چکے تھے اور اب ان کو صرف تنخواہ سے غرض رہتی تھی۔ اس وجہ سے ان کی حیثیت اجورہ دار فوج کی سی ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ سویڈن میں دستوری طرز زندگی و حکومت کا بھی بہت چرچا رہا اور وہاں کے تاجداروں نے اس کے فنا کر دینے کی ہر چند بہت کوشش بھی کی لیکن وہ بالکل نیست و نابود نہ کر سکے۔ اٹھارھویں صدی میں جب کہ ہر جگہ مطلق العنانی کی طرف لوگوں کا میلان طبع پایا جاتا تھا۔ صرف انگلستان و سویڈن ایسے ملک تھے جہاں سیاسی آزادی کے کچھ آثار نمایاں تھے۔

پولینڈ میں خاندان واسا :۔ 1557ء میں واسا خاندان نے ایک اور تخت حاصل کر لیا۔ کیونکہ سگسمنڈ واسا (Sigismund Vasa) پولینڈ کا تاجدار منتخب ہو گیا لیکن اس سے سویڈن کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچا کیونکہ سگسمنڈ کیتھلک مذہب رکھتا تھا اور واسا خاندان کی سویڈن اور پولینڈ کی دونوں شاخوں میں بہت جلد زبردست عداوت پیدا ہو گئی۔ پولینڈ کی شاخ والے خود کو سویڈن کی تاجداری سے محروم نہیں سمجھ سکتے تھے اور سویڈن والوں کی نظر میں پولینڈ کا تاجدار ایک خطرناک اور جھوٹا مدعی تھا۔ پولینڈ کے تاجدار کی طرف سے یہی خوف تھا جس کی وجہ سے گسٹاوس ایڈالفس جنگ کی سالہ میں شریک ہوا تھا۔

ہان سیاتی انجمن کا زوال (Hanseatic) :۔ اب ہم کو بحر بالٹک کے جنوبی ساحل پر ایک نظر ڈالنا چاہئے۔ اصلاحات کے ابتدائی زمانے میں جرمنی کی متعدد مملکتیں سلطنت کے مشرقی حاشیہ پر ڈنمارک سے آگے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جیسے ہولسٹائن (Holstein) میکلن برگ (Mecklenberg) اور ولایت پامیرینیا (Pomerania) انجمن ہان سیاتی (Hanseatic) جس کا مرکز لیوبک (Lubeck) تھا بحر بالٹک کے تجارت کی مالک تھی۔ لیکن سولھویں صدی اور سترھویں صدی کے اوائل میں بہت سے تغیرات ہو گئے۔ سویڈن اور ہالینڈ کی بڑھتی ہوئی قوت کے سامنے ہان سیاتی انجمن دب گئی۔ صلح ویسٹ فیلیا (Westphalia) کے ذریعہ سے سویڈن جرمنی کے مقبوضات میں شامل ہو گیا۔ بریمن (Bremen) اور ورڈن (Verden) کی امعنی ولایتیں اس کے قبضے میں آ گئیں اور اسی طور پر دریائے ویزر (Weser) اور دریائے ایلب (Elbe) کے دہانے کی کنجی اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ مغربی پامیرینیا (Pomerania) بھی اس کے تصرف میں تھا۔ اس وجہ سے دریائے اوڈر (Oder) کے نشیبی گھاٹ اسی کے قابو میں رہے اور ریوگن (Rugen) کے جزیرہ پر بھی اسی کا قبضہ تھا۔ برینڈنبرگ (Brandenberg) کی انتخابی ولایت نے جو بعد میں سلطنت پریشیا (Prussia) بن گئی۔ مشرقی پامیرینیا (Pomerania) حاصل کر لیا تھا اس لئے بحر بالٹک کے معاملات میں اس کو درخور حاصل ہو گیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحر بالٹک کا جنوبی و مشرقی ساحل : مشرقی پامیرینیا (Pomerainia) سلطنت (آسٹریا) کی آخری سرحد تھی۔ اس کے اوپر جو ملک تھا وہ اصل میں جرمن نہ تھا۔ یہ ملک حلقہ ٹیوٹانک (Teutonic Knights) اور شمشیر کے نائیٹس (Knights of the Sword) یعنی شہسواروں کا معرکہ کارزار رہا ہے۔ ان لوگوں کی بدولت اس ملک سے تجارت کرنے کا دروازہ کھل گیا تھا۔ سلیوانی (Slavonic) باشندوں کا بیشتر حصہ تو ہلاک ہو چکا تھا اور جو کچھ رہ گئے تھے انہوں نے مسیحی دین اختیار کر لیا تھا۔ پرشیا تو برینڈنبرگ کی انتخابی ولایت میں شامل کر دیا گیا تھا اور 1660ء تک پولینڈ کا باجگذار رہا۔ مشرقی پرائیشیا اور جرمنی کے مقبوضات کے درمیان سمندر تک پولینڈ نے قبضہ کر رکھا تھا۔

بحر بالٹک کے مشرقی ساحل پر سویڈن کے مقبوضات : پرائیشیا کے مشرق میں پولینڈ کی سرحد بحر بالٹک سے جا ملتی تھی۔ اس کے بعد لیوونیا (Livonia) اسھونیا (Esthonia) انگریا (Ingria) کیکس ہولم (Kexholm) اور فن لینڈ (Finland) کے ممالک تھے جو خلیج فن لینڈ کے اطراف میں واقع تھے۔ یہی ممالک روس اور سویڈن کے درمیان وجہ مخاصمت ثابت ہوئے ان کی ابتدائی غیر معروف تاریخ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اتنا بتلا دینا کافی ہے کہ گستاوس ایڈالفس کی سخت جنگ و جدل کے بعد 1617ء میں یہ سب مملکتیں سویڈن میں شامل ہو گئیں۔ روس جس کو اس زمانے میں ماسکووی (Moscovy) کہتے تھے۔ بحر بالٹک اور بحری تجارت سے بالکل محروم کر دیا گیا۔ بحر بالٹک کی دول میں سویڈن بلاشبہ قوی ترین تھا۔ حالانکہ ابھی تک وہ اپنے کامل عروج کو نہیں پہنچا تھا لیکن جرمنی کے غیر ملکی مقبوضات اس کے لئے ایک بار ہو گئے تھے۔ فن لینڈ اور دیگر مفتوحات جدیدہ اور خود اس کی قلیل آبادی باوجود قومی و حربی جوش و خروش کے جرمنی کے مقبوضات کو قابو میں نہیں رکھ سکتی تھی۔

وسط یورپ کے مشرقی حصے کے عالم تغیرات : ان ملکوں کے سیاسی [illegible] میں اب بہت تغیرات ہو گئے ہیں۔ سترھویں صدی کی حد بندیوں کا اب کوئی نشان یورپ کے موجودہ نقشے پر باقی نہیں۔ برینڈبرگ جو بعد میں پرشیا کے نام سے موسوم ہوا۔ جرمنی کے شمال میں پھیل گیا ہے اور اپنی ہمسر و رقیب مملکتوں کو بے دخل کر دیا ہے۔ ڈنمارک کا ملک جزیرہ نما کے شمالی حصہ تک محدود رہ گیا ہے۔ ناروے خود مختار ہو گیا۔ سویڈن کے حدود میں صرف وہی ملک رہ گیا جہاں سویڈنی زبان بولی جاتی ہے۔ روس نے ان تمام رکاوٹوں کو جو سویڈن نے اپنی حکمت عملی اور اپنی بہادری سے اس کے مغربی راستے میں پیدا کر دیئے تھے صاف کر دیا ہے اور پولینڈ کی سلیوانی سلطنت جو سترھویں صدی میں روس کی طرح آباد تھی اور تمدن میں روس سے بڑھی ہوئی تھی۔ موجودہ نقشے سے بالکل مٹ گئی ہے۔ حتیٰ کہ کسی صوبے کے نام سے بھی یہ پتا نہیں چلتا کہ کبھی یہ سلطنت بحر اسود سے لے کر بحر بالٹک تک پھیلی ہوئی تھی۔

روس اور پولینڈ کا تقابل : روس اور پولینڈ کے کارناموں کا مقابلہ اس لئے بھی زیادہ دلچسپ ہے کہ دونوں ملکوں کے باشندے ہم قوم اور ہم زبان ہونے کے علاوہ دونوں ملک کے ادارے اور معاشرتی مدراج و مراتب بھی یکساں تھے لیکن روس کی حکومت رفتہ رفتہ ایک ذی اثر مطلق العنان حکومت ہو گئی اور پولینڈ آزادی کی تمنا میں بدامنی کا شکار ہو گیا۔ جس کی بدولت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پڑوس کی سلطنتوں نے اسے دبوچ لیا۔

پولینڈ کی مذہبی تاریخ : خاص پولینڈ میں لتھیوانیا (Lithuania) شامل کر دینے سے پولینڈ کی وسعت بڑھ گئی تھی۔ یہ فخر پولینڈ کے خاندان جیگیلن (Jagallon) کو حاصل ہوا تھا کہ اس نے دونوں ملکوں میں اتحاد پیدا کر کے اسے قائم بھی رکھا۔ لتھیوانیا والے زیادہ تر مشرقی کلیسا کے پابند تھے اور پولینڈ والے بالکل کیتھلک تھے۔ شروع شروع میں پروٹسٹنٹ مذہب نے پولینڈ میں کچھ فروغ حاصل کیا تھا لیکن کیتھلک ردعمل اور جیسوئٹ (Jesuit) پادریوں نے اس کو بڑھنے نہ دیا مگر پولینڈ کو یہ فخر اور امتیاز حاصل تھا کہ یہاں کیتھلک مذہب کے حاوی ہونے کے باوجود ظلم و استبداد سے کام نہیں لیا گیا۔ پولینڈ ہی ایک ایسا ملک تھا جہاں مذہبی مظالم کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا تھا۔

پولینڈ کا تخت انتخابی ہو گیا : 1572ء میں جیگیلن (Jagallon) خاندان فنا ہو گیا اور اس وقت سے پولینڈ کا تخت و تاج انتخابی ہو گیا اور وہاں کے شرفا و روسا انتخاب کنندہ بن گئے۔ انتخابی شاہی حکومت کے سب نقائص و مصائب پولینڈ میں ظہور پذیر ہوئے۔ مثلاً" امیدواران تخت اور ان کے حامیوں کی باہمی عداوت و منافرت۔ خارجی دول کی مداخلت اور پھر امیدواران کا حصول مقصد کے لئے خطرناک رعایتیں منظور کر لینا اور اس قسم کی حاصل کردہ حکومت کی کمزوری وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں پولینڈ میں پیدا ہو گئیں اور یہی نہیں کہ حکومت کمزور رہتی تھی بلکہ حکومت کے مقابلہ کے جتنے ادارے تھے سب کی یہی حالت تھی۔ ایک مجلس دیئت تھی جو اختیار نامنظور کی وجہ سے بالکل مجہول ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ حق نامنظوری ہر رکن کو حاصل تھا جس کی وجہ سے کوئی رکن بھی کسی مسئلے کو اپنی تنہا نامنظوری سے رد و بیکار کر سکتا تھا اور اس طور پر جب چاہتا مجلس کو برخاست کر سکتا تھا۔ چنانچہ ایک زمانے میں اسی "اختیار نامنظوری" کی وجہ سے مسلسل پندرہ مرتبہ وہاں کی مجلس یعنی ویت (Diet) منعقد ہوئی اور بغیر کوئی کام کئے ہوئے برخاست کر دی گئی۔ دوسرے ممالک میں تو جاگیریت مرکزی و قومی حکومت کے قیام میں ممد و معاون بن رہی تھی لیکن پولینڈ میں جاگیریت کا شورش انگیز اثر زیادہ نمایاں ہوتا گیا۔ اضلاع کے زمیندار جن کی تعداد تقریباً" اسی ہزار تھی۔ اپنے اپنے حدود میں بادشاہ تھے۔ جس کے سبب سے کاشتکار رعایا ان کے ظلم و ستم کا شکار بنی ہوئی تھی اور مرکزی حکومت بھی تباہی میں پڑ گئی تھی۔ سلاطین نے حکومت کے کل پرزے درست کرنے اور اپنی قوت کو بڑھانے کی ہرچند بہت کوشش کی۔

پولینڈ میں بدامنی : مگر اولاً" تو خود پولینڈ والوں کی مخالفت سے اور پھر بعد میں پڑوس کی سلطنتوں کے حرکات سے جو پولینڈ کو مستحد و مضبوط دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ آخر کار ان سلاطین کی کل کوششیں بیکار ہوئیں۔

پولینڈ کی مفصل تاریخ لکھنے کی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے لیکن یہ تاریخ دلچسپی سے خالی نہیں ہے اور پولینڈ کے فوجی کارنامے بھی کچھ کم شاندار نہیں ہیں۔ جان سوبی اسکی (John Sobieski) (1674ء سے 1696ء تک) پولینڈ کے نامور بادشاہوں میں آخری تھا۔ اس کی شہرت زیادہ تر اس واقعے سے ہے کہ جب ترکوں نے وی اینا (Vienna) کو محصور کر لیا تھا تو اسی نے اپنی فوج بڑھا کر ترکوں کو شکست دی تھی۔ اس واقعے کے بعد وی اینا (Vienna) میں جب شکر

کے سجدے ہونے لگے تو اس میں اس کے متعلق یوں کہا گیا کہ "خدا نے اپنی طرف سے ایک شخص بھیجا جس کا نام جان تھا۔" اس کے بعض اور بھی فوجی کارنامے ہیں لیکن ان سے پولینڈ کو کوئی تقویت حاصل نہیں ہوئی۔ اس نے خود مجلس یعنی دیئت (Diet) میں کہا کہ آنے والی نسل کو حیرت ہو گی کہ اس قدر فتوحات کے بعد بھی جن پر پولینڈ بجا طور پر ناز کر سکتا ہے اور دنیا میں ہمیشہ اس کا نام زندہ رہے گا۔ بجز تباہی و بربادی کے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ چالیس روز گزر جانے دو اور نینوا (Nenuva) تباہ و برباد ہو جائے گا۔ یہ الفاظ تمام پولینڈ کی تاریخ پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔ پولینڈ کی تباہی چالیس روز کے بجائے کچھ کم سو سال میں ہوئی لیکن ہر دسویں سال تباہی و بربادی کے آثار زیادہ نمایاں ہوتے گئے۔

روس کی رفتار ترقی : روس کی رفتار ترقی اس سے بالکل مختلف تھی۔ وہاں بھی ایک قسم کی انتخابی شاہی حکومت تھی۔ جیسی کہ عموماً" شاہی حکومتیں ہوتی تھیں اور وہاں بھی پھر امرا کا طبقہ تھا جن کو "بایرس" (Boyars) کہتے تھے۔ اور یہ لوگ بھی اپنے امتیازات و حقوق کی پاسداری ملحوظ رکھتے تھے اور بادشاہی کے اقتدارات کو کم کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے لیکن اس کے سوا اور کوئی مشابہت پولینڈ و روس میں نہ تھی۔ البتہ ابتدائی زمانے میں کچھ اور مماثلت بھی تھی۔ پولینڈ بدامنی و انفراق کی راہ پر لگ گیا اور روس کی مطلق العنان و استبدادی حکومت نے ٹھوک بجا کر ایک قوی سلطنت قائم کر لی اور چاروں طرف فتوحات کا سلسلہ قائم کر دیا۔ اس تقابل و تخالف کے اسباب بتانا ذرا مشکل ہے۔ پولینڈ کیتھلک مذہب رکھتا تھا اور روس مشرقی کلیسا کا پابند تھا۔ مشرقی کلیسائی مذہب اکثر مطلق العنانی کا آلہ ثابت ہوا ہے۔ علاوہ اس کے پولینڈ اس تاتاری حملے سے محفوظ رہا۔ جس کی بدولت روس کی تمام قوت ایک مرکز پر قائم ہو گئی تھی۔ سب سے بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سولھویں صدی کے بعد سے روس کے تخت پر وقتاً" فوقتاً" قابل و ممتاز تاجدار رونق افروز ہوئے۔

آئیوان مہیب (Ivon the Terrible) : آئیوان (Ivon) جس کو "مہیب" کے لقب میں پکارتے تھے روس کی موجودہ تاریخ کا سب سے پہلا حکمران تھا۔ وہ 1533ء سے 1584ء تک رہا اور ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا اس کی سفاکی و بے رحمی وحشیانہ تھی اور نوگوروڈ (Novgorod) کے شہر کی تباہی کے بعد سے مرد عورت اور بچوں کی اذیت میں اس کو خاص لطف آتا تھا لیکن ادنیٰ و اوسط طبقے کے لوگوں کے ساتھ وہ رعایت کرتا تھا اور مغربی یورپ سے تجارت کا بھی اس نے دروازہ کھول دیا تھا۔ اسے علوم کی ترقی میں بھی دلچسپی تھی۔ نزلہ تمام تر امرا ہی پر گرتا تھا اور اس میں وہ پیٹر اعظم (Peter) کا مرشد تھا۔ اس کے عہد میں روس کی شاہی حکومت عوام کی حامی اور امرا کی سخت دشمن بن گئی تھی۔

پیٹر اعظم : آئیوان کی وفات کے بعد روس میں دور ابتلا شروع ہو گیا۔ قحط' وبا اور خارجی و داخلی جنگوں کا ایک سلسلہ بندھ گیا۔ آئیوان کا خاندان فنا ہو گیا۔ 1613ء میں مائیکل روماناف (Michael Romanof) نامی ایک شانزدہ سالہ لڑکا حکمرانی کے لئے منتخب کیا گیا۔ اس کے بعد اوس کے جتنے حکمراں گزرے ہیں اسی کی نسل سے تھے۔ روماناف (Romanof) کے بعد پچھتر سال کا زمانہ گو دلچسپی سے خالی نہیں پھر بھی نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ روس کی تاریخی عظمت کا

زمانہ اس وقت سے شروع ہوا جب کہ 1689ء میں پیٹر اعظم تخت نشین ہوا۔ 1749ء تک وہ سرپرائے سلطنت رہا۔ اس کا عہد حکومت بھی اس کے پیشروؤں خصوصاً" آئیوان "مہیب" کے نمونے کا ہی تھا بلکہ اسے اسی سلسلے کی ایک کڑی کہنا چاہئے۔ لیکن اس کے عہد حکومت میں ان قوتوں کو جو ابتک جدوجہد میں مصروف تھیں بیتن فتح حاصل ہوئی۔

پیٹر اعظم کی متضاد صفات : اس کا بچپن خونی مناظر میں سے گزرا تھا۔ اس نے اپنے چچا کو قتل ہوتے دیکھا تھا اور اپنی ماں کے خاص مشیر کے پرخچے اڑنا بھی اس نے دیکھا تھا اور جانتا تھا کہ یہ سب مظالم روسا و امراء کے کرتوت ہیں۔ روسیوں سے زیادہ عجیب الخلقت ہستی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ وہ سخت سے سخت بہیمانہ مظالم کر سکتے تھے۔ اپنے ایک سو باغی محافظین کو طرح طرح کی اذیت دے کے قتل کر کے اور خود اپنے بیٹے کو بے رحمی سے تہ تیغ کر کے اس نے اپنے کو "آئیوان" مہیب کا سچا جانشین ثابت کر دکھایا لیکن یہ خونخوار و خودسر درندہ علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں خاص دلچسپی رکھتا تھا اور اپنے نیم وحشی ملک میں یورپ کی تہذیب و تمدن رائج کرنے کے خواہاں تھا۔ اس کی زندگی کا ایک رخ تو ہن (Hun) سردار اٹیلا (Attila) کی یاد تازہ کر دیتا ہے لیکن دوسرا رخ لوئی چہاردہم (Louis XIV) اور کولبر (Colbert) کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

پہلے ہم ان امور کا ذکر کریں گے جو اس نے ملک کی اندرونی حالت کو سنبھالنے کے لئے کیا اور پھر اس کے بعد اس کی خارجی لڑائیوں کا ذکر کریں گے۔ یہ دونوں باتیں گو ایک دوسرے سے وابستہ ہیں لیکن ان کا ذکر علیحدہ علیحدہ بھی ممکن ہے۔

ملکی انتظام : اس کے سوانح سے اس کے مقاصد کا صاف پتا چلتا ہے شخصی حکومت کے اختیارات کو وہ سب چیزوں پر بالا رکھنا چاہتا تھا اور یورپین طرز معاشرت کو رواج دینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ تجارت و صنعت کے ذریعے سے روس کی دولت بڑھانے کا بھی خواہاں تھا۔ امراء اطاعت پر مجبور کئے گئے تھے اور شرافت نسلی کے بجائے تعلیم اور فوجی خدمت بادشاہ کی نظر عنایت حاصل کرنے کا وسیلہ بنی ہوئی تھی۔ روسا کے حقوق و امتیازات اور ان کی مالی بدعنوانیوں پر وہ خاص طور پر نظر رکھتا تھا لیکن خاصہ برداروں (Streltsi) کو وہ اپنے تدابیر کی تکمیل میں سدراہ سمجھتا تھا۔ یہ سپاہی شاہ روس کے خاصہ بردار تھے جس طرح سلطان ترکی کے نیگ چری یا جاں نثاری اور شہنشاہ روما کے پریٹوری (Praetorian) سپاہی تھے۔ اسی طرح یہ لوگ کاہل اور نااہل تھے لیکن خاص امتیازات رکھتے تھے۔ اس وجہ سے پیٹر کی نئے نئے طریقوں سے مخالفت کرتے تھے۔ انہوں نے بغاوت کر دی مگر شکست کھا گئے لیکن پیٹر فتح سے آسودہ نہ ہوا۔ ان میں سے ہزاروں کو اس نے تہ تیغ کر دیا اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فوج پر اس کا کتنا قابو تھا۔

روس کو یورپ کے نمونہ کا بنانے کی کوشش : اس نے روس کو یورپ کے سانچے میں ڈھالنے کی جدوجہد میں اپنی تمام عمر صرف کر دی لیکن روایات اور عادات کے باعث نیز کلیسا کی تائید کی وجہ سے لوگوں نے اس کے تجاویز کی سخت مخالفت کی۔ اس نے ڈاڑھی چھوڑنے کی ممانعت کر دی تھی حالانکہ یہ روس کا ایک قدیم طریقہ تھا۔ اور گو پیٹر پارک (Patriarch) (مہتمم کلیسا نے ان لوگوں کو جو اس حکم پر چلتے تھے بے دین قرار دے دیا تھا۔ لیکن

پھر بھی شاہی فرمان پر عمل ہو کر رہا اور بعض امرا کی ڈاڑھی پیٹر نے اپنے ہاتھ سے کتر دی۔ اس نے یورپین رقاصی کو بھی رواج دیا اور روسی عورتوں میں مشرق والوں کی طرح جو پردہ کا رواج ہو گیا تھا اسے اٹھا دینے کی بھی اس نے جان توڑ کوشش کی۔ اب تک روسیوں کے یہاں سال کا آغاز یکم ستمبر سے ہوتا تھا کہ "تخلیق عالم" کی سالگرہ کا یہی دن تھا مگر پیٹر نے مغربی طرز پر جنوری سے سال کا آغاز رکھا۔ اس نے حکمت (Science) و ریاضی کی تعلیم کو خاص طور پر ترقی دی۔ اور نظم و نسق کے کل پرزوں کو از سر نو درست کیا۔ اس معاملے میں اس نے جرمن فلسفی لیب نیز (Leibnitz) کی رائے پر عمل کیا۔ بچپن سے اس کو جہاز اور بحری سفر سے دلچسپی تھی اور بعد کے تجربوں سے اس کی اس رائے کی تائید ہو گئی کہ روس کی موت و زندگی کا دارومدار سمندر پر ہے۔ محض اس غرض سے کہ بیڑے کو کسی طرح ترتیب دینا چاہئے اس نے ہالینڈ (Holland) انگلستان و فرانس کا سفر کیا۔ ہالینڈ میں اس نے جہاز بنانے کا کام سیکھا اور وٹ فورڈ (Detford) میں رہ کر انگلستان کے بحری طرز انتظام کے سمجھنے کی بے انتہا کوشش کی۔ واپس آ کر اس نے ایک زبردست بیڑا تیار کیا اور اس کے ساتھ ساتھ دریائے ڈون (Don) پر سفر کر کے ایزوو (Azov) پہنچا اور اس مستحکم قلعے کو ترکوں سے چھین لیا۔

ایسے منصوبوں اور ایسے اغراض کے ساتھ ناممکن تھا کہ پیٹر روس کے قائم شدہ حدود میں کچھ اضافے کی خواہش نہ کرتا۔ کھلے سمندر پر وہ اپنا قبضہ چاہتا تھا لیکن سمندر تک پہنچنے کا راستہ اس کے لئے بالکل بند تھا۔ جنوب میں بحر اسود ترکوں کے قبضے میں تھا۔ شمال میں بحر بالٹک کا راستہ پولینڈ بلکہ سب سے زیادہ تو سویڈن نے بند کر رکھا تھا۔ روسی حدود سے تھوڑے ہی فاصلے پر عمدہ عمدہ بندرگاہ تھے مگر روسی ملاحوں کی وہاں تک رسائی نہ تھی۔ صرف آرچ انجل (Archangel) پر روسی سرحد سمندر سے ملتی تھی لیکن بحر آرکٹک (Arctic) کے ذریعہ سے روسی تجارت کو فروغ حاصل ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔

چارلز دوازدہم : یہ دیکھنے کے لئے کہ روس بحر بالٹک تک کیونکر پہنچا ہم کو پھر سویڈن کی تاریخ الٹنا پڑے گی۔ گسٹاوس ایڈالفس کی بیٹی کرسٹائنا (Christian) کے عجیب و غریب عہد حکومت کا مطالعہ کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ چارلس دہم (Charles X) کو۔ چارلس یازدہم (Charles XII) کے عہد حکومت کا گو چارلس دہم نے ایک کام یہ کیا تھا کہ ڈنمارک والوں کو سویڈن کے جنوبی اضلاع سے نکال باہر کر دیا تھا اور چارلس یازدہم نے سویڈن کی دستوری شاہی حکومت کو مطلق العنان شخصی حکومت بنا دیا تھا۔ جس میں بادشاہ مختار کل ہو گیا تھا اور بجز خدا کے کسی دوسرے کے سامنے جوابدہی کا ذمہ دار نہ تھا لیکن 1697ء میں چارلس دوازدہم پندرہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اور 1718ء یعنی اس کے وفات سے پہلے ہی بحر بالٹک کی ساحلی مملکتوں کا توازن بگڑ گیا تھا۔ نوعمر بادشاہ عمر کے ساتھ ساتھ جری حوصلہ مند اور ہونہار ہوتا گیا۔ سپہگری میں گسٹاوس ایڈالفس کی طرح یکتا تھا لیکن گسٹاوس کا سا تدبر و تفکر نہ رکھتا تھا۔ شمالی جنگ میں جس نے شمالی و مشرقی یورپ میں تہلکہ مچا دیا۔ چارلس دوازدہم محض مدافعت کر رہا تھا۔ ادھر مغربی یورپ ہسپانوی عرب کی لڑائی میں مبتلا تھا۔ سویڈن کے مقبوضات عمدہ موقعہ پر ہونے کے باعث ڈنمارک، پولینڈ و روس کو حرص پیدا ہوئی۔ بادشاہ کی کم سنی اور ملک کے افلاس و تنگدستی و کمی آبادی کی وجہ سے سویڈن کے مقبوضات کو فتح و تقسیم کر لینا آسان معلوم ہوا۔ اس لئے ان تینوں

دول نے سویڈن پر فوج کشی کرنے کے لئے 1699ء میں رابطہ اتحاد قائم کر لیا۔

لیکن اس کے نوعمر حریف کے شاندار کارناموں نے ان کی آنکھیں کھول دیں سب سے پہلے تو اس نے ڈنمارک کا رخ کیا۔ ایک عالیشان فتح کے بعد وہ کوپن ہاگن (Copenhagen) کی شہر پناہ تک پہنچ گیا اور اس کے بعد جو صلح ہوئی تو اس نے ڈنمارک اور اس کے حلیفوں کو تاوان جنگ ادا کرنے پر مجبور کر دیا۔ تب اس نے روس کا رخ کیا اور خلیج فن لینڈ کے قریب انگریا (Ingria) میں بمقام ناروا (Narva) اس نے صرف آٹھ ہزار سپاہیوں سے اپنی پچکنی فوج کو شکست فاش دے دی۔ اس کا آخری حملہ پولینڈ پر ہوا جہاں کے تاجدار آگسٹس نے سب سے پہلے سویڈن کے مقبوضات کو تقسیم کر لینے کی تجویز نکالی تھی۔ عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پولینڈ والے شجاعت میں کم نہ تھے لیکن ان میں ترتیب و انضباط معدوم تھا اور حربی و دیگر لحاظ سے ان میں عفویت نہ تھی۔ علاوہ اس کے رعایا بھی تاجدار کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھی۔ اس لئے سویڈن والوں کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ چارلس کے راستے میں کثرت تعداد کوئی چیز نہ تھی۔ اگسٹس پولینڈ کا بھی تاجدار تھا اور سیکسنی (Saxony) کا الکٹر (Elector) (منتخب حکمراں) لیکن سیکسنی کی فوج بھی پولینڈ کی فوج کی طرح بیکار ثابت ہوئی۔ وارسا (Warsaw) فتح ہو گیا اور وقت آگیا تھا کہ شاید جنگ کا خاتمہ ہو جاتا کہ چارلس آگسٹس کو معزول کر کے اپنی پسند کا ایک حکمراں مسمی اسٹین سیلاس لک زنسکی (Stainslas Leeziriski) کو اس کی جگہ قائم کرنے پر اڑ گیا لیکن یہ بھی منظور کرنا پڑا جب سیکسنی برباد ہو گیا تو پولینڈ کے تاجدار نے تخت سے دست بردار ہو جانے پر رضامندی ظاہر کر کے صلح کر لی۔ اس کے بعد روس کی باری آئی۔ جب ادھر چارلس سیکسنی میں مصروف جنگ تھا تو زار روس نے موقع پا کر سویڈن کے بالٹک اضلاع کو برباد کر دیا تھا لیکن ان اضلاع پر وہ اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکا اور چارلس نے ماسکو (Moscow) پر فوج کشی کر کے اسے فتح کر لینا چاہا کہ جنگ کا خاتمہ ہو جائے لیکن یہ بات اس کی طاقت سے باہر تھی۔ جب خود ان کے ملک پر فوج کشی ہوئی تو روسی سخت جان توڑ مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ اس لئے چارلس نے ماسکو پر قبضہ کرنے کا خیال ترک کر دیا اور مزیپا (Mazeppa) نامی ایک کاسک (Cossacks) سردار کو اپنے ساتھ شریک کرنے کے لئے جنوب کی طرف چلا گیا۔ یہ کاسک سردار روس سے باغی ہو گیا تھا اب بھی اس کو اپنے سے بڑی بڑی فوجوں پر غلبہ حاصل ہوتا رہا لیکن اتنے میں روس کا موسم سرما شروع ہو گیا۔ جس کی شدت سے اس کے بہت سے سپاہی مر گئے اور جو بچ رہے تھے ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ روس کی جنوبی سرحد پر پلٹووا (Pultowa) نام کا ایک قلعہ تھا جہاں روسیوں کی کثیر تعداد خیمہ زن تھی۔ سویڈن والوں نے اس قلعے پر حملہ کر دیا۔ (1709ء) لیکن مغلوب ہو کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ بادشاہ (چارلس) بھاگ کر ترکی چلا گیا بعد میں پھر اس نے سر اٹھایا۔ اور سازشیں کرتا رہا اور 1718ء میں فوت ہونے سے پہلے کئی لڑائیوں میں شریک رہا آخر کار اسی سنہ میں ناروے کی ایک معمولی لڑائی میں مارا گیا۔

سویڈن کے علاقوں کی تقسیم : سویڈن کی فوجی شیرازہ بندی پراگندہ ہو گئی اور اس قدر کہ پھر درست ہی نہ ہو سکی اس کی انتہائی قوت مقابلہ صرف ہو چکی تھی ہر ایک کاریگر اور ہر دو کسانوں میں ایک شخص فوج میں بھرتی کر لیا گیا تھا۔ چارلس دوازدہم کی وفات کے بعد کئی صلحیں طے پائیں مشرقی پامیرینیا پرائیشیا کو مل گیا جو اس وقت سے بہت سے قوی بالٹک طاقت اور روس کا

اصلاحات متعارف بن گیا لیکن روس کو سب سے زیادہ فائدہ حاصل ہوا۔ اس نے سویڈن کے وہ تمام علاقے لے لئے جو خلیج فن لینڈ کے اطراف میں واقع تھے اور یہیں پیٹر نے سینٹ پیٹرس برگ (St- Petersburg) کا شہر آباد کیا۔ جو روسی بیڑے اور تجارت کا مرکز ہو گیا اور مغربی یورپ سے تعلق قائم رکھنے کا ذریعہ ثابت ہوا۔ 1721ء میں اسے "پدر وطن" اور روسیوں کے شہنشاہ پیٹر اعظم کا لقب دیا گیا۔ روس نے اب تک اس شاہ راہ کو ترک نہیں کیا جو پیٹر اعظم نے اسے بتا دی تھی۔

روس کی توسیع : روس میں اب تک ایک استبدادی حکومت اور پائدار نظم و نسق کا قیام ہو گیا اور پیٹر اپنے جانشینوں کو جارحانہ تدبیر و حکمت عملی کا راستہ بتلاتا گیا۔ اطراف میں سویڈن ایسی کمزور' ترکی ایسی روبہ زوال اور پولینڈ ایسی پرشورش اور وسطی ایشیا ایسی بے سروپا سلطنتیں تھیں۔ اس لئے روس کی روز افزوں وسعت کوئی معجزہ نہ تھا۔ روس نے مغربی یورپ یا کسی ایسی سلطنت سے جس کا انتظام معقول ہو کوئی ملک نہیں حاصل کیا۔ پیٹر کے بعد کے حکمرانوں کے عہد حکومت کے واقعات درج کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ پیٹر کے جانشینوں میں کیتھرائن دوم (Catherine II) نامی ایک عورت خاص طور پر ممتاز ہے۔ یہ جرمن نژاد عورت پیٹر سوم کی بیوی تھی اور 1762ء میں اپنے خاوند کو قتل کر کے تخت نشین ہوئی تھی گو خود وہ جرمن نژاد تھی لیکن اس میں وہ سب خصوصیات موجود تھے جن کے لئے روسی شاہی حکومت ممتاز ہے۔ شرر انگریزی اور بے رحمی میں وہ کسی سے کم نہ تھی اور فرانس و مغربی یورپ کی علمی تحریکوں میں اس کو خاص دلچسپی تھی۔ اور اس لحاظ سے وہ ڈیڈرڈ (Diderot) و والٹر (Voltaire) سے مشابہ تھی لیکن اپنے عہد حکومت بھر وہ اپنے قلمرو میں بغیر کسی شریک و سہیم کے حکمراں رہی اور ہر طرف اپنے ملک میں اس نے اضافہ کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس کے زمانے میں فرانسیسی انقلاب رونما ہوا۔

پولینڈ کی تقسیم : پولینڈ کو مسلسل آس پاس کی حکومتوں سے لڑائیاں پیش آتی رہیں' جن کا ذکر آسٹریا' جرمنی' روس اور سویڈن کے سلسلے میں آ چکا ہے۔ یہاں صرف اتنا بتانا باقی ہے کہ روس' پروشیا اور آسٹریا نے 1772ء سے 1795ء تک اس ملک پر تین مرتبہ تقسیم کا عمل جاری کیا۔ یہاں تک کہ اس کا وجود ختم ہو گیا۔ تقسیم کی سرسری کیفیت یہ ہے:

پہلی تقسیم : 5 اگست 1772ء کو ہوئی۔ اس میں روس کو جو علاقہ ملا' وہ اٹھارہ لاکھ باشندوں پر مشتمل تھا۔ آسٹریا کو ستائیس لاکھ اور پروشیا کو چار لاکھ سولہ ہزار۔ بہ حیثیت مجموعہ پولینڈ کا ایک تہائی علاقہ اور تقریباً" نصف باشندے الگ ہو گئے۔

دوسری تقسیم : 23 جنوری 1793ء کو ہوئی جس میں روس نے تھوانیا اور بہت سا مغربی یوکرین لے لیا۔ ان علاقوں کے باشندوں کی تعداد تیس لاکھ تھی۔ پروشیا نے ڈانزگ' تھارن اور پولینڈ کے مزید حصے لے لئے۔ ان علاقوں کے باشندوں کی تعداد گیارہ لاکھ تھی۔ روس نے یہ بھی منوا لیا کہ جب وہ چاہے گا اپنی فوجیں پولینڈ میں بھیج دے گا اور دوسری طاقتوں کے ساتھ پولینڈ کے تعلقات اسی کے زیر ہدایت قائم ہوں گے۔

تیسری اور آخری تقسیم : تیسری اور آخری تقسیم 24 اکتوبر 1795ء کو عمل میں آئی۔

روس نے تھوانیا اور یوکرین کے بقیہ علاقے لے لئے۔ ان کے باشندوں کی تعداد بارہ لاکھ تھی۔ پروشیا نے میزوویا اور وارسا لے لئے۔ ان علاقوں کے باشندے دس لاکھ تھے۔ آسٹریا کو باقی پولینڈ مل گیا، جسے عام طور پر کراکو کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ اس کے باشندے بھی دس لاکھ تھے۔

اس طرح پولینڈ کا وجود ختم ہو گیا۔ پہلی جنگ یورپ کے بعد اسے پھر زندہ کیا گیا مگر دوسری جنگ یورپ میں اس پر نہایت خوفناک آفتیں آئیں۔

حصہ پنجم

دولت اور بادشاہت کے لئے جدوجہد

(THE STRUGGLE FOR WEALTH AND EMPIRE)

☆ باب 22

اٹھارویں صدی کی عالمی معیشت

(CLOBAL ECONOMY OF THE EIGHTEENTH CENTURY)

تین بڑے اقتصادی تغیرات ـــــ تجارت میں' زراعت میں اور صنعت و حرفت میں نظام قدیم کی بنیاد کھوکھلی کرنے اور یورپی توازن کو بدلنے میں مدد دی۔ یہ دراصل اقتصادی انقلابات تھے' جو آہستہ آہستہ رونما ہوئے اور سیاسی انقلابات کے برابر ان میں ڈرامائی شان نہ تھی' لیکن انجام کار تاریخ انسانیت پر ان کا اثر ہر اعتبار سے انقلابی تھا۔ یہ تینوں اٹھارھویں صدی کے اختتام کے بعد بھی جاری رہتے 1715ء اور 1789ء کے درمیان تجارتی انقلاب سب سے بڑھ کر پختگی سے کامیاب رہا یہ تقریباً" ہر یورپی ملک میں پہنچا اور اس نے جنگ' سیاسیات اور معاشرے پر گہرا اثر ڈالا۔ اس کے برعکس زرعی اور صنعتی انقلابات بالکل ابتدائی حالت میں تھے' لیکن بڑے صحت مند تھے اور ان کی وجہ سے مزرعوں اور دکانوں میں نئے طور طریقے جاری ہوئے۔ برطانیہ' فرانس اور پروشیا کو ان سے نئی قوت ملی۔

تجارتی انقلاب : تجارتی انقلاب کے بنیادی ادارے 1715ء سے پیشتر نشو و ارتقاء پا چکے تھے۔ بینک اور بیمے کے مرکز دور احیاء علوم بلکہ اس سے بھی پہلے شروع ہو چکے تھے۔ سند یافتہ تجارتی کمپنیاں سولھویں صدی میں بننے لگی تھیں۔ تجارتی نظریہ ء زر اور تجارت کے متعلق حکومت کے مسلک و مشرب کا بنیادی فلسفہ فلپ دوم کے ہسپانیہ اور لوئی چہارم دہم نیز کولبرٹ کے فرانس میں عہد پختگی پر پہنچا تھا۔ اٹھارھویں صدی میں تجارت نے رفتہ رفتہ ترقی کی تو تجارتی انقلاب کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ کاروبار اور وسائل حمل و نقل کو پہلے سے جو اعانت مل رہی تھی' اس کے طریقے میں بھی اصلاح ہو گئی اور دائرہ بھی پھیل گیا' نیز اعانت کے نئے وسائل مکمل کر لئے گئے۔

تجارت کی مقدار و حجم میں غیر معمولی اضافہ ہوا تو جہازوں اور ان کے سامان کے لئے بیمے کی طلب میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اٹھارھویں صدی کے لندن میں جو لوگ بیمے کے دلال تھے' وہ بھی بہت سے دوسرے کاروباری آدمیوں کی طرح قہوہ میں جمع ہو جاتے اور وہیں کاروبار' وقت کی خبروں اور سیاسیات پر بحثیں کرتے۔ جن لوگوں کو بحری بیمے میں خصوصی ماہر سمجھا جاتا تھا' وہ ایڈورڈ ڈلائڈ کے قہوہ خانے میں جانے لگے' جو لمبارڈ سٹریٹ میں واقع تھا۔ لائڈ 1713ء میں فوت ہو گیا' تاہم بیمے کے ماہر اسی قہوہ خانے میں جمع ہوتے رہے۔ یوں لندن کے مشہور ایوان لائڈ کی ابتدا ہوئی۔ یہ نام قائم رہا۔ اگرچہ لائڈ کی فرم قہوہ خانے سے اٹھ کر 1774ء میں رائل ایکسچینج پہنچ گئی' جو زیادہ معزز مقام تھا۔ لائڈز ہی نے بحری بیمے کے لئے پالیسی کی ایک معیاری شکل قائم

کی اور وہاں سے ایک فہرست شائع ہوئی' جس کا نام "لائڈز لسٹ" تھا۔ جہازوں کے متعلق یہ پہلا صحیح اور مفصل اطلاع نامہ یا اخبار تھا۔ اس فرم نے ایک حد تک غم افزا شہرت بھی حاصل کی' کیونکہ جب کبھی جہاز کی تباہی کی خبر ملتی تو اس کے اعلان کے لئے لائڈز کی طرف سے جہاز کی گھنٹی بجا دی جاتی۔

قہوہ خانے کی بے تکلف فضا نے لندن میں ایک اور بڑے ادارے کو نشوونما دی' یعنی سٹاک ایکسچینج کا ادارہ۔ مشترکہ کمپنیوں میں حصوں کی خرید و فرخت جاری تھی اور تاجر جو نتھین کے ہاں جمع ہونے لگے۔ 1773ء میں انھوں نے جو نتھین کے قہوہ خانے کا نام بدل کر سٹاک ایکسچینج کا قہوہ خانہ رکھ دیا۔ تیس سال کے بعد قہوہ خانے کے لفظ بھی حذف کر دیئے گئے اور کاروباری نام باقی رہ گیا' یعنی سٹاک ایکسچینج۔

اس اثنا میں تجارت کو مدد دینے والی دوسری چیزیں رونما ہو رہی تھیں۔ نقشوں کی اصلاح' روشنی کے میناروں کی تاسیس اور تیرتے ہوئے پہیوں کی ایجاد سے جہاز رانی زیادہ محفوظ ہو گئی۔ سمندر میں جہازوں کے کپتان دو نئے آلوں کے ذریعے سے اپنے مقام و محل کا اندازہ کرنے لگے۔ ان میں ایک وہ آلہ تھا' جسے زاویہ پیما کہتے تھے' دوسرے کا نام جہازی گھڑی یا وقت پیما تھا۔ زاویہ پیما دوربین ہی سے تیار کیا گیا تھا۔ اس سے دوپہر کے وقت سورج کے ارتفاع کا اندازہ ہو جاتا اور اس طرح جہاز کے عرض البلد کا پتا چل جاتا۔ جہاز کی رفتار کے باعث عام گھڑیاں غلط ہو جاتی ہیں' لیکن جہازی گھڑی (وقت پیما) ہر حال میں صحیح وقت دیتی ہے۔ اسے گرینچ کے وقت کے مطابق رکھا گیا تھا۔ ان دو نئے آلوں کی مدد سے جہاز کے طول البلد کا بھی اندازہ ہو جاتا' جو گرینچ کے وقت اور جہاز کے مقامی وقت کے درمیان فرق واضح کر دیتا۔

خشکی پر آمدورفت اور حمل و نقل کے وسائل میں اصلاح کی رفتار بہت سست تھی۔ سمندر میں یہ اصلاحات جلد جاری ہو گئیں۔ اگر فرانس کی اچھی شاہراہوں کو مستثنیٰ کر دیا جائے تو یورپ کی سڑکیں محض عام پک ڈنڈیاں تھیں یا ایسے راستے' جن میں گاڑیاں چلنے کے نشانات موجود تھے۔ اس وجہ سے خشکی پر سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا سلسلہ 1750ء سے بعد تک بھی بہت سست' غیر محفوظ اور گراں خرچ رہا' یہاں تک کہ جابجا روک تھام کے لئے پھاٹک بن گئے اور نہریں جاری ہو گئیں۔ ان سے حالت کسی قدر بہتر ہوئی۔ انگلستان میں سب سے پہلی نہر وہ تھی جو برج واٹر کے ڈیوک نے 1759ء اور 1761ء کے درمیان نکالی تھی۔ اس نہر کے راستے ان کانوں سے' جو ڈیوک کی جاگیرات میں تھیں' کوئلہ کارخانوں کے نئے شہر مانچسٹر پہنچنے لگا اور اس کا خرچ آدھا رہ گیا۔ پھر ڈیوک نے اس نہر کو مانچسٹر سے لورپول کی بندرگاہ تک پہنچا دیا اور دوسری نہریں کھدنے لگیں۔ وسائل حمل و نقل میں انقلاب کی یہ ابتدا تھی' یہاں تک کہ 1800ء کے بعد بڑی شاہراہیں اور ریل کی سڑکیں تیار ہونے لگیں۔

کاروباری آدمیوں کے لئے کئی رکاوٹیں تھیں مثلاً" گلڈ کے قواعد و ضوابط میں کئی پابندیاں موجود تھیں۔ پھر مقامی باٹوں اور پیمانوں کی کثرت' سکوں کے اختلاف اور جابجا محصولوں نے انھیں بہت پریشان کر رکھا تھا۔ مثلاً" سویڈن میں ہر درجے کے سکے کے لئے تانبا استعمال ہوتا تھا اور ان میں سے ایک سکے کا وزن تینتالیس پونڈ تھا۔ بیڈن جرمنی کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی' وہاں ماپ کے ایک سو بارہ مختلف پیمانے رائج تھے۔ اسی طرح خشک چیزوں کے پینٹھ' مالیت کے

ایک سو تینیس اور غلوں کے ایک سو تریسٹھ پیمانے رائج تھے۔ پونڈ وزن کرنے کے اسی مختلف پیمانوں کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ایک جرمن تاجر نے دریائے ایلب کے راستے ڈریسڈن سے' جو سیکسنی میں ہے' ہیمبرگ تک لکڑی لے جانے کا ٹھیکہ دیا۔ اسے راستے کے قصبوں اور ریاستوں کو اتنے محصول دینے پڑے کہ ساٹھ شہتیروں میں سے' جو ڈریسڈن سے روانہ کئے گئے تھے' صرف چھ ہیمبرگ پہنچ سکے۔ اتنے فاصلے میں کشتی کے ذریعے سے سفر بیش از بیش ایک ہفتہ لیتا' لیکن مختلف مقامات پر ٹھہر ٹھہر کر محاصل ادا کرنے کے باعث ایک مہینا صرف ہو جاتا تھا۔ فرانس میں بھی جا بجا داخلی تجارت کے لئے رکاوٹیں موجود تھیں' حالانکہ لوئی چہارم نہ ہم چاہتا تھا کہ تمام چیزیں ایک نوعیت کی ہوں اور تمام اختیارات مرکز کے ہاتھ میں رہیں۔ مقامی فرانسیسی محاصل اتنے زیادہ اور پیچیدہ تھے کہ ایک ماہر مالیات فرانسیسی کو اعلان کرنا پڑا ایک پشت میں سے شاید ایک دو آدمی ایسے نکلیں' جنھیں ان محاصل کے متعلق پورا علم ہو۔"

اقتصادی اصلاح کے داعیوں نے 1789ء سے پیشتر ہی ان خرابیوں پر نکتہ چینی شروع کی' لیکن انھیں کبھی کبھار ہی کامیابی حاصل ہوتی۔ بہ ہرحال روپے کو معیاری بنانے میں ضرور کامیاب ہوئے۔ یہ بڑا اہم مسئلہ تھا۔ حکومت کی حالت یہ تھی کہ اگر وہ گلڈوں کے مفاد سے تعرض کرتی یا محاصل کے مقامی افسروں سے کچھ کہتی تو خود اس کی خوش حالی پر برا اثر پڑتا۔ انگلستان مدت سے ایک متحدہ قومی مملکت بن چکا تھا۔ اقتصادی مقامیت ختم ہو رہی تھی اور تجارت ترقی پر تھی۔ اس کے برعکس جرمنی میں پھوٹ کا بازار گرم تھا اور تجارت سرد پڑ گئی تھی۔ صرف چند تاجر ایسے تھے' جو بیڈن کے باٹوں اور پیمانوں کا صحیح حساب سمجھ سکتے یا ایلب کے راستے لکڑی لانے کی کوشش کے لئے تیار ہوتے۔

جن لوگوں کے خاص اقتصادی مفاد تھے' وہ اٹھارھویں صدی میں ان سے بدستور مستفید رہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تجارتی نظریہ زر رکھنے والی مملکتوں کا اقتدار بہت محدود تھا۔ تجارتی نظریہ زر کا تقاضا یہ تھا کہ تجارت مقامی سطح سے اٹھ کر قومی سطح پر پہنچتی اور باقاعدگی اختیار کرلیتی' لیکن اٹھارھویں صدی کی کسی بھی حکومت کے پاس اتنے کارکن موجود نہ تھے' جو قومی ضوابط کو مؤثر بنانے کے لئے ضروری تھے۔ مملکتوں کو اپنے کاروبار میں زیادہ تر انحصار نجی کمپنیوں اور افراد پر رکھنا پڑا۔ انگلستان بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ چنانچہ انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنی مستعمرات پر عملاً" کامل اختیارات حاصل تھے۔ موجد بہ طور خود محنت کرنے پر مجبور تھے' کیونکہ حکومت کی طرف سے تجربہ گاہوں کا کوئی انتظام نہ تھا۔ وقتاً" فوقتاً" کاروباری گروہوں کے دباؤ کے ماتحت حکومتوں کی طرف سے کسی اہم مقابلے میں انعامات کا اعلان کیا جاتا۔ انگلستان کی پارلیمنٹ نے بیس ہزار پونڈ کا انعام اس شخص یا گروہ کو دینے کا اعلان کیا' جو اوقیانوس سے مشرق بعید تک شمالی و مغربی راستہ دریافت کر سکے۔ اسی طرح مزید بیس ہزار پونڈ کا انعام صحیح بحری گھڑی کی ایجاد کے لئے رکھا گیا۔ جس شخص نے بحری گھڑی ایجاد کی' اسے اپنا انعام وصول کرنے میں پچیس سال صرف ہو گئے۔

مسسپی اور جنوبی سمندر کے بے سروپا منصوبے

نجی منچلے پن اور سرکاری تغافل کا فرق بہتر طریق پر سٹے بازی کے ان دو منصوبوں میں نمایاں ہوتا ہے' جو اٹھارھویں صدی

کے اوائل میں جاری ہوئے۔ ایک مسس پی کا بے سروپا منصوبہ' جس کا تعلق فرانس سے تھا' دوسرا جنوبی سمندر کا بے سروپا منصوبہ' جو انگلستان سے متعلق تھا۔ 1750ء میں یورپ کی کوئی بھی حکومت بڑے قرضوں کا انتظام نہیں کر سکتی تھی' جو جنگوں کے دوران میں بہت بڑھ گئے تھے۔ لیکن ہر حکومت کو ضرورت تھی کہ تمسکات اور دوسرے قرضوں پر سود کی جو بہت بڑی رقمیں سالانہ ادا کرنی پڑتی تھیں' ان کا کوئی نہ کوئی انتظام سوچے یا دیوالیہ ہو جائے۔ فرانس اور انگلستان کی حکومتوں نے تجربے کا راستہ اختیار کیا یعنی سرکاری قرضے کا انتظام مشترکہ کمپنیوں کے حوالے کر دیا اور انھیں تجارتی رعایتیں دے دیں۔ امید تھی کہ ان کمپنیوں کی تجارت میں بے حد نفع ہو گا اور اس نفع میں سے سرکاری تمسکات کا سود ضرور ادا کیا جا سکے گا۔

جان لا (1671ء - 1729ء) سکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا۔ ریاضیات میں اسے ساحر مانا جاتا تھا۔ فرانس کے تجربے کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں رہی۔ اس نے ڈوئیل میں فریق مخالف کو مار دیا' اس لئے وہ برطانیہ سے جلا وطن ہوا۔ فرانس پہنچ کر اس نے قمار بازی سے بے اندازہ دولت جمع کر لی اور عظیم القدر لوگوں سے دوستی کے رشتے پیدا کر لئے۔ ان میں سے ایک اورلیانز کا ڈیوک بھی تھا۔ لا نے مسائل زر اور بانک داری کے طور طریقوں کا بھی مطالعہ کیا' خصوصاً" ایمسٹرڈم میں' جو ان دنوں مالی اعتبار سے یورپ کا مرکز مانا جاتا تھا۔ لا تجارتی نظریہ زر کا قائل تھا۔ مگر تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ۔ وہ اس اصول سے متفق تھا کہ مملکتی قوت کا انحصار اس روپئے پر ہے' جو اس کے قبضے میں ہو' لیکن وہ کہتا تھا کہ سونے چاندی کے سکے لازماً" روپے کی مطلوب شکل نہیں۔ ان قیمتی دھاتوں کی رسد محدود ہے' اس لئے ملک میں نقد روپے کی مقدار رائج کرنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کاروبار کو ترقی نہیں دی جا سکتی۔ اس مشکل کا حل یہ ہے کہ کاغذی سکے جاری کئے جائیں اور قوم کی زرعی و تجارتی دولت ان سکوں کی پشتیبان ہو۔ کاغذی سکوں کی مقدار کاروبار کی ضروریات کے مطابق بڑھائی گھٹائی جا سکتی ہے۔ اس طرح تجارتی کمپنیوں کو ایسا فروغ حاصل ہو گا' جو پہلے انھیں کبھی نصیب نہیں ہوا اور پورا ملک ترقی کرے گا۔ جب خوشحالی عام ہو جائے گی تو حکومت کے قرضے بھی بیباق ہو جائیں گے۔

اب لا کا نظام فرانسیسی اقتصادیات کے تقریباً" ہر گوشے میں پہنچ چکا تھا۔ اسے فرانس کا کنٹرولر جنرل (محاسب اعلیٰ) بنا دیا گیا اور وہ پوری مملکت کا اقتصادی ڈکٹیٹر بن گیا۔ اس کی کمپنی نے سرکاری قرضے سنبھال لئے اور وہ تیار ہو گیا کہ سرکاری تمسکات مسس پی کمپنی کے حصوں کی جزوی ادائی میں قبول کر لئے جائیں۔ جن لوگوں کے پاس سرکاری تمسکات تھے' انھوں نے لا کی پیش کش کا پرجوش خیر مقدم کیا' کیونکہ حکومت کا کاروبار گرا ہوا تھا' اس وجہ سے تمسکات کی قیمت میں بیس فی صد کمی واقع ہو گئی تھی' لیکن کمپنی کا وسیع کاروبار جاری رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ لا اس کے مزید حصے فروخت کرے' تاکہ ضروریات کے مطابق روپیہ مل جائے۔ نقد روپیہ دے کر حصے خریدنے والوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے اس نے کمپنی کے متعلق توقعات کا نہایت دلاویز نقشہ تیار کر دیا' یعنی خود مسس پی کمپنی کے کاروبار میں گرم بازاری پیدا کی۔ کم یا زیادہ روپہ لگانے والے لوگ گرم جوشی سے کمپنی میں شریک ہوئے اور کیفیت وہی تھی' جیسی بیسیوں صدی کے تیسرے عشرے میں وال سٹریٹ کے اندر پیدا ہوتی تھی۔ غرض 1719ء کے اختتام پر مسس پی کمپنی کا ہر حصہ چالیس گنا قیمت پر فروخت ہو رہا تھا۔

گریہ بلبلا جلد ہی پھٹ گیا' کیونکہ لا کے جاری کردہ کاغذی سکے نقد رقوم کے مطالبے کا ساتھ نہ دے سکتے۔ حقیقت میں نقد روپے کے مطالبے بہت کم تھے' کیونکہ کاغذی سکوں کو وسیع اعتماد حاصل ہو چکا تھا' لیکن مسس پسی کمپنی کے حصوں کی قیمت برابر بڑھتی گئی تو سرمایہ لگانے والوں میں سے محتاط آدمیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ گرمی بازار زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ انھوں نے نقد رقم کے حصول کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے اپنے حصے فروخت کر دیئے اور قیمت میں نوٹ انھیں مل گئے۔ انھوں نے نوٹ لا کے بینک میں پیش کر کے نقد روپیہ لے لینا چاہا۔ بینک میں سونے چاندی کے جتنے بھی ذخیرے تھے' ختم ہو گئے۔ فروری 1720ء میں نقد رقموں کی ادائی روک دی۔ لا کو مجبوراً" مئی 1720ء میں کنٹرولر جنرل کا عہدہ چھوڑنا پڑا اور وہ فرانس سے بھاگ گیا۔

مس پسی کے بے سروپا منصوبے کی ناکامی کا اثر بین القوامی تھا۔ لا کے استعفے سے چند ہفتے بعد لندن میں جنوبی سمندر کا بے سروپا منصوبہ بھی ناکام ہو گیا۔ امید تھی کہ حکومت انگلستان کے قرضے کا انتظام بینک اور انگلینڈ کے حوالے ہو گا۔ اس بینک کی بنیاد ایک نجی ادارے کی حیثیت سے 1694ء میں پڑی تھی (اسے دوسری عالمی جنگ کے بعد قومی بنا لیا گیا) اس نے مستقل نوٹ جاری کر کے قومی اقتصادیات میں محفوظ مقام حاصل کر لیا تھا اور لوئی چہارم دہم کے خلاف آخری دو جنگوں میں بہت قیمتی خدمات انجام دی تھیں' لیکن قرض کا بار بینک نے نہیں' ساوتھ سی کمپنی (جنوبی سمندر کی کمپنی) نے سنبھال لیا' جس نے حکومت کو پچھتر لاکھ پونڈ کی گراں قدر رقم ادا کر دی۔ اس کمپنی کے وسائل زیادہ نہ تھے اور یہ وسائل زیادہ تر تجارتی مراعات سے فائدہ اٹھانے پر موقوف تھے' جو برطانیہ نے ہسپانوی تخت نشینی کی جنگ کے اختتام پر ایسی انٹیو کی مفاہمت کے تحت حاصل کی تھیں۔ ان حقوق کی حیثیت صرف اتنی تھی کہ ہسپانیہ کی امریکی نوآبادیوں میں ہر سال چار ہزار آٹھ سو غلام پہنچائے جائیں اور عام تجارت کے لئے ہر سال صرف ایک جہاز پانامہ بھیجا جائے۔

ساؤتھ کمپنی نے بھی مسس پسی کمپنی کی طرح سرکاری قرض خواہوں کو دعوت دی کہ وہ اپنے تمسکات کمپنی کے حوالے کر دیں۔ حصوں کی قیمت بڑھانے اور نیا سرمایہ حاصل کرنے کے لئے کمپنی کے ڈائرکٹروں نے بعض عجیب و غریب تدبیریں اختیار کیں۔ وہ حصوں کی خفیہ خرید و فروخت سے گرمی بازار پیدا کرتے رہے اور خریداروں کو دعوت دیتے رہے کہ صرف دس فی صد نقد رقم دے کر حصے خرید لیں۔ ساتھ ہی جھوٹی رودادیں شائع کرتے رہے کہ کمپنی کے جہاز بہت سا جلد سامان لے کر آرہے ہیں' جس سے غیر معمولی نفع حاصل ہو گا۔

تھوڑی ہی مدت میں یہ بلبلا بھی اپنی ترقی کا دور پورا کر کے تنزل کی طرف لوٹا اور پھوٹ گیا۔ اس کمپنی کے ایک حصے کی قیمت ایک سو پونڈ تھی۔ جنوری 1720ء میں یہ ایک سو انتیس پونڈ پر فروخت ہوتا تھا۔ جون میں اس کی قیمت ایک ہزار پچاس پونڈ پر پہنچ گئی۔ درجنوں دوسرے لوگ برسرکار آگئے اور انہوں نے نئی کمپنیوں کی بنیاد رکھ دی۔ وہ عجیب وغریب منصوبوں کے اشتہار دیتے تھے۔ مثلاً" ایسے پہیے' جو ہمیشہ حرکت میں رہتے ہیں' نمکین پانی کو میٹھا بنانے کے طریقے' ایسی توپیں' جن سے مربع گولے پھینکے جائیں گے۔ بعض بے شمار فوائد کا اعلان کر دیتے' مگر کسی کو نہ بتاتے کہ فوائد کی نوعیت کیا ہے۔ بعض کے دعوے یہ تھے کہ سونے کی اینٹیں بنائی

جائیں گی یا تانبے کو سونے کی شکل دے دی جائے گی۔ سرمایہ لگانے والے عوام کی خوش فہمی اور حسن اعتقاد کے بارے میں کیا کہا جائے' معلوم ہوتا ہے' یہ لامتناہی تھا۔ اگست 1720ء میں اس کمپنی کے حصوں کی قیمت گھٹ کر آٹھ سو اسی پونڈ اور ستمبر میں صرف ڈیڑھ سو پونڈ رہ گئی۔ اس پر پارلیمنٹ نے کمپنی کے معاملات کی چھان بین کا حکم دے دیا تاکہ حصہ داروں کے حقوق کی حفاظت ہو سکے اور ڈائرکٹروں کے املاک پر قبضہ کر لیا۔ ڈائرکٹروں نے کمپنی کی کتابیں جلا دیں اور عجلت کے ساتھ انگلستان چھوڑ کر نکل گئے۔

بے سروپا منصوبوں کے نتائج : ان دو بے سروپا منصوبوں کی ناکامی سے بعض افسوسناک نتیجے پیدا ہوئے۔ مس پسی کمپنی کے منصوبے کی ناکامی نے فرانس کی مالی حالت میں اور خرابیاں پیدا کر دیں۔ جان لا اس سلسلے میں تباہ ہو گیا۔ حالانکہ اس کی صلاحیتوں سے زیادہ دانشمندانہ طریق پر کام لیا جاتا تو حکومت فرانس جس مالی فالج کا شکار ہوتی چلی جا رہی تھی' اسے روکا جا سکتا تھا۔ انگلستان میں ساؤتھ سی منصوبے کی ناکامی کے باعث مدت تک نئی کمپنیاں ہی نہ بن سکیں' کیونکہ ان کے لئے اجازت نامہ حاصل کرنے میں بڑا روپیہ خرچ کرنا پڑتا تھا۔ نیز اس سے بعض بلند پایہ اصحاب کی شہرت داغ دار ہو گئی۔ خود شاہ جارج اول اور اس کی داشتہ بھی نچلی سطح پر آ گئے' کیونکہ انھوں نے اس منصوبے کی پرجوش حمایت کی تھی۔ پارلیمنٹ کے "تقریباً" ایک سو ممبروں نے کمپنی سے روپیہ قرض لے کر حصے خرید لئے تھے اور ان کی رقمیں بالا اقساط ادا کر رہے تھے۔ جن لوگوں کے پاس سرکاری تمسکات تھے انھیں ڈائرکٹروں کی جائدادیں ضبط کرنے کے بعد صرف رقم مل سکی۔

تاہم یہ منصوبے محض بدقسمتی ہی کا باعث نہ تھے' وہ بہ ہرحال یورپی اقتصادیات کی نشوونما کے سلسلے میں طبعی زحمتوں کا سامان تھے۔ ان سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ مملکتیں نئے اور حیران کن مالی مسائل کے حل دریافت کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ والٹیئر نے بعد میں اعلان کیا تھا کہ جان لا کے خیالی نظام سے حقیقی تجارت پیدا ہوئی اور قوم بہ حیثیت مجموعی زیادہ خوش حال ہو گئی۔ بہ ہرحال اس تجربے کے باعث فرانسیسیوں کا کاروبار ازسرنو اس تعطل سے باہر نکل آیا' جو لوئی چہار دہم کی شکستوں نے اس پر طاری کر دیا تھا۔ مس پسی کمپنی کو 1720ء کے بعد ازسرنو منظم کیا گیا اور اسے کاروبار میں خاصا منافع ہوا۔

انگلستان میں ساؤتھ سی کمپنی کے منصوبے کی ناکامی سے مستحکم اداروں پر کوئی اثر نہ پڑا۔ انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی بدستور سالانہ پانچ فی صد سے دس فی صد تک منافع تقسیم کرتی رہی۔ بینک اور انگلینڈ کو حکومت کی نظروں میں خاص درجہ حاصل کرنے کے لئے کوئی مقابلہ درپیش نہ تھا' کیونکہ ساؤتھ سی کمپنی ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ بینک سلطنت کا سب سے بڑا مالی سہارا بن گیا۔ کمپنی کی ناکامی کے باعث جو ہنگامہ بپا ہوا۔ اس میں رابرٹ والپول برسراقتدار آ گیا' جس کا پروگرام یہ تھا کہ تمام قرضوں کو قومی قرضے قرار دے کر ادا کرے۔ یہ ایک نیا تصور تھا اور وقت کے مالی اخلاقیات کی جانب خاصا بڑا اقدام تھا' جو ایسے وقت میں کیا گیا' جب اکثر دوسری مملکتیں قرضوں کو بادشاہ کے ذاتی واجبات قرار دیتی تھیں اور مسلک یہ تھا کہ بادشاہ انھیں قبول کرے یا رد کرے' فیصلے کا مجاز وہی ہے۔

بڑے بڑے مالکان اراضی کی اصلاحات : زرعی انقلاب کو تغیرات کے بڑے سلسلے میں دوسرا درجہ حاصل تھا۔ جس سے موجودہ نیا کے اقتصادیات نے نئی شکل اختیار کی۔ اس انقلاب کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ اصلاحات کے ذریعے سے کسانوں کی کم تعداد زیادہ فصلیں پیدا کرنے کے قابل ہو جائے۔ ہمارے زمانے میں اصلاحات زیادہ تر فن اور سائنس کی ترقی کا نتیجہ ہیں۔ کسان مشینری استعمال کرتے ہیں' ساتھ ہی کیمیائی اور حیاتیاتی چھان بین کا سلسلہ جاری ہے۔ عمدہ کھادیں استعمال کی جاتی ہیں۔ مویشی سے سیب کے پیڑ تک بہتر سے بہتر نسل اور طریق تربیت سے کام لیا جاتا ہے۔ سائنس نے جو دریافتیں کیں' ان سے زراعت میں فائدہ اٹھانا کوئی نئی بات نہیں' یہ سلسلہ زمانہ قدیم سے جاری ہے' جب مصر قدیم نے آبیاری کے لئے کھال تیار کئے تھے اور اصلاح یافتہ ہل ایجاد ہوئے تھے' نیز ازمنہ وسطیٰ میں کھیتی باڑی کے لئے گھوڑوں سے کام لیا جانے لگا تھا۔ اٹھارھویں صدی میں کھیتی باڑی کے طور طریقوں کی پیشبرد اتنی تیز ہو گئی کہ اس نے تقریباً" انقلابی اقدامات کی حیثیت اختیار کرلی۔ اس تحریک کے علمدار انگلستان کے وہ مالکان اراضی تھے' جو اصلاح یافتہ طریقوں سے کام لینے لگے' خصوصاً" جتھرو ٹل ورٹیکوفٹ ٹاؤنشینڈ' رابرٹ بیکویل اور آرتھرینگ۔

جتھرو ٹل (1774ء - 1781ء) نے فرانسیسی باغوں اور تاکستانوں کے مشقت خیز طریقے کا مطالعہ کیا۔ فرانسیسی باغبان چھوٹے چھوٹے قطعات سے اس لئے زیادہ پھل حاصل کر لیتے تھے کہ وہ پیڑوں کے بیچ الگ الگ لگاتے تھے۔ پھر ہر پیڑ اور انگور کی ہر بیل کے اردگرد کی زمین کھرپے اور بیلچے کے ذریعے سے نرم رکھتے تھے اور نلائی کرتے رہتے تھے۔ ٹل نے فرانسیسوں کا یہ طریقہ انگلستان کے بدرجہا بڑے بڑے غلے کے کھیتوں میں استعمال کیا۔ پہلے عموماً" بیج کو کھیت میں یونہی بکھیر دیا جاتا تھا۔ ٹل نے گھوڑوں کے ذریعے سے ہل چلا کر بیج باقاعدہ قطاروں میں لگانا شروع کیا اور نلائی کے لئے بھی گھوڑوں سے کام لیتا تھا۔ فصل کی پیداوار نے اس کے نئے طریقوں کو حق بہ جانب ثابت کر دیا۔

وائیکونٹ ٹاؤ شینڈ (1674ء - 1738ء) کی جائداد نارفوک میں تھی۔ اس نے ہالینڈ سے دو قیمتی فصلوں کے بیج منگوائے اور ان کا تجربہ شروع کر دیا۔ ان میں سے ایک شلجم کے بیج تھے' اور دوسرے تپتیا گھاس کے بیج۔ پھر اس نے شلجموں کا خاصا بڑا ذخیرہ فراہم کر لیا اور اس وقت تک مویشی کو یہی چارہ کھلاتا رہا' جب تک موسم بہار نہ آگیا اور چراگاہوں میں گھاس از سرنو نہ اگ آئی۔ عام طریقہ یہ تھا کہ موسم سرما میں مویشی کا ایک حصہ ذبح کر لیا جاتا۔ ٹاؤنشینڈ نے اس طریقے سے انتہائی حد تک اجتناب کیا۔ تپتیا گھاس سے نائٹروجن زمین کے اندر محفوظ ہو گئی اور زرخیزی بڑھ گئی۔

پہلے ہر تین سال کے بعد زمین کو ایک سال کے لئے ناکاشتہ چھوڑ دیتے تھے تاکہ اس میں قوت پیدا ہو جائے۔ ٹاؤ شینڈ نے جو طریقہ اختیار کیا' اس کے بعد زمین کو خالی چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہ رہی اور اس میں بڑا نقصان ہوتا تھا۔ ٹاؤ شینڈ نے فصلیں بدل بدل کر بونے کا سلسلہ شروع کیا۔ مثلاً" شلجم' جو' تپتیا گھاس اور گندم وہ یکے بعد دیگرے بوتا رہتا۔ یہی سلسلہ اکثر انگریزی جاگیرات میں رائج ہو گیا۔

رابرٹ بیکویل (1725ء - 1795ء) نے مویشی کی پرورش کے لئے سائنٹیفک اصول سے کام لیا۔ اس سے پیشتر زیادہ تر مویشی دبلے پتلے رہتے تھے اور سخت ہونے کے باعث ان کا گوشت بھی لذیز نہیں ہوتا تھا۔ وہ صرف اس قابل تھے کہ ان سے خاص کام لے لیا جائے یا وہ کھاد مہیا کر سکیں یا ان کے چمڑے اور اون فروخت ہو سکیں۔ بیکویل نے بڑی احتیاط سے اچھی نسل کی بھیڑیں پالیں اور ان کی اون عام بھیڑوں سے دگنا ہو گیا اور وہ ایسے برے اور گوشت منڈیوں میں بھیجنے لگا' جو حقیقت میں اعلیٰ تھا اور اسے کھانے کو بھی جی چاہتا۔ اگرچہ نکتہ چینیوں نے یہ شکایت کی کہ بیکویل جو گوشت مہیا کرتا ہے' اس کی قیمت بہت زیادہ ہے اور اس میں چکناہٹ زیادہ ہوتی ہے' تاہم اس کے اختیار کئے ہوئے طور طریقے ہر جگہ رائج ہو گئے۔

آرتھر ینگ (1741ء - 1820ء) نئے طریق زراعت کا بہت بڑا ناشر بن گیا۔ اسے سیروسیاحت' مشاہدے اور دیکھی ہوئی چیزوں کے بیان میں خاص مہارت حاصل تھی۔ اس نے برطانیہ اور براعظم یورپ کے خاص زرعی خطوں میں منظم سفر شروع کر دئے۔ 1760ء کے اواخر اور 1770ء کے اوائل تک پانچ سال میں اس نے زرعی معمولات اور اقتصادی مسائل کے متعلق ایک درجن سے زیادہ کتابیں شائع کر دیں۔ ٹل اور ٹاؤنشینڈ نے جو نئے طریقے اختیار کئے تھے' انھیں رواج عام دینے کے لئے ینگ نے بڑی دلاویز دلیلیں پیش کیں اور عوام کو وہ دلیلیں اتنی اچھی معلوم ہوئیں کہ اسے بین الاقوامی شہرت حاصل ہو گئی۔ جارج واشنگٹن' لافے یٹ اور ملکہ کیتھرائن نے اس سے خط و کتابت کی۔ جارج سوم شاہ انگلستان اور نپولین نے بھی اس کتابوں کا مطالعہ کیا۔

زرعی انقلاب کا پھیلاؤ : 1789ء سے پیشتر زرعی انقلاب کی ترقی بڑی غیر متوازن تھی۔ صرف وہی کسان اس کے حامی بن سکے' جو زیادہ منجلے تھے اور صرف چند ملکوں میں اسے قدم جمانے کا موقع مل سکا۔ براعظم میں پروشیا نے اس سلسلے میں سبقت کی۔ شاہ فریڈرک اعظم نے اپنی رعایا کو ہدایت کر دی کہ مویشی کی پرورش نئے اصول پر کریں۔ چارہ پیدا کرنے پر توجہ رکھیں۔ فصلیں بدل بدل کر بوئیں۔ اور ان تمام امور میں انگلستان کے ترقی یافتہ طریقوں پر عمل کریں۔ زراعت کے نئے طریقے برطانیہ کے صرف ان لوگوں نے قبول کئے' جن کے پاس وسیع جاگیریں تھیں۔ جارج سوم کو ان میں علمدار کا درجہ حاصل تھا۔ اسی وجہ سے اسے "کسان جارج" کا لقب ملا۔

از منہ وسطیٰ میں ہر حلقہ جزوا" خود کفیل تھا۔ دور حاضر میں ضرورت پیش آگئی تھی کہ سرمایہ دارانہ طریق پر خاص فصلیں فروخت کے لئے پیدا کی جائیں۔ اس ارتقاء میں زرعی انقلاب کو ایک اہم مرحلے کی حیثیت حاصل تھی۔ اٹھارھویں صدی میں اصلاح دوست مالکان اراضی نے جن طور طریقوں کی طرف توجہ کی' ان کی حیثیت سرمایہ دارانہ تھی' کیونکہ ان میں بڑی بڑی رقمیں لگائے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ بڑے بڑے روایتی کھیت حلقہ جاتی معمولات سے فارغ ہو جائیں۔ مثلاً" ہر کسان کے لئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مہیا کرنے کا سلسلہ جاری نہ رہے' مگر اکثر انگریزی دیہات کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے اردگرد کسانوں کے مشترکہ کھیت تھے' چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ کر ان کے حوالے کئے گئے تھے۔ لہٰذا اصلاح دوست مالکان اراضی نے مطالبہ کیا کہ ان مشترکہ کھیتوں کے اردگرد جنگلے لگا دیئے جائیں اور ہر

نجی مالک کی زمین الگ الگ ہو جائے۔

ٹیوڈر حکمرانوں کے زمانے میں جنگلے لگانے کی تحریک کا مدعا یہ تھا کہ بھیڑ بکریوں کے لئے نجی چراگاہوں کا سلسلہ وسیع ہو جائے۔ نئی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ مالکان اراضی کو درخت لگانے اور فصلیں پیدا کرنے کے لئے زیادہ زمین مل جائے۔ اٹھارھویں صدی کے آخری عشرے اور انیسویں صدی کے پہلے عشرے میں جنگلے لگانے کا سلسلہ کمال پر پہنچ گیا اور پارلیمنٹ کو الگ جنگلوں کے متعلق ایک قانون منظور کرنا پڑا' جس کا تعلق لاکھوں ایکڑ زمین سے تھا۔ اسی زمانے میں برطانوی دیہات کے وسیع کھیتوں کے اردگرد باڑیں لگ گئیں۔

مجلسی بہبود کے نقطۂ نگاہ سے جنگلے اور باڑیں ناخوش گوار نتائج کا باعث ہوئیں۔ اٹھارھویں صدی کے انگلستان میں بھی قدیم یونان و روما کی طرح بڑی بڑی جاگیروں کے ارتقاء نے جنھیں سرمایہ داری کے اصول پر چلایا جا رہا تھا' چھوٹے کسانوں کو تباہ کر دیا۔ چھوٹے چھوٹے کسان جنگلے لگا ہی نہیں سکتے تھے' نہ آلات خرید سکتے تھے اور نہ بڑے بڑے کھیت بنا سکتے تھے' گویا وہ اصلاح زراعت کے سلسلے میں کوئی کام انجام نہیں دے سکتے تھے۔ اس قاعدے نے بعض چھوٹے چھوٹے کاشت کاروں کو مجبور کر دیا کہ وہ بڑی بڑی زمینداریوں میں اجرت پر کام کرنے لگیں۔ دوسرے قصبوں میں پہنچ گئے تاکہ انھیں کوئی کام مل جائے۔

زرعی پیداوار کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو جنگلے اور باڑیں لگانے کا سلسلہ ایک اچھا اقدام تھا۔ اس سے بڑے بڑے کھیت پیدا ہوئے' جن میں قطار در قطار بیج بوئے جا سکتے تھے۔ گھوڑوں کے ذریعے سے ہل چلائے جا سکتے تھے اور بدل بدل کر فصلیں بوئی جا سکتی تھیں۔ اس وقت تک برطانیہ کو اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے غذائی جنس مہیا کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ مزید براں کھیتوں کی پیداوار بڑھ گئی اور مزدوروں کا ایک حصہ کھیتوں سے باہر کام کرنے کے لئے آزاد ہو گیا۔ گویا زرعی انقلاب صنعتی انقلاب کو تقویت پہنچا رہا تھا۔ اس کی برکت سے صنعتی قصبوں کے لئے ضرورت کے مطابق غذا اور آدمی مہیا ہونے لگے۔

صنعتی انقلاب کی ابتدا : صنعتی انقلاب کو کارخانوں کے لئے خام مال' مصنوعات کے لئے منڈیاں' کارخانے تعمیر کرنے اور مشینیں لگانے کے لئے سرمایہ درکار تھا۔ خام مال اور منڈیوں کا مسئلہ سمندر پار کی نو آبادیوں نے جزوا" حل کر دیا اور سرمایہ جزوا" تاجروں سے مل گیا۔ یوں تجارتی انقلاب نے بھی صنعتی انقلاب کو تقویت پہنچائی۔

صنعتی انقلاب سے سادہ دستی اوزاروں کی جگہ مشینوں نے لے لی۔ انسان یا مویشی کی قوت کے بجائے پانی یا بھاپ کی قوت استعمال ہونے لگی۔ چونکہ قوت سے چلنے والی مشینیں زیادہ بڑی' پیچیدہ اور گراں خرچ تھیں' لہٰذا ان کے لئے بڑے بڑے کارخانے لازم ہو گئے۔ یوں کارخانوں کا نظام وجود میں آیا اور دستکاری کی چھوٹی چھوٹی دکانیں یا چھوٹے چھوٹے دستکاروں کا گھروں پر کام ختم ہو گیا۔ 1789ء تک ان انقلابی تغیرات نے صرف چند صنعتوں پر اثر ڈالا تھا' لیکن یہی صنعتیں کلیدی حیثیت رکھتی تھیں' مثلا" کان کنی' دھاتوں کی صفائی' اسلحہ سازی اور پارچہ بافی۔

کوئلے کی کانیں اٹھارھویں صدی میں بڑے کاروبار کا مرکز بن رہی تھیں۔ آرتھرینگ نے

دیکھا کہ برطانیہ میں جہاں کہیں کوئلے کا چھوٹا موٹا ذخیرہ ہے' وہاں کا ذرہ ذرہ سرگرمی اور صنعت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ نیوکیسل انگلستان کے شمال میں ہے۔ 1770ء کی ایک رپورٹ مظہر ہے کہ وہاں کوئلہ نکالنے والوں کی تعداد میں بے حد اضافہ ہو گیا اور یہ تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔ کوئلے کی مانگ بہت بڑھ گئی تھی' کیونکہ لوہا بنانے والوں کو اس کی سخت ضرورت تھی۔ صدیوں سے یہ لوگ خام دھات سے لوہا بنانے کے لئے لکڑی بہ کثرت موجود تھی۔ لیکن انگلستان میں تقریباً" تمام جنگل کٹ چکے تھے اور لکڑی کے کوئلے کی قیمت اتنی بڑھ گئی تھی کہ لوہا بنانے کے مصارف میں اسی فی صد صرف کوئلہ کا خرچ تھا۔ 1750ء تک یہ حالت پیدا ہو گئی کہ اگرچہ خام دھات کی بہم رسانی بہت بڑھ گئی تھی' مگر لوہا بنانے کی رفتار تیزی سے گھٹ گئی اور بیرونی ملکوں سے لوہا درآمد کیا جانے لگا۔ عام کوئلہ لکڑی کے کوئلے کی جگہ آہن سازی میں کام نہیں دے سکتا تھا' کیونکہ اس کے کیمیائی اجزا لوہے کو زیادہ سخت اور بے لوچ کر دیتے تھے۔ یہاں ضرورت ایجاد کی ماں بن گئی۔ کول برک ڈیل کے ایک خاندان ڈاروی نے شروپ شائر میں تجربے کرتے کرتے معلوم کر لیا کہ کوئلے کی کیمیائی خرابیاں اس طرح دور کی جا سکتی ہیں کہ کوئلے کو بڑی بڑی بھٹیوں میں ڈال کر کوک بنا لیا جائے۔ چونکہ کوک میں خالص کاربن رہ جاتی ہے' اس لئے اس سے اعلیٰ درجے کا لوہا بنتا ہے۔

ڈاروی خاندان اور دوسری نجی فرمیں انگلستان کے اندر دھاتیں صاف کرنے میں پیشرو تھیں۔ براعظم یورپ میں مختلف حکومتوں نے سبقت کی' حالانکہ ریاستیں عموماً" اقتصادی مسائل کے حل میں اپنی نااہلی ظاہر کرتی رہی تھیں' مگر اس معاملے کو مستثنیٰ سمجھنا چاہئے۔ جدال و قتال کے لئے اعلیٰ درجے کے اسلحے کی ضرورت تھی۔ فرانس اور پروشیا نے اس ضرورت کو یوں پورا کیا کہ ایسے کارخانے اور اسلحہ سازی کے مرکز قائم کر دیے جن میں سرمایہ حکومتوں کا لگا۔

پارچہ بافی میں انقلاب کا مدعا یہ تھا کہ ارزاں نرخ کا سوتی کپڑا تیار کیا جائے۔ "اڑتی ہوئی نال" ایک فنی چیز تھی' جو پہلے پہل انگلستان کے دستی کرگھوں میں استعمال ہوئی (1733ء) اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ایک جلاہا دو جلاہوں کا کام کرنے لگا۔ جن کرگھوں میں یہ نال استعمال ہوتی تھی' وہ دھاگے کے ذخیرے انتہائی تیزی سے ختم کرنے لگیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لندن میں فنون' مصنوعات اور تجارت کی حوصلہ افزائی کے لئے جو انجمن بنی ہوئی تھی' اس نے اعلان کیا کہ جو شخص ہاتھ سے روئی کاتنے کے تکلیف دہ عمل میں اصلاح کا طریقہ ایجاد کرے گا' اسے انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ جیمز ہارگریوز نے 1764ء میں کاتنے کی کل ایجاد کی' جس میں سوت کاتنے کی آٹھ چرخیاں بہ یک وقت کام کرتی تھی۔ جلد ہی اس کل کے لئے پانی کی قوت استعمال ہونے لگی اور ایک سو سے بھی زیادہ چرخیاں بہ یک وقت کام کرنے لگیں۔ مزید برآں اٹھارھویں صدی کے ساتویں عشرے میں سکاٹ لینڈ کے ایک فرد جیمز ویٹ نے دخانی انجن ایجاد کر لیا۔ اس نے آگے چل کر صنعت و حرفت کو پانی کی قوت پر انحصار سے نجات دلا دی اور یہ قوت یقیناً" قابل اعتماد نہ تھی۔

اگرچہ برطانیہ میں 1789ء تک روئی کے تقریباً" ڈیڑھ سو کارخانے قائم ہو چکے تھے' مگر اونی پارچات اور درجنوں دوسری بنیادی جنسیں دستی صنعت ہی پر موقوف رہ گئیں۔ انگلستان' نیز براعظم میں انفرادی دستکاروں اور چھوٹے چھوٹے کارکنوں کی تعداد بڑے بڑے کارخانوں کے مزدوروں سے کہیں زیادہ تھی۔ صنعتی نشو و ارتقاء کو پورا زور اس وقت حاصل ہوا' جب نہروں

کے کھدنے اور ریلوں کے بننے میں بھاری بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بہت ارزاں ہو گیا۔ سرمایے کی کمی اور کاریگروں کی قلت نے بعض اوقات صنعت و حرفت کی ترقی روکے رکھی۔ سویڈن کے ایک موجد نے اٹھارھویں صدی کے اوائل میں کاٹ چھانٹ کی نہایت عمدہ مشینیں ایجاد کیں، مگر اسے ان سے کام لینے کے لئے سرمایہ نہ مل سکا۔ انگلستان میں یہ مشکل پیش آئی کہ ویٹ کے انجن سے کام لینے کے صحیح پرزے نہ بن سکے، اس لئے زیادہ وسیع پیمانے پر چیزیں نہ بنائی جا سکیں۔ اٹھارھویں صدی میں صنعتی انقلاب کے محض ابتدائی اقدامات ہوئے۔ انیسویں صدی میں یہ انقلاب کمال کو پہنچا۔

☆ باب 23

مغربی یورپ مابعد یوٹریکٹ

(WESTERN EUROPE AFTER UTRECTH)

اقتصادی انقلابات میں برطانیہ کی قیادت نے اسے دنیا کی امیر ترین قوم بنا دیا۔ برطانیہ کے بینکروں کی پشتیبانی بینک آو انگلینڈ کر رہا تھا۔ پھر انہوں نے قومی قرضے کا انتظام بڑی احتیاط سے کرلیا۔ اس طرح کاروبار میں ان کی ساکھ بہت بڑھ گئی۔ اور وہ پانچ فی صد کی بہت معمولی شرح پر روپیہ دینے لگے۔ شہر جس کے ایک مربع میل میں شہر لندن واقع تھا اور اس کے ساتھ مالی ضلع بھی شامل تھا ساؤتھ سی کمپنی کی ضرب سے جلد سنبھل گیا اور تھوڑی ہی مدت میں ایسٹرڈم سے ٹکر لینے لگا' جو بین الاقوامی تجارتی و مالیات کا مرکز چلا آرہا تھا۔ اٹھارھویں صدی میں برطانوی تاجروں نے اپنے تجارتی حریفوں یعنی ولندیزوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا اور فرانسیسیوں سے آگے بڑھنے لگے' جو نئے نئے مقابلے پر آئے تھے۔ تجارتی نظریہ زر کی کسوٹیاں تین ہیں۔ تجارت' نو آبادیاں اور بحری قوت۔ برطانیہ ان کسوٹیوں کے اعتبار سے یورپ کی قوی ترین مملکت تھا۔

برطانیہ کا انتظام : برطانوی نو آبادیوں کی نگرانی ایک سرکاری محکمے سے متعلق تھی' جسے تجارتی بورڈ کہتے تھے۔ یہ بورڈ خوش گوار تغافل کی سہل پالیسی پر کاربند تھا۔ اس کے برعکس دوسری سامراجی طاقتیں اپنے مقبوضات پر تجارتی نظریہ زر کے تقاضوں کے مطابق سخت ضبط و نظم پر کاربند تھیں۔ صرف برطانیہ کی نو آبادیوں کو داخلی خود مختاریوں کے خاصے حقوق حاصل تھے۔ آگے چل کر یہ حقوق آباد کاروں کو مطمئن نہ رہ سکے' جیسا کہ امیر کی انقلاب سے واضح ہوگیا' مگر عارضی طور پر خوش گوار تغافل خاصا کامیاب رہا اور برطانوی سلطنت خوشحالی و خود اعتمادی میں سب پر فوقیت لے گئی۔

برطانوی بحری فوج بھی افسروں کی برتری اور جہازوں کی کثرت کے باعث سب پر فائق تھی جو لوگ آگے چل کر کپتانی کے عہدے پر فائز ہوتے تھے' وہ سولہ سال یا اس سے بھی کم عمر میں سمندروں کا سفر شروع کر دیتے اور کمیشن لینے سے پیشتر عملی تعلیم و تربیت پوری کرلیتے۔ اٹھارھویں صدی کے وسط میں وہ جن جہازوں کی کمان کرتے رہے' وہ بہ اعتبار وضع و ساخت دشمنوں کے جہازوں یعنی فرانس سے فروتر تھے۔ وہ سمندر میں موجوں کا مقابلہ زیادہ دیر تک نہیں کرسکتے تھے اور ان پر توپیں کم ہوتی تھیں' لیکن ان کی تعداد زیادہ تھی' مثلاً برطانیہ کے پاس فرانس کے ایک جنگی جہاز کے مقابلے میں دو ایک تجارتی جہاز کے مقابلے میں چھ اور تجربہ کار ملاحوں۔ تجارتی و جنگی۔ کا تناسب دس اور ایک کا تھا۔ اگر جنگ آجاتی تو بیڑا تجارتی جہازوں سے ملاح لے لیتا اور حمل و نقل نیز دوسرے کاموں کے لئے اسے خاصی تعداد میں جہاز مل جاتے۔

دو سو سال پیشتر ملک معظم کے جہازوں پر خدمت چنداں خوش گوار نہ تھی جو خوراک ملاحوں میں تقسیم کی جاتی وہ ایک ہی وضع کی ہوتی اور اس میں کیڑے پڑ جاتے اور وہ صحت کے لئے مضر تھی۔ کپتان اکثر ملاحوں کو سزا میں تازیانے لگواتے یا جہاز کے پیندے میں اتار کر بند کر

دیتے۔ اٹھارھویں صدی کے چوتھے عشرے میں ٹوبیاس سمولیٹ نے ایک سرجن کے رفیق کی حیثیت سے برطانوی جنگی جہاز پر سفر کیا۔ جو ظلم و ستم اس زمانے میں جہازوں پر ہو رہے تھے۔ ان کا انکشاف اس نے راڈرک رینڈم نام ایک ناول میں کیا۔ جو انگریز کے بالکل ابتدائی ناولوں میں ہے۔ راڈرک رینڈم ہمیں بتاتا ہے کہ اسے کیونکر "بھرتی کیا گیا"!

"میں ٹاور کے گھاٹ سے آگے بڑھا تو ایک موٹا اور ٹھگنا سا آدمی جس کے پہلو میں خنجر لٹک رہا تھا اور ہاتھ میں ڈنڈا تھا' میرے پاس آیا اور پکار کر کہا: "او بھائی! تو میرے ساتھ آؤ۔" مجھے اس کا چہرہ اچھا معلوم نہ ہوا اور اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے میں تیز تیز چلنے لگا' تاکہ اس سے نجات حاصل کرلوں۔ یہ دیکھتے ہی اس نے سیٹی بجائی' فوراً" ایک اور ملاح میرے سامنے نمودار ہوگیا اور میرا گریبان پکڑ کر اپنے ساتھ کھینچنے لگا۔ میں اس قسم کا سلوک برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ اپنا گریبان چھڑایا اور ایک ڈنڈا اس کے سر پر مارا۔ وہ بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔ اب کوئی دس بارہ آدمیوں نے مجھے گھیر لیا۔ میں نے بھی اس پھرتی اور کامیابی سے زور دکھانا شروع کیا کہ بعض مخالفوں نے تلواریں لے کر مجھ پر حملہ کردیا۔ خاصی کش مکش ہوئی' جس میں ایک بڑا زخم میرے سر پر لگا' ایک بائیں رخسار پر اور تمام ہتھیار چھین کر مجھے قیدی بنالیا گیا۔ وہاں سے ایک جہاز کے تختے پر لے گئے اور مجرم کی حیثیت میں ایک مقام پر باندھ دیا۔ وہاں اردگرد اور لوگ بھی بندھے ہوئے موجود تھے' جن کی شکلیں دیکھ کر مجھے سخت پریشانی ہوئی۔"

غرض جبری بھرتی کرنا' سزا میں جہاز کے پیندے کے اندر اتار دینا' خراب غذا کھلانا اٹھارھویں صدی میں ملاحوں کے اندر عام تھا۔ پھر گوناگوں بیماریوں میں وہ لوگ مبتلا ہو جاتے۔

اس کے برعکس فوج برطانیہ کی خاص چیز تھی۔ اس کے افسر اخلاص کے لئے یورپ بھر میں مشہور تھے اور اس کے سپاہی عموماً" درمیانے درجے کے لوگ ہوتے تھے' جو تنخواہ کے لالچ میں بھرتی ہو جاتے اور وہ عموماً" جرمنی کی ریاست ہیسی کیسل سے لیے جاتے تھے۔ برطانیہ کو بڑی فوج رکھنے پر اعتراض تھا' کیونکہ اس پر خرچ بہت ہوتا تھا۔ چونکہ جزائر برطانیہ نسبتاً" محفوظ تھے' اس لیے فوج کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی' اہل برطانہ کو ایک اندیشہ یہ تھا کہ اگر مستقل فوج رکھی گئی تو وہ کسی نہ کسی وقت مطلق العنانی کا حربہ بن جائے گی۔ انہیں یاد تھا کہ کرامویل اور جیمز دوم نے اس حربے سے کتنا کام لیا تھا۔

کابینہ : شاندار انقلاب نے فوج پر بے اعتمادی کی تصدیق کر دی' نیز برطانیہ کو ایک یگانہ اور سب سے بڑا اثاثہ دے دیا یعنی بادشاہ پر پارلیمنٹ کی برتری۔ پارلیمنٹ نے جیمز دوم کی جگہ ولیم اور میری کو حکومت کی گدی پر بٹھا دیا تھا۔ ملکہ این سٹوارٹ خاندان کی آخری حکمران تھے۔ اس نے 1714ء میں وفات پائی تو پارلیمنٹ نے جانشینی کا فیصلہ خاندان ہینوور کے حق میں کر دیا۔ اس خاندان کے پہلے دو بادشاہوں کے ماتحت جو کابینہ بنی اسے بادشاہ پر پارلیمنٹ کی برتری قائم کرنے کا ذریعہ ہونا چاہیے تھا۔ جارج اول 1714ء - 1727ء اور جارج دوم 1728ء - 1760ء نے تمام شاہی اختیارات سے دست برداری اختیار نہ کی۔ مثلاً ساؤتھ سی کمپنی اور دوسرے مالی

معاملات میں وہ براہ راست دلچسپی لیتے رہے۔ بعض اوقات ڈپلومیسی اور جنگ میں بھی دخل دے دیتے تھے۔ جارج دوم انگلستان کا آخری بادشاہ تھا۔ جس نے میدان جنگ میں شخصاً" فوجوں کی کمان کی۔ یہ 1743ء میں آسٹروی تخت نشینی کی جنگ کا واقعہ ہے مگر پہلے وہ جارج تاج سے لطف اندوز نہ ہوئے' جو ان پر ٹھونسا گیا تھا۔ انہیں انگریزی زبان میں مہارت حاصل نہ ہوئی اور وہ طویل مدت کے لئے ہینوور چلے جاتے رہے' جہاں ان کے اختیارات پر پابندی عائد کرنے کے لئے کوئی پارلیمنٹ موجود نہ تھی۔ انہیں ہینوور کی یاد برابر ستاتی رہی۔ انگلستان میں ان کے لئے اطمینان کی کوئی صورت نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے بہت سے امور میں ذمہ داری کابینہ کی طرف منتقل کر دی۔

جارج اول اور جارج دوم اپنے وزیر وگ پارٹی سے چنتے رہے۔ وجہ یہ نہ تھی کہ پارلیمنٹ نے انہیں اس پر مجبور کیا تھا' وجہ صرف یہ تھی کہ انہیں اسی میں سہولت نظر آئی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کے لئے کوئی اور راستہ نہ تھا۔ ٹوریوں پر انہیں قطعاً" اعتماد نہ تھا۔ وہ لوگ انہیں طور طریقوں کو پسندیدہ سمجھتے تھے۔ جو شاندار انقلاب میں بالکل بے وقعت ہو چکے تھے۔ بعض ٹوری جیمز دوم کے اخلاف کی ان سازشوں اور سرگرمیوں میں شامل پائے گئے۔ جو انگلستان کا تخت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اختیار کیں۔ اس کے برعکس وگ شاندار انقلاب کے اصل بانی تھے۔ انہوں نے خاندان ہینوور کے لئے تخت نشینی کا انتظام کیا اور انہیں کو درالعوام میں اقتدار حاصل تھا۔

ساؤتھ سی کمپنی کی ناکامی کے بعد اکیس سال تک 1721ء - 1742ء رابرٹ والپول وزیراعظم رہا۔ وہ بھی دارالعوام میں وگ پارٹی کا لیڈر تھا۔ والپول نے کابینہ کا اقتدار وقار بڑھا دیا۔ اگرچہ وزیراعظم کے لقب نے اس وقت تک سرکاری حیثیت اختیار نہیں کی تھی' مگر وہ واقعی وزیراعظم تھا' کیونکہ سلطنت میں اسے ممتاز ترین شخصیت مانا جاتا تھا۔ 1733ء میں اس نے بعض وزیروں کو استعفے پر مجبور کر دیا' کیونکہ وہ جنگی میں وسیع تخفیف کے مخالف تھے اور والپول اس تخفیف کو لباس عمل پہنانا چاہتا تھا۔ یوں اس نے ایک نہایت نازک مسئلے میں کابینہ کی یک آہنگی کا اہم اصول قائم کر دیا۔

1760ء میں جارج دوم فوت ہوا۔ رسم یہ تھی کہ بادشاہ اکثریت والے فریق سے اپنے وزیر منتخب کرتا۔ مگر اس وقت تک یہ چیز لازم و واجب نہیں ہوئی تھی۔ جارج سوم نے اس رسم کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ وہ دارالعوام سے اس مسئلے پر جھگڑتا رہا۔ مگر ناکام ہوا۔ انگریزی کابینہ کے نشو و ارتقاء میں نازک ترین دور 1760ء میں شروع ہوا' لیکن 1760ء سے پیشتر ترکیب و ساخت کے زمانے میں کابینہ ایسی شکل اختیار کرنے لگا تھا' جس کے مطابق آگے چل کر پارلیمنٹ کے لئے' نیز دارالعوام کے انتخاب میں حصہ لینے والے عوام کے لئے تنقیدی معاملات میں ضبط و نظم یقینی ہو گیا۔

وگ پارٹی کی حکومت عدیدہ : انیسویں صدی کے جلیل القدر ٹوری ڈزرائیلی نے پہلے دو جارجوں کے زمانے کی وگ حکومت کو وینس کی حکومت عدیدہ قرار دیا تھا۔ اس نے کہا: دور احیاء علوم کے وینس میں دولت مند تاجر اور ساہو کار خاندان آئین سازی اور نظم و نسق پر اقتدار قائم رکھے ہوئے تھے' لیکن اصلاً" وگ حکومت حکومت عدیدہ ہونے کے باوجود وینس کی

حکومت کی طرح نہ تھی۔ جیسا کہ ڈزرائیلی نے فرض کرلیا۔ وگ پارٹی دراصل بڑے بڑے مالکان اراضی اور سرمایہ دار امراء کے اتحاد پر مبنی تھی' یعنی اس میں امراء دیہاتی جاگیردار' لندن اور دوسرے شہروں کے کاروباری آدمی شامل تھے۔ گویا قصبوں اور مضلات کے سیاسی لیڈروں کے درمیان اس اتحاد کی تجدید ہوگئی تھی۔ جو پہلے پہل ازمنہ وسطی کے آخری دور میں نمایاں ہوا' یعنی جب دیہاتی شرفاء اور شہری نمائندوں نے مل کر دارالعوام کی تشکیل کی تھی۔

وگ پارٹی کو جن پارلیمنٹوں میں اکثریت حاصل رہی ان میں دیہاتی شرفاء کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہی۔ مثلاً 1754ء میں دارالعوام کے اندر ان کا نیز تاجروں اور قانون دانوں کا تناسب پانچ اور ایک کا تھا۔ خاندانی رشتے' مشترکہ سیاسی مقاصد اور املاک کے لئے مشترکہ احترام وگ پارٹی کے بڑے اور چھوٹے شرکاء کو اکٹھا کیے ہوئے تھے۔ شاندار انقلاب کے فوائد کو مستحکم کرنے کی غرض سے وگ پارٹی نے جیمز دوم کے اندر کے اخلاف اور ان کے حامیوں کے تمام منصوبوں کی مخالفت کی اور وہ ہینور خاندان کی حمایت میں سرگرم رہے۔ جو نمائش اقتدار کا عادی نہ تھا۔ اپنی زمینوں اور لگائے ہوئے سرمایوں کی حفاظت کے لئے وہ قانون منظور کرتے رہے۔ مثلاً مویشی کے چرانے' آلو بالو کے درخت کاٹنے اور اسی طرح املاک کے تقدس کی معمولی خلاف ورزی کی سزا بھی موت مقرر کر دی تھی۔

رابرٹ والپول خود بڑے بڑے مالکان اراضی اور سرمایہ دار عناصر کے اشتراک کی ایک مثال تھا۔ اس کا باپ ایک دیہاتی جاگیر دار تھا۔ تمام اوضاع و اطوار اور ذوق و مشرب اسی سے والپول نے میراث میں لیے۔ اس نے انگریز سیاست دانوں کی یہ روایت قائم رکھی کہ ہفتے کے اواخر میں وہ دیہات کے اندر چلا جاتا اور شکار کھیلتا رہا۔ اسے نفاست و لطافت کا کوئی احساس نہ تھا۔ کھانے کی دعوتوں میں خوب شراب پیتا اور محفل کو فحش کہانیاں سناتا۔ بہت سے دوسرے وگ شرفاء کی طرح والپول نے بھی ایک سرمایہ دار تاجر کے خاندان میں شادی کی۔ اس کی بیوی ایک بہت بڑے تاجر چوب کی بیٹی تھی' جو پہلے لندن میں لارڈ میئر بھی رہ چکا تھا۔ وزیراعظم کی حیثیت سے والپول نے خود دیہاتی اشراف میں ہونے کے باوجود شہری مفاد کو تقویت پہنچائی۔ اس کی بنیادی پالیسی شہری پروگرام سے بالکل ہم آہنگ تھی' یعنی قومی قرضے میں تدریجی تخفیف' نظام کابینہ کے ذریعے سے سیاسی استواری اور نئے ہینوری خاندان کی حمایت۔

والپول کے انگلستان میں ایسی جمہوریت کا کوئی وجود نہ تھا' جس میں ہر قابل آدمی اپنی صلاحیت کی بناء پر ترقی کرسکتا یا اکثریت اپنی مرضی کے مطابق کار فرما ہوسکتی۔ مختلف پیشوں میں صرف شرفاء ہی آگے بڑھ سکتے تھے' جو مجلسی اعتبار سے اقلیت میں تھے۔ وہی فوج اور بحریات میں افسری کے درجے پر پہنچنے کی امید رکھتے۔ وہی قانون دانی' معلم پادری اور ڈاکٹر بن سکتے۔ سیاسیات میں لاکھوں عوام کے لئے دروازہ بند تھا' اگرچہ دولتمند تاجر وگوں کی حکومت عدیدہ میں شامل ہوچکے تھے۔ صرف بڑے بڑے زمیندار ہی جج بن سکتے تھے' جو مقامی عدالتوں کا کاروبار چلاتے۔ تنخواہوں کے پیمانے مقرر کرتے۔ غریبوں کی امداد کی نگرانی بھی انہیں کے حوالے تھی۔ وہی پلوں اور شاہراہوں کی دیکھ بھال کے ذمہ دار تھے۔ گویا انگلستان کے مضلات میں انہیں مطلق العنان حاکموں کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ لوگ ذاتی جائداد کی حفاظت میں بہت سخت تھے اور ان میں سے جو لوگ جج مقرر ہوتے' انہیں حکومت کا سب سے زیادہ غیر جاذب پہلو سمجھا جاتا۔

مجسٹریٹوں کی حیثیت میں وہ عموماً" مدعا علیہم کے حقوق کو نظر انداز کیے رہتے اور معمولی چوریوں پر بھی ملزموں کو موت کی سزا دے دیتے۔ ایک ضرب المثل بن گئی تھی کہ "بھیڑ چراؤ یا برہ' پھانسی دونوں صورتوں میں پاؤ گے۔" یہ مثل ان لوگوں کے معیار انصاف کی حقیقت واضح کر رہی ہے۔

بہ حیثیت مجموعی صرف اشراف ہی کو پارلیمنٹ کے ممبروں کے لئے ووٹ کا حق حاصل تھا۔ بہت سے حلقہ ہائے انتخاب میں ووٹ دینے والوں کی تعداد کم تھی۔ اس لیے مختلف خرابیوں کی حوصلہ افزاء ہوئی۔ خصوصا ان قصبوں میں جنہیں ویران یا پاکٹ قصبے کہتے تھے۔ ان قصبوں میں ووٹ دینے والوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ پارلیمنٹ کے لئے نمائندگی کسی دولت مند صاحب املاک کی "جیب" (اختیار) میں تھی۔ سیاست دانوں نے ووٹروں کو رشوت دینے کے مواقع سے پورا فائدہ اٹھایا یا وہ وعدہ کرلیتے کہ جو لوگ ووٹ دیں گے' انہیں سرکاری ملازمتیں دلا دی جائیں گی۔ نیو کیسل کا ڈیوک بڑا دولت مند وگ تھا۔ اسے چار حلقہ ہائے انتخاب اور سات چھوٹے قصبوں کی ممبروں پر پورا قابو حاصل تھا۔ جن خاندانوں کی رشتے داریاں ذی اثر اصحاب سے تھیں' وہ عموماً" حکومت کی خاصی سرپرستی حاصل کرلیتے۔ ایک لوح مزار پر مال غنیمت کی جو فہرست درج ہے' اسے ایک نظر ملاحظہ فرمالیجئے۔

"یہاں مسز ایلزبتھ بیٹ کا جسد فانی محو آرام ہے۔
وہ مقدس رچرڈ ہیٹ کی بیوی تھی۔
ایک خاتون' جو حقیقی پرہیز گاری اور مثالی نیکی کا پیرک تھی۔
اس کا خاندان بڑا معزز تھا۔
سٹین ہوپ کے نامور خاندان سے اس کا رشتہ تھا۔
اسے یہ استحقاق حاصل تھا۔
کہ اپنے شوہر اور بچوں کے لئے
بارہ مختلف ملازمتیں
کلیسا اور سرکار میں حاصل کرلے
وہ 9 جون 1751ء کو پچھتر سال کی عمر میں فوت ہوئی"

براعظم یورپ کی طرح برطانیہ میں بھی حکمران طبقہ ان عوام پر فرمانروا تھا' جنہیں ووٹ دینے کا کوئی حق نہ تھا۔ لیکن انگلستان کی بادشاہی اور براعظم کے ملکوں کی بادشاہیوں میں ایک اہم فرق تھا۔ برطانیہ کا حکمران طبقہ بھی یقیناً" خود غرض اور تنگ دل تھا۔ بہ این ہمہ ان میں عوامی روح اور شہری امور سے دلچسپی اعلی پیمانے پر موجود تھی۔ خود بڑے بڑے مالکان اراضی اور دولت مند تاجروں کے درمیان براعظم کے مقابلے میں بہت کم مجلسی رکاوٹیں تھیں اور انگلستان کے شرفاء بہ حیثیت عمومی اقتصادی تغیرات کی ضرورت کا زیادہ احساس رکھتے تھے۔ براعظم کے شرفاء کو ایسا احساس نہ تھا۔ آخر انگلستان کے شرفاء میں سیاسی اور مجلسی اصلاحات کا بھی جذبہ پیدا ہوگیا۔ بلاشبہ انگلستان میں اقتدار صرف چھوٹے سے طبقے کو ہاتھ میں تھا اور خرابیاں بھی یقیناً" موجود تھیں' تاہم برطانیہ کے پارلیمانی نظام نے حد درجے روشن خیال اور ضرورتوں کے مطابق چلنے والی حکومت مہیا کردی' جو یورپ میں ان اوصاف کے لحاظ سے بہترین تھی۔

فرانس کے واجبات : جب برطانیہ قوی تھا' فرانس پر ضعف و بے چارگی کی حالت

طاری تھی۔ لوئی پانزدہم کے فرانس (1715ء - 1774ء) کو مختلف امور سے نقصان پہنچا۔ مثلاً اس کا سامراجی نظام بڑا سخت تھا۔ اس کی بحری قوت کم درجے کی تھی اور اس کے اکثر مدبر اوسط درجے کی قابلیت کے تھے۔ وزارت بحریات سمندر پار کی سلطنتوں پر حکومت کرتی تھی۔ وہ ان مقبوضات کو بھی ایسے جنگی جہاز سمجھتی تھی۔ جو مستقل طور پر لنگر ڈالے پڑے ہوں۔ انگلستان کے تجارتی بورڈ کے برعکس فرانس نے اپنی کسی نو آبادی کو نظام خود اختیاری دے دینے سے انکار کردیا۔ گویا فرانس نے نو آبادیوں کے لئے انہیں مفصل ضوابط سے کام لیا' جو جزائر غرب الہند کے گنا پیدا کرنے والوں جزیروں اور کینیڈا کی ان چوکیوں کے لئے استعمال ہوتے رہے' جو دراصل اس وقت تک ویرانے میں تھیں' حالانکہ نو آبادیوں اور مذکورہ جزیروں' نیز چوکیوں کے درمیان کوئی مناسب نہ تھی۔

ان نظام کے مطابق فرانس کو خوشحالی نصیب ہوئی' لیکن نو آبادیاں پسماندہ رہ گئیں۔ نانٹز' بوردو اور فرانس کی دوسری اوقیانوسی بندرگاہوں میں تجارتی سرگرمیاں دوگونہ ہو گئیں' جو خام شکر وادی لوپ اور مارتینیق کے مزرعوں سے آتی تھی' اس کی صفائی کے لئے نئے کارخانے بن گئے' لیکن نو آبادیوں میں ضوابط کا جو ہنگامہ بپا تھا اور ان میں سے اکثر سراسر احمقانہ تھے' ان کی وجہ سے آباد کاروں کی صلاحیت جدت کا گلا گھونٹا گیا۔ فرانس کی سامراجی نظام میں اتنی لچک اور سرگرمی نہ تھی کہ وہ جنگ کی آزمائش کا مقابلہ کامیابی سے کرسکتا۔

فرانس کی بحری قوت کو وسیع تر وسائل اور بہتر قیادت کی ضرورت تھی۔ اس کے جنگی جہاز بہ اعتبار وضع و ساخت بہت اچھے تھے۔ مگر ان کی تعداد ناکافی تھی۔ ولندیزی اور برطانوی جہازوں نے فرانس کی پھیلتی ہوئی تجارت کا خاصا بڑا حصہ سنبھال لیا۔ فرانسیسی بحری افسروں نے بحریات کی تعلیم و تربیت بڑی عمدگی سے پائی تھی' لیکن انہیں وہ تجربہ حاصل نہ تھا' جو برطانوی جہاز رانوں نے عمریں سمندر میں گزار کر حاصل کیا تھا۔ نظام قدیم کے بہترین ریا بدترین مسلک کی پیروی کرتے ہوئے اونچے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے افسر اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ طبقہ اوسط کے افسروں کو ترقی نہ کرنے دیں۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ یہ بھی کہہ دیا جائے' فرانسیسی حکمرانوں نے بحریات سے تغافل برتا' تاکہ ان کی پوری توجہ بری فوج پر مرتکز رہے۔ فرانس سب سے بڑھ کر ایک بڑی قوت تھا' اس کی شمالی و مشرقی سرحد غیر محفوظ تھی' کیونکہ وہ فلینڈرز کے میدان میں سے گزرتی تھی اور ادھر سے حملے کا خطرہ رہتا تھا۔

بے شک بری فوج کی تعداد زیادہ تھی' لیکن لوئی پانزدہم کی فوج کبھی لوئی چہار دہم کی عالی شان روایات سے مطابقت پیدا نہ کرسکی۔ فوج کی تربیت ناقص تھی۔ عسکری تنظیم میں بے مصرف افسر بہت زیادہ تھے۔ فرانسیسی فوج کے ہر پندرہ سپاہیوں میں ایک افسر ضرور تھا۔ اس کے برعکس پروشیا کی فوج میں جو زیادہ کارگزار مانی جاتی تھی' پینتیس سپاہیوں میں ایک افسر تھا۔ تجربات کی طرح بری فوج کے وہ افسر' جن کا تعلق طبقہ امراء میں سے تھا۔ طبقہ اوسط کے رفیقوں سے نفرت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر نے صرف اس لیے فوج میں کمیشن لے لیا تھا کہ ان کے نزدیک یہ دولت پیدا کرنے کا ایک اچھا ذریعہ تھا۔ اٹھارھویں صدی کی ایک جنگ کے دوران میں ایک فرانسیسی مارشل کو شکایت کرنی پڑی۔

"لفٹننٹ اور کیپٹن کو ہرگز علم نہیں کہ کمپنیوں کی کمان کیونکر کی جاتی ہے۔ اسی

طرح کرنیل' برگڈیئر اور لفٹنٹ جنرل اپنی رجمنٹوں' برگیڈوں اور ڈویژنوں سے صحیح کام لینے کے نااہل ہیں ..... ہمارے تمام افسر انفرادا" کو ویسے ہی جری اور دلیر ہیں' جیسے دشمن کے افسر ہیں۔ ان میں قابلیت اور فہم و دانش زیادہ ہے' لیکن نہایت اہم معاملات میں وہ غلطیاں کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ہی ہوں گے' جنہوں نے بہ طور خود مہم کے نقشے تیار نہیں کرلیے یا جو جرنیلوں کی اختیار کردہ تدابیر پر نکتہ چینی نہ کرتے اور تقریبا" سب کے سب اپنے درجے کو شخصیت سے فروتر سمجھتے ہیں۔"

ہفت سالہ جنگ میں فرانس نے شکستیں کھائیں تو 1763ء کے بعد بری اور بحری فوج میں اہم اصلاحات ہوئیں۔ جنگی جہازوں کی تعداد بڑھ گئی اور بری فوج کے افسروں میں سے ان تمام لوگوں کو نکال دیا گیا' جو ناقابل تھے۔ فوجی اقدامات کے لئے افسروں کا نیا گروہ بھرتی کیا گیا۔ یہ لوگ بڑے جوشیلے اور سرگرم تھے۔ ان اصلاحات کے خوش گوار نتائج کا ثبوت اول امریکی انقلاب کی جنگ میں فرانس نے پیش کیا۔ پھر یہ ثبوت ان فوجی مہموں میں بروئے کار آیا' جو انقلاب کا نتیجہ تھیں' لیکن یہ اصلاحات بعد از وقت آئیں اور نظام قدیم کے زائل ہوتے ہوئے وقار کو بچا نہ سکیں۔

نظام قدیم کی کمزوری جنگی قوت یا نو آبادیوں کے موافق میں نہیں' بلکہ اس کے اصل مرکز یعنی بادشاہی میں تھی۔ خدا کی طرف سے عطا شدہ ملوکیت کو کامیاب بنانے کا تقاضا یہ تھا کہ مسلسل تقابل بادشاہ تخت کی زینت بنتے رہتے۔ لوبرٹ اور رشلیو جیسے قابل افراد ان کی معاون ہوتے۔ لوئی چہار دہم کی وفات کے بعد فرانس اس جیسا بھی کوئی بادشاہ پیش نہ کرسکا اور بہت کم وزیر ایسے تھے' جو نامور پیشروؤں کی صلاحیت سے بہرہ مند ہوتے۔

اور لیانز کا ڈویک 1715ء سے 1723ء تک نائب السلطنت رہا۔ وہ قمار باز' شرابی اور گمراہ تھا۔ اس نے فرانسیسی لفظ "رو" کو عام لوگوں کی زبان پر جاری کیا' کیونکہ وہ کہا کرتا تھا کہ میرے دوست چکر میں بندھ کر سزا پانے کے مستحق ہیں' لیکن اس نے دو اہم انتظامی تجربے کیے' اول جان لا کو اپنا "نظام" آزمانے کا موقع دے دیا' دوم وزراء کی ایک مجلس بنا دی' جس میں سلطنت کے نہایت ممتاز امراء کو شامل کیا' حالانکہ لوئی چہار دہم متفرق وزراء کے ذریعے سے سارا کاروبار کرتا رہا تھا۔ پہلے تجربے سے بعض مفید نتائج برآمد ہوئے' مگر دوسرا تجربہ اس درجہ ناکام ہوا کہ نائب السلطنت تین سال کے بعد اس سے دست بردار ہوگیا۔ امراء کو مشیروں کی حیثیت میں پرانی جاگیرداری حقوق پر بحال کر دینے سے فرانسیسی حکومت کی اصلاح نہیں ہوسکتی تھی۔ فرانس کا یہ دوسرا طبقہ (امراء) اپنی افادی حیثیت کھو بیٹھا۔ نیابت میں ثابت ہوگیا کہ امراء حکمرانی کے قابل نہیں رہے۔ وسط صدی میں جو جنگیں پیش آئیں' ان سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچی کہ امراء فرانسیسی افواج کی قیادت کرکے انہیں فتح نہیں دلا سکتے۔

خوش قسمتی سے اختیارات کی باگ ڈور بہت جلد کارڈینل فلیوری کے حوالے ہوگئی' جو لوئی پانزدہم کا اتالیق تھا۔ فلیوری انقلاب سے پیشتر کے چند حقیقی مدبروں میں سے ایک تھا۔ 1726ء سے 1743ء تک وزیراعظم رہا اور نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ سن رسیدہ کارڈینل نے بنیادی اصلاحات کی کوئی کوشش نہ کی' تاہم فرانس کے لئے سانس لینے کا موقع پیدا کردیا۔

والیٹر کے الفاظ میں اس نے سلطنت کو ایک طاقت ور مضبوط جسم فرض کرلیا' جو اپنا علاج خود کرسکتا تھا۔ فلیوری نے فرانس کے مالی اوضاع کی مزمن اور گہری بے انصافی اور نالائقی کا کوئی مداوا نہ کیا۔ لیکن سکے کی قیمت استوار کر دی اور محاصل کو زیادہ کاروباری بنیادوں پر پہنچا دیا۔ یعنی محاصل جمع کرنے والوں کو ساڑھے سات فی صدی تک نفع لینے کی اجازت دے دی اور یہ بہت معمولی نفع تھا۔ اس نے فرانس کے بڑے شہروں میں رہن کی دکانیں کھول دیں۔ تاکہ قرضے کے حصول میں سہولت رہے۔ فلیوری کو اپنے مسلک میں جو کامیابی حاصل ہوئی' اس نے انگریزی سفیر کی بیوی لیڈی ملیری مانٹیگو کو بہت متاثر کیا' جو اٹھارھویں صدی کی بڑی بالغ نظر مبصرہ تھی۔ لیڈی ملیری نے 1739ء میں لکھا۔

"فرانس کی بہت اصلاح ہوچکی ہے۔ یہ وہ ..... ملک نہیں' جس میں سے ہم بیس سال پیشتر گزرے تھے' جس چیز پر نظر پڑتی ہے' وہ بہ زبان حال کارڈینل فلیوری کی مداح ہے۔ سڑکیں بالکل سدھر گئی ہیں .... رہزنوں سے حفاظت کے ایسے انتظامات کیے گئے ہیں کہ آپ بٹوا ہاتھ میں لے کر ملک سے گزر سکتے ہیں ..... اہل فرانس سڑکوں سے بھی زیادہ بدل گئے ہیں۔ پہلے وہ کمزور نظر آتے تھے۔ چہرے پیلے اور کمل اوڑھے ہوئے۔ ہم نے انہیں ایسی حالت میں دیکھا تھا' مگر اب دیہات خوشرنگ اور صحت مند کسانوں سے بھرے پڑے ہیں' جو اچھا اور صاف ستھرا لباس پہنتے ہیں۔ پورے ملک میں افراط و قناعت کی جو فضا چھائی ہوئی ہے' وہ ناقابل یقین ہے۔"

"افراط و قناعت" کی فضا اس وقت کے بعد بھی. قائم رہی' جب لوئی پانزدہم نے 1742ء میں شخصی حکمرانی کی ابتداء کی' لیکن جو نظامی استواری فلیوری نے پیدا کردی تھی' وہ جلد رخصت ہوگئی۔ لوئی خاصا ہوش مند تھا' مگر بووا اور عیاش تھا۔ وہ حکمرانی کی تفصیلات کی دیکھ بھال میں نہ دلچسپی لے سکتا تھا اور نہ اس میں اتنا صبر تھا کہ دیکھ بھال کا حق ادا کرسکے۔ وہ وقتی جذبے یا اپنی داشتاؤں اور خوشامدیوں کے ایماء پر وزیر مقرر کرتا اور برطرف کردیتا۔ مالیات اور وزارت خارجہ کے محکموں کو کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ ان کے وزیر بالواسطہ دو دو یا تین تین سال رہے۔ جب وزراء میں تبدیلی ہوتی تو ساتھ ہی پالیسی بدل جاتی اور لوئی نے خود اپنے مقرر کئے ہوئے وزیروں کے خلاف سازشیں کرکے استواری کو مزید نقصان پہنچایا۔ فرانس کی دو خارجہ پالیسیاں تھیں' جو باہم متصادم تھیں۔ ایک پالیسی وہ تھی' جسے سرکاری کہنا چاہئے اور سفیر اسی پر کاربند تھے۔ دوسری پالیسی وہ تھی' جسے بادشاہ کا خاص راز سمجھنا چاہئے اور اس کے کارندے اس پالیسی کو چلاتے تھے۔ یہ عموماً" سفیروں کی باقاعدہ پالیسی کے خلاف ہوتی تھی۔ پھر لوئی پانزدہم نے حکومت کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور وہ اس پر بھی آمادہ نہ ہوا کہ حکمرانی دیکھ بھال کا کام زیادہ محکم ہاتھوں کے حوالے کردے۔

بہ ایں ہمہ فرانس ایک بڑی طاقت بنا رہا۔ اگرچہ لوئی پانزدہم نے پیش گوئی کر دی تھی کہ میرے بعد طوفان نوح آنے والا ہے۔ فرانسیسی ذوق' فرانسیسی فکر اور فرانسیسی زبان کو بین الاقوامی دائرے میں امتیازی حیثیت حاصل رہی۔ نظام قدیم کی بدنظمی اور دوسری کمزوریاں اضافی تھیں' مطلق نہ تھیں۔ وہ اس حقیقت کو بدل نہیں سکتی تھی کہ فرانس اس وقت بھی بہ لحاظ آبادی

یورپ کا سب سے بڑا ملک تھا اور اس کے قبضے میں قوت کے تقریباً" لامتناہی ذخیرے محفوظ تھے۔ اس کی فوج اگرچہ کمزور ہوگئی تھی' لیکن دنیا میں سب سے بڑی تھی اور بحری قوت کا درجہ دوسرا تھا۔ فرانس ہی نے سمندر پار کی تجارت کا راستہ دنیا کو دکھایا' اگرچہ آگے چل کر اٹھارھویں صدی کے ربع آخر میں انگلستان سب سے سبقت لے گیا۔

دوسری مغربی مملکتیں : مغربی یورپ میں ہسپانیہ ہی دوسری سلطنت تھی' جو بڑی قوت کے درجے کی مدعی ہوسکتی تھی۔ سویڈن اور ہالینڈ سترھویں صدی میں جو بڑے بین الاقوامی کردار ادا کرچکے تھے' ان کا خاتمہ ان ملکوں کی کمزوری کے باعث ہوگیا تھا۔ چارلس دوازدہم (شاہ ہسپانیہ (1697ء - 1715ء) کی مہموں نے سویڈن کے مردوں کا بہترین حصہ قتل کرا دیا اور سویڈن نے بحیرہ بالٹک میں جو سلطنت قائم کی تھی' وہ درہم برہم ہوگئی۔ چارلس کی وفات کے بعد دو گروہ نمودار ہوئے۔ جنہیں استزاء ٹوپ اور کلاہ کہتے تھے۔ یہ لوگ سیاسی اقتدار کے لئے باہم لڑتے رہے' یہاں تک کہ حکومت تقریباً" برباد ہوگئی۔ ہالینڈ کی قوت لوئی چہار دہم کے خلاف جنگوں نے سلب کرلی تھی' ولندیزوں کے ہاتھ سے تجارتی قیادت چھن رہی تھی۔ وہ نہ کوئی بڑی بحری قوت مہیا کرنے کے قابل رہے تھے اور نہ ان کی کوئی آزاد خارجہ پالیسی تھی۔ اٹھارھویں صدی کا ہالینڈ فریڈرک اعظم کے الفاظ میں ایک چھوٹی سی کشتی تھی' جو انگریزی جہاز کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔

ہسپانیہ کے تخت و تاج کے لیے بڑی جنگ ہوئی' اس کے نتیجے میں خود ہسپانیہ نے کوئی زیادہ نقصان نہ اٹھایا۔ یوٹیریکٹ کے معاہدے (1713ء) کے مطابق بلجیم' نیز اٹلی کے بعض حصے چھن گئے۔ اس وجہ سے ہسپانوی سلطنت جو بہت بے ڈھب ہو رہی تھی' اس پیمانے پر آگئی کہ بہ آسانی اس کا انتظام کیا جاسکے۔ پہلے ہسپانیہ میں ہیبرگ خاندان کے جو خاندان حکمران رہے تھے' ان میں سے آخری حکمرانوں کے بجائے نئے بور بون بادشاہ یقیناً" بہتر تھے۔ فلپ پنجم (1700ء - 1746ء) پہلا ہسپانوی بور بون بادشاہ تھا' جس نے ملک کے متبحر اداروں میں زندگی کی نئی روح پھونکی' کیونکہ وہ فرانسیسی سفیر اپنے ساتھ لے گیا' جنہوں نے لوئی چہار دہم کے نظام میں تجربے حاصل کیے تھے۔ نیز اس نے دو قابل منچلے آدمیوں کی خدمات حاصل کرلیں۔ البرونی اور ریردا۔ جن کے عجیب و غریب کردار جان لا کے کردار سے بھی بازی لے گئے تھے۔ البرونی اٹلی کے ایک باغبان کا بیٹا تھا۔ وہ پہلے باورچی گری کرتا رہا' پھر اٹلی کی طرف سے میڈرڈ میں سفیر مقرر ہوگیا۔ آخر فرانس کا وزیراعظم بن گیا اور کارڈینل کا رتبہ پایا۔ ریردا ایک ولندیز تھا' جس نے کاروبار میں مہارت نامہ حاصل کی اور ڈپلومیٹ بن گیا۔ آخر فلپ سے اس کی نبھ نہ سکی اور سلطان مراکش کی ملازمت میں منسلک ہوگیا۔ مدت العمر کبھی پروٹسٹنٹ بن جاتا' کبھی کیتھولک آخر اسلام قبول کرلیا اور اسی مذہب پر وفات پائی۔ فلپ اور اس کے ممتاز مشیروں نے ہسپانوی نظم کی غیر معمولی رسمیات ختم کردیں' جن کی وجہ سے کاموں میں لامتناہی تاخیر ہوتی تھی۔ انہوں نے اس مجلس شوریٰ کے اختیارات گھٹا دیے' جن میں امراء کو غلبہ حاصل تھا اور یہی مجلس شوریٰ سترھویں صدی کے فرانس میں اختیار کا حقیقی مبنی رہی تھی۔ علاوہ بریں نظام محاصل کی اصلاح کی۔ پارچہ بافی اور دوسری نئی صنعتوں کو تقویت پہنچائی۔ بحری قوت تعمیر کرلی اور ہسپانیہ کی امریکی سلطنت کے اہم نقاط میں قلعہ بندیاں کرلیں۔

لیکن ان اصلاحات سے ہسپانوی زوال کے بنیادی اسباب دور نہ ہوئے۔ گورنروں کی حرص اور تجارتی نظریہ زر کی پابندیوں نے نو آبادیوں کی ترقی روکے رکھی۔ خود ہسپانیہ مفلس و قلاش رہا۔ رجعت پسند امراء اور پادری اس کے لیے بار بنے ہوئے تھے۔ آبادی بے حس تھی۔ سلطنت کے وسائل ناکافی تھے۔ خود فلپ ضعف اعصاب میں مبتلا تھا۔ مثلاً اس نے پاؤں کے ناخن کٹوانے سے انکار کر دیا اور یہ ناخن اتنے بڑھ گئے کہ وہ لنگڑا کر چلتا۔ اس کی دوسری بیوی ایلزبتھ فارنس بڑی خود رائے تھی۔ وہی اس سے جو چاہتی' منوا لیتی۔ وہی البرونی کی نگران و سرپرست تھی۔ فلپ کے بعد تخت اس بیٹے کے لئے مخصوص تھا' جو پہلی بیوی کے بطن سے تھا۔ ایلزبتھ کی پوری زندگی صرف ایک نصب العین کے لیے وقف رہی اور وہ یہ کہ تخت اس کے دو بیٹوں کو مل جائے۔ جو فلپ سے تھے۔ ایلزبتھ نے ان کے لئے اطالوی ریاستیں حاصل کرنے کی جتنی کوششیں کیں' ان سے بار بار یورپ کا امن خطرے میں پڑتا رہا۔

اٹلی اور جرمنی : سولھویں اور سترھویں صدی میں اطالوی ریاستیں وہ اقتصادی اور سیاسی قوت کھو چکی تھیں' جو انہیں دور احیاء علوم میں حاصل رہی۔ اس کے اسباب سمجھ لینا مشکل نہیں۔ سمندر پار نئی دنیا میں دریافت ہوئیں۔ ہسپانیہ' انگلستان اور دوسری اوقیانوسی طاقتیں بروئے کار آگئیں۔ اس وجہ سے بحیرہ روم کی اہمیت "طبعاً" کم ہوگئی۔ خود بحیرہ روم میں عثمانی ترک اور شمالی افریقہ میں ان کے متوسلین مدت دراز تک اطالوی جہاز رانی اور تجارت کے لئے خطرہ بنے رہے' پھر 1494ء میں فرانسیسیوں نے حملے شروع کردیئے اور اٹلی کو ان طاقتوں کی طرف سے براہ راست تسخیر کا خطرہ پیدا ہوگیا' جو نئی نئی ابھر رہی تھیں۔

ہسپانوی ہیسبرگ نے اٹلی کو فتح کرلیا اور 1715ء سے "پیشتر تقریباً" دو سو سال تک ہسپانیہ میلان' نیپلز اور سسلی پر براہ راست حکمران رہا اور باقی جزیرہ نما پر بھی اسی کو غلبہ حاصل تھا۔ ہسپانوی تخت نشینی کی جنگ کے بعد یورپ میں توازن قوی کا از سر نو انتظام کیا گیا تو اٹلی میں ایک اجنبی آقا کی جگہ دوسرے اجنبی آقا نے لے لی۔ یعنی آسٹروی ہیسبرگوں نے اطالوی ریاستوں پر قبضہ جما لیا اور اپنے ہسپانوی چچیرے بھائیوں کی اطالوی سیادت خود سنبھال لی۔ اٹھارھویں صدی کے اوائل میں جزیرہ نما کے سیاسی نقشے سے واضح ہوتا ہے کہ آسٹریا لمبارڈی پر مسلط تھا۔ لمبارڈی کے دونوں پہلوؤں پر دو زوال پذیر تجارتی جمہوریتیں۔ وینس اور جنیوا تھیں اور شمال و مغرب کے پہاڑی علاقوں میں پیدماں سیوائے کی ریاست تھی' جس کے اقتدار کا ستارہ طلوع ہو رہا تھا۔ اصلاً" اسے سارڈینیا کی بادشاہی کہنا چاہئے کیونکہ 1720ء میں بحیرہ روم کا یہ جزیرہ یعنی سارڈینیا اسے مل گیا تھا۔ جزیرہ نما میں مزید نیچے ٹسکنی کی گرانڈ ڈچی تھی۔ اسے سابق میں جمہوریہ فلارنس کہتے تھے۔ نیز پاپائیت کی جاگیریں تھیں پروٹسٹنٹزم کا غلبہ حاصل تھا' البتہ وہ یہ پیش گوئی کرسکتا تھا کہ اگر نئی جرمنی وجود میں آئی تو اس کا مرکز فرینکفرٹ ہوگا۔ جو علاقہ دریائے رھائن کے قلب میں واقع تھا یا سیلسنی کے لا پزگ یا ڈرلیڈن کو یہ عزت حاصل ہوگئی' لیکن برلین کو وہ اس غرض سے منتخب کرنے پر کبھی آمادہ نہ ہوتا' جس میں فروغ و ترقی کا کوئی جوہر نظر نہیں آتا تھا اور نہ ہوہنزولرن کا معمولی خاندان اس فروغ و ترقی کا علمدار بن سکتا تھا۔ پروشیا کی عظمت بڑی حد تک بہت قابل ہوہنزولرن حکمرانوں کے ایک طویل سلسلے کی سرگرمیوں کے باعث شروع ہوئی اور حکمرانوں میں سے اس کا آغاز سترھویں صدی کے بڑے الیکٹر سے ہوا۔

ہو ہینزولون کے خاندان کی حکومت کی بنیاد پندرھویں صدی میں برنیڈن برگ کے الیکٹر کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ جو دریائے ایلب اور دریائے اوڈر کے درمیان واقع تھا اور از منہ وسطیٰ میں مشرق کی طرف پیش قدمی کو ایک چوکی سمجھا جاسکتا تھا۔ ایک ہو ہینزولوں ٹیوٹونی نائٹوں کا رئیس تھا۔ ازمنہ وسطیٰ کے اواخر میں ٹیوٹونی نائٹوں نے جرمنی کی سرحدیں وسچولا کی مشرقی جانب اس سرزمین تک پہنچا دیں' جسے پروشیا کہتے تھے اور جو بحیرہ بالٹک کے جنوبی و مغربی گوشے میں واقع تھا۔ 1525ء میں برنیڈن برگ کا علاقہ پروشیا کو مل گیا' لیکن یہ ہو ہینزولون حکمرانوں کی قوت کے مرکز سے منقطع تھا کیونکہ بیچ میں پولینڈ کی زمینیں آجاتی تھیں۔ مغربی جرمنی میں ہو ہینزولرن حکمرانوں نے سترھویں صدی کے اوائل میں دریائے رھائن کی زیریں وادی کے اندر کچھ علاقے حاصل کرلیے (کلیوز اور مارک) دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا جو سلسلہ قائم تھا' ان کی وجہ سے کلیو اور مارک برنیڈن برگ سے الگ ہوگئے تھے۔

غرض جب فریڈرک ولیم (بڑا الیکٹر 1640ء - 1688ء) میں ہو ہینزولرن ریاست کا وارث بنا تو تیس سالہ جنگ اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ اس کے زیادہ تر مقبوضات برنیڈن برگ میں واقع تھے۔ مشرقی اور مغربی جانب متفرق علاقے بکھرے ہوئے تھے۔ برنیڈن برگ پروشیا کے حکمرانوں نے آئندہ دو سو سال کے لئے غیر معمولی استقلال کے ساتھ اپنے علاقے کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو یکجا کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔ یہ ایسا کام تھا۔ جو 1866ء میں کامیابی کی آخری منزل پر پہنچا۔ جرمنی کے دوسرے حکمرانوں خاندانوں میں سے بڑے حریفوں - ہیسبرگ جن کے قبضے میں وسیع غیر جرمن زمینیں تھیں' سیکسنی کے وئین جن کے پاس پولینڈ کا تاج تھا' ہینوور کے گویلف' جو تاج انگلستان کے مالک بن گئے تھے۔ کے برعکس برنیڈن برگ پروشیا کے حکمرانوں نے جرمنی سے باہر کسی ترغیب میں الجھ جانے سے عموماً" احتراز کیا۔ جب آگے چل کر وہ پولینڈ کی تقسیم میں حصہ دار بنے تو انہوں نے اپنی پولستانی سرزمینوں میں جرمن امراء کو آباد کیا۔

بڑے الیکٹر کی خارجہ پالیسی کا مقصد و مدعا یہ تھا کہ پومیرینیا کے علاقوں میں سے اہل سویڈن کو نکال دیا جائے۔ یہ علاقے برنیڈن برگ اور بحیرہ بالٹک کے درمیان واقع تھے اور 1648ء میں سویڈن نے ان پر قبضہ کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب لوئی چہار دہم سے ولندیزوں کو جنگ پیش آئی تو الیکٹر نے سترھویں صدی کے آٹھویں عشرے میں سویڈن کے خلاف فرانس سے اتحاد کیا۔ پھر 1675ء میں پروشیا نے فہربلین کی لڑائی میں سویڈن کو شکست دی اور 1679ء میں صلح ہوئی تو پروشیا کو کچھ نہ ملا۔ یہ امر الیکٹر کے لئے سخت مایوسی کا باعث ہوا۔ بڑے الیکٹر کا بیٹا فریڈرک اول (1685ء - 1713ء) درمیانے درجے کا آدمی تھا۔ اس کے عہد میں پروشیا نے ان جنگوں میں بہت معمولی حصہ لیا' جن میں لوئی چہار دہم کو نیچا دکھایا گیا۔ چنانچہ یوٹریکٹ کے معاہدے میں پروشیا کو بہت معمولی علاقے ملے۔

تاہم ہو ہینزولون حکمرانوں کے وقار میں مفید اضافہ ہوا۔ 1701ء میں فریڈرک نے ہسپانوی تخت نشینی کی جنگ میں شرکت کی اور اپنے لئے شاہ پروشیا کا لقب حاصل کرلیا۔ اس نئی حیثیت کی توثیق یوٹریکٹ کے معاہدے میں ہوگئی۔ اگرچہ فریڈرک اصلاً" خاص پروشیا کا بادشاہ تھا' جو مقدس رومی سلطنت کے حدود سے باہر واقع تھا' لیکن محض جزوی شاہی لقب نے خاندان کے لئے ایک نئے وقار کا انتظام کر دیا۔ پہلے ہو ہینزولون بادشاہ کے پوتے فریڈرک اعظم کے الفاظ میں۔

"جو شے ابتداء میں محض ایک بے بنیاد فخر کا کرشمہ سمجھی جاتی تھی۔ وہ مدبر کا شکار بن گئی۔ شاہی تاج ایک طعمہ تھا' جو فریڈرک نے اپنے جانشینوں کے سامنے رکھ دیا اور جس کی بناء پر وہ تمام جانشینوں سے کہتا ہوا معلوم ہوتا تھا! میں نے تمہارے لئے ایک لقب مہیا کر دیا ہے' اب تم اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرو۔"

بڑے ایلیکٹر نے خود زمین پوری طرح ہموار کردی تھی تاکہ اس کے جانشین بادشاہی کی ذمہ داریاں اٹھالیں۔ اس کے مقبوضات تیس سالہ جنگ میں تباہ ہوچکے تھے۔ کھیت ویران پڑے تھے۔ نصف آبادی کٹ چکی تھی۔ فوج صرف چند ہزار آدمیوں کا ایک غیر منظم گروہ رہ گئی تھی۔ اس نے بڑی اہتمام سے تمام نقصانات کی تلافی کی۔ اس نے پولستانی یہودیوں اور مذہبی ظلم و جور سے بھاگے ہوئے دوسرے پناہ گزینوں۔ خصوصاً" بیس ہزار فرانسیسی ہیو جیناٹوں کی حوصلہ افزائی کی اور ہیو جیناٹوں کو بعض محاصل سے بھی جزواً" مستثنیٰ کردیا۔ بڑے ایلیکٹر نے ایک مختصر مگر کاروان باقاعدہ فوج مرتب کی' جس کی بدولت پروشیا کو لوئی چہار دہم کے خلاف جنگ میں شامل ہونے کے لئے بیرونی ملکوں سے بڑی بڑی اعانتی رقمیں مل گئیں۔ امن کا وقت آجاتا تو ایلیکٹر اپنے سپاہیوں کو امور عامہ کے ضروری کاموں میں لگا دیتا۔ مثلاً دریائے ایلب اور دریائے روڈا کے درمیان نہر کی تیاری' برلن کے مشہور پارک کی تاسیس' تیز گارٹن اور انٹر و ٹلنڈن جیسے بولیواردوں کی تعمیر۔

بڑے ایلیکٹر نے آخر میں سب سے بڑا اور اہم کام یہ انجام دیا کہ انتظامی معاملات میں اپنے خاندان کے لئے مرکزی مطلق العنانی کا نظام استوار کردیا۔ ہوہنزولون خاندان کی مشرقی سرزمینوں کے امراء کو جنکر کہتے تھے۔ ایلیکٹر نے ان کی خود نمائی پر پابندیاں عائد کیں۔ بہ ایں ہمہ انہیں فرانسیسی امراء کی طرح بالکل بے کار و معطل کرکے نہ بٹھا دیا۔ بلکہ ان کی جاگیروں میں زرعی غلاموں پر ان کے اقتدار کی توثیق کر دی' البتہ جنکروں کو صوبائی پارلیمنٹوں میں جو اقتدار حاصل تھا' اسے کم کر دیا اور برلین کو مملکت پروشیا کا حقیقی سیاسی مرکز بنا دیا۔ اس نے محاصل لگانے کا اختیار آہستہ آہستہ اپنے قبضے میں لے لیا اور اپنے مقرر کئے ہوئے آدمیوں سے یہ خراج وصول کرتا۔ یہی انتظام پروشیا کی مشہور سول سروس کی بنیاد بن گیا۔ اس طرح جو روپیہ حاصل ہوتا۔ وہ فوج پر خرچ کیا جاتا۔ جس کے افسر بڑی حد تک جنکروں میں سے چنے جاتے تھے۔ اٹھارھویں صدی تک کسی جنکر کے لئے شاہی خدمت کے سوا اور کوئی شغل ہی نہ تھا۔ بڑے ایلیکٹر کی امداد لوتھری کلیسانے کی' جو عوام کو نظم و اطاعت کا سبق دیتا رہا۔ انہیں مقاصد کی پیشبرد کے لئے تعلیمی نظام تیار کیا گیا تھا۔

بڑے ایلیکٹر کا بیٹا فریڈرک اول لوئی چہار دہم کے شان و شکوہ کی نقالی کے جنون میں مبتلا تھا اور بہت سے جرمن حکمران بھی اسی جنون کا شکار تھے' جو پورے براعظم میں پھیلا ہوا تھا۔ فریڈرک کا خیال تھا کہ شادی میں ایک بیوی کا پابند نہ رہنا بادشاہ کی عظمت میں اضافے کا باعث ہے' لہٰذا اس نے بیوی سے حسن تعلقات کے باوجود ایک سرکاری داشتہ رکھ لی اور اس کے ساتھ بعد دوپہر بڑے اہتمام سے چہل قدمی کرتا۔ ورسائی میں عیش رانی کی گوناگون صورتیں پیدا ہوگئی تھیں۔ فریڈرک نے ان کی نقالی کی فضول کوششوں میں مملکت کو دیوالے کے گڑھے پر پہنچا دیا۔

تاہم وہ بادشاہ فریڈرک اول بن گیا۔ خود اس نے اور اس کی لائق ملکہ نے اپنی سرپرستی کی بدولت اہل علم اور فنکاروں کو اپنے دربار میں کھینچ لیا۔

فریڈرک ولیم اول : ہوہینزولرن خاندان کا دوسرا بادشاہ فریڈرک ولیم اول (1712ء - 1740ء) تھا جس نے بڑے ایکٹر کا مسلک اختیار کرلیا۔ فریڈرک اعظم نے اس تبدیلی کو ایک جامع قول میں یوں پیش کیا۔ فریڈرک اول کے عہد حکومت میں برلین شمالی علاقوں کا ایتھنز بن گیا۔ فریڈرک ولیم کے عہد حکومت میں اس نے سپارٹا کی حیثیت اختیار کرلی۔" اس بادشاہ کی توجہات کا مرکز تین امور تھے' یعنی کفایت شعاری' مطلق العنانی اور فوج والد کے لئے پر تکلف تدفین کا انتظام کرچکنے کے بعد فریڈرک ولیم اول نے دربار کے تمام فالتو اور زائد ملازمین بیدردی سے برطرف کر دیے اور حکومت کے مصارف بے حد گھٹا دیے۔ اس نے حکم دے دیا کہ ہر دائرے میں توفیر دکھاؤ۔ اس طرح بھرپور خزانہ اپنے بیٹے کے حوالے کیا' لیکن وہ ان منصوبوں میں روپیہ خرچ کرتے وقت خست سے کام نہ لیتا' جنہیں کسی نہ کسی اعتبار سے ضروری سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے جنوبی سمت کے بارہ ہزار جرمن پروٹسٹنٹوں کو نکال کر مشرقی پروشیا میں نئی زمینوں پر آباد کرنے کے سلسلے میں بے تکلف خرچ برداشت کرلیا۔

مرکزیت کی تقویت کے لئے فریڈرک ولیم نے ماہر منتظموں کی ایک چھوٹی سی مجلس بنا دی' جو تمام صوبوں اور سرکاری محکموں کا انتظام کرتی۔ اس مجلس کا نام جرمن زبان کے کم و بیش پچاس حرفوں کے ایک لفظ میں بیان کیا گیا ہے' جس کا ترجمہ انگریزی میں یوں ہوگا۔ جنرل سپریر فائنس اور اینڈ ڈومین ڈائریکٹری۔ اختصاراً" اسے جنرل ڈائریکٹری کہتے تھے۔ بادشاہ کو محنت' جفاکشی اور پابندی وقت پر بے حد اصرار تھا۔ جنرل ڈائرکٹری کے مشیروں سے بھی وہ عام افسروں کا سا سلوک کرتا۔ بہت کم تنخواہ دیتا اور اگر کسی کام میں ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو اپنے ہاتھ سے انہیں بید لگاتا۔ اگر کوئی شخص جنرل ڈائرکٹری کے روزانہ اجلاس کے لئے ذرا دیر سے آتا تو بھاری جرمانے کا سزا وار ہوتا اور اگر کوئی شخص معقول عذر کے بغیر اجلاس میں شریک نہ ہوتا تو اسے چھ مہینے کے لئے قید کردیا جاتا۔

فریڈرک ولیم نے باقاعدہ فوج کی تعداد دگنی کردی۔ لیکن ملک کی آبادی کم تھی اور مزدوروں کی تعداد بحال رکھنے کے لئے اس نے حکم دے دیا تھا کہ فوج کے سپاہی سال بھر میں نو مہینے چھٹی پر رہیں اور اس اثناء میں کھیتوں پر کام کریں۔ توپوں اور وردیوں کے لئے اس نے سرکاری کارخانے قائم کیے۔ فوج اس کی فضول خرچی کا واحد ذریعہ تھی۔ اس نے ایک رجمنٹ ایسی مرتب کی' جس میں طویل القامت آدمی لیے جاتے۔ ہر ایک کا قد چھ فٹ یا اس سے اوپر ہوتا۔ اور خاص ٹوپیاں پہنتے' جو کم از کم ایک فٹ اونچی ہوتیں۔ اس طرح ان سپاہیوں کے قامت میں اور بھی اضافہ ہوجاتا۔ اس رجمنٹ کے لئے بادشاہ نے کفایت شعاری سے دست برداری اختیار کرلی۔ کوڑیوں آدمی ملازم رکھے کہ مختلف جرمن مملکتوں میں پھر پھر کر طویل القامت آدمی تلاش کریں اور انہیں زیادہ سے زیادہ تنخواہیں دے دیں۔ ان کے لئے گھوڑے بھی وہ مہیا کیے' جو انعام پا چکے تھے۔ فریڈرک ولیم کو امید تھی کہ اگر اپنے طویل القامت سپاہیوں کی شادیاں ویسی ہی عورتوں سے کرے گا تو عام انسانوں سے بالاتر انسانوں کی ایک نئی نسل پیدا ہو جائے گی' لیکن ایسی شادیوں کے نتیجے میں جو بچے پیدا ہوئے' وہ اوسط قامت کے تھے' اس وجہ

سے بادشاہ کی ہمت پر اوس پڑ گئی اور تجربہ ناکام ہوا۔

اٹھارھویں صدی کے مبصر فریڈرک ولیم کے پروشیا کو "مسلح چھاؤنی" کہتے ہیں' تو یہ بالکل بجا ہے۔ قدیم زمانے کے اہل سپارٹا کی طرح فریڈرک ولیم بھی جنگ کے لئے تیاریاں کرتا رہا۔ ثقافت' تہذیب اور علوم و فنون پر شاذ ہی توجہ کی۔ فرانسیسی زبان کو وہ حقیر سمجھتا تھا۔ اپنی رعایا کی تعلیم سے بھی اس نے تغافل نہ برتا۔ اپنی خست اور تنگ نظری کے باعث اس نے ججوں اور قانون دانوں کی ناکافی تنخواہوں میں کوئی اضافہ نہ کیا۔ اس وجہ سے رشوت خوری اور تساہلی پروشیا کے محکمہ عدل میں رکاوٹ بن گئے۔

یہ نظام بڑی اچھی طرح کام کرتا رہا۔ اگرچہ جنکروں کا نقطہ نگاہ پرانی وضع کا تھا' مگر وہ ہیز ورن حکمرانوں کے بڑے وفادار تھے۔ اور ان میں سے بعض اٹھارھویں صدی کے بہترین فوجی افسر ثابت ہوئے۔ اگرچہ فوج تعداد میں فرانس روس اور آسٹریا کی فوجوں سے کم تھی' لیکن قواعد کے اعتبار سے بدرجہ بہتر اور نظم کے اعتبار سے یورپ بھر میں نہایت بلند پایہ تھی۔ جب 1740ء میں فریڈرک ولیم اول نے وفات پائی تو پروشیا کا داؤد آسٹریا کے جالوت سے لڑنے کے لئے تیار تھا۔

☆ باب 24

وسط اٹھارویں صدی کی عظیم جنگ

(GREAT WAR OF THE MID-EIGHTEENTH CENTURY)

اٹھارھویں صدی کے اوائل میں مغربی یورپی مملکتوں کا جو جائزہ ابھی اختتام کو پہنچا ہے' اس سے ظاہر ہے کہ توازن قوی مذبذب اور غیر یقینی تھا۔ اگر بڑی مملکتیں کمزور مملکتوں پر دست تصرف دراز کرتیں' تو توازن یقینی طور پر خطرے میں پڑ جاتا۔ وہ تیزی سے بڑھنے والی قوتیں یعنی روس اور پروشیا واقعی ہمسایوں کے علاقے چھین کر وسیع ہوئیں۔ گویا اٹھارھویں صدی میں دوہرے مسئلے تھے' جن سے جنگ اور ڈپلومیسی کا تعلق تھا۔ اول روس کے جارحانہ اقدامات سویڈن' پولینڈ اور ترکی کے خلاف' دوم پروشیا کے ایسے ہی اقدامات آسٹریا اور پولینڈ کے خلاف۔ تیسرے بڑے بین الاقوامی مسئلے کا تعلق اوقیانوس کی طاقتوں سے تھا۔ یعنی برطانیہ نیز فرانس و ہسپانیہ کی بوربون مملکتوں کے درمیان استعماری اور تجارتی رقابت۔ ہر قسم کے ثانوی مسائل نے بین الاقوامی تناؤ میں اضافہ کردیا۔ فرانسیسی بوربونوں اور آسٹروی ہیسبرگوں کے درمیان پرانا مقابلہ بدستور تازہ تھا۔ کیونکہ ہیسبرگوں کا روایتی نصب العین یہ تھا' وادی ڈینیوب کے ساتھ ساتھ بحیرہ اسود کی طرف بڑھیں۔ ایلزبتھ (ملکہ ہسپانیہ) کے خاندانی عزائم تفرقہ انگیزی کا ایک اور عنصر تھے۔

بڑی شمالی جنگ اور اس کے نتائج :

توازن قوی میں پہلی بڑی تبدیلی شمالی اور مشرقی یورپ کے اندر رونما ہوئی۔ بڑی شمالی جنگ (1700ء - 1721ء) نے بحیرہ بالٹک پر ضبط و نظم کی کش مکش کا آخری فیصلہ کردیا۔ اس میں چارلس دواز دہم شاہ سیوڈن کو ہار ہوئی اور روس کا پیٹر اعظم اس میں سب سے بڑا فاتح تھا۔ پیٹر نے پہلے ترکوں کے خلاف جارحانہ اقدام کیا تھا۔ اسے امید تھی کہ وہ اس طرح ترکوں اور اس کے متوسلوں کو بحیرہ اسود کے شمالی کنارے سے نکال دے گا۔ 1696ء میں اس نے ایزوب کی بندرگاہ حاصل کرلی تھی۔ جو بحیرہ اسود کی شمالی شاخ پر واقع ہے۔ 1697 میں پانزدہ سالہ چارلس دواز دہم سویڈن کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی نوجوانی نے بحیرہ بالٹک کا مسئلہ پیدا کردیا' جو مملکتیں بحیرہ مذکور کے مشرقی و جنوبی خاشیے پر واقع تھیں' انہیں اچھا موقع مل گیا تھا کہ سویڈن کے اس تسلط کا درہم برہم کر ڈالیں' جو گستاوس اڈالفس نے سترھویں صدی کے اوائل میں قائم کرلیا تھا۔ چنانچہ 1699ء میں پیٹرزار روس نے شاہ ڈنمارک اور آگسٹس الیکٹر سیکسی کے ساتھ سویڈن کے خلاف ایک اتحاد کرلیا۔ الیکٹر سیکسنی کو پولینڈ کے تخت کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔

بڑی شمالی جنگ کے ابتدائی دور ہی میں تیزی سے واضح ہوگیا کہ اتحادیوں نے چارلس دولز

وہم کی نوجوانی کی بناء پر جو تصورات قائم کئے تھے' وہ بالکل بے بنیاد تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کا مدمقابل کچھ نہ کرسکے گا' لیکن چارلس دوازدہم پیدائشی جنگجو تھا۔ اسے نوجوانی کے باوجود جنگ سے حیرت انگیز محبت تھی۔ اس کی خاص تفریح یہ تھی کہ زندہ بھیڑیں محل کی غلام گردش میں سے گزاری جاتیں اور وہ پے در پے ان کے سر کاٹتا جاتا۔ اس نے 1700ء میں تمام دشمنوں کو باری باری شکست دی۔ ڈنمارک کو جنگ سے علیحدگی پر مجبور کردیا۔ اور پیٹر کو جنگ نارور میں' جو خلیج فن لینڈ کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ ذلت خیز شکست دی۔

لیکن نارور کے بعد چارلس نے پے در پے مہلک غلطیاں کیں۔ اس نے کئی سال اس کوشش میں صرف کر دیئے کہ آگسٹن (الیکٹر سیکسنی) سے پولینڈ کا تاج لے لے اور اسے ایک درمیانے درجے کے پولستانی امیر سٹینسلاس لش زنسکی کے حوالے کردے۔ چنانچہ آخر اس نے یہ تاج اپنی کٹ پتلی کے لئے حاصل کرلیا۔ مگر یہ کامیابی بہت عارضی تھی۔ اس اثناء میں پیٹر کو روسی فوجیں ازسر نو مرتب کرنے کا موقع مل گیا اور اس نے سویڈن کے اس تھوڑے سے علاقے پر قبضہ کرلیا' جہاں بعد میں سینٹ پیٹرز برگ کی بنیاد رکھی۔ چارلس نے دوبارہ روس کی طرف توجہ کی تو اپنے محدود وسائل پورے کے پورے مرکزی روس پر حملے کی بازی میں لگا دیئے۔ آخر پولٹاوا کی جنگ میں خوف ناک تباہی سے سابقہ پڑا۔ (1709ء) اس جنگ میں پیٹر کی فوج نے نارور کی شکست کا دھبا دھو ڈالا۔ چارلس نے ترکوں کے پاس پناہ لی' جنہیں وہ پیٹر کے خلاف جنگ کے لئے ابھارتا رہا۔ 1711ء میں ترکوں کی بہت بڑی فوج نے پیٹر کو گھیر لیا اور اسے مجبوراً" ایزوب واپس کرنا پڑا۔ مگر چارلس کو کچھ نہ ملا۔ وہ سویڈن واپس پہنچا۔ چونکہ اسے مسلسل رزم و پیکار ہی پسند تھی۔ لہٰذا ناروے کے ساتھ لڑائی کے دوران میں اسے گولی مار دی گئی۔ (1718ء)۔

سویڈن نے بالٹک میں جس تسلط کا جال بچھایا تھا' اب اس پر بدنصیبی کی آخری مہر ثبت ہوگئی۔ نیسٹاٹ میں ایک معاہدہ ہوا (1721ء) اس کے مطابق روس نے خلیج فن لینڈ کے جنوبی و مشرقی کناروں پر سویڈن سے جو علاقے لے لیے تھے' وہ روس ہی کے قبضے میں رہے۔ سویڈن کی اس پریشان حالی سے پروشیا بھی مستفید ہوا۔ کفایت شعار فریڈرک ولیم جنگ میں حصہ لینے کے لئے راضی نہ ہوا۔ پیٹر نے زور دے کر اسے راضی کرلیا۔ اور جنگ کے آخری دور میں وہ شریک ہوا۔ اس طرح اسے پومیرینیا کے علاقے اور بالٹک کی ایک مشہور بندرگاہ اسٹیٹن سوئڈن سے لینے کا موقع مل گیا۔

اس بڑی شمالی جنگ نے توازن قوی پر اثر ڈالا۔ اول اس طرح کہ روس اور پروشیا کی قوت بڑھ گئی۔ دوم اس طرح کہ ترکی اور پولینڈ بھی اس سلسلے میں الجھ گئے۔ کچھ مدت تک نظر آرہا تھا کہ بلقان اور بحیرہ اسود میں ترکی سلطنت کا انجام بھی وہی ہوگا۔ جو بحیرہ بالٹک میں سویڈن کی سلطنت کا ہوا۔ اگرچہ عثمانی فوجوں نے 1711ء میں پیٹر کا زبردست مقابلہ کیا تھا' لیکن جلد ہی انہیں ہیسبرگ شہنشاہ چارلس ششم کی جنگ میں شکست ہوئی۔ یہ پہلی ترکی کی جنگ 1716ء - 1718ء پساروویٹز کے معاہدے پر ختم ہوئی۔ 1718ء یوں آسٹریا کو موقع مل گیا کہ ہنگری کا جو ٹکڑا عثمانیوں کے زیر حکومت تھا' وہ واپس لے لے۔ نیز اس نے موجودہ رومانیہ اور یوگوسلافیہ کے بعض حصے لے لیے۔ دوسری ترکی جنگ 1735ء - 1739ء میں ہوئی۔ اس سے آسٹروی فوج کی کمزوری آشکارا ہوگئی۔ ترک اپنی صلاحیت سے کام لے کر بچ نکلے اور "مرد بیمار" کے متوقع

جانشینوں کے درمیان کش مکش پیدا ہوگئی۔ جو بالکل ناگزیر تھی۔ اس جنگ میں روس اور آسٹریا حلیف تھے، مگر جلد ہی متوقع مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق ان کے جھگڑے شروع ہوگئے۔ آخر آسٹریا نے وہ تمام فوائد کھو دیئے جو معاہدہ پساروویٹز میں حاصل کئے تھے۔ روس کو امید تھی کہ وہ جزیرہ نمائے کریمیا حاصل کرے گا۔ اور اس طرح بحیرہ اسود میں داخل ہو جائے گا۔ مگر وہ صرف ایزوب حاصل کرسکا۔

اس اثناء میں چارلس دوازدہم کی شکست کے باعث آگسٹن کو موقع مل گیا تھا کہ پولینڈ کا تاج سٹینسلاس لس زنسکی سے واپس لے لی، لیکن سویڈن کی کٹ پتلی نے اپنے تاریخی کردار کے تمام وسائل ختم نہیں کئے تھے۔ اس نے اپنی بیٹی ماری لشزنسکا کی شادی لوئی پانزدہم شاہ فرانس سے کردی۔ آگسٹن نے 1733ء میں وفات پائی تو فرانسیسی سفیروں نے پولستان کی پارلیمنٹ کے ممبروں میں فیاضی سے رقمیں تقسیم کیں، تاکہ آگسٹن کی جگہ سٹینسلاس کا انتخاب عمل میں آئے۔ اس انتخاب نے نہایت نازک صورت حالات پیدا کردی، کیونکہ روس اور آسٹریا دونوں کو پسند نہ تھا۔ اس طرح فرانس کو پولینڈ کے بادشاہ پر اقتدار حاصل ہو جائے۔ روس نے تیس ہزار فوج پولینڈ بھیج دی۔ اور پولینڈ کی پارلیمنٹ کے بچے کھچے ممبروں کا اجلاس منعقد کرکے آگسٹن ایلیکٹر سیکسنی کی جگہ اس کے بیٹے آگسٹن سوم کو بادشاہ منتخب کرا دیا۔ یوں پولینڈ کی تخت نشینی کے سلسلے میں جنگ کے لئے سٹیج آراستہ ہوگیا۔ 1733ء - 1735ء سٹینسلاس، فرانس اور ہسپانیہ ایک طرف تھے، آگسٹس سوم، روس اور آسٹریا دوسری طرف۔

لڑائی نے زیادہ وقت نہ لیا۔ کیونکہ شرکاء میں سے کوئی بھی حقیقی اور شدید جنگ کا خواہاں نہ تھا۔ فرانس اور آسٹریا کی فوجیں دریائے رھائن کی وادی اور شمالی اٹلی میں ایک دوسرے پر گولیاں چلاتی رہیں، حالانکہ یہ علاقے پولینڈ سے سینکڑوں میل دور تھے۔ پھر مدبروں نے ایک سمجھوتے کی راہ نکالی، جو تمام فریقوں کے نزدیک خوش گوار تھا۔ آسٹریا اور روس کی تسلی یوں ہوئی کہ آگسٹس سوم کو پولینڈ کا تخت مل گیا۔ فرانسیسی نقطہ نگاہ سے سٹینسلاس لشزنسکی کے نقصان کی بخوبی تلافی یوں ہوئی کہ اسے لورین کا ڈیوک بنا دیا گیا۔ لورین فرانس کی شمال مشرقی سرحد پہ ایک ریاست تھی۔ ساتھ ہی یہ شرط لگا دی گئی کہ جب سٹینسلاس مر جائے گا تو اس کی بیٹی ماری لورین کی مالک بن جائے گی اور یہ ریاست فرانسیسی تاج کے قبضے میں چلی جائے گی۔ یوں فرانس اپنی طبعی سرحد کی طرف ایک قدم اور آگے بڑھ جائے گا۔ لورین کے لیے پہلے سے ایک ڈیوک موجود تھا یعنی فرانس، جو ہیسبرگ خاندان کی وارث میریا تھرسیا کا شوہر تھا۔ اس پریشانی کا ازالہ یوں کیا گیا کہ فرانس کو لورین کے معاوضے میں ٹسکنی کا گرانڈ ڈیوک بنا دیا گیا، جہاں پرانے حکمران خاندان کا سلسلہ 1737ء میں ختم ہوچکا تھا۔ اسی میں سے ایک اور سمجھوتا پیدا ہوگیا۔ یعنی ایلزبتھ فارنس ملکہ ہسپانیہ بیس سال تک اپنے بیٹے کے لئے کوشش کرتی رہی تھی۔ آخر اس نے نیپلز کی بادشاہی اپنے بڑے بیٹے کارلوس کے لئے حاصل کرلی۔

اٹھارھویں صدی کے اوائل کی ڈپلومیسی :

پولستانی جانشینی کی جنگ بالکل فضول اور حقیر معلوم ہوگئی کیونکہ بادشاہ کو کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ جنگ کے بعد جو فیصلہ ہوا، اس کا اثر زیادہ تر اٹلی اور لورین پر پڑتا تھا۔ خیال ہوسکتا تھا کہ یہ مدبروں کی بے ترتیبی کا ایک نمایاں معاملہ تھا، لیکن پورے پولستانی مسئلے پر نظر ڈالی جائے

تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ حکمران خاندانوں کے مسلک و مشرب اور توازن قوی میں مسلسل تیر کی ایک عبرت انگیز مثال تھا۔ یقیناً" اس سلسلے سے بڑے قوی وسائل وابستہ نہ تھے' البتہ فرانس' روس اور آسٹریا کے قومی وقار کا مسئلہ ضرور درپیش تھا' جو ابھی ابتدائی حالت میں تھا' مگر اسے اہم سمجھا جاتا تھا۔ مدبروں کے نزدیک تخت ڈپلومیسی کی زد میں تھے اور وہ عوام کی خواہش معلوم کیے بغیر جسے چاہتے' دے دیتے تھے۔ کسی نے یہ نہ سوچا کہ اہل نیپلز سے کارلوس کے متعلق رائے پوچھ لی جائے یا سٹینسلاس اور آگسٹس کے متعلق پولستانیوں سے رائے لے لی جائے۔ ان میں سے کوئی بھی نہ تھا' جسے پولینڈ کی بہبود کا کچھ خیال ہوتا۔ نازک صورت حال سے صرف پولینڈ پر کمزوری کی ایک اور ضرب لگائی۔

تاہم اٹھارھویں صدی کے چوتھے عشرے میں جو سمجھوتے ہوئے' ان میں توازن قوی قائم رہا کیونکہ ہر شخص کو کچھ نہ کچھ دے دیا گیا۔ اگرچہ مدبرین کے متعلق معمولی سی جنگ کو نہ روک سکے' لیکن انہوں نے اسے بڑی جنگ نہ بننے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ 1713ء سے 1739ء تک ڈپلومیسی کی قوت جنگیں روکنے یا کم از کم انہیں مقامی لحاظ سے محدود رکھنے پر صرف ہوتی رہی۔ برطانیہ اور فرانس نے اس مہم میں سبقت کی حیثیت قائم رکھی تاکہ کوئی ایک طاقت بین الاقوامی سیاست کی -- گاڑی" کو الٹ نہ دے۔ ایلزبتھ فارنس کی ابتدائی کوشش یہ تھی کہ اٹلی کا ایک حصہ قوت کے بل پر لے لے۔ فرانس اور برطانیہ نے آسٹریا کے ساتھ مل کر ملکہ فارنس کی مخالفت کی اور کارلوس کو نیپلز کی بادشاہی حاصل کرنے کے لئے بیس سال انتظار کرنا پڑا۔ بڑی شمالی جنگ کے آخری دور میں برطانیہ نے اپنے بیڑے کا ایک حصہ بالٹک بھیج دیا' تاکہ پیٹرزار روس زیادہ "فائدہ" نہ اٹھا سکے۔ "مرد بیمار" کی زندگی بڑھانے کے لئے برطانیہ نے پساروویٹز کے مقام پر ترکی اور آسٹریا کی گفتگو میں اتالیقی کا وظیفہ انجام دیا۔ (1718ء) اور فرانسیسیوں نے فرانس اول اور دولت عثمانیہ کا قدیم اتحاد تازہ کرلیا۔ 1739ء میں آسٹریا سے اچھی شرطیں قبول کرانے میں فرانس نے ترکی کو امداد دی۔

برطانیہ اور بوربون بادشاہوں کے درمیان کش مکش :

برطانیہ کا وزیراعظم والپول اور فرانس کا وزیراعظم فلیوری دونوں اٹھارھویں صدی کے تیسرے اور چوتھے عشرے میں صلح کے لئے کوشاں رہے کیونکہ بیرونی ملکوں میں صلح کی فضاء قائم رہتی تو فرانس و برطانیہ کو اقتصادی بحالی میں مدد ملتی' لیکن اس دو اوقیانوسی طاقتوں کے درمیان غیر رسمی سفارتی افتراق زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکا۔ ان میں تجارتی اور سلطنت کے متعلق روز افزوں مقابلے نے اس اشتراک کو درہم برہم کر ڈالا۔ والپول اور فلیوری میں سے کوئی بھی برطانیہ اور فرانس کے درمیان اس عالمی جنگ کو روک نہیں سکتا تھا' جو 1739ء اور 1740ء میں شروع ہوگئی اور صلح کے متعدد وقفوں کے ساتھ 1815ء میں نپولین کی آخری شکست پر ختم ہوئی۔

یہ دوسری صد سالہ جنگ' 1739ء سے نصف صدی پیشتر لوئی چہار دہم کے زمانے میں شروع ہوگئی تھی۔ یوٹریکٹ کے معاہدے (1713ء) نے برطانیہ اور فرانس کی رقابت کا پورا تصفیہ نہیں کیا تھا اور فرانس کے بوربون شریک کار (ہسپانیہ) یوں 1739ء کی جنگ جس طرح ایک نئی جنگ تھی' اسی طرح ایک قدیم کش مکش کی تجدید تھی۔ 1739ء کے نازک حالات میں جو خاص مسئلہ کارفرما ہوا' وہ مقابلتاً" بہت معمولی حیثیت کا تھا' یعنی برطانیہ کو ایسی اینٹو (ہسپانیہ کے ساتھ

معاہدے) کے ذریعے سے جو حق ملا تھا' اس کے یاس انگیز نتائج پر برطانیہ کی آزردگی۔ ساؤتھ سی کمپنی سے واضح ہوا کہ ایسی انٹو سے برطانیہ کو ہسپانیہ کی امریکی نو آبادیوں کے ساتھ تجارت میں محض برائے نام حصہ ملا۔ جو کچھ برطانوی جہاز رانی کو جائز اور آئینی طریق پر نہ مل سکا' انہوں نے مال کی ناجائز تجارت سے حاصل کرلیا۔ ہسپانیہ نے اس کے مقابلے میں امریکی سمندروں کے اندر جابجا محافظ مقرر کردیئے' تاکہ ناجائز تجارت کو روکا جائے۔ برطانوی تاجروں نے سخت شکایت کی کہ ہسپانیہ کے مقرر کیے ہوئے محافظ برا برتاؤ کرتے ہیں۔ 1738ء میں کپتان جینکنز نے پارلیمنٹ کو دکھایا کہ ہسپانیہ کی وحشت میں میرا ایک کان اڑ گیا۔ جینکنز نے اپنا کٹا ہوا کان پیش کردیا۔ جو نمک اور روئی میں محفوظ تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ کان کٹنے پر اپنا ردعمل پیش کرو' تو اس نے کہا کہ میں اپنی روح خدا کے حوالے کرتا ہوں اور اپنا معاملہ ملک کو سونپتا ہوں۔ والپول نے کہا کہ آئینی ہسپانوی محافظوں سے برطانیہ کے ناجائز کاروبار کرنے والوں کی حفاظت پارلیمنٹ کے لئے کوئی اہم معاملہ نہیں' لیکن نہ والپول ہسپانیہ کے خلاف جوش کو روک سکتا تھا' جس کی لہریں پورے ملک میں دوڑ گئی تھیں اور جینکنز نے اپنا معاملہ ملک کے حوالے کردیا تھا اور نہ ان محبان وطن کے ہنگامہ خیز طبقے کو باز رکھا جاسکتا تھا' جو خود والپول کی وگ پارٹی میں پیدا ہوگیا تھا۔

اکتوبر 1739ء میں کلیسا کی گھنٹوں کی خوش گوار صداؤں کے درمیان برطانیہ نے ہسپانیہ کے خلاف جینکنز کے کان کی جنگ شروع کی۔ والپول نے کہا۔ وہ اب گھنٹے بجا رہے ہیں' لیکن جلد ہی وہ کف افسوس ملیں گے۔ چنانچہ بحیرہ کریبیا میں جنگ شروع ہوئی۔ برطانوی بیڑے نے ابتدا ہی میں معاملات بگاڑ دیئے۔ گویا وہ والپول کی پیش گوئی کو درست ثابت کرنا چاہتا تھا۔ فرانس نے بہت جلد ہسپانیہ کی امداد کے عزائم کا اظہار کر دیا۔ دونوں ملکوں کے حکمرانوں کے درمیان جو خاندانی رشتے تھے۔ ان کی وجہ سے پولستانی جنگ میں دونوں متحد ہوچکے تھے۔ اب فرانس کا اقتصادی مفاد معرض خطر میں نظر آتا تھا' کیونکہ فرانس ہی اس مال کا بڑا حصہ مہیا کرتا تھا جسے ہسپانوی جہاز امریکہ لے جاتے تھے اور جسے برطانیہ کا بھیجا ہوا ارزاں ناجائز مال تجارت فرانسیسی مال کی بکری پر اثر ڈال رہا تھا۔

آسٹروی تخت نشینی کی جنگ (1740ء - 1748ء) :

1740ء میں واقعات کا ایک سلسلہ پیش آیا' جس نے نو آبادیوں کی جنگ کے معاملے کو آسٹروی تخت نشینی کی جنگ کے ساتھ وابستہ کردیا' جو براعظم یورپ کی ایک بہت بڑی جنگ تھی۔ شہنشاہ چارلس ششم نے 1740ء میں وفات پائی اور ہیبسبرگ مقبوضات اس کی بیٹی میری تھیریسا کو ملے' جو اس وقت تیئیس سال کی تھی۔ میریا تھیریسا نوجوان تھی' اسے کوئی سیاسی تجربہ نہ تھا اور وہ عورت تھی۔ جرمنی کے شہزادوں نے اسے چمکا دینے کے لئے اس شاہی فرمان سے چشم پوشی اختیار کرلی تھی' جس کے مطابق میریا تھیریسا ملکہ بننے والی تھی۔ وہ ہیبسبرگ حکمرانی کے خلاف کامیاب جنگ کرچکے تھے۔ اب انہیں ایک اور کامیابی کی توقع پیدا ہوگئی۔ یوریا کے الیکٹر کو خود مقدس رومی شہنشاہ بن جانے کی امید پیدا ہوگئی' لیکن اس سلسلے میں سب سے پہلا قدم فریڈرک اعظم نے اٹھایا (1740ء - 1786ء) جو فریڈرک ولیم اول کی جگہ تخت پر بیٹھا تھا۔ دسمبر 1740ء میں فریڈرک نے سلیشیا پر حملہ کردیا۔ یہ ایک ہیبسبرگ صوبہ تھا' جو دریائے اوڈر کی بالائی وادی میں

برینڈ نبرگ کی جنوبی و مشرقی جانب واقع تھا۔ اس نے سلیشیا کے مختلف حصوں پر خاندان کے پرانے دعوے نکال لیے اور اپنے چچا جارج دوم شاہ انگلستان کو یقین دلا دیا کہ میں خاندان آسٹریا کے حقیقی فائدے کو محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ سب ریاکاری کی باتیں تھیں۔ فریڈرک چاہتا تھا کہ خاندان ہو ہینزولون اور پروشیا کا اقتدار بڑھا لے۔

آسٹروی تخت نشینی کی جنگ انگلستان اور روس فرانس' ہسپانیہ' پروشیا اور بعض چھوٹے چھوٹے جرمن ریاستوں کے خلاف تھے۔ فریڈرک نے براعظم کی مہم میں ایک زبردست کامیابی حاصل کی۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً" اسے شکستیں بھی ہوتی رہیں' تاہم پروشیا کی فوج سلیشیا کے مفتوحہ علاقے کی حفاظت بڑے اہتمام سے کرتی رہی اور رات کے وقت طویل کوچوں کے بعد اچانک اطراف پر حملوں سے یورپ کو متحیر کر دیا۔ اسی طرح محاصروں کی جنگ کے عام طور طریقوں سے بالکل الگ طور طریقے اختیار کیے۔ تاہم فریڈرک نے حلیفوں کے دل میں شدید کدورت پیدا کردی' کیونکہ وہ بار بار ان کا ساتھ چھوڑ کر آسٹریا سے خفیہ معاہدے کرلیتا۔ پھر اس نے بویریا کے الیکٹر کو شہنشاہی عزائم میں کوئی مدد نہ دی۔ چانچہ اسے صرف مختصر سی مدت کے لئے شہنشاہ چارلس ہفتم بننے کا موقع ملا۔

انگلستان اور آسٹریا کے اتحاد نے بھی عمل کا کوئی ایسا ثبوت نہ دیا' جو فرانس اور پروشیا کے متحدہ عمل سے بہتر ہوتا۔ بہت سے انگریزوں کا احساس تھا کہ جارج دوم ہینوور کے دفاع اور جرمن سیاسیات میں الجھاؤ کے باعث سمندر پار کے انگریزی مفاد سے غداری کر رہا ہے۔ بہ این ہمہ انگریز سٹوارٹوں کے مقابلے میں ہینوور خاندان ہی کو ترجیح دیتے رہے۔ 1745ء میں معزول جیمز دوم کا پوتا شہزاد چارلس جو "خوبرو اور ہشاش بشاش شہزادے" کے لقب سے مشہور تھا' فرانس کی امداد سے برطانیہ میں لنگر انداز ہوا۔ اس نے سکاٹ لینڈ کے کوہستانیوں (ہائیلینڈوں) میں خاصے رنگروٹ حاصل کرلیے' کیونکہ یہ لوگ مدت سے غیر مطمئن چلے آتے تھے مگر 1516ء میں کیولاڈن کے مقام پر شکست فاش کھائی۔ ساتھ ہی جیمز کے جانشینوں کا خطرہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ یہ پہلے بھی زیادہ اہم سیاسی خطرہ نہ تھا۔

یورپ کے باہر یہ جنگ بالکل غیر فیصلہ کن تھی۔ نیو انگلینڈ کے آباد کاروں نے لوئی برگ لے لیا' جو کیپ برٹین آئی لینڈ میں فرانس کا بحری مرکز تھا اور وہاں بیٹھ کر دریائے سینٹ لارنس میں داخلے کے دروازے کی حفاظت کی جاسکتی تھی۔ دنیا کے دوسرے حصے میں فرانسیسیوں نے انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی سے مدراس کی بندرگاہ لے لی۔ 1747ء تک برطانوی بیڑا کوئی فتح حاصل نہ کرسکا۔ اور اس وقت تک انگریزی جہازوں پر فرانسیسیوں نے بے شمار حملے کیے' جب فرانسیسی تجارت پر برطانیہ کے انتقامی حملے ناکام رہے تو انگریزوں کی ذلت میں اور اضافہ ہوگیا۔ ناکامی کی وجہ یہ ہوئی کہ فرانسیسی سامان کا بیمہ لندن میں کرایا جاتا تھا' کیونکہ لندن کی شرحیں فرانس کے مقابلے میں بہت کم تھیں۔ لندن میں جو لوگ فرانسیسی مال کا بیمہ کرتے تھے' وہ اپنے فرانسیسی گاہکوں کو پہلے سے برطانوی جہازوں کی نقل و حرکت کے متعلق اطلاع دے دیتے تھے۔

آسٹروی تخت نشینی کی جنگ کے خاتمے پر صلح کا جو فیصلہ ہوا' اس میں اصل لڑائی کے نتائج منعکس ہیں۔ اس صلح کو معاہدہ ایکس لا شیپل کہتے ہیں۔ (1748ء)۔ اس کی رو سے سمندر پار۔ لوئی برگ اور مدراس سابق مالکوں کو واپس کر دیئے گئے۔ آگے چل کر برطانیہ ایسی اینٹو کے

تکالیف دہ حق سے دست بردار ہوگیا۔ وسطی یورپ میں جنگ نے پروشیا کو اول درجے کی طاقت بنا دیا۔ اور فریڈرک کی فوج کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوگئی۔ صلح سے پروشیا کی آبادی میں تقریباً" نصف کا اضافہ ہوگیا' کیونکہ سلیشیا ہمیشہ کے لئے پروشیا کو مل گیا۔ وہاں پارچہ بافی کی صنعت کو خاص فروغ حاصل تھا۔ کوئلے اور لوہے کے وسیع ذخیرے موجود تھے۔ آبادی کو' جو خاصی بڑی تھی' اس کے علاوہ سمجھنا چاہئے۔ میریا تھیریسا کو اس شدید نقصان کا معمولی معاوضہ ملا۔ اگرچہ اس کے شوہر فرانسس کو مقدس رومی شہنشاہ مان لیا گیا مگر اسے شمالی اٹلی کے بعض اور متفرق علاقے ہسپانیہ کی ملکہ ایلزبتھ فارنس کی دوسرے بیٹے فلپ کو دینے پڑے۔

بے اطمینان صلح 1748ء - 1756ء :

1748ء میں جو صلح ہوئی' وہ آٹھ سال قائم رہی۔ پھر ایک اور جنگ شروع ہوگئی جو اس سے بڑی تھی' یعنی ہفت سالہ جنگ کو 1756ء - 1763ء۔ یہ ان پرانے مسائل کی وجہ سے شروع ہوئی' جنہیں ایکس لا شیپل کے معاہدے میں غیر منفصل چھوڑ دیا گیا تھا۔ بعض نئی شکایتیں بھی اس کا موجب ہوئیں' جو آسٹروی جنگ سے پیدا ہوئی تھیں۔ برطانیہ اور بوربونوں کے درمیان جو عالمی جنگ چلی آرہی تھی اور اس سلسلے میں پیشتر جنگ کو محض ایک ابتدائی اور غیر فیصلہ کن کش مکش کی حیثیت حاصل تھی' وہ جاری رہی' مگر اسے صلح کے نام نہاد برسوں میں بے اعلان جنگ قرار دینا چاہئے۔

افریقہ سے تجارت کی بہترین جنس وہاں کے غلام تھے اور نئی دنیا میں گنے' چاول اور تمباکو کے کھیتوں کے لئے ان غلاموں کی مانگ مسلسل جاری تھی۔ برطانیہ اور فرانس نے کوشش کی کہ ایک دوسرے کو افریقہ کی اس تجارت سے محروم کردیں۔ ایشیا میں انگریزی اور فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنیاں جنوبی ہند کے مقامی حکمرانوں کی رقابتوں میں فریق بن کر باہم لڑتی رہیں۔ 1751ء تک فرانس کے سرگرم ناظم دوپلے نے اس بالواسطہ جنگ کے پہلے دور میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ 1754ء میں فرانسیسی کمپنی کے ڈائریکٹروں نے دوپلے نے اس بالواسطہ جنگ کے پہلے دور میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ 1754ء میں فرانسیسی کمپنی کے ڈائریکٹروں نے دوپلے کو واپس بلالیا۔ وہ تیار نہ تھے کہ اس کی جارحانہ پالیسی جاری رکھنے کے لئے جس سرمایے کی ضرورت تھی' اسے دیتے رہتے۔

شمالی امریکہ میں دونوں طاقتوں کے درمیان براہ راست جنگ شروع ہوگئی۔ انگریز آباد کار اوقیانوسی ساحل سے اپنے تمام وسائل ایپے پشینز اور مس سپی کے درمیان زرخیز بے آباد میدان تھا' اس کے لئے ہر شے کی بازی لگا چکے تھے۔ فرانسیسی بھی بالکل اسی علاقے کو اپنا لینے کا عزم کیے بیٹھے تھے۔ انہوں نے انگریزوں سے پیشتر مغربی پسلوینیا میں پریسق آئل (بعد میں ایری) سے جنوبی جانب فورٹ دوکوین (بعد ازاں پٹسبرگ) تک جو دریائے اوہیو کے سرے پر واقع ہے' قلعوں کا ایک زنجیرہ تیار کرلیا تھا۔ 1754ء میں اہل ورجینیا کی ایک قوت نے نوجوان جارج واشنگٹن کی سرکردگی میں فرانسیسیوں کو فوٹ دوکرین کی اہم جنگی حیثیت سے خارج کرنے کی ناکام کوشش کی۔ 1755ء میں ایک انگریزی مہم نے جنرل بریڈک کی کمان میں پھر ایک کوشش کی' وہ بھی ناکام رہی۔

آباد کار اور وطنی حکومت کے درمیان بنیادی پالیسی کے متعلق ہمیشہ اتفاق رائے نہیں رہتا

تھا۔ فرانسیسیوں نے دو پلے کو واپس بلالیا۔ یہ اختلاف رائے کی صرف ایک مثال تھی۔ دوسری مثال اس عجیب و غریب صورت حالات میں دیکھی جاسکتی ہے' جو جزائر غرب الہند میں موجود تھی۔ اس زمانے میں ان جزائر کو سلطنت کے بہترین خطوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ کیونکہ دنیا میں جتنی کھانڈ بنتی تھی' اس سے پیشتر کا مرکز یہی جزائر تھے۔ نیو انگلینڈ کے تاجر کھانڈ اور اس سلسلے میں بننے والی ضمنی چیزیں (شیرہ اور رم) سانٹو ڈرمنگور ہیٹی) داری لوپ اور ماڑتی نیق کے فرانسیسی آباد کاروں سے سستے داموں خرید لیتے تھے۔ جمیکا اور برطانیہ کے دوسرے جزیروں میں جو کھانڈ بنتی تھی' وہ نسبتاً" گراں تھی۔ فرانسیسی کھانڈ سے نیو انگلینڈ میں رم بناتے تھے۔ نیو انگلینڈ کی رم افریقی حبشیوں کی خوب بدمست کردیتی تھی۔ تجارت کی اس مثلث کو مکمل کرنے کے لئے یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ فرانسیسی زمینداروں کے ہاتھ افریقی غلام فروخت کرکے امریکیوں کی جیبیں بھر جاتی تھیں۔ یہ سب کچھ تجارتی نظریہ زر کے قواعد و ضوابط کی مخالفت میں ہوتا تھا۔ جو فرانسیسی اور برطانوی دونوں سلطنتوں میں رائج تھے اور یہ طریق عمل برطانیہ کے زیر اثر تاجران شکر اور فرانس میں ناٹز کے بردہ فروشوں کے لئے حد درجہ باعث اذیت و پریشانی تھا' یہی کاروبار تھا' جس کی کش مکش نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو عالمی اقتدار کے راستے پر لگا دیا۔

یورپ کے اندر مختلف مواقفتوں میں ڈرامائی تغیرات پیدا ہوئے' جنہیں عموماً" سفارتی انقلاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نئی جنگ میں بھی بنیادی اختلافی گروہ پرانے ہی تھے۔ برطانیہ کے خلاف' پروشیا کے خلاف آسٹریا۔ مگر ان چاروں طاقتوں نے اپنی مواقفتوں کا سلسلہ الٹا دیا۔ برطانیہ اٹھارھویں صدی کے پانچویں عشرے میں پروشیا کے خلاف آسٹریا کا حامی بن گیا تھا۔ اب اس نے فریڈرک اعظم سے سلسلہ اتحاد جوڑ لیا۔ سفارتی انقلاب کے اس نہایت انقلابی تغیر کا ایک کرشمہ یہ ہوا کہ فرانس' جو پہلے فریڈرک کا معاون تھا' اب نہ محض اس کا مخالف ہوگیا' بلکہ اس کے موروثی دشمن ہیبسبرگ آسٹریا سے جاملا۔

1756ء میں جو سفارتی انقلاب ہوا' اس میں بڑی طاقتوں نے آسٹروی جنگ کے دوران میں پرانے شرکاء کی غیر وفادارانہ روش پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ فرانسیسیوں کے ذہن میں فریڈرک کی بار بار کی غداری اور خفیہ مصالحانہ انتظامات کی تلخ یاد خصوصیت سے تازہ تھی۔ برطانیہ' آسٹریا کی اس روش کا ماتم کر رہا تھا کہ وہ براعظم میں برطانوی مفاد کے دفاع کو مقدم رکھنے پر مذبذب رہا۔ اس مفاد میں ہینوور کی علاقائی آزادی کا تحفظ شامل تھا اور آسٹروی ندر لینڈز سے فرانس کا اخراج ضروری تھا۔ آسٹریا ہینوور اور بلجیم کو اپنے بڑے مقصد یعنی سلیشیا کی بازیافت کے لئے ضروری سمجھتا تھا۔ 1755ء میں برطانیہ نے روس سے ایک ضمنی معاہدہ کرلیا۔ جس کا مدعا یہ تھا کہ شمالی جرمنی اور ہینوور میں جو صورت حالات موجود ہے' سے قائم رکھا جائے۔ برطانیہ کے اس عمل نے نادانستہ سفارتی انقلاب کا خاکہ پورا کردیا۔

انگلستان و روس کے معاہدے نے فریڈرک اعظم کو چوکس کر دیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ آخر بالٹک اور پولینڈ کے ضبط و نظم میں روس سے جنگ پیش آئے گی۔ چنانچہ جنوری 1756ء میں پروشیا کے بادشاہ نے برطانیہ سے معاہدہ کرلیا۔ جس کے مطابق روس سے الگ ہوگیا۔ انگلستان اور پروشیا کے اتحاد نے فرانس کو الگ کر دیا اور آسٹریا کے وزیراعظم کاٹز کے لئے وہ موقع بہم پہنچا دیا' جس کا انتظار کر رہا تھا۔ فریڈرک سے بدلا لینے اور سلیشیا حاصل کرنے کے لئے آسٹریا کو

ایک ایسے حلیف کی ضرورت تھی' جس کے پاس بڑی فوج ہو۔ گویا وہ برطانیہ سے نہیں' فرانس سے اتحاد چاہتا تھا۔ چنانچہ کاؤنز نے انگلستان اور پروشیا کے اتحاد کی دلیل پیش کرکے لوئی پانزدہم اور اس کی داشتہ مادام دا پمپادور کو قائل کر دیا کہ بوربون اور ہیبرگ خاندانوں کے قدیم تنازع کو نظر انداز کرتے ہوئے عملی اشتراک کا انتظام کرلینا چاہئے۔ سفارتی انقلاب کے سلسلے میں آخری قدم تھا کہ روس کی ملکہ ایلزبتھ فرانس و آسٹریا کے اتحاد میں شامل ہوگئی۔ روس نے آسٹروی تخت گشینی کی جنگ میں معمولی حصہ لیا تھا اور وہ بعد میں آسٹریا اور انگلستان کا حلیف بنا تھا۔ ایلزبتھ نے خود زیادہ بڑا حصہ لینے پر آمادگی ظاہر کی' کیونکہ اسے فریڈرک اعظم سے نفرت تھی اور خطرہ تھا کہ وہ روس کے خلاف ضرور جارحانہ اقدام کرے گا۔ اسی غرض سے اس نے روس کے انگریز حلیف کو الگ کر دیا تھا۔

ہفت سالہ جنگ :

جب لڑائی شروع ہوئی تو پروشیا کے خلاف بڑی طاقتوں کا اتحاد نامکمل تھا۔ مئی 1756ء میں برطانیہ اور فرانس نے اس کش مکش کی حالت کا رسمی اعلان کردیا' جو شمالی افریقہ میں پہلے سے ان کے درمیان جا رہی تھی۔ تین مہینے بعد فریڈرک اعظم نے اس اتحاد کے خلاف جارحانہ اقدام کرکے' جو اس کے لئے خطرے کا باعث بنا ہوا تھا' یورپ میں جنگ کا افتتاح کردیا۔ اب یہ طاقتیں ایک ایسی جنگ میں مصروف ہو گئیں۔ جو اصلاً" ایک نہیں' وہ مختلف جنگیں تھیں۔ ایک کا تعلق براعظم یورپ سے تھا۔ دوسری کا بحریات اور نو آبادیوں سے۔

ہفت سالہ جنگ کی یورپی مہموں میں فریڈرک اعظم اور ہوہنزولرن خاندان کے نظام کو نہایت خوف ناک آزمائش سے سابقہ آپڑا تھا۔ پروشیا کا مقابلہ آسٹریا' فرانس اور روس کی فوجوں سے تھا۔ جن کی مجموعی آبادی سے پندرہ گنا تھی۔ برطانیہ کے سوا پروشیا کا کوئی حلیف نہ تھا اور برطانیہ روپے کی مدد تو دے سکتا تھا' لیکن اس سے حقیقی فوجی امداد بہت کم مل سکتی تھی۔ بڑے ایلیکٹر نے جو روایتیں قائم کر دی تھیں۔ پھر فریڈرک ولیم اول اور فریڈرک اعظم نے انہیں نشوونما دی' ان کی وجہ سے قوم اس خطرے کا مقابلہ کرتی ہوئی زندہ رہی۔ پروشیا کی آبادی بڑی فرمان بردار تھی۔ اس نے حب وطن سے کام لیتے ہوئے اپنی قوت کا آخری ذرہ جنگی مساعی کے لئے وقف کر دیا۔ خود فریڈرک نے اس سلسلے میں عمل کا نمایاں نمونہ پیش کیا۔ 1757ء میں اس نے اپنے ایک فرانسیسی دوست کو لکھا۔

"مجھ پر ہر سمت سے حملہ ہوگیا۔ وطنی آزمائشیں' خفیہ تکلیفیں' عوامی پریشانیاں اور آنے والی مصیبتیں یہ رات دن کی میری قوت لایموت ہیں' لیکن یہ نہ سمجھئے میں کمزوری دکھا رہا ہوں۔ اگر سب کچھ تباہ ہوگیا تو میں بڑے اطمینان سے ملبے کے نیچے دفن کر دوں گا۔ ان برباد کن اوقات میں ضرورت ہے کہ فولادی عزم اور برنجی قلب کے ساتھ اپنے آپ کو مستحکم رکھا جائے۔ یہاں رواقیت کے مسلک کی بندی درکار ہے۔ ایپی کیورس کے شاگردوں کو یہاں کچھ کہنے کی گنجائش نہیں....."

رواقیت پسند ہفت سالہ جنگ کا قابل ترین فوجی لیڈر تھا۔ اگرچہ میدان جنگ میں مرنے

والوں اور زخمیوں کی تکلیفیں دیکھ کر اسے سخت پریشانی ہوتی تھی' لیکن یورپی بادشاہوں میں سے وہ تنہا تھا' جو مہموں میں سپاہیوں کے دوش بدوش برابر مشکلات برداشت کرتا رہا۔

فریڈرک کے "فولادی عزم" اور "برنجی قلب" نے حصول مقاصد کے لئے اسے ہر جائز و ناجائز تدبیر اختیار کرنے پر آمادہ رکھا۔ اس کی فوج میں صفیں سپاہیوں سے خالی ہو گئیں تو اس نے بے دردری سے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے چھوٹے ہمسایوں میکلن برگ اور سیکسنی سے جبراً" سپاہی بھرتی کر لیے۔ برطانیہ کی طرف سے جو روپے کی امداد ملتی تھی' اس سے صرف مصارف جنگ کا ایک حصہ پورا ہوتا تھا۔ فریڈرک نے سیکسنی' پولینڈ اور روس کے سکھوں پر قبضہ کرلیا۔ پھر انہیں پگھلا کر پروشیا کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ اس دھات سے نئے سکے ڈھالے گئے اور انہوں نے از سر نو پروشیا کے سکوں کی صورت میں رائج کر دیا۔ اگرچہ فریڈرک کو آگے چل کر پروشیا کے سکھوں کی قیمت گھٹانی پڑی۔ لیکن اس نے یہ کام بہت قابل الزام شکل میں پورا کیا۔ یعنی یہودی کارندوں کے ذمے یہ کام لگا دیا کہ اس پر طبعاً" یہودیوں کے خلاف تحریک پیدا ہونی ناگزیر تھی۔ وہ تحریک پیدا ہوئی تو فریڈرک بڑے مزے سے اس کا خیر مقدم کرتا رہا۔

پروشیا کے بچاؤ میں ایک اور عامل بھی حصہ کارگر ہوا۔ جو غالباً" سب سے اہم تھا۔ یعنی اس کے خلاف جس اتحاد کا انتظام کیا گیا تھا۔ وہ اتحاد ناکافی تھا۔ فریڈرک کی یہ انتہائی خوش نصیبی تھی کہ اس کے دشمن اپنی فوجی کامیابی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کاری ضرب لگانے کی صلاحیت کا ثبوت بہم نہ پہنچا سکے۔ روس کے جرنیل بزدل تھے۔ فرانس اور آسٹریا کے جرنیل بعض اوقات سراسر نااہل تھے۔ مزید برآں فرانسیسیوں کو' جو زبردست حریف تھے' دو محاذوں پر جنگ کرنی پڑی۔ ایک یورپ میں' دوسرے سمندز پار اور فرانس کے مالی وسائل دونوں جنگوں کے مصارف ادا نہیں کرسکتے تھے۔

کانٹز نے جس بڑے اتحاد کا انتظام کیا تھا' اس میں کش مکش' بے اعتمادی اور مقاصد کے تناقض سے رخنے پیدا ہوتے رہے۔ اور دوران جنگ میں جو اتحاد کیے جاتے ہیں' انہیں ہمیشہ ایسے خطرات سے سابقہ پڑا رہتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اتحاد زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ جنوری 1763ء میں روس کی ملکہ ایلزبتھ نے وفات پائی۔ تو پیٹر سوم اس کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ وہ فریڈرک اعظم کا پرجوش مداح تھا۔ اس نے فوراً" ایلزبتھ کے حلیفوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور روسی فوجیں فریڈرک کے حوالے کردیں کہ ان سے جو کام چاہو لے لو۔ لہٰذا تعجب نہ ہونا چاہئے کہ شکر گزار پروشیائی بادشاہ نے پیٹر سوم کے متعلق کہا۔ "وہ ایک خدائی حکمران ہے' میرا فرض ہے کہ اس کے لئے قربانگاہیں قائم کروں۔" 1763ء کے اوائل میں فریڈرک نے جنگ فتح کرلی۔ آسٹریا ہبرٹس برگ کے معاہدہ صلح پر راضی ہوگیا۔ جس کے مطابق سلیشیا پروشیا کے قبضے میں رہا۔

فریڈرک کو سخت مقابلہ درپیش تھا۔ برطانیہ نے ہفت سالہ جنگ میں ایک بڑی کامیابی حاصل کرلی۔ حقیقتاً" برطانیہ نے جنگ اچھے طریق پر شروع نہیں کی تھی۔ پہلے ڈیڑھ سال میں اسے تقریباً" ہر محاذ پر شکستیں ہوتی رہیں۔ براعظم یورپ میں شاہ جارج دوم کے بیٹے ڈیوک آف کمبرلینڈ نے حوانگی کے ایک کاغذ پر دستخط کیے۔ اپنی پوری فوج توڑ دی اور فرانسیسیوں کو ہینوور پر قبضے کی اجازت دے دی۔ سمندروں میں برطانیہ نے جزیرہ منورقہ کھو دیا' جو بحیرہ روم میں اس کا

ایک اہم مرکز تھا (متورقہ جزائر بلیارک میں واقع ہے۔) یہ ایک تباہی تھی جس میں برطانوی حکومت کا بھی خاصا حصہ ہے' کیونکہ اس نے نہایت معمولی کمک امیر البحر بنگ کی سرکردگی میں مناسب وقت کے بہت بعد بھیجی' پھر شکست کا پورا الزام بنگ پر عائد کردیا اور اسے موت کی سزا دی۔ والٹیر نے طنزیہ انداز میں کہا۔ موت کی سزا اس لیے دی گئی کہ دوسروں کی حوصلہ افزائی ہو۔ شمالی امریکہ میں برطانیہ کو پہلے ایک ناکامی ہوئی تھی یعنی جنرل بریڈک فورٹ دیکوین نہیں لے سکا تھا۔ اب ایک اور زک اٹھائی' یعنی جھیل اونٹیریو کے کنارے اوس ویگو کی چوکی بھی چھن گئی۔ ایک اضطراری حملہ لوئی برگ پر کیا گیا' جو فرانسیسی کینڈیا کی کلید تھا۔

برطانیہ پر بدقسمتی کی سب سے بڑی ضرب ہندوستان میں لگی۔ جون 1756ء میں نواب بنگال نے جو فرانسیسیوں کا ایک دیسی حلیف تھا' ایک سو چھیالیس انگریز قیدیوں کو چھوٹے سے کمرے میں بند کردیا' جس میں صرف دو کھڑکیاں تھیں۔ اس کا نتیجہ کلکتہ کی "کال کوٹھڑی" کا وہ ہولناک حادثہ تھا' جس کی کیفیت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک انگریزی افسر نے یوں بیان کیا۔

"انتہائی گرمی کا موسم تھا اور رات میں غیر معمولی حبس تھا ..... قیدیوں کے جسم ایک دوسرے سے بری طرح رگڑ کھا رہے تھے۔ جونہی دروازہ بند ہوا۔ گرمی ناقابل برداشت ہوگئی۔ قیدیوں کو یقین ہوگیا کہ اس خوف ناک بندی خانے میں رات گزارنا اور زندہ رہنا ممکن نہیں۔ دروازہ توڑنے کے لئے انتہائی کوششیں کی گئی۔ مگر نہ ٹوٹ سکا' کیونکہ اندر کی طرف کھلتا تھا۔"

"اسیری کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ مسلسل اور بے انداز پسینا بہ نکلا' جس سے ناقابل برداشت تشنگی شروع ہوئی۔ پھر سینے میں نہایت اذیت افزا درد ہونے لگا۔ دم گھٹنے کے باعث سانس لینے میں دقت محسوس ہوئی۔"

"دو بجے تک پچاس سے زیادہ آدمی زندہ نہ تھے۔ لیکن یہ تعداد بھی اتنی زیادہ تھی کہ تنگ کوٹھڑی کی فضا میں ٹھیک سانس نہیں لے سکتی تھی۔ تازہ ہوا اور زندگی کے لئے کش مکش صبح تک جاری رہی۔

"نواب کا بھیجا ہوا ایک افسر آیا۔ اس کے پاس قید خانے کو کھول دینے کا حکم تھا۔ مردے کوٹھڑی میں بری طرح بھرے ہوئے تھے۔ اور زندوں میں بہت کم قوت باقی رہ گئی تھی۔ تقریباً" نصف گھنٹے تک مردوں کو باہر نکالا جاتا رہا۔ کیونکہ مردے دروازے کے ساتھ لگے پڑے تھے اور جب تک انہیں ہٹایا نہ جاتا' کسی کے لئے باہر آنے کا راستہ صاف نہیں ہوسکا تھا ایک سو چھیالیس آدمی بند کیے تھے' لیکن صرف تیئیس آدمی زندہ بچے اور ان کی شکلیں حد درجہ بھیانک تھیں۔"

ولیم پٹ نے برطانیہ کی کایا پلٹ دی۔ یہ "عظیم القدر عوامی لیڈر" (یہ لقب اسے اس لیے دیا گیا کہ وار لعوام میں اس نے بڑی طویل مدت تک نہایت قابلیت سے خدمات انجام دی تھیں) وگ پارٹی کی حکمران جماعت کا نہایت مشہور رکن تھا۔ پارلیمنٹ میں وہ اولڈ سارم کی طرف سے منتخب ہوتا تھا۔ یہ ایک مشہور "ویران" قصبہ تھا۔ ایک ملک التجار کا پوتا تھا۔ جسے ڈائمنڈ پٹ کہتے تھے اور جس نے ہندوستان میں بڑی دولت جمع کی تھی۔ پٹ نے مسلسل شہر کے مفاد کی حمایت

کی۔ اٹھارھویں صدی کے چوتھے عشرے میں اس نے والپول کی صلح جو یا نہ پالیسی کے خلاف وگ پارٹی کے باغیوں کی قیادت کی یہی نوجوان محبان وطن تھے۔ جنہوں نے برطانیہ کو جینکنز کے کان کی جنگ میں شرکت پر مجبور کر دیا تھا۔ اب پٹ کی جنگی وزارت (1757ء - 1761ء) نے شکست کو فتح کی شکل میں بدل دیا۔ ان بے رنگ وزارتوں کی مذبذت پالیسی ختم ہوگئی۔ جو 1742ء میں والپول کے زوال کے بعد بروئے کار آتی رہیں۔ 1712ء کے بعد پہلی مرتبہ برطانیہ کے وسائل پوری قوت سے جنگ جاری رکھنے کے لئے استعمال کیے گئے۔ حکومت نے مالی مشکلات پر بہ آسانی قابو پالیا۔ بجٹ کا خسارہ برابر بڑھتا گیا' لیکن پٹ اپنے ذاتی اور کاروباری تعلقات سے سرکاری قرضوں کا انتظام کامیابی کے ساتھ کرتا رہا۔ اس نے فریڈرک کو معتدبہ مالی امداد دے کر انگلستان پروشیا کے اتحاد میں معنی پیدا کردیئے۔ ڈیوک آوکمبرلینڈ نے ہینوور کے سلسلے میں جو صورت حال قبول کرلی تھی اسے منسوخ کر دیا اور ہینوور کی انگریزی فوجیں پروشیا کے ایک کماندار کی تحویل میں دے دیں۔

پٹ نے سرگرم تدابیر بحریات اور نو آبادیاتی جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ جو جرنیل اور امیر البحر غلطیوں کے باعث ابتدائی شکستوں کے ذمہ دار تھے' ان کی جگہ دوسرے آدمی مقرر کر دیئے۔ اب فرانسیسیوں نے بالکل بے بس ہوکر وہ فیصلہ کرلیا کہ دوبارہ انگلستان کو عبور کرکے برطانیہ کے قلب پر حملہ کردیں' مگر وہ اپنی تیاریوں کو خفیہ نہ رکھ سکے۔ نہ ان کے پاس اتنے جہاز تھے کہ جو بڑی فوج کو برطانیہ پہنچانے کے لئے ضروری تھے۔ بہ ہر حال جب برطانیہ کی شاہی و بحری قوت نے فرانسیسی بحری قوت کے دو بیڑوں کو شکست دے دی۔ اوقیانوس کا بیڑا اور بحیرہ روم کا بیڑا۔ تو 1759ء میں برطانیہ پر حملے کی تجویز خود بخود ختم ہوگئی۔

برطانیہ کو سمندروں پر جو نمایاں غلبہ حاصل تھا' اس کی وجہ سے برطانیہ نہ محض ممکن فرانسیسی حملے سے محفوظ ہو گیا' بلکہ اور بھی دور رس نتائج نکلے۔ مثلاً برطانیہ کو موقع مل گیا کہ بیرونی تجارت کا سلسلہ کامیابی سے جاری رکھ سکے۔ اس کے مقابلے میں فرانسیسیوں کی سمندر پار تجارت تیزی سے گھٹ گئی' یہاں تک کہ وہ ماقبل جنگ کی تجارت کا صرف 1/6 حصہ رہ گئی۔ یوں فرانسیسی نو آبادیوں کو معمولی رقم اور سرسری امداد ملنے کا کبھی کوئی موقعہ نہ رہا۔ ضروری امداد کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ برطانیہ کی اعلیٰ قوت سے مقابلہ درپیش تھا۔ ان حالات میں فرانسیسی سلطنت کی بیرونی چوکیاں تیزی سے یکے بعد دیگرے برطانیہ کے قبضے میں آگئیں۔

افریقہ میں برطانیہ نے فرانس کے ان مرکزوں پر قبضہ کرلیا' جہاں سے بردہ فروشی جاری تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس میں ماخز کے بردہ فروش تباہ ہوگئے۔ ہندوستان میں کالو اور دوسرے لوگوں نے انتقام میں نواب بنگال کو سزا دی اور کلیدی فرانسیسی چوکیاں قبضے میں لیں۔ غرب الہند میں پینسٹھ ہزار فرانسیسی آباد کار' جن کے پاس رسد بھی نہ تھی اور اچھی قیادت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ دس لاکھ انگریز آباد کاروں کے مقابلے میں بے بس رہ گئے' جنہیں برطانیہ سے پوری امداد مل رہی تھی۔ آخر فورٹ دو کوین پر قبضہ کرلیا گیا اور اس کا نام پٹسبرگ رکھا گیا' جو ہر لحاظ سے موزوں تھا۔ برطانیہ نے اور فتوحات بھی حاصل کیں۔ انگریزی جرنیل ولف کی بڑی کامیابیوں کے بعد کینیڈا کی تقدیر یقینی ہوگئی۔ ولف نے 1758ء میں لوئی برگ پر قبضہ کیا۔ ستمبر 1759ء میں کوبیک کے باہر میدان ابراہیم کو مسخر کرلیا۔ اسی جنگ میں وہ مارا گیا۔ مونٹ ریل 1760ء میں فتح ہوا۔

معاہدۂ پیرس : مثبت فتوحات کے اس تواتر سے برطانوی عوام میں شادمانی اور توقعات کی نئی لہریں دوڑ گئیں، لیکن شادمانی پر جلد اوس پڑ گئی اور توقعات بے بنیاد ثابت ہوئیں۔ پٹ نے جنگ میں کامیابی حاصل کی۔ مگر صلح اس کے ہاتھوں انجام نہ پائی۔ انگلستان کا تخت 1760ء میں جارج سوم کو ملا، جو بڑا خود رائے آدمی تھا۔ اس نے اپنے زیادہ زبردست وزیراعظم کو برطرف کر دیا۔ 1763ء میں معاہدہ پیرس کے مطابق برطانیہ اور فرانس کے درمیان جنگ بند ہوئی۔ پٹ کے جانشینوں نے فرانس کو ہندوستان میں اپنے خاص مرکز واپس لے لینے کی اجازت دے دی اور افریقہ میں بردہ فروش والا ساحل بھی اس کے پاس رہا۔ غرب الہند کے جزیرے بھی اسے واپس مل گئے۔ بحیرہ کریبیا میں پرانے نظام کی بحالی برطانوی آباد کاروں کے لئے بڑے اطمینان کا باعث تھی، کیونکہ ان کی منڈیاں اس کھانڈ سے لبریز ہوگئی تھیں، جو دوران جنگ میں فرانسیسی جزیرے وادی لوپ سے حاصل ہوئی تھیں، لیکن ایک محب وطن کو صاف نظر آرہا تھا کہ برطانیہ کے پنجے میں ایک بہت بڑا انعام آیا تھا، جو یکایک نکل گیا۔

اہل برطانیہ کو غصے میں یہ حد درجہ اہم حقیقت بھی فراموش ہوگئی کہ ہفت سالہ جنگ اور معاہدہ پیرس نے کم از کم مستقبل قریب کے لئے فرانس کی تعمیر سلطنت کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ برطانیہ کو ہندوستان میں حقیقی برتری مل گئی۔ فرانس کے تجارتی مرکز اس کے قبضے میں رہے۔ لیکن ان میں قلعہ بندیوں کی اجازت نہ تھی اور نہ وہ سابقہ مسلک کے مطابق دیسی مملکتوں کے مدعیوں کی حمایت کرسکتا تھا۔ مزید برآں شمالی امریکہ میں فرانس تمام مقبوضات سے محروم ہوگیا۔ برطانیہ نے کینیڈا پر قبضہ کرلیا۔ نیز ایبے لیشیز اور مس سپی کا متنازعہ فیہ درمیان علاقے لے لیا۔ ہسپانیہ سے فلوریڈا حاصل کرلیا، جس نے 1762ء میں فرانس کا ساتھ دینے کی حماقت کی تھی، حالانکہ اس وقت تک فرانس جنگ میں ہار چکا تھا۔ اس کے بدلے میں ہسپانیہ کو لوئی سیانا کی فرانسیسی نو آبادی مل گئی۔

بین الاقوامی توازن پر تبصرہ :

ہیو برٹس برگ اور پیرس میں جن معاہدات صلح کا انتظام ہوا۔ ان کے ذریعے سے وہ بین الاقوامی نازک صورت حالات ختم ہوگئی۔ جو لوئی چہار دہم کی وفات اور انقلاب فرانس کے آغاز کے درمیان پیدا ہوئی تھی۔ 1763ء کے بعد جلد ہی نئے بحران رونما ہونے لگے۔ مثلاً 1768ء میں روس اور ترکی کے درمیان جنگ 1772ء میں پولینڈ کی پہلی تقسیم اور 1776ء میں امریکہ کی جنگ آزادی، لیکن مشرق میں دو بحرانوں نے توازن میں کوئی بڑا تغیر پیدا نہ کیا اور امریکی انقلاب میں اگرچہ برطانیہ کو تیرہ نو آبادیوں سے دست بردار ہونا پڑا، مگر اس نقصان سے اس بحری برتری پر کوئی خاص زد نہ پڑی، جو 1763ء میں برطانیہ نے حاصل کرلی تھی۔ جو بین الاقوامی توازن 1763ء میں قائم ہوا تھا۔ وہ 1789ء تک زیادہ تر غیر متغیر رہا۔ حصول اقتدار کی مسلسل کش مکش میں نہایت طاقتور مملکتیں۔ برطانیہ، پروشیا، روس۔ عموماً کامیاب رہیں، جو زیادہ موزوں ثابت نہ ہوئیں۔ فرانس، ہسپانیہ، آسٹریا، ترکی۔ انہوں نے اپنے آپ کو بحال رکھا اور جو زیادہ کمزور تھیں۔ پولینڈ اور اٹلی۔ البیرونی کے الفاظ کے مطابق، جو صدی کے اوائل میں کہے گئے تھے، ان پر ولندیزی پنیر کی طرح تراش خراش کا عمل جاری رہا۔ اور ٹکڑے کاٹ کاٹ کر الگ کیے جاتے

رہے۔

ہفت سالہ جنگ کے دوران میں ڈیوک آو کویز یول لوئی پانزدہم کا وزیراعظم تھا۔ اس نے کہا تھا کہ قوت کا اصل توازن تجارت میں مضمر ہے۔ یہ رائے بڑی حد تک درست تھی، لیکن حقیقت کا پورا نقشہ پیش نہیں کرتی تھی۔ برطانیہ اور بوربونوں کی سلطنتوں میں جو عالمگیر کش مکش جاری تھی، اس نے تجارتی نظریہ کو یقیناً" حق بہ جانب ثابت کر دیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ بین الاقوامی روابط میں مسلسل مقابلہ اور کش مکش جاری رہتے۔ تجارتی نظریہ زر کا اصول یہ تھا کہ تجارت ہی ایک مقررہ مقدار اپنے قبضے میں ہو۔ لیکن کوئی مملکت موجودہ وسائل میں اضافہ کرنا چاہتی تو حریف مملکتوں کے حصے میں تخفیف کے بغیر یہ ممکن نہ تھا۔ یہ تخفیف یا تو جنگ کے ذریعے سے ہو سکتی تھی یا دور امن میں ناجائز مال کی درآمد کے ذریعے سے ممکن تھی۔ اس کے علاوہ حریفوں کے جواب میں انتقامی ضوابط نافذ کیے جاسکتے تھے۔ جینکنز کے کان کے متعلق جو جنگ ہوئی، اس نے ان تمام چیزوں کو ثبوت بہم پہنچا دیا۔ ہفت سالہ جنگ میں سمندر پار کی تجارت برطانیہ قائم رکھ سکا اور فرانس کو اس میں ناکامی ہوئی۔

اٹھارھویں صدی کی جنگ میں اقتصادی محرکات اور اقتصادی وسائل نے زمانہ ماضی کے مقابلے میں زیادہ فیصلہ کن کردار ادا کیا، لیکن اس صدی کے اندر بین الاقوامی توازن میں جو تغیرات ہوئے۔ ان کی پوری توجیہہ محض اقتصادی محرکات اور اقتصادی وسائل کی بناء پر نہیں ہو سکتی۔ پیٹر اعظم کی فتوحات یا فریڈرک کے جارحانہ اقدامات یا پولینڈ کے متعلق کش مکش لے مرکزی وسائل کی حیثیت تجارتی نہ تھی۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ روس کے اومالوف۔ پروشیا کے ہوہنزولرن اور آسٹریا کے ہیبسبرگ اپنا دائرہ اقتدار بڑھانا چاہتے تھے۔ امراء اور جنکر اپنے اپنے حکمران خاندانوں کی حمایت کر رہے تھے، کیونکہ اسی طرح ان کے اقتدار میں بھی اضافہ ہوتا تھا۔ فریڈرک اعظم کی فتوحات کا انحصار جزوا" اس امر پر تھا کہ اس نے پروشیا کے اقتصادی وسائل سے احسن طریق پر کام لیا، لیکن یہ فتوحات زیادہ تر ان عوامل پر بھی بستی تھیں، جنہیں اقتصادیات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مثلاً پروشیا کے معاشرے کا ضبط و نظم، فریڈرک کی شاندار اور بے پناہ قیادت، برطانیہ کو ئیزیول کے قول کی حمایت میں بہترین دلیل بن سکتا تھا، لیکن اس کی کامیابی بھی زیادہ تر مجسی اور سیاسی نظام کی ممنون تھی، اس کی وجہ سے پٹ کر بروئے کار آنے کا موقع ملا۔ وہ موزوں وقت کے لئے نہایت موزوں آدمی تھا۔ غرض جنگ محض اقتصادیات کا آئینہ نہیں، بلکہ معاشرے کے اور بھی بہت سے اداروں کا آئینہ ہوتی ہے، جو جنگ لڑتے ہیں۔

اٹھارھویں صدی میں معاشرے نے جنگ کو روکنے یا اس کے تواتر میں کمی کرنے کے لئے کوئی کوشش نہ کی، تاہم اٹھارھویں صدی کی جنگوں میں تدبیر و ضبط کے جوہر عموما" نظر آتے ہیں، جو ہم نے لوئی چہار دہم کے جارحانہ اقدامات میں دیکھے۔ اس سے اٹھارھویں صدی کے متعلق اس تعبیر کو تقویت پہنچتی ہے۔ کہ یہ صدی نسبتا" استواری کا دور تھی۔ جنگوں کے باوجود اس دور میں مقابلتہ" امن رہا۔ اس سے پیشتر مذہبی کشمکشوں کے دور کی یہ حالت نہ تھی۔ اور بعد میں برلزم اور قوم پروری کے جو طوفان انقلاب فرانس کے باعث دنیا میں بپا ہوئے، ان کی حالت یہ نہ تھی۔ مثلاً اٹھارھویں صدی کی ہفت سالہ جنگ اس لیے شروع نہیں ہوئی تھی کہ تباہی خیزی میں سترھویں صدی کی سی سالہ جنگ کا ایک نیا مرقع فراہم کردیا جائے۔ ہفت سالہ جنگ کی محض

مدت ہی کم نہ تھی' بلکہ اس کی اور بھی بہت سی چیزیں غور طلب تھیں۔ بہت کم جنگجو تھے جن کا احساس یہ تھا کہ وہ کیتھولسزم یا پروٹسٹنٹزم یا قومی آزادی جیسے کسی بڑے مقصد کے لئے لڑ رہے ہیں۔ جنگ زیادہ منظم انداز میں ہوتی رہی۔ سو سال پیشتر یہ کیفیت نہ تھی۔ سپاہی زیادہ منظم تھے اور فوجیوں کے لئے ساز و سامان کی بہم رسانی کا بہتر انتظام تھا۔ میدان جنگ میں لڑنے والی فوجیں بہت کم لوٹ مار کرتیں اور غیر مغانی آبادی کے املاک و نفوس کے لئے یہ بڑا خطرہ نہیں رہی تھیں۔ خود طریق جنگ سے ظاہر ہوگیا کہ یہ صدی نظم' عقل و فہم اور روشن خیالی کی صدی تھی۔

حصہ ششم

دنیا کا سائنسی منظر نامہ

(THE SCIENTIFIC VIEW OF THE WORLD)

☆ باب 25

دنیا کا سائنسی منظر۔۔۔ ایک نظر

(SCIENTIFIC VIEW OF WORLD - BACKGROUND)

سترھویں صدی میں یورپ کی ثقافتی و سیاسی قیادت اٹلی اور ہسپانیہ سے فرانس میں منتقل ہوگئی۔ خصوصاً" ادب میں فرانسیسی مصنفوں راسین' مولیار' بوالو' بوسوا اور بہت سے دوسرے اصحاب نے مغرب پر اپنی طرز کا سکہ بٹھا دیا' لیکن جن لوگوں نے سترھویں صدی میں ثقافت کے متعلق پائدار کام کیا اور جو اصل اور نقطہ نگا کے اعتبار سے حقیقی معنی میں بین الاقوامی تھے' وہ ادیبوں کے بجائے فلسفی اور سیاست دان تھے۔ جب بیسویں صدی کے فلسفی ایلفرڈوائٹ ہیڈ نے سترھویں صدی کو غیر معمولی ذکاوت کی صدی قرار دیا تو اس کے پیش نظر سب سے بڑھ کر گلیلیو' باروے' نیوٹن اور ڈیکارت تھے۔

استقرائی سائنس : احیاء علوم نے یقیناً" دور حاضر کے سائنس کے لئے راستہ ہموار کر دیا تھا۔ اول اس طرح کہ زوال پذیر کلامیت پر کامیاب حملہ کیا' دوم اس طرح کہ اس دنیا یعنی حواس کی زندگی پر خاص زور دیا' لیکن سترھویں صدی نے زیادہ ترقی کی اور طبعی علوم کو مشترکہ میراث کا جزو بنا دیا۔ انگریزی مصنف فرانسس بیکن 1561ء - 1626ء نے دور حاضر کے سائنس کی ترقی میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ اگرچہ وہ خود متفرق اور بے نتیجہ انداز میں تجربے کرتا رہا' لیکن وہ سائنٹیفک کارنامے کے بنیادی اجزا - مظاہر کا مشاہدہ اور ضروری معلومات کی صابرانہ فراہمی - کا ان تھک داعی تھا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ اگر تم زیادہ سے زیادہ حقائق کا مشاہدہ کرلو تو عمل استقراء کی بناء پر اس میں خود بہ خود کوئی نہ کوئی معنویت پیدا ہو جائے گی۔ وہ استقراء کو کلامیوں کے قیاس و استنباط سے ممتاز کرتا تھا اور قیاس پر اس نے حملہ کیا۔

> "حقیقت کہ دریافت اور تلاش کے صرف دو طریقے ہوسکتے ہیں اور دو ہی میں ایک (قیاس و استنباط) یہ ہے کہ محسوسات اور مخصوص اشیاء سے عام اصول اخذ کیے جائیں اور ان اصول سے جن کی درستی مسلم اور غیر متبدل مانی جاتی ہے' ایک فیصلے پر پہنچا جائے اور درمیانی اصول دریافت کیے جائیں۔ یہی طریقہ آج کل رائج ہے۔ دوسرا (استقراء) یہ ہے کہ محسوسات اور خاص چیزوں سے درجہ بہ درجہ اور غیر منقطع طور پر آگے بڑھا جائے۔ یہاں تک کہ انسان اخر عام اصول پر پہنچ جائے۔ یہ صحیح طریقہ ہے' لیکن آج تک اس کی آزمائش نہیں کی گئی۔"

سائنس میں استنباط و استقراء دونوں چیزیں ناگزیر ہیں' لیکن بیکن نے استقراء پر زور اس لئے دیا کہ اس کے زمانے میں یہ تصحیح ضروری تھی اور اس سے دور حاضر کے سائنس کا راستہ ہموار ہوا۔

نئے آلات کی ایجاد' سائنٹیفک انجمنوں کے قیام اور ریاضیات کی ترقی سے اس راستے پر

پیشقدمی سہل ہوگئی۔ غیر معمولی ذکاوت کی صدی کے عظیم القدر افراد اور بیسیوں غیر معروف یا اب فراموش شدہ افراد نے نئے آلات کی ایجاد کو تقویت پہنچائی اور مشاہدات کی تفصیلات' نیز حدود متعین کرنے میں آسانی ہوگئی۔ مثال کے طور پر غالباً" ولندیزی عینک سازوں نے پہلے پہل دواتشی شیشے اکٹھے رکھے اور معلوم کرلیا کہ اس طرح چیزیں بڑی دکھائی دیتی ہیں۔ 1610ء تک اطالوی گیلیو نے اس نئے تجربے سے فائدہ اٹھا کر دور بین بنالی تاکہ اجرام سماوی کا مشاہدہ کیا جاسکے۔ 1680ء تک ولندیزی سائنسدان نے اس نئے تجربے سے فائدہ اٹھا کر دور بین بنالی۔ تاکہ اجرام سماوی کا مشاہدہ کیا جاسکے۔ 1680ء تک ولندیزی سائنسدان وان لیو ان ہٹک نے خوردبین بنالی' جس کے ذریعے جانوروں اور انسانوں کے خلیوں کا معائنہ شروع کردیا۔ گلیلیو کی دریافت پر تجربے کرتے ہوئے ایک اور اطالوی ٹوری سلی نے مقیاس الہوا ایجاد کرلیا۔

سائنٹیفک تحقیقات کو ترقی دینے کے لئے دو انجمنیں بے حد اہم تھیں۔ اول انگلستان کی شاہی انجمن' جس کا مقصد یہ تھا کہ فطرت کے متعلق علم کی ترقی کے لئے کام کرے۔ یہ 1662ء میں بنی۔ دوسری فرانس کی سائنس اکاڈمی' جس کی بنیاد 1666ء میں پڑی۔ انگریزی انجمن ایک نجی ادارہ تھی۔ فرانس کی انجمن سرکاری ادارہ تھی۔ اس کی سرپرستی لبرٹ نے کی تاکہ لوئی چہار دہم اور اس کی تجارتی سلطنت کی عظمت و شان کو چار چاند لگیں۔ دونوں نے تجربات کے لیے مالی امداد کا انتظام کیا۔ دونوں کی طرف سے اپنے اپنے رسائل میں سائنٹیفک مقالے شائع ہوتے تھے۔ انگلستان کے رسالے کا نام فلسفیانہ رودادیں اور فرانسیسی رسالے کا نام رسالہ اہل علم تھا۔ بعض اوقات طعنہ زن ان انجمنوں کی سرگرمی کا مذاق اڑاتے تھے۔ مثلاً بیان کیا جاتا ہے کہ جب چارلس دوم کو یہ اطلاع ملی کہ شاہی انجمن ہوا کا وزن کر رہی ہے تو ہنستے ہنستے اس کے پیٹ میں بل پڑگئے' لیکن آخر ان انجمنوں نے زبردست مثبت اثر پیدا کیا۔ کم از کم علمی حلقے بہت متاثر ہوئے۔ شاہی انجمن نے اپنے مقاصد کا ذکر یوں کیا تھا۔ "تمام نظریوں' نظاموں' اصول' عناصر' سرگزشتوں اور تجربوں کا جائزہ لینا' تمام آراء کو جانچنا اور تولنا' نہ اس وقت تک کسی کو قبول کرنا' نہ اختیار کرنا' جب تک واضح دلائل سے ان پر خوب بحث نہ ہو جائے اور دلائل جائز تجربات سے اخذ کرنے چاہیں۔ ایسے تجربات کی حقیقت کے محکم ثبوت فراہم کرنے چاہئیں۔ ظاہر ہے کہ ان مقاصد میں کوئی چیز بڑھائی نہیں جاسکتی۔

اس اثناء میں ریاضیات نے بہت بڑی جست لگائی۔ یہ ایسا وسیلہ تھا' جس کے بغیر سائنٹیفک علوم بالکل بے دست و پا تھے۔ 1585ء میں فلینڈرز کے ایک شخص سٹیون نے ایک کتاب شائع کی' جس کا نام تھا۔ صفر' ناشنیدہ سہولت سے یہ سکھانا کہ انسان کے درمیان مروجہ حسابات کا عمل سالم اعداد میں بلاکسور۔ ایک پشت بعد نیپر نام ایک سکاٹ نے لوگرتم کا حیرت انگیز قاعدہ پیش کیا (1616ء) اس طرح سرکنے والے قاعدے کا اصول مہیا ہوگیا اور ضربوں' تقسیموں اور جذروں کا محنت طلب عمل ختم ہوگیا۔ پھر ایک فرانسیسی ویکات نے تحلیلی علم الہندسہ دریافت کیا' جس میں ہندسہ اور جبرو مقابلہ ملا دیا گیا۔ اس صدی کے ریاضیاتی کارناموں کا اوج کمال یہ تھا کہ متغیرات اور ممکنات سے عہدہ برآ ہونے کے قاعدے کی تکمیل ہوگئی۔ پسکل نے اتفاقات کا مطالعہ شروع کیا اور ہالینڈ میں بیمے کا کام کرنے والوں نے ایسے گوشوارے بنائے' جن سے ان کے گاہکوں کی متوقع عمر کا اندازہ ہوسکتا تھا۔ پھر نیوٹن اور جرمنی کے لا بنز نے بہ ظاہر

الگ الگ کام کرتے ہوئے ریاضی میں علم الاحصاء کا طریقہ ایجاد کرلیا۔ اس کی عملی حیثیت یوں ظاہر ہوسکتی ہے کہ اس کے بغیر نیزویکارت کے علم الہندسہ کے بغیر نیوٹن ہیئت اور طبعیات کے دائرے میں اپنے انقلابی نظریات کو درست ثابت کرنے کے لئے حسابات پیش نہ کرسکتا۔

مختلف سائنسوں کی ترقی : سترھویں صدی میں علم ہیئت بلوغ پر پہنچ گیا۔ کوپر نیکس نے 1543ء شمسی المرکز کائنات کا نظریہ پیش کیا تھا۔ لیکن یہ نظریہ اس وقت تک عام درجہ قبول نہ کرسکا۔ جب تک ہیئت والوں نے انتہائی صبر و تحمل سے معلومات کا ذخیرہ فراہم نہ کرلیا' جس سے اس نظریے کی تصدیق و تکمیل ہوتی تھی۔ جرمنی کے سائنس دان کیپلر 1573ء - 1630ء نے یہ دیکھا کہ سیارے بیضوی محوروں میں گردش کرتے ہیں اور ان کے محور گول نہیں' جیسا کہ کوپر نیکس نے فرض کرلیا تھا۔ کیپلر کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سیارے سورج کے نزدیک ہوتے ہیں' تو ان کی رفتا تیز ہو جاتی ہے۔ جب دور ہوتے ہیں تو ان کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔ گلیلیو 1564ء - 1642ء نے دوربین سے کام لے کر نئی دریافتیں کیں۔ ان میں سے قابل ذکر یہ دریافت تھی کہ مشتری کے چاند اس سیارے کے گرد اس طرح گھومتے ہیں گویا یہ ایک چھوٹا سا نظام شمسی ہے۔ ان دریافتوں کے بعد شمسی المرکز کائنات کے نظریے کی پوری طرح تصدیق ہوگئی اور اس نے تیزی سے قبول عام حاصل کرلیا۔ یہ درست ہے کہ کلیسا نے گلیلیو کے خلاف الحاد کا مقدمہ چلایا اور اسے اپنے خیالات سے دست برداری کا اقرار کرنا پڑا۔ روایت یہ ہے کہ جب وہ اقرار کر رہا تھا تو زیر لب کہہ رہا تھا کہ یہ امر ہمہ زمین گردش کرتی ہے۔ گلیلیو کے خلاف مقدمہ نئے نظریے کو دبانے کے لئے کلیسا کا آخری بڑا حربہ تھا۔

کیپلر اور گلیلیو نے جو کام کیا' اس کی حیثیت بیانی تھی اور اس سے اصل نظریے کی توضیح نہیں ہوتی تھی' یعنی یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ نظام شمسی کس طرح اور کیوں چلتا ہے۔ اگرچہ سائنس "کیوں" کا جواب تمکت فائی کی شکل میں پیش نہیں کرتا' تاہم اس کا جواب نفس بیان و توضیح سے کسی قدر زیادہ ہی ہوتا ہے۔ انگریز سائنسدان آئزک نیوٹن 1622ء - 1727ء نے سابق ہیئت دانوں کے نظریات کو بنیاد بناتے ہوئے وہ نظریاتی تعمیم پیش کی' جو سادہ ترین شکل میں فلکی کائنات کے متعلق ایک ایسی تصویر ہے' جس سے سکول کا ہر طالب علم آگاہ ہے۔ یہ قانون کشش ثقل ہے' سورج' سیارے اور ان کے سیارچے اس نظریے کے مطابق اپنے اپنے مقامات : یعنی حوروں پر باہمی جذب کی قوت یعنی کشش ثقل کی بناء پر قائم ہیں۔ نیوٹن نے فارمولا پیش کیا کہ یہ قوت دو جسموں کی ضخامت سے پیدا ہوتی ہے جو ایک دوسرے کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور بالعکس ان کی تناسب ان دونوں کے درمیانی فاصلے کا مربع ہوتا ہے۔

قانون کشش ثقل ہیئت کی طرح طبعیات کا بھی جزو ہے۔ طبعیات کا علم بھی سترھویں صدی میں بلوغ کو پہنچا اور ہیئت کی طرح یہاں بھی سب سے بڑا کام نیوٹن نے کیا۔ اسی طرح گلیلیو کے کام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اگرچہ تازہ تحقیقات سے یہ مشہور کہانی محض ایک افسانہ ثابت ہوئی ہے کہ گلیلیو نے پیسا کے جھکے ہوئے مینار پر چڑھ کر مختلف وزنوں کے گولے زمین پر پھینکے اور ارسطو کا یہ نظریہ غلط ثابت کر دیا کہ لوگوں کے زمین کی طرف آنے کی رفتار' ان کے اوزان سے متناسب ہوتی ہے۔ گلیلیو نے زور سے ماری جانے والی چیزوں' لٹکنے' گرنے اور لڑھکنے والے جسموں کے سلسلے میں جو چھان بین کی' اس سے اسراع کے متعلق دور حاضر کے

افکار کے لئے ثبوت مہیا ہوئے۔ نیوٹن نے گلیلیو کا کام پیش نظر رکھتے ہوئے حرکت کے متعلق تین کلاسیکی قاعدے مرتب کیے۔

1- ہر جسم اس وقت تک اپنی جگہ ٹھہرا رہے گا یا خط مستقیم میں یکساں حرکت کرے گا، جب تک اسے دبانے والی کسی قوت سے حالت بدلنے پر مجبور نہ کردیا جائے گا۔

2- حرکت میں ہر تغیر اس قوت سے متناسب ہوتا ہے' جو تغیر پیدا کرتی ہے۔

3- ہر عمل کا ہمیشہ یکساں رد عمل ہوتا ہے۔

نیوٹن نے منازل و مرایا کی خدمت بھی انجام دی اور اس سلسلے میں منشور مثلثی کے استعمال سے سورج کی روشنی کے مختلف رنگ عکس شعاعی میں الگ الگ کر دیئے۔ اس سے ثابت کر دیا کہ جو چیزیں رنگ دار نظر آتی ہیں' ان کا رنگ چیزوں کا جزو نہیں ہوتا' بلکہ ان کا انحصار روشنی کے انعکاس و انجذاب پر مبنی ہوتا ہے۔ نیوٹن نے اپنی بڑی دریافتوں کا پتا اس وقت لگا لیا تھا' جب وہ کیمبرج میں زیر تعلیم تھا' لیکن بہت مدت بعد یہ دریافتیں اپنی کتاب پرنسپیا میں شائع کیں 1687 (کتاب کے لاطینی نام کا پورا ترجمہ یہ ہے۔ طبعی فلسفے کے ریاضیاتی اصول)۔ اسے بہت جلد شہرت حاصل ہوگئی۔ کیمبرج میں پروفیسری مل گئی۔ پھر اسے نائٹ بنا دیا گیا۔ شاہی انجمن کا وہ صدر بن گیا۔ مشاہرے کی سرکاری ملازمت ناظم دارالضرب کی حیثیت میں حاصل کرلی۔

اس اثناء میں علمائے طبعیات کے مکانیکی آرا علم الحیات پر بھی یورش کرنے لگے تھے۔ 1628ء میں چارلس اول کے طبیب خاص ہاروے نے یہ ثابت کر دیا کہ انسانی قلب کی حیثیت پمپ کی ہے اور انسانی خون قلب سے ایک خاص نظام دوران کے مطابق پھینکا جاتا ہے۔ 1679ء میں اٹلی کے بوریلی نے ثابت کر دیا کہ انسانی بازو ایک لیور ہے اور اعضا مکانیکی کام انجام دیتے ہیں۔

سائنس کی ترقی کے لوازم : مختلف سائنسوں میں اس تحقیق و تدقیق سے کسی کامل شے کے متعلق ارسطو کے پرانے تصورات باطل ثابت ہوئے۔ کاملا" گول محوروں کے بجائے کیپلر اور نیوٹن کے علم ہیئت نے بیضوی محور ثابت کردیئے۔ عام تصور یہ تھا کہ جسم سامنے خط مستقیم میں حرکت کرتے ہیں۔ نیوٹن نے ثابت کر دیا کہ جسم صرف اس قوت کا رد عمل ہوتے ہیں' جو ان پر دباؤ ڈالتی ہے۔ اس تحقیق و تدقیق سے ایک نیا سائنٹیفک اصول پیدا ہوا یا کہہ لیجئے' ایک قانون اور یکسانی کا پتا چلا' جس نے بہت سے مختلف قوانین کو ایک دوسرے سے وابستہ کرکے ایک عام قانون کی شکل دے دی' جو چھان بین کے لاکھوں اقدامات کا خلاصہ تھا۔ یہ نیا قانون قطعی اور غیر متبدل نہ تھا۔ قطعی چھان بین سے اس میں بھی ترمیمیں ہوتی رہیں گی۔ تاہم یہ نسبتہ" ایک مستقل مامن اور محکم مقام بن گیا۔ یہ کارنامہ گلیلیو نے انجام دیا اور درجنوں دوسرے بڑے انسانوں نے اس تعمیم میں حصہ لیا۔ نیوٹن نے تمام چیزوں کو ایک عظیم القدر مکان کے تصور کی شکل دے دی' جسے نیوٹن کا نظام عالم قرار دیا جاتا ہے۔

نیوٹن کے نظام عالم بلکہ پورے نئے سائنس کے دینیاتی اور فلسفیانہ لوازم بہت اہم تھے۔ طبعی سائنس کو براہ راست دینیات کے فلسفے کے بڑے مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ لوگوں کے لئے مقاصد و غایات مہیا نہیں کرتا' بلکہ صرف وسائل کا انتظام کرتا ہے۔ اس کے نظریات محض توضیحات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں جوازات نہ سمجھنا چاہیے۔ تاریخی نقطہ نگاہ سے کہا

جاسکتا ہے کہ دور حاضر کے سائنس کا ظہور و عروج ایک قطعی نظریہ عالم اور نظام اقدار سے وابستہ کر دیا گیا ہے' جس کے لئے بہترین نام عقلیت پسندی ہے۔ یہ ایک وسیع اصطلاح ہے۔ غالباً" ممکن ہے کہ ایک شخص بہ یک وقت عقلیت پسند بھی ہو اور وہ ماورائے فطرت خدا پر بھی اعتقاد رکھے۔ پھر تاریخی نقطہ نگاہ سے مغربی یورپ میں عقلیت پسندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا بالکل غائب ہوگیا یا کم از کم علت اولی کی رہ گئی' جس نے نیوٹن کے نظام عالم کی مشین چلا دی' لیکن وہ اس کے کاروبار میں دخل نہیں دیتا' بلکہ دے نہیں سکتا۔

عقلیت پسند صرف اس کائنات کا منظر سامنے رکھتا ہے' جسے ریاضیات نے ایک خاص نظام کی شکل دے دی ہے اور اس نظام کے لئے سائنس دانوں نے کام کیا۔ عقلیت پسند مسیحیت کے الہامی حقائق کو مسلمہ مان کر نہیں چلتا جیسا کہ کلامیوں کا قاعدہ تھا۔ وہ تمام چیزوں کو محل نظر قرار دیتا ہے' یہاں تک کہ اسے قدم اٹھانے کے لئے کوئی ایسی یقینی چیز مل جائے' جس طرح اقلیدسی ہندسے کے اصول موضوعہ ہیں۔ یہاں ان فلسفیوں میں سے ذی اثر ترین یعنی فرانسیسی دیکارت 1596ء - 1650ء نے اپنی درستی یوں شروع کی۔

"میں نے سوچا کہ مجھے وہ تمام آراء غلط قرار دے کر ٹھکرا دینی چاہئیں' جن کے متعلق ذرا سا بھی شبہ ہو۔ میرا مقصد یہ دریافت کرنا تھا کہ آیا ایسا کرنے کے بعد کوئی چیز رہ بھی جاتی ہے' جسے عقیدہ قرار دیا جاسکے' یعنی کوئی ایسی چیز جس میں شبہہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ یہ امر پیش نظر رکھتے ہوئے کہ ہمارے حواس کبھی کبھی دھوکا بھی دے دیتے ہیں' میں یہ ماننے کے لئے تیار تھا کہ کوئی بھی موجود شے ایسی نہیں' جس کا تصور حواس پیش کرتے ہیں۔ چونکہ بعض سادہ ترین ہندسی سوالات کے متعلق لوگ استدلال میں غلطی کرتے ہیں' اس لیے میں نے ان تمام دلائل کو جھوٹا قرار دے کر ٹھکرا دیا' جنہیں پہلے میں مشاہدات سمجھ رہا تھا (میں نے یہ مان لیا کہ دوسروں کی طرح مجھ سے بھی غلطی سرزد ہوسکتی ہے) پھر میں نے سوچا کہ جو خیالات بیداری کی حالت میں ہمیں آتے رہتے ہیں' وہ خواب کی حالت میں بھی آسکتے ہیں۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ جو چیزیں میرے قلب میں داخل ہوئیں' وہ محض میرے خوابوں کا ایک عکس تھیں۔ پھر فوراً" مجھے خیال آیا کہ جو کچھ میں سوچتا ہوں' اگر وہ سراسر غلط ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ میں جو کچھ سوچتا ہوں' اسے کچھ اور ہونا چاہیے۔ میں نے یہ حقیقت جان لی کہ میں سوچتا ہوں' اس لیے میں ہوں۔ یہ حقیقت اس درجہ پختہ اور یقینی ہے کہ متشککین کے مفروضات کی بھی حد تک پہنچ جائیں' اسے متزلزل نہیں کرسکتے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے اس شے کو فلسفے کا پہلا اصول تسلیم کرلینا چاہئے' جس کی مجھے تلاش تھی۔"

یہاں سے شروع ہوکر دیکارت نے خدا کا وجود ثابت کیا' لیکن اس خدا کے متعلق اپنے ایک دوست کو یہ عجیب چیز لکھی۔ میں خدا کی اصطلاح استعمال کرتا ہوں' آپ چاہیں تو اس کی جگہ فطرت کا ریاضیاتی نظام رکھ سکتے ہیں۔

سائنس دانوں اور عقلیت پسندوں نے مغرب کے تعلیم یافتہ طبقوں کے قلوب میں دو

تصور قائم کرنے کے لئے خاص مدد دی' جو ایک دوسرے کے متمم ہیں۔ یہی تصورات تھے' جن سے اٹھارھویں صدی کی تنویر کو مجلسی تغیر کے لئے ایک عملی نمونہ ملا۔ یہی نمونہ ہماری دنیا میں ایک محرک قوت بن گیا۔ پہلا تصور یہ تھا کہ کائنات کی تہہ میں ایک طبعی نظام موجود ہے' اگرچہ غور و فکر نہ کرنے والے آدمی کو روزانہ تجربات میں پوری کائنات بے قاعدہ اور ابتر نظر آتی ہے۔ دوسرا تصور ایک انسانی خصوصیات کا تھا' جس کا بہترین نام عقلی ہے۔ یہ خصوصیت غلط تربیت کے باعث اکثر آدمیوں کے قلوب میں دفن رہی اور نمایاں نہ ہو سکی' تاہم اسے اچھے یعنی عقلی طریق کے مطابق تربیت سے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں تصویر یونانیوں کے وقت سے ہماری مغربی روایت کے اندر کسی نہ کسی شکل میں پائے جاتے ہیں۔ سترھویں صدی کے اواخر میں انہیں جدت و قوت ملی اور یہ متحد ہوکر ترقی کا اصول بن گئے۔ یعنی یہ عقیدہ کہ انسان روئے زمین پر راحت اور کمال کا درجہ حاصل کرسکتے ہیں' جو اہل مغرب کے عقیدے کے مطابق صرف ان مسیحیوں کے لئے ممکن تھا' جنہیں سعادت نصیب ہو اور وہ بھی زمین پر نہیں' بلکہ مرنے کے بعد بہشت میں۔

سترھویں صدی کے اواخر میں دو ادبی تحریکیں آئندہ تنویر کے واضح نشان تھیں۔ فرانس میں قدیم و جدید کا جھگڑا اور انگلستان میں جنگ کتب۔ ان دونوں ادبی جھگڑوں میں بنیادی مسئلہ ایک تھا' یعنی یہ کہ کیا موجودہ زمانے کا کوئی مصنف اور مصور یونانیوں اور رومیوں سے بہتر کتابیں لکھ سکتا ہے اور تصویریں بنا سکتا ہے؟ یا دور حاضر کی اصطلاح میں کیا ہم لوگ عہد قدیم کے ان عظیم القدر انسانوں کے عہد زریں سے آگے بڑھ سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ سوال آج کل کے زیادہ تر امریکیوں کو مہمل معلوم ہوگا' جو بے تامل جواب دیں گے کہ ہم قدما سے بہت آگے نکل گئے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اٹھارھویں صدی کے موڑ پر تعلیم یافتہ عوام تسلیم کرچکے تھے کہ دور حاضر کے افراد جنگ کتب میں کامیابی حاصل کرچکے ہیں۔

کلاسیکی سپرٹ : سائنس اور فلسفے کی طرح فنون و علوم نے بھی تنویر کا نمونہ قائم کرنے میں حصہ لیا۔ سترھویں صدی کا خاص اسلوب لوئی چہار دہم کے فرانس میں کمال پر پہنچا۔ اسے عموماً" کلاسیکی سپرٹ قرار دیا جاتا ہے۔ کلاسیکی سپرٹ کا رجحان یہ ہے کہ ایک خاص پیمانہ اور ایک خاص نظم پرانے دریافت کردہ (نہ کہ وضع کردہ) قواعد کی تقلید پیش نظر رکھی جائے۔ اس میں ایک پروقار فصاحت اور ایک بلند نفاست ہو۔ غیر وقیع چیزوں سے احتراز کیا جائے۔ مثلاً جب کوئی ہیروئن آنسو بہا رہی ہو تو اس کی خدمت میں رومال پیش کرنے کی عامیانہ حرکت قطعاً" سرزد نہ ہو' بلکہ آنسو بہانے ہی کو ناپسندیدہ سمجھا جائے۔ یہ چیز ایک حد سے متناقض معلوم ہوتی ہے کہ کلاسیکی روایت کے پجاری ایک ایسی روش کے قیام میں معاون بن سکے' جس نے یونانیوں اور رومیوں کی بہترین کلاسیکی چیزوں کے احترام کی بنیاد کھوکھلی کردی۔ یہ تناقض اس وجہ سے اور نمایاں ہو جاتا ہے کہ لوئی چہار دہم کے عہد کے فن کار اور اہل قلم قائم شدہ نظام کے ستون اور اقتدار و روایت کے حامی تھے۔

یہ تناقض کم ہو جاتا ہے' اگر آپ اس حقیقت پر نظر رکھیں کہ اس دور کے بہترین مصنفوں نے اپنے کلاسیکی نمونوں میں مروجہ معیاروں کی توثیق نہ کی' بلکہ بہتر اور سادہ تر معیار پیش کیے' جن کے لئے اٹھارھویں صدی فطرت اور عقل کی اصطلاحات استعمال کرسکتی ہے۔ بوالو

1636ء - 1711ء اس عہد کا سب سے بڑا ادبی نقاد تھا۔ اس نے نظم لکھنے کے قواعد وضع کیے اور اعلان کیا کہ ہمیشہ عقل عامہ کا پیمانہ پیش نظر رکھو۔ عظیم القدر فرانسیسی ڈراما نگار خصوصیت سے انسانوں اور اوضاع کے لامتناہی تنوع میں کسی آفاقی شے کی تلاش کر رہے تھے۔ یعنی کوئی ایسی شے ہے' جو تمام انسانوں اور تمام عہدوں کے لئے نمونہ بن سکے۔ مولیار 1622ء - 1673ء اپنی طنزیہ طربیات کے کرداروں کو محض افراد کی شکل میں پیش نہیں کرتا' بلکہ مجلسی نمونوں کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ مثلاً بخیل لا آویر میں' ریکارترتوف میں' شیخی باز اور جاہل نودولتی لابور جیوز جنتل ہوم میں۔

کارنیل (1606ء - 1684ء) اور راسین (1639ء - 1699ء) نے المیہ میں کلاسیکی ضوابط کی پیروی کی۔ وہ اساطیر میں سے کوئی موضوع چن لیتے اور مقفیٰ شعر لکھتے۔ سترھویں صدی کے فرانسیسی المیہ ڈرامے عہد قدیم کے یونانی ڈراموں کے بعد دوسرے درجے پر رکھے جاسکتے ہیں۔ اس کا سبب زیادہ تر یہ نہیں کہ ان میں کلاسیکی اوضاع کی پیروی کی گئی' اصل سبب یہ ہے کہ ان کی نفسیاتی بصیرت اور جذباتی قوت ویسی ہی تھی۔

کلاسیکی سپرٹ کی اصطلاح کو زیادہ سے زیادہ وسیع معنی میں بھی لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سترھویں صدی کے پورے ادبی ذخیرے سے اس کا حق ادا نہیں ہوتا۔ لاروش فوکر (1613ء - 1680ء) نے ایک حد درجہ سادہ نثر میں کمال پیدا کیا' جو لطائف سے لبریز ہوتی تھی اور اسے تباہ کن خشک اصول کے لئے اس طریق پر استعمال کیا' جو کلاسیکیوں کی بلند اخلاقی نفاست سے بہت بعید تھا۔

> "ہم میں اتنی قوت موجود ہے کہ دوسروں کے مصائب برداشت کرلیں..... ہم صرف اسی وقت دوسروں کی ستائش کے عادی ہیں' جب خود ہمیں فائدہ پہنچے..... عورت کی نیکی اکثر شہرت اور راحت سے محبت کا نتیجہ ہوتی ہے..... ہمیں اپنے عظیم ترین دوستوں کے مصائب میں کوئی نہ کوئی چیز ایسی نظر آتی ہے' جو ناخوشنودی کا باعث نہ ہو۔"

انگریزی ادب اسی مزین انداز میں قائم رہا' جو ایلزبتھ کے زمانہ احیاء علوم میں اسے مل گیا تھا۔ جان ملٹن (1608ء - 1674ء) بھی سادہ انداز میں نہیں' بلکہ پر تکلف انداز میں لکھتا تھا' اگرچہ وہ "گم شدہ بہشت" میں مسیحی ہیومنزم سے بہت قریب تھا۔ فنون سترھویں صدی کے فنی کارناموں کا اظہار بھی کلاسیکی سپرٹ کی اصطلاح میں نہیں ہوتا۔ لوئی چہار دہم نے فرانس میں غیر کلاسیکی یادگاریں تعمیر کرائیں' مثلاً قصر و رسائی کے بیرونی ستون اور لوور کے بازو' لیکن ورسائی کے اندر چھتوں پر بے شمار تصویریں ہنستے ہوئے کروبیوں کی بنائی گئی ہیں۔ یہ پر تکلف آرائش وہی تھی' جسے باروک کہتے تھے اور اس صدی میں یہ سب سے اعلیٰ فنی نمونہ سمجھا جاتا تھا۔ باروک کی طرز کے مطابق دور احیاء علوم کے بنیادی ہندسی نمونوں میں بے شمار تفصیلات پیدا کر دی جاتی تھیں۔ سرکرسٹو فراین نے سینٹ پال کے گرجے میں معتدل طریق پر اس طرز سے کام لیا اور اسے کلاسیکی ضبط و نظم کے تابع رکھا۔ سینٹ پال کا گرجا ایک ہی بڑا گرجا ہے' جس کا نقشہ ایک ماہر فن تعمیرات نے تیار کیا اور اسے تکمیل کو پہنچایا۔ رومہ میں سینٹ پیٹر کے گرجے کے سامنے جو چوک ہے' اس کے ستونوں میں بھی اس طرز کے ڈرامائی اوصاف نظر آتے ہیں۔ نیز ورسائی کے

آئینہ خانے، سفراء کے عالی شان زینے، پر تکلف باغات، چشموں اور فواروں میں بھی ملتے ہیں۔
ممالک زیریں، شمالی یورپ کی مصوری کے بڑے مرکز تھے۔ وہاں فن کاروں نے کاروباری دنیا، کھیتی باڑی، شراب خانوں بلکہ خیرات خانوں میں بھی اپنے کمالات کے جوہر دکھائے۔ فلینڈز کے مشہور فن کار روبنس (1577ء - 1640ء) کو صرف فرانسیسی اور انگریزی بادشاہوں ہی کی طرف سے فرمائشیں نہ ہوتی رہیں۔ بلکہ اس نے فن سے بڑی دولت جمع کرلی اور ایک مرکز تصاویر قائم کیا، جس میں دو سو طالب علم جمع ہوگئے۔ یہ مصوری کا ایک بہت بڑا کارخانہ تھا۔ روبنس کلفام اور بھرے ہوئے جسموں کی برہنہ تصویریں کے لئے مشہور ہے۔ وہ خود وسیع پیمانے پر کام کرتا رہا اور اندازہ کیا گیا کہ اس نے دو ہزار سے زیادہ تصویریں بنانے میں حصہ لیا، لیکن سترھویں صدی کے فلینڈز اور ہالینڈ کے اکثر ارباب فن پر تکلف انداز سے الگ تھلگ رہے اور کلاسیکی سپرٹ کے پاس بھی نہ بھٹکے۔ وہ رومالوں پر نقش و نگار بنانے کے لئے بھی تیار رہتے تھے، بلکہ اس سے بھی گھٹیا درجے کا کام کرلیتے تھے اور انہوں نے اپنی حقیقت پسندی کی بدولت معمولی چیزوں کو بھی غیر معمولی حد تک دلاویز بنا دیا۔ ریمبرانٹ (1609ء - 1669ء) سب سے بڑا ولندیزی مصور تھا۔ اس نے معمولی چیزوں کو ایسے اعلیٰ انداز میں پیش کیا کہ انہیں رومانی قرار دینا چاہئے۔

موسیقی میں بھی پر تکلف انداز سے سترھویں صدی کے بیشتر کارنامے واضح ہوتے ہیں۔ اس فن میں اٹلی نے درجہ امتیاز حاصل کیا۔ وہ انہیں راستوں پر چلتا رہا، جو دور احیاء علوم کے موسیقاروں نے ہموار کیے تھے۔ رومہ میں فریسکو بالڈی (1583ء - 1744ء) نے اس پر تکلف ساز کے بیشتر ڈرامائی ممکنات واضح کر دیئے، جسے ارغنون کہتے ہیں اور سینٹ پیٹر کے گرجے میں اس کی وجہ سے ہزاروں آدمی پہنچنے لگے۔ وینس میں مونٹی وردی (1567ء - 1643ء) کا دعوی یہ تھا کہ تقریر کو موسیقی کا آقا ہونا چاہئے، نہ کہ خادم۔ اس نے اپنے اس دعوے پر عمل کے سلسلے میں ایک غنائی تمثیل لکھی۔ موسیقی اور تھیٹر میں بھی پر تکلف انداز نے فوراً" ہر دلعزیزی حاصل کرلی۔ وینس میں کم از کم سولہ غنائی مرکز قائم ہوگئے۔

سترھویں صدی کی ثقافت پر تبصرہ : غیر معمولی ذکاوت کی اس صدی میں نہایت اعلیٰ درجے کی اور گوناگوں ثقافت پیدا ہوئی، جو سائنٹیفک، کلاسیکی، پر تکلف اور ان کے علاوہ بہت کچھ تھی اور ان کی وسیع ترکیبی حیثیت پر خاص نظر رکھنی چاہیے۔ مثلاً مذہب میں سترھویں صدی کے اندر محض رواداری ہی کے لئے یا اٹھارھویں صدی کے عہد نثر و عقل کے طبعی مذہب کے لئے تیاری نہ ہوتی رہی۔ انگلستان کے شاندار انقلاب سے جو عملی رواداری پیدا ہوئی تھی، اس کے خلاف آئرلینڈ میں وحشیانہ ظلم و جور کا سلسلہ جاری رہا۔ نیز لوئی چہار دہم نے نانٹز کی مراعات منسوخ کردیں۔ ساتھ ہی یاد رکھنا چاہئے کہ انگلستان کے دور انقلاب میں جو مذہبی فرقے برسر فروغ رہے، مثلاً کویکر جنہیں عالم عقبیٰ کے عقائد سے زیادہ وابستگی تھی اور ان کے مقابلے میں انڈی پنڈنٹ اور دوسرے، جنہیں دنیا میں مادی کامیابی سے زیادہ تعلق تھا۔ فرانس میں رعایتی فرانسیسی مذہب کے پابند مثلاً یوسوا کے علاوہ وہاں "متوکلین" اور جنسنی بھی تھے، جو آرتھوڈکسی سے ایک قدم آگے بڑھا کر متصوفانہ عقائد میں داخل ہوگئے تھے۔ جرمنی میں انا بپٹسٹوں کے روحانی اخلاف انسانی جذبات کے لئے انجیلی فضا پیدا کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ نثر و عقل کے دور میں بھی جرمنی میں نکوکاری اور انگلستان میں میتھوڈسٹوں کی تحریک کامیاب ہو رہی تھی۔ جس

نے نقل وطن کی بدولت ہماری انتہائی مذہب کی تاریخ میں بھاری کردار ادا کیا۔

سترھویں صدی میں جو گوناگوں چیزیں پیدا ہوئیں' وہ اس کے ایک فرد عظیم فرانسیسی پسیکل (1623ء - 1662ء) کی شکل میں واضح طور پر منعکس ہوئیں پسیکل ایک ماہر ریاضیات و طبعیات تھا۔ سائنس کی تاریخ میں اسے اہم مقام حاصل ہے۔ اس نے مقیاس الہوا کے سلسلے میں کئی تجربات کیے۔ مثلاً پہلے ماؤنٹ پوئی دادوم کے دامن میں پارے کی بلندی ناپی۔ پھر اس کی چوٹی پر پہنچ کر دیکھا کہ پارے کا درجہ کیا ہے۔ یوں اس پرانے تصور پر آخری ضرب لگائی کہ فطرت کو خلا منظور نہیں۔ پسیکل نے خوب کہا کہ فطرت کو پہاڑ کے دامن اور پہاڑ کی چوٹی پر یکساں خلا سے نفرت کرنی چاہئے' لیکن پسیکل ایک پریشان کن دور میں مذہبی آدمی بھی تھا۔ جب عام لوگ عقل کے نام پر مذہب چھوڑتے چلے جا رہے تھے' اس کا تعلق جنسی کے فرقے سے تھا اور اس نے یسوعیوں کی ڈھیلے ڈھالے اخلاق کے خلاف ایک پرجوش رسالہ لکھا اور اپنے لئے مذہب کے متعلق ایک نامکمل تصنیف چھوڑ گیا' جس کا نام "افکار" تھا۔ وہ لکھتا ہے' انسان ایک ایسا وجود ہے' جو غلطیوں سے لبریز ہے۔ اس سے خطا کا سرزد ہونا طبعی ہے اور خدا کی رحمت کے سوا معافی کی کوئی صورت نہیں۔ کوئی چیز حقیقت کی طرف اس کی رہنمائی نہیں کرتی۔ ہر چیز اسے دھوکا دیتی ہے۔ عقل اور جو اس حقیقت کے دو اصول ہیں۔ ان میں بھی اخلاص نہیں اور یہ بھی ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں۔ حواس غلط مظاہر سے عقل کو غلطے میں ڈالتے ہیں۔ اس طرح وہ خود عقل سے دھوکا کھاتے ہیں۔ آخر عقل کو بھی بدلا لینا چاہئے۔ انسان کے جذبات جو اس کو مشکلات میں مبتلا کرتے ہیں اور ان پر غلط چھاپے لگاتے ہیں۔ وہ بھی ایک دوسرے سے جھوٹ بولتے ہیں اور ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں۔ یہ الفاظ کسی عقلیت پسند کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ غیر معمولی ذکاوت کی صدی محض تنویر کا پیش خیمہ نہ تھا' بلکہ ایسا دور بھی تھی' جس میں انسان فکر کے عجیب و غریب سمندروں میں جہاز رانی کر رہے تھے۔

☆ باب 26

سائنسی مدنیت کے پیام بر--- بیکن اور ڈیکارٹ

(PROPHETS OF A SCIENTIFIC CIVILIZATION : BACON AND DESCARTES)

بیکن اور ڈیکارٹ دونوں اصحاب قرون وسطی کی سائنس اور جدید سائنس کے موڑ پر کھڑے تھے۔ بنیادی طور پر دونوں پیامبر اور عوام سے تعلق رکھنے والے تھے۔ علم کے امکان کی بصیرت حاصل کرنے کے بعد دونوں نے اپنا مقصد یہ بنالیا تھا کہ دنیا کو اس سے آگاہ کیا جائے۔ علم سے متعلق دونوں کی رسائی میں بہت فرق تھا' تاہم دونوں کی دسترس عالمگیر تھی۔ جہاں تک مزاج کا تعلق ہے تو یہ دونوں صاحبان ایک دوسرے سے اس قدر مختلف تھے کہ کوئی سے دو افراد میں اس قدر اختلاف کا پایا جانا مشکل ہی ہے۔ ان میں سے ایک چالاک و ہوشیار' خود غرض اور بعد ازاں طمطراق والا وکیل تھا۔ جو ہمیشہ عوامی امور میں مرکزی کردار ادا کرتا تھا۔ جب کہ دوسرا ہنگاموں سے الگ تھلگ رہنے والا دوربیں تھا۔ تاہم ان دونوں میں سے کوئی اپنے ملک کے سائنسی انقلاب کی ماہیت کا نمائندہ تھا۔

بیکن نئی تحریک کے بنیادی عملی رخ' فنون کی ترقی کے لئے اس کے اطلاق اور ان کے گرد و پیش کی دنیا کی زیادہ فہم عامہ پر مبنی پرکھ کو رواج دینے پر زور دیتا تھا۔ الزبتھن اور جیکوبین انگلستان کے درباروں میں زندگی بسر کرتے ہوئے اس نے یہ دیکھا کہ اس کی مشکلات بے لچک فکری نظاموں کے وجود سے اس قدر پیدا نہیں ہوتیں۔ جس قدر ایک نئے اور عام طور پر قابل قبول فلسفے کی ٹھوس ادارہ جاتی بنیادوں کو استوار کرنے کی ضرورت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسے نہ صرف قدیم تصورات کی جگہ لینے کے لئے پیش کیا گیا تھا' بلکہ انگلستان میں تحریک اصلاح کے پیدا کردہ قیاسات کے انتشار پر قابو پانے کے لئے بھی اسے سامنے لایا گیا تھا۔ دوسری طرف ڈیکارٹ نے قرون وسطی کے فکری نظام کے خلاف نبرد آزما ہوتا تھا' جو فرانس کی سرکاری یونیورسٹیوں پر چھایا ہوا تھا۔ ڈیکارٹ کی کامیابی اس کی منطق کی مرہون منت ہے جو نہ صرف واضح تر تھی بلکہ قدیم فکری نظام کے نمائندوں کی منطق کے مقابلے میں ذہنی طور پر زیادہ موثر بھی تھی۔

بیکن اور ڈیکارٹ دونوں کی زیادہ تر دلچسپی طریق ہائے کار سے تھی۔ البتہ سائنسی طریقہ کار کے بارے میں دونوں کے خیالات بہت مختلف تھے۔ بیکن کا نقطہ نظریہ تھا کہ مواد فراہم کیا جائے' بڑے پیمانے پر تجربات کیے جائیں اور پھر وسیع پیمانے پر اکٹھی کی جانے والی شہادتوں سے نتائج اخذ کئے جائیں۔ گویا یہ بنیادی طور پر استقرائی طریقہ کار تھا۔ دوسری طرف ڈیکارٹ خالص وجدان کی کاٹ پر یقین رکھتا تھا۔ اس کا نقطہ نظریہ تھا کہ فکر کی وضاحت سے ہر اس شئے کو دریافت کرنا ممکن ہونا چاہئے جو عقلی اعتبار سے قابل علم ہے۔ تجربہ تو استخراجی فکر کا محض ضمنی پہلو ہے۔ تاہم ان دونوں صاحبان میں بڑا فرق یہ تھا کہ ڈیکارٹ اپنی سائنس کو دنیا کے ایک نظام کی تشکیل کے لئے بروئے کار لاتا تھا اور وہ نظام ایسا تھا کہ اگرچہ اب اسے مکمل طور پر فراموش کردیا گیا ہے' لیکن اس کے اپنے عہد میں وہ قرون وسطی کے مدرسین کے نظام پر پوری طرح

حاوی ہو گیا تھا۔ دوسری طرف بیکن نے اپنا کوئی نظام پیش نہ کیا تھا۔ وہ محض ایک تنظیم کی تجویز پیش کرکے ہی مطمئن ہوگیا تھا جو اس کے نزدیک نئے نظاموں کے اجتماعی طور پر مرتب کرنے کی۔ اس کے نزدیک اس کا اپنا کام محض یہ تھا کہ وہ ان مرتبین کو نیا آلہ یعنی NOVUM ORGANUM کی منطق فراہم کرے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو بیکن اور ڈیکارٹ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے تھے۔ بیکن نے تنظیم کا جو تصور پیش کیا تھا' وہ پہلی موثر سائنسی انجمن یعنی رائل سوسائٹی کی تشکیل کا براہ راست موجب بن گیا۔ ڈیکارٹ کا نظام' انہی سے یقینی طور پر ربط کو ختم کرتے ہوئے' تصورات کا ایک ایسا سلسلہ پیش کرتا تھا جو ایک قطعی کایاتی اور ہندسی طریقے سے مادی دنیا سے متعلق استدلال کی اساس بن سکتا تھا۔

خیر' اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان دونوں فلسفیوں کے ہیالاسفہ پر قرون وسطیٰ کے تصورات کا گہرا اثر تھا۔ البتہ دونوں پر یہ اثر مختلف نوعیت کا تھا۔ فرانسس بیکن انسا کلوپیڈیا سٹس اور اپنے ہم نام راجر بیکن کی روایت سے تعلق رکھتا تھا۔ اگر ہم زیادہ پیچھے جائیں تو اس کا رشتہ پلینے اور خود ارسطو سے جوڑا جاسکتا ہے۔ دلچسپی کے اعتبار سے وہ بنیادی طور پر فطرتیت پسند تھا۔ اسے نئے ریاضیاتی فلسفے کا نہ تو کوئی علم تھا اور نہ ہی اس میں کوئی دلچسپی تھی۔ اس کا طریقہ کار زیادہ تر منفی تھا۔ یہ طریق کار ان "بتوں" یا مغالطہ انگیز تصورات سے دامن بچانے پر مشتمل تھا جنہوں نے قدیم فلاسفہ کو گمراہ کیا تھا۔ بیکن تجربات میں یقین تو رکھتا تھا لیکن اس نے خود تجربات کرنے میں دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ وہ تجرید کاری اور تحلیل کے عمل کو کبھی بھی پوری طرح نہ سمجھ سکا تھا جس کی ضرورت پیچیدہ صورت حالوں سے سچائی کو اخذ کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ گلیلیو پہلے ہی اس عمل کو بہت عمدگی سے بروئے کار لا رہا تھا وہ سمجھتا یہ تھا کہ منظم' عمومی تجربہ کو اگر قدما کے نقصان دہ خیالات سے پاک کر دیا جائے تو وہ علم کے لئے کافی ہوگا۔ اس کے سائنسی خیالات اس کے اپنے نہ تھے بلکہ مطالعے سے اور خاص طور ٹلیسیوس کے مطالعے سے حاصل کئے گئے تھے جس پر وہ تنقید کرتا تھا' لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے جدید دانش وروں میں پہلا بھی قرار دیتا تھا۔

ٹلیسیوس (1509ء - 1588ء) ایک اطالوی سکالر تھا۔ یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے ایک حریف نظام پیش کرکے ارسطو کے ساتھ ربط کو پہلی بار مکمل طور پر ختم کیا تھا۔ اس کا عظیم کردار یہ تھا کہ اس نے ارسطو کی صوری اور حتمی علتوں کو ختم کردیا اور صرف مادی اور موثر علتوں کو باقی رہنے دیا۔ اس معاملے میں بعد کے زمانے کی تمام سائنس نے اس اس کی پیروی کی۔ اس کے اپنے خیالات انکسی مینز کے خیالات کی یاد دلاتے ہیں۔ اس کی کائنات حرارت اور سرداری کی داخلی قوتوں کے وسیلے سے عمل پذیر رہتی ہے۔ یہ نظریہ توانائی کے نظریئے کی ایک پیش بینی تھا اور تحفظ و بقا کے تصور کو بھی کسی قدر شامل حال رکھتا تھا' تاہم اس قدر نہیں جس قدر ہم چینی فلسفے کے یانگ اورین میں پاتے ہیں۔

بالکل آغاز سے بیکن نے اس نظریئے کی تبلیغ شروع کردی تھی کہ "سائنسی علوم کا سچا اور جائز مقصد یہ ہے کہ نئی دریافتوں اور قوتوں کے ذریعے انسانی زندگی کو بہتر بنایا جائے" وہ اپنے تئیں سائنس دان اور موجد کی حیثیت سے اس قدر نہیں دیکھتا جس قدر کہ سائنس اور ایجاد کو تخلیقی قوت فراہم کرنے والا سمجھتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ "میں نے اپنے ذمے یہ کام لیا ہے کہ

دوسروں کو مجتمع کروں "فرانس بیکن کے ایک قابل قدر مطالعے میں پروفیسر فیرنٹن اس کا حوالہ یوں دیتا ہے۔

"نسل انسانی کو جن تمام نعمتوں سے نوازا جاسکتا ہے' ان میں سے انسانی زندگی کو بہتر بنانے والے نئے فنون' اشیاء اور قابلیت کی دریافت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ ابتدائی زمانے کے غیر متمدن لوگوں میں بھی موجد اور دریافت کنندوں کو تقدس عطا کیا جاتا تھا اور ان کا شمار دیوتاؤں میں کیا جاتا تھا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ شہروں کے بانیوں' قانون عطا کرنے والوں' اقوام کے بانیوں اور ظالموں کا خاتمہ کرنے والوں کے اچھے کاموں کے اثرات محدود و مقامات پر اور محدود وقت تک ہی محسوس ہوتے ہیں جب کہ موجد' چاہے اس نے کوئی بہت بڑی ایجاد نہ کی ہو کے کام کا اثر ہر جگہ اور ہر زمانے میں محسوس ہوتا ہے۔

تاہم سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر کوئی شخص کوئی خاص شئے ایجاد کرنے کے بجائے' چاہے وہ کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو فطرت میں شمع روشن کرنے میں کامیاب ہوتا ہے --- یعنی اس شمع جو ہمارے موجودہ علم کے کناروں کو روشن کرتی ہے اور یوں علم کے دائرے کو وسیع تر کرتی ہے اور کائنات کے بھیدوں کو آشکار کرتی ہے تو (میرے خیال میں) وہ شخص تمام نسل انسانی کا محسن ہے وہ کائنات پر انسان کی حکمرانی کو پھیلانے والا۔" آزادی کا محافظ اور ضروریات کا فاتح ہے۔"

بیکن کے بارے میں بجا طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے سائنس کو نیا رخ عطا کیا اور جس نے یقینی طور پر ایک بار پھر سائنس کا تعلق مادی صنعت کی ترقی سے جوڑ دیا۔

تجربیت پسندی کی طرف اپنے میلان کے باعث بیکن ناگزیر طور پر فطرت میں پہلے سے متعین شدہ تمام نظاموں کا مخالف تھا۔ اس کو یقین تھا کہ اگر اچھی طرح منظم اور باوسیلہ تحقیق کاروں کا ایک گروہ موجود ہو تو پھر حقائق لازماً" صداقت کی یافت پر منتج ہوں گے۔ دوسری طرف ڈیکارٹ کا طریق مدرسوں کے طریقہ کار ہی کا براہ راست تسلسل تھا۔ اہم فرق یہ تھا کہ ڈیکارٹ ان کے نظام کے بجائے اپنے نظام کو رائج کرنا چاہتا تھا۔ اس معاملے میں وہ اسی انفرادی تکبر کا حامل تھا جو نشاۃ ثانیہ کے عظیم نجات دہندہ اوصاف میں سے ایک تھا۔ یہ وہی تکبر تھا جس کا اظہار عظیم جہاز رانوں میں نیز مقتدرہ کے خلاف آواز بلند کرنے میں ہوا تھا اور جو جاگیرداری عہد کے خاتمے اور انفرادی مہم جوئی کے عہد کے آغاز کا وصف تھا۔

لاشعوری طور پر بیکن کے نظام میں وہ بہت کچھ شامل ہوگیا تھا جس کو وہ رد کرنا چاہتا تھا۔ استخراجی منطق اور بدیہی مقدمات پر پہلے جیسا اصرار بیکن کے نظام میں بھی ملتا ہے۔ تاہم اس سے آغاز کرتے ہوئے بیکن نے ریاضی کو استعمال کیا تھا جس کا وہ ماہر تھا۔ ریاضی کے استعمال کے بل بوتے پر بیکن ایسے نتائج تک پہنچ گیا جو اس کے قرون وسطی یا کلاسیکی عہد کے پیش روؤں کی پہنچ سے بہت دور تھے۔ اس کا ریاضیاتی اضافہ مربوط جیومیٹری کا استعمال تھا جس کے حوالے سے اسے اپنے پیش روؤں پر برتری حاصل ہوگئی۔

قدیم فلسفے پر حملے کے معاملے میں بیکن جس قدر جرات مند تھا' اسی قدر محتاط بھی تھا۔ وہ منظم مذہب کے ساتھ براہ راست تصادم کی کوئی خواہش نہ رکھتا تھا --- یعنی اس قسم کے تصادم کی خواہش جس کی بناء پر کیتھولک روم میں برونو کی مذمت کی گئی تھی اور اسے زندہ جلا دیا گیا

نیز کانونٹ جنیوا میں سرویٹس کو اذیت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ تصادم کے بجائے وہ سمجھوتے کی طرف میلان رکھتا تھا۔ اس ضمن میں اس نے ایک انوکھا طریقہ اختیار کیا جس نے ایک ایسی قیمت پر صدیوں تک سائنس کو ممکن بنا دیا جس کا احساس اب ہمیں ہونے ہی لگا ہے۔

بنیادی اور ثانوی صفات : اپنے کسی پیش رو کے مقابلے میں ڈیکارٹ نے زیادہ صراحت کے ساتھ کائنات کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ اس کا ایک حصہ طبعی اور دوسرا اخلاقی قرار پایا۔ دوسرے فلسفہ' جن میں قرون وسطی کے عرب حکما اور راجر بیکن سمیت دوسرے فلسفی نیز خود فرانس بیکن شامل تھے' اس علم کی تخصیص کرچکے تھے جو ایمان یا وحی سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ تاہم یہ تقسیم عارضی تھی اور اس پر یہ اعتراض وارد ہوسکتا تھا کہ خدا غیر معقول ہے۔ ڈیکارٹ کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس تقسیم کو فلسفے کا مسلم اور معقول جز بنادیا۔ یہ تقسیم حسی بے کی بیکن کے ہاتھوں پہلے میکانیات میں اور بعد ازاں جیومیٹری میں تحلیل کا منطقی نتیجہ تھی۔ ٹیو کی طرح وہ بھی توسیع اور حرکت کو' بنیادی' کی حیثیت سے تسلیم کرتا تھا۔ وجود کے دیگر پہلو مثلاً رنگ' ذائقہ کو ثانوی صفات کا عنوان دیا گیا۔ ان حدود سے باہر ایسا علاقہ تھا جو طبیعات کی رسائی سے اور بھی دور تھا۔ یہ جذبات' عزم محبت اور ایمان کا علاقہ تھا۔ ڈیکارٹ کے نزدیک سائنس کا زیادہ تر سروکار پہلی قسم سے یعنی قابل پیمائش اشیاء سے ہے اور کسی قدر دوسری قسم سے۔ جہاں تک تیسری قسم کا تعلق ہے وہ سائنس کے دائرے سے خارج ہے اس کا تعلق وحی و الہام کی قلمرو سے ہے۔ ڈیکارٹ کے خیال میں تمام جانور' جن میں انسان بھی شامل ہیں بجائے خود محض مشینیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ طبعی اصولوں کے مطابق اپنے ہاتھ پاؤں استعمال کرنے والے انسان اور اس عقلی روح و عزم میں کوئی نہ کوئی ربط ہونا چاہئے جو انسان میں وجود رکھتے ہیں۔ ڈیکارٹ سادہ لوح مگر بظاہر بہت سنجیدہ تجویز پیش کی کہ یہ ربط کھوپڑی کی چولی پر موجود ایک چھوٹے سے غدود کے ذریعے قائم ہوسکتا ہے۔

مذہب اور سائنس کی علیحدگی : ڈیکارٹ کی تقسیم کا اثر یہ ہوا ہے کہ سائنس دان اس وقت تک مذہب کی مداخلت سے آزاد ہوکر اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں جب تک وہ مذہبی دائرے میں مداخلت نہیں کرتے۔ بلاشبہ اس قسم کی مداخلت سے گریز کرنا بہت مشکل رہا ہے۔ تاہم اس تقسیم نے ایسے سائنس دانوں کو پیدا کیا ہے جو ایسے حلقوں میں داخل ہونے سے گریز کرتے ہیں جہاں انہیں مذہبی یا سیاسی قسم کے جھگڑوں میں ملوث ہونے کا خدشہ ہے۔ ایک حد تک تو خود ڈیکارٹ نے بھی لازماً" ایسا ہی کیا ہوگا۔ چنانچہ ایک قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ اپنی کتاب "دنیا کے نظام" مکمل کرچکا تھا تو اس نے گلیلیو کے مقدمے کی خبر سنی' تب اس نے محسوس کیا کہ اس طرح کام نہیں چلے گا۔ چرچ نے پہلے ہی یہ طے کرلیا تھا کہ ایمان کی سچائیوں کی حفاظت کے لئے ارسطا طالیسی اور تھامسی نظام ضروری تھا۔ لہٰذا وہ کسی ایسے نظام کو برداشت کرنے پر تیار نہ تھا جو اسے مشتبہ بنا دے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈیکارٹ نے یہ بھی ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ قدیم فلسفوں کی طرح اس کا فکری نظام بھی خدا کے وجود کو ثابت کرسکتا ہے۔ اپنی مشہور پہلی استخراج --- میں سوچتا ہوں اس لئے میں ہوں --- سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ چونکہ تمام لوگ اپنے سے زیادہ کامل کسی شئے کا تصور کرسکتے ہیں اس لئے کسی کامل وجود کا ہونا لازم ہے۔ ڈیکارٹ کے فکری نظام کی کسی دینیاتی حملے سے اس قدر حفاظت کی

گئی تھی کہ یونیورسٹیوں کے احتجاج کے باوجود اس کی اپنی زندگی میں اور بعد کی ایک صدی تک اسے سب سے زیادہ کیتھولک ملک یعنی فرانس میں قبول کرلیا گیا تھا۔

تاہم بہت ریاضیاتی اور مشاہداتی مشمولے کے باوجود ڈیکارٹ کا فکری نظام بنیادی طور پر ایک شاندار نظم یا اس بارے میں قصہ کہانی کی حیثیت رکھتا ہے کہ جدید سائنس کیا کچھ ہوسکتی تھی۔ یہ بات بیک وقت اس کی کشش تھی اور اس کا خطرہ بھی۔ وہ تجربے پر مبنی نتائج اور ان نتائج کا ملغوبہ تھا جو ایسے اول اصولوں سے استخراج کئے گئے تھے جن کو ڈیکارٹ کے مشہور منہاج کے مطابق، محض اپنی وضاحت کی بناء پر منتخب کیا گیا تھا۔ تب سے وضاحت کی جستجو فرانسیسی سائنس کی خوبی چلی آرہی ہے اور اس کی حد بھی۔

ایک حد تک ڈیکارٹ کو خود بھی احساس تھا کہ فلسفے میں کسی ایک فرد کی مہم جوئی محدود ہی رہتی ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ دنیا کے نظام کی مناسب تشکیل بہت سے ذہنوں کے تعاون کی طلب گار ہوگی۔ ایک جگہ ڈیکارٹ اپنے نتائج کی اشاعت کا جواز پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"انہوں نے مجھ پر واضح کیا ہے کہ ایسے علم تک رسائی ممکن ہے جو زندگی کے لئے فائدہ مند ہو۔ اور یہ کہ مدرسوں میں پڑھائے جانے والے اس قیاسی فلسفے کے بجائے ہم ایسا عملی فلسفہ تلاش کرسکتے ہیں جس کے ذریعے آگ، ہوا، پانی، ستاروں، آسمانوں اور اپنے گردو پیش کے دیگر اجسام و اشیاء کی قوت و عمل کا علم اس طرح واضح طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے جس طرح ہم اپنے دستکاروں کے مختلف پیشوں کو جانتے ہیں۔ پھر ان سے وہ تمام کام لے سکتے ہیں۔ جس کے لئے وہ مناسب ہیں۔ یوں ہم فطرت پر غلبہ حاصل کرسکتے ہیں اور اس کے آقا بن سکتے ہیں۔ یہ کام نہ صرف ان تمام تدبیروں کی ایجاد کے لئے پسندیدہ ہے جن کے ذریعے ہم کسی تکلیف کے بغیر زمین کے تمام پھل کھا سکتے ہیں ---- بلکہ زیادہ تر صحت کی نگہداشت کے لئے بھی پسندیدہ ہے"

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ حتمی مقصد کے حوالے سے ڈیکارٹ کا نقطہ نظر بیکن سے زیادہ مختلف نہیں۔ بیکن کا وہ بہت مداح بھی تھا۔ دونوں نے تجرباتی سائنس کو مہذب حلقوں میں وہی مقام دلا دیا جو ادب کے مقام جیسا تھا۔ ان کے زمانے سے مدرسی فلسفے کے بجائے نیا فطری فلسفہ دلچسپی اور بحث و مباحثہ کا مرکز بن گیا۔ درحقیقت لگ بھگ مزید دو صدیاں بعد اس نے انگلستان کی یونیورسٹیوں میں اپنی جگہ بنائی تھی۔

اس فطری سائنس اور اس کے اولین ثمرات کے لئے اب وقت سازگار ہوگیا تھا۔ 1650ء سے 1690ء کے آئندہ دور میں وہ عظیم تشکیل، جن کا خواب بیکن نے دیکھا تھا، معرض وجود میں آنے والی تھی۔

☆ باب 27

آئزک نیوٹن--- کشش ثقل کا قانون

(NEWTON - LAQ OF UNIVERSAL GRAVITATION)

نیوٹن 241ء میں پیدا ہوا تھا۔ اسی برس گلیلیو کا انتقال ہوا تھا۔ اگرچہ اس کا تعلق رائل سوسائٹی کے فیلوز کے جواں تر نسل سے تھا' تاہم وہ ریاضی اور بصریات کے شعبوں میں اپنی تحقیقات کے حوالے سے شہرت حاصل کرچکا تھا۔ نیوٹن کا تعلق اس نئے دیہی متوسط طبقے سے تھا جو پہلے ہی کراموِیل اور پارلیمانی حکام پیدا کرچکا تھا۔ نیوٹن کا تعلق اس نئے دیہی متوسط طبقے سے تھا جو پہلے ہی کراموِیل اور پارلیمانی حکام پیدا کرچکا تھا۔ وہ لنکن شائر کے ایک چھوٹے کسان کے گھر اس کی وفات کے بعد پیدا ہوا تھا۔ تاہم اس کے خاندان کے رابطے اس قدر ضرور تھے کہ نیوٹن کیمبرج میں تعلیم حاصل کرسکے۔ یہاں اس نے کسی خاص امتیاز کے بغیر تعلیم حاصل کی۔ یہیں 1663ء میں اس کی ملاقات ریاضی کے نئے لوکاسین پروفیسر آئزک باورِ (1630ء - 1677ء) سے ہوئی جو نہ صرف پڑھا لکھا تھا بلکہ اس نے بہت سی دنیا بھی دیکھی تھی۔ بارو نیوٹن کی صلاحیتوں سے متاثر تھا۔ اس نے 1669ء میں چھبیس برس کی عمر میں نیوٹن کو اپنی جگہ پروفیسر مقرر کروا دیا۔ حالانکہ اس زمانے میں نیوٹن نے کچھ بھی شائع نہ کروایا تھا اور کم ہی توجہ حاصل کی تھی۔ اپنی شہرت کے عروج تک نیوٹن کیمبرج میں رہا۔ 1696ء میں اسے وارڈن مقرر کردیا گیا اور بعد ازاں ماسٹر آف دی منٹ کے طور پر اس کی تقرری ہوئی۔ اس ملازمت سے اسے چار سو پونڈ سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ اس عہدے کے ملنے سے وہ اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب خیال کرتا تھا اور اپنے فرائض دیانت داری سے ادا کرتا تھا۔

کیمبرج میں نیوٹن بصریات' طبعیات کے بہت سے دیگر شعبوں' کیمسٹری' بائبل کی واقعہ نگاری اور ایک آریوسی قسم کی بدعتی الٰہیات پر کام کرتا تھا۔ لگتا ہے کہ یونیورسٹی پر اس کا اثر و رسوخ کم ہی تھا۔ اس نے کسی مدرسے کی بنیاد بھی نہیں رکھی۔ اسی زمانے میں وہ ہنری مور کی قیادت میں افلاطونیوں کے ایک بہت زیادہ مذہبی گروہ کے زیر اثر آیا۔ اس گروہ کے حوالے سے نیوٹن کے فلسفے میں افلاطونی عناصر داخل ہوئے اور نتیجے میں وہ جدید سائنس پر اثر انداز ہونے لگے۔ عمومی طور پر وہ اپنے طبقے کے نظریات سے متفق تھا' پارلیمنٹ میں کیمبرج یونیورسٹی کی نمائندگی کرتا تھا اور سیاست میں وہ سمجھوتہ بازیوں کی تائید کرتا تھا۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدا میں اس کے خیالات قابل احترام محسوس ہوئے۔ صرف بعد ازاں ہی ان خیالات کے انقلابی امکانات واضح ہوسکے تھے۔ شخصی اعتبار سے نیوٹن ایک بے حد عجیب و غریب شخصیت تھا۔ الگ تھلگ رہنا اس کی عادت تھی۔ اخفا کا رجحان رکھتا تھا۔ اس نے زندگی بھر شادی نہ کی۔ تثلیث کے بارے میں اپنے شبہات کے سبب اس نے پادری بننا بھی قبول نہ کیا تھا۔ نیوٹن کے پاس علم اس قدر تھا کہ وہ اپنے آپ پر بھی تنقید کرسکتا تھا۔ تاہم اسی بات نے اسے دوسرے لوگوں کی نکتہ چینی برداشت کرنے کی صلاحیت سے محروم کردیا تھا۔

کشش ثقل کی بحثوں میں نیوٹن کی عوامی شرکت بعد کی بات ہے۔ حال ہی میں دریافت ہونے والے مسودوں کے حوالے سے اب ہم جانتے ہیں کہ اس اس ضمن میں بعض قوانین 1665ء ہی میں دریافت کرلئے تھے۔ اسی طرح اس نے مرکز گریز قوت کا قانون ھیوگنز سے دس سال پہلے دریافت کرلیا تھا۔ حالانکہ اس قانون کو ھیوگنز ہی سے منسوب کیا جاتا رہا تھا۔ یہ بات ابھی تک راز ہے کہ نیوٹن نے اپنے نظریہ کشش کو لگ بھگ بیس برس تک شائع کیوں نہ ہونے دیا۔ وہ ہمیشہ تکمیل پرست رہا تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ چھوٹی موٹی خامیوں کی بناء پر اس نے اپنے نظریئے کی اشاعت کو پسند نہ کیا ہو۔ ہمارے اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ اس نے کسی سیارے کے مدار کی بیضوی نوعیت کا اندازہ لگانے کی صلاحیت کب حاصل کی تھی۔

جب اپنے دوست ھیلی کے سبب وہ ھوک کے ساتھ بحث و مباحثے میں شریک ہوا تو نیوٹن نے اپنے کام کو شائع بھی کیا۔ بلاشبہ یہ ایک عہد آفرین کام تھا۔ اس کی اہمیت اس حوالے سے تھی کہ نیوٹن نے طبعی اصولوں کو ان کیمیاتی قابل شمار نتائج میں تبدیل کرنے کا ریاضیاتی طریقہ تلاش کرلیا تھا جن کی مشاہدے کے ذریعے تصدیق ممکن تھی۔ اسی طرح' اس کے برعکس اس قسم کے مشاہدات سے طبعی اصولوں تک پہنچنے کا ریاضیاتی طریقہ بھی وجود میں آگیا۔

اپنی شہرہ آفاق کتاب "پرنسپیا" کے دیباچے میں نیوٹن نے لکھا تھا:

"میں اس کتاب کو فلسفے کے ریاضیاتی اصولوں کے طور پر پیش کرتا ہوں کیونکہ فلسفے کا تمام تر بوجھ اسی پر مشتمل دکھائی دیتا ہے --- حرکات کے مظاہر سے لے کر فطرت کی قوتوں کی حقیقت تک اور پھر ان قوتوں سے دیگر مظاہر کی وضاحت تک --- میری خواہش ہے کہ ہم فطرت کے دیگر مظاہر کو میکانکی اصولوں سے اسی قسم کے استدلال کے ذریعے اخذ کرسکیں۔ کیونکہ کئی اسباب نے مجھے یہ شبہ کرنے پر اکسایا ہے کہ وہ تمام ایسی قوتوں پر منحصر ہو سکتے ہیں جن کے ذریعے اجسام کے سالمیات' بعض اب تک نامعلوم وجوہ سے' یا تو ایک دوسرے کی طرف دھکیلے جاتے ہیں یا ایک دوسرے سے ہٹائے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ قوتیں نامعلوم ہیں' اس لئے فلسفی اب تک فطرت کی بے سود تلاش کرتے رہے ہیں۔ تاہم مجھے امید ہے کہ جو اصول یہاں بیان کئے گئے ہیں وہ یا تو اس یا اس سے بھی زیادہ درست فلسفے کے منہاج پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔

احصا صعاری : جس وسیلے کے ذریعے اس نے یہ کام سرانجام دیا وہ احصا صعاری یا جیسا کہ وہ خود اسے پکارتا تھا' حساب الجزیات کا طریقہ تھا (ایک مسلسل وظیفے کا ہموار بہاؤ۔) اس نے بابلی پیش رووں یوڈکس اور ارشمیدس سمیت ریاضی دانوں کی کئی نسلوں کے کام کی تکمیل کردی۔ فرسٹ اور ڈیکارٹ کی محنت کے ذریعے اٹھارھویں صدی میں اسے تیزی سے ترقی دی گئی۔ ہم اس کی جس صورت سے آشنا ہیں وہ اسے لبنز (1646ء - 1716ء) نے عطا کی تھی۔ یہ مسئلہ تلخ بحث و مباحثہ کا موضوع رہا ہے کہ آیا اس کا زیادہ کریڈٹ نیوٹن کو ملنا چاہئے یا لبنز کو۔ تاہم سائنس کی پیش رفت کے نقطہ نظر سے یہ مسئلہ زیادہ اہم نہیں۔ جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ نیوٹن نے اپنے احصا کو طبعیات کے اہم مسائل حل کرنے کی خاطر استعمال کیا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنا سکھایا۔

اس کے استعمال سے کسی وقت پر بھی کسی شے کی پوزیشن کو اس کی رفتار یا کسی اور وقت پر رفتار میں تبدیلی کی شرح کے درمیان اضافتوں کے علم سے دریافت کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے

لفظوں میں یوں کہئے کہ جب قانون فطرت معلوم ہو تو راہ کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس کا اطلاق معکوس کیا جائے تو نیوٹن کا کشش قوت کا قانون کیپلر کے قانون حرکت سے براہ راست اخذ ہوتا ہے۔ ریاضیاتی اعتبار سے یہ دونوں قوانین ایک ہی شے کو بیان کرنے کے دو مختلف طریقے ہیں۔ لیکن حرکت سماوی کے قوانین تجریدی ہیں' جب کہ ایک ایسے سیارے کا تصور قابل گرفت تمثالچہ ہے جسے کسی طاقتور کشش نے اپنی راہ پر جما رکھا ہو' چاہے قوت کشش خود ایک سربستہ بھید ہی رہے۔

نیوٹن نے جس انداز سے احصا کو ترقی دی تھی' اس کے حوالے سے بہت سی قسم کے میکانکی اور ہائیڈروڈائنامک مسائل حل کرنے کے لئے اسے استعمال کیا جاسکتا تھا اور اس مقصد کے لئے نیوٹن نے اسے استعمال کیا بھی تھا۔ فوراً ہی وہ متغیروں اور حرکت کے جملہ فہم کا رضایاتی آلہ بن گئی۔ اس طرح وہ جملہ میکانکی انجینئرنگ کا وسیلہ بھی بن گئی۔ رواں صدی کے خاصے حصے تک کم و بیش بلا شرکت غیرے اس کی یہ حیثیت برقرار رہی۔ ایک بہت ہی حقیقی مفہوم میں وہ نئی سائنس کا اسی قدر آلہ تھی جس قدر دوربین ہے۔

پرنسپیا : یہ کتاب نیوٹن کا شاہکار ہے۔ وہ رائل سوسائٹی کے لئے طبع ہوتی تھی اور اس پر اس سوسائٹی کے صدر کی مہر بھی درج ہے' جو کہ اس زمانے میں سیموئیل پیپز تھا اور یہ بات کسی قدر حیرت انگیز ہی ہے۔ خیر اس وقت رائل سوسائٹی بہت سی مالی مشکلات کا شکار تھی۔ چنانچہ اس کتاب کی طباعت کے لئے نیوٹن کے دوست ہیلی نے اخراجات برداشت کئے تھے۔ طبعی استدلال کی مسلسل پیش رفت کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ کتاب سائنس کی پوری تاریخ میں لاثانی ہے۔ ریاضیاتی حوالے سے اس کا مقابلہ صرف اقلیدس کی کتاب "اولیات" سے کیا جاسکتا ہے جب کہ طبعیاتی بصیرت اور خیالات پر اس کے اثر و رسوخ کے حوالے سے اس کا موازنہ صرف ڈارون کی کتاب Origin of Species سے ہوسکتا ہے۔ جلد ہی یہ جدید سائنس کا مقدس صحیفہ بن گئی۔ نظریے کے وسیلہ کے طور پر ایسا نہ ہوا تھا --- اگرچہ خاص طور پر انگلستان میں اس امر کا خدشہ موجود تھا --- بلکہ اس میں پیش کئے جانے والے طریقوں کی مزید توسیع کے حوالے سے۔

اپنی اس کتاب میں نیوٹن نے سیاروں کی حرکت کے قوانین کو ثابت کرنے کے سوا اور بھی بہت کچھ پیش کیا تھا۔ یقیناً" اس کا عظیم مقصد یہ تھا کہ اس امر کی وضاحت کی جائے کہ عالمگیر کشش کو نگر دنیا کے نظام کے برقرار رکھے ہوئے ہے۔ تاہم وہ یہ کام پرانے فلسفیانہ انداز کے بجائے نئے' کمیاتی اور طبیعیاتی طریقے سے سرانجام دینا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں اسے مزید دو کام بھی کرنے تھے۔ ایک تو یہ کہ دیگر نئے اور پرانے فلسفیانہ تصورات کو مسترد کرتا اور دوسرے اپنے نظام کو نہ صرف درست بلکہ صحیح ترین نظام کے طور پر ثابت کرتا اس کتاب کا کافی حصہ اس زمانے کے اس مقبول نظام کی تردید پر مشتمل ہے جس کے زیر اثر خود نیوٹن بھی رہ چکا تھا۔ یہ نظام ڈیکارٹ کا تھا۔

نیوٹن ارسطو کی جگہ لیتا ہے : نیوٹن کا نظریہ کشش اور فلکیات کے شعبے میں اس کی کامیابیاں ارسطو کے جہانی مرقع میں تبدیلی کے آخری مرحلے کی نشاندہی کرتی ہیں۔ تبدیلی کا یہ عمل کوپر نیکس نے شروع کیا تھا۔ اب سیاروں کی حرکت کی وضاحت کے لئے علت اول یا خدا

کے حکم سے فرشتوں کی مداخلت کی ضرورت نہ رہی تھی۔ نیوٹن نے ایک سادہ فطری قانون سے اس حرکت کی توجیہ کر دی تھی۔ اب اس حرکت کے لئے قوت کے مسلسل استعمال کی ضرورت بھی نہ رہی تھی۔ خدائی مداخلت کی ضرورت بھی تخلیق کرنے اور حرکت دینے کے لئے ہی رہ گئی تھی۔

خود نیوٹن بھی اس معاملے میں زیادہ پر اعتماد نہ تھا۔ چنانچہ اس نے نظام کے استحکام کو برقرار رکھنے کی خاطر خدائی مداخلت کے لئے ایک دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ تاہم لیپلیز نے یہ دروازہ بند کردیا۔ یوں خدائی مداخلت ختم کردی گئی۔ نیوٹن نے جو حل پیش کیا تھا وہ چاند اور ستاروں کی پوزیشن کے بارے میں عملی پیش گوئی سے متعلقہ تمام لوازمات کو شامل حال رکھتا ہے۔ تاہم وہ کسی خدائی منصوبے کے وجود کے بارے میں کوئی بنیادی سوال نہیں اٹھاتا۔ حرکت مطلق سے متعلق وہ اپنے افلاطونی دوستوں کے زیر اثر اس عجیب و غریب نظریئے تک پہنچا کہ مکان (Space) خدا کی آگاہی یا دماغ ہے' لہٰذا اسے لازماً" مطلق ہونا چاہئے۔

اس زمانے تک نشاۃ ثانیہ اور تحریک اصلاح کا تخریبی مرحلہ مکمل ہوچکا تھا۔ اب مذہب اور سائنس میں اسی طرح ایک نئے سمجھوتے کی ضرورت تھی جس طرح شہنشاہیت اور جمہوریت کے درمیان نیز بالائی بورژوازی اور امراء کے درمیان سمجھوتہ درکار تھا۔ نیوٹن نے کائنات کا جو نظام پیش کیا تھا اس میں مذہبی قدامت پسندوں کو کافی رعایت دی گئی تھی کیونکہ اس نظام کے تحت کسی سماوی یا اراضی واقعہ میں خدا کے ملوث ہونے کے لئے کوئی جگہ نہ رہنے دی گئی تھی' لیکن کائنات کی تخلیق اور تنظیم کاری کو خدا ہی سے منسوب کیا گیا تھا۔ کہہ لیجئے کہ نیوٹن کے نظام میں درحقیقت خدا کو ایک آئینی بادشاہ کی حیثیت عطا کی گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تھا کہ سائنس دان مذہب کے خاص حلقے میں مداخلت کرنے سے گریز کرنے لگتے تھے۔ مذہب اور سائنس میں یہ سمجھوتہ بازی یا یوں کہئے کہ پرامن بقائے باہمی کا یہ نظام اس وقت تک برقرار رہا جب تک انیسویں صدی میں ڈارون نے اسے الٹ پلٹ دیا۔

آج کی طرح اس زمانے میں بھی عالمگیر کشش کے نظام کو نیوٹن کی عظیم ترین کامیابی خیال کیا جاتا تھا۔ تاہم سائنس اور اس سے باہر بھی نیوٹن کا زیادہ تر اثر و رسوخ ان طریقوں کے حوالے سے ہے۔ جس نے اپنے نتائج حاصل کرنے کی خاطر استعمال کئے تھے۔ اس نے ایسی ریاضیاتی کلید مہیا کی جو آنے والی دو صدیوں تک طبیعاتی مسائل حل کرنے میں مدد دینے والی تھی۔ اپنے قوانین حرکت کو پیش کرکے جو قوت کو خود حرکت کے بجائے حرکت میں تبدیلی سے منسلک کرتے تھے' نیوٹن نے یقینی طور پر قدیم اور فہم عامہ کے اس تصور کو ختم کردیا کہ حرکت کو برقرار رکھنے کی خاطر قوت درکار ہوتی ہے۔ مختصراً" یوں کہیے کہ نیوٹن نے کائنات کے جامد نظریے کی جگہ' جس نے قدما کی تسکین کردی تھی' ہمیشہ کے لئے کائنات کے حرکی تصور کو قائم کردیا۔ یہ تبدیلی اور اس کا سالمیاتی نظریہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ نیوٹن اپنے عہد کی اس معاشی اور سماجی دنیا سے لاشعوری طور پر ہم آہنگ تھا جس میں انفرادی مہم جوئی اواخر کلاسیکی اور جاگیرداری عہد کے وراثتی نظام کی جگہ لے رہی تھی جس میں ہر شخص کا مقام پہلے سے طے شدہ تھا۔

ان حقیقی کامیابیوں سے قطع نظر نیوٹن کے کام نے ایک ایسا قابل اعتماد طریقہ مہیا کردیا۔ جس کو بعد میں زمانوں کے سائنس دان اعتماد کے ساتھ استعمال کرسکتے تھے۔ مزید براں نیوٹن کے

کام نے سائنس دانوں اور غیر سائنس دانوں کو از سر نو یہ یقین دہانی کروا دی کہ کائنات کا عمل سادہ ریاضیاتی قوانین کے حوالے سے چل رہا ہے۔ چنانچہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ بجلی اور کشش کے قوانین نیوٹنی نمونے پر مرتب کئے گئے تھے جب کہ کیمیا دانوں کا ایٹمی نظریہ نیوٹن کے ایٹمی قیاسات کا براہ راست نتیجہ تھا۔

نیوٹن کی نیک نامی اور اثر و رسوخ : یہاں یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نیوٹن کی کامیابیوں کے دوش بدوش کچھ نقصانات بھی ہوئے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس کی صلاحیتیں اس قدر عظیم الشان تھیں اور اس کا نظام بظاہر اس قدر کامل دکھائی دیتا تھا کہ ان کے حوالے سے آئندہ صدی میں سائنسی پیش رفت کی حوصلہ شکنی ہوتی رہی۔ اگر کوئی پیش رفت ہوئی بھی تو صرف انہی شعبوں میں جن کی طرف نیوٹن نے کوئی توجہ نہ دی تھی۔ برطانوی ریاضیات میں یہ رکاوٹ انیسویں صدی کے وسط تک باقی رہنے والی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ نیوٹن کا اثر و رسوخ اس کے نظام سے بھی زیادہ پائیدار ثابت ہوا۔ اس نے سائنس کو جو لب و لہجہ دیا اسے اس طرح یقینی تسلیم کرلیا گیا کہ اس کی خامیوں کا احساس بھی آئن سٹائن کے زمانے تک نہ ہوسکا۔ شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اب بھی ان کا بھرپور احساس نہیں کیا گیا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ نیوٹن کی خواہش تو یہ تھی کہ فلسفے کو اس کے ریاضیاتی اظہار تک محدود کر دیا جائے لیکن اس کے خیالات کا سب سے زیادہ فوری اثر معاشیات اور سیاسی شعبے پر ہوا۔ جونہی یہ خیالات نیوٹن کے دوست لاک اور اس کے جانشین ہیوم کے فلسفے کے حوالے سے منظر عام پر آئے تو انہوں نے اتھارٹی کے بارے میں عمومی شبہات کو جنم دیا، جس نے مذہب اور معاشرے کے مذہبی نظام کے احترام کو کم کردیا۔ فرانسیسی زبان میں ان خیالات کو سب سے پہلے والٹیئر نے متعارف کروایا۔ اس طرح یہ خیالات روشن خیالی اور اس کے حوالے سے انقلاب فرانس کی طرف پیش رفت کا سبب بنے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نیوٹن کے خیالات ابھی تک بورژوالبرل ازم کی فلسفیانہ اساس ہیں۔

☆ باب 28

گلیلیو ـــــ سائنسی انقلاب

(GALILEO - THE SCIENTIFIC REVOLUTION)

گلیلیو تمام عمر یونانی سائنس کا مطالعہ کرتا رہا' یونانی فلسفیوں کے برائے نام سائنسی نظریات کو جھٹلاتا رہا اور ایک نئی سائنس کی عمارت تیار کرتا رہا جس کی بنیادیں مشاہدے اور تجربات پر تھیں۔ اس کا سن پیدائش 1554ء ہے اور سن وفات 1642ء ہے۔ پیدا تو وہ شیکسپیر کے ساتھ ہوا اور مرا اس وقت جب نیوٹن پیدا ہوا۔ چھوٹی عمر میں ہی گلیلیو کو ریاضیات اور طبیعیات سے لگاؤ تھا اور اس نے تقریباً" ساری زندگی۔ سائنس کی خدمت میں گزار دی۔ اگر اسے دنیا کا پہلا شخص کہیں جس کا پیشہ ہی سائنس تھا تو غلط نہ ہوگا۔ اپنا اپریٹس وہ خود بناتا تھا' لینز (Lens) وہ خود تراشتا تھا۔ اپنے مسائل کا حل ڈھونڈنے اور اپنے سوالات کے جواب تلاش کرنے میں نئی تراکیب سوچتا رہتا تھا۔ اس نے اپنی ساری دریافتیں شائع نہیں کی۔ اس لئے ان دریافتوں کو تاریخ وار بیان نہیں کیا جاسکتا البتہ ان کی صف بندی مضامین کے اعتبار سے ہوسکتی ہے۔

ارسطو کا نظریہ کائنات اس مفروضہ پر مبنی تھا کہ ہر شے حرکت میں ہے اور اپنے اصل مقام کی طرف لوٹتی ہے اور جس رفتار سے وہ لوٹتی ہے اس کا اندازہ اس کے وزن سے اور اس مزاحمت سے لگایا جاسکتا ہے' جو وہ ذریعہ (Medium) پیش کرتا ہے' جہاں سے وہ شے گزر رہی ہو۔ اور جو اشیا کسی اور طرح حرکت کرتی ہوں ان کو بھی کوئی شے حرکت میں رکھتی ہے۔ گلیلیو شروع سے ہی ان قوانین حرکت کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ سائمن سٹیون (Simon Stevin) پہلے ہی ارسطو کو گرتے ہوئے اجسام کے بارے میں نظریہ رد کرچکا تھا لیکن اغلب گمان ہے کہ گلیلیو کو اس کا علم نہ تھا۔ اس نے بھی غالباً" وہی تجربے کیے جو سائمن سٹیون نے کیے ہوں گے۔ لیکن کہیں اس کا ریکارڈ نہیں ملتا۔ گلیلیو نے کئی بار مختلف اوزان کو اونچی جگہوں سے گرایا اور دیکھا کہ اگر اونچائی زیادہ ہو تو دونوں وزن ایک ہی وقت پر زمین پر نہیں گرتے۔ اس نے دیکھا کہ دس پاؤنڈ اور ایک پاؤنڈ کو اگر گرایا جائے تو ان کی رفتار (Velocity) میں دس' ایک کا فرق نہیں ہوگا بلکہ دس' نو ہوگا۔

گلیلیو نے اس پر بس نہیں کیا بلکہ آگے بڑھا کیونکہ وہ ٹھیک ٹھیک معلوم کرنا چاہتا تھا کہ گرتے ہوئے اجسام دراصل کیسے حرکت کرتے ہیں۔ ارسطو نے اسراع (Acceleration) کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ البتہ دور وسطی کے دو فلسفیوں کا کہنا ہے کہ گرتے اجسام کا بھاری پن ان کے اسراع کو متاثر کرے گا۔ اس لیے گرتی ہوئی شے کو تیز سے تیز تر کرنا چاہیے۔ اس طرح انہوں نے قانون حرکت وضع کرلیا لیکن وہ اسے ٹسٹ نہیں کرسکتے تھے کیونکہ وہ تو صرف دلائل کے زور سے کسی چیز کو ثابت یا رد کرتے تھے اس لیے مشاہدے یا تجربے کی اہمیت سے واقف نہ تھے۔

گلیلیو نے گرتے ہوئے اجسام کی اسراع کا مشاہدہ کرنا چاہا لیکن اس کی ترکیب کیا ہوگی۔

اس لیے اس زمانے میں کوئی سٹاپ (Stop) گھڑیاں نہ تھیں اور نہ کوئی وقت نگار (Chronographs) اس وقت تو صرف تاروں کے کلاک ہوتے تھے جس میں منٹوں تک کی سوئی نہیں ہوتی تھی لہٰذا بجائے اس کے کہ کسی دھات کے بنے ہوئے گیند کو قلعہ سے گرانے اور اس کی رفتار ناپنے کے لئے اس نے دھات کے بنے ہوئے گیندوں کو ڈھلان سے لڑھکایا۔ اس نے دیکھا اگر ڈھلان کو بڑھا دیا جائے حتی کہ وہ عمودی ہو جائے' تو لڑھکن گراؤ کے مساوی ہو جاتی ہے۔ اس لیے ڈھلان سے لڑھکتے ہوئے گیندوں کی رفتار ناپنے کے لئے اس نے اپریٹس بنایا۔ جو یہ تھا۔ اس نے ایک شہتیر بائیس فٹ لمبا لیا۔ اس میں ایک نالی بنائی جس میں سے پیتل کا گیند لڑھک سکے۔ اب سوال یہ تھا کہ ٹھیک وقت کا کیسے پتہ چلے۔ اس مطلب کے لئے اس نے پرانی مصری آبی گھڑی بنائی۔ ایک بالٹی لی جس میں سوراخ تھا۔ اس نے پانی کا وزن کیا جب کہ گیند لڑھک رہا تھا۔ اس نے وہ وقت دیکھا جو گیند کو تمام شہتیر سے گزرنے میں لگتا تھا اور پھر وہ وقت جو اس کے بعض حصے طے کرنے میں لگا۔ اس نے دیکھا کہ چوتھائی فاصلہ طے کرنے میں گیند کو ادھا وقت لگا۔ کئی تجربوں سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ گیند جو فاصلہ طے کرتا ہے وہ اس وقت کے مربع کے برابر ہوتا ہے جو وہ فاصلہ طے کرنے میں لگاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں فاصلہ + وقت کا فارمولا ہر ڈھلان کے لئے صحیح ہے۔ یہ کسر تبھی درست ہوگی اگر گیند جس وقت ڈھلان سے گر رہا ہو' اس کی اسراع (Velocity) میں کوئی فرق نہ آیا ہو۔

اس طرح گلیلیو نے ثابت کیا کہ بھاری اجسام کی نیچرل حرکت کے بارے میں ارسطو کا نظریہ غلط ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ارسطو کا شدید (Violent) حرکت کا نظریہ کہاں تک ٹھیک ہے۔ ارسطو کا خیال تھا کہ جب کوئی شخص تیر چھوڑتا ہے یا پتھر پھینکتا ہے تو کوئی چیز اسے حرکت میں رکھتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ جس ہوا کو آگے سے دھکیلا جاتا ہے وہی پیچھے آکر تیر کو آگے دھکیلتی ہے۔ اس کے لئے فیصلہ کن تجربہ تو کسی جسم کو خلا (Vacuum) میں پھینکنے سے ہوگا۔ کیونکہ ارسطو کا کہنا ہے کہ خلا میں کسی شے کو افقاً" پھینکا نہیں جاسکتا۔ اس لیے کہ کوئی چیز اس کو حرکت میں رکھنے کے لئے موجود نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں نہ تو ارسطو کوئی تجربہ کرسکا اور نہ ہی گلیلیو کیونکہ ان کے زمانے میں کوئی شخص خلا پیدا نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ دور وسطی میں کئی فلسفی ارسطو سے اس بارے میں اختلاف رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تیر میں بذات خود کوئی خاصیت موجود ہے۔ جس کی وجہ سے وہ حرکت میں رہتا ہے اسے وہ قوت محرکہ (Impetus) کہتے تھے یہ جدید سائنس کے نظریہ جمود (Inertia) کے قریب ہے۔ گلیلیو کا خیال بھی ایسا ہی تھا وہ کہتا تھا کہ اگر متحرک شے کو کوئی چیز روکنے والی نہ ہو۔ تو وہ حرکت میں ہی رہے گی اس نے کہا فرض کیا کہ ایک بالکل صاف ڈھلان ہے۔ اس پر گیند پھینکے گا وہ ایک خاص اسراع سے لڑھکے گا گر راستے میں کوئی رکاوٹ آئے تو اسراع رک جائے گی۔ اس بات کو تجربہ سے ثابت کرنا کہ اگر کوئی رکاوٹ نہ ہو تو محرک شے متحرک ہی رہے گی۔ گلیلیو کے لئے ممکن نہ تھا۔ یہ تو صرف خیال ہی تھا۔

گلیلیو نے ابھی تک یہ ثابت کیا تھا کہ لڑھکتی ہوئی شے اسراع پکڑتی۔ اور اگر شے افقی چل رہی ہو تو اس کی رفتار یکساں رہے گی شرط یہ ہے کہ کوئی رکاوٹ راستے میں نہ آجائے۔ ان دونوں حقائق سے وہ ایک دیرینہ مسئلہ حل کرسکا۔ مسئلہ یہ تھا کہ Projectile کے منحنی (Curve) کا

تعین کیسے ہو۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ توپ کا گولہ پہلے تو سیدھا توپ سے نکلتا ہے پھر نیچے ہوتا ہے اور پھر بالکل گر جاتا ہے۔ لیونارڈو اس منحنی کہ تھوڑا سا بیان کرسکا تھا لیکن ریاضیاتی زبان میں اسے بیان کرنا اس کا روگ نہ تھا۔ گلیلیو کا کہنا ہے اگر مری افقی طور پر فاصلہ طے کر رہی تو ہر سیکنڈ ایک جیسا فاصلہ طے کرے گی۔ لیکن ہر سیکنڈ وہ نیچے بھی گر رہی ہوگی یہ گراؤ وقت کے مربع کے برابر ہوگا۔ یعنی 1 - 4 - 9 - 16 - 25 وغیرہ اس منحنی کو یونانی بھی جانتے تھے اور اسے قطع مکافی (Parabola) کہتے تھے۔

گلیلیو کہتا تھا کہ اس مطلب کے لئے ہوا کو دیکھنا چاہیے اور اگر ممکن ہو تو خلائی وزن نہیں ہوتا اور گلیلیو اسے جھٹلانے پر تلا ہوا تھا ائر پمپ (Air Pump) ابھی ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ پہلے ہوا سے بھرے ہوئے اور پھر ہوا سے خالی فلاسک کو تول نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے ایک اپریٹس وضع کیا۔ اس نے ایک بوتل لی جس پر چمڑے کا والو (Valve) اور ٹیوب لگی ہوئی تھی۔ اس میں اس نے پانی بھرا تاکہ ہوا دب جائے۔ اور بوتل کا وزن کرلیا۔ پھر اس نے والو کو دبایا تاکہ ہوا دب جائے۔ اور بوتل کا وزن کیا۔ اس نے دیکھا کہ جو ہوا بوتل سے خارج ہوئی اس کا حجم (Volume) مساوی تھا اس پانی کے جو داخل کیا گیا تھا۔ لہٰذا جو کمی وزن میں اس وقت واقع ہوئی جب دباؤ ہٹا دیا گیا وہ درحقیقت ہوا کا وزن دور ہونے کی وجہ سے تھی۔ اس تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ ہوا کا وزن ہوتا ہے۔

گلیلیو نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح خلا پیدا ہوجائے۔ اور کسی حد تک وہ اس سلسلہ میں کامیاب بھی ہوا۔ اس نے ایک سلنڈر لیا جسے پانی سے پورا بھر دیا گیا۔ پھر اس نے اس کا پسٹن کھول دیا۔ لیکن دنیا اس تجربہ سے قائل نہ ہوئی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے دوست اور شاگرد ٹورسلی (Torricelli) اس سلسلہ میں کامیاب ہوا۔ اس نے ایک ایک گز لمبی ٹیوب لی۔ اس کو پارہ سے بھرا اور اسے عموداً رکھا اس ٹیوب کا ایک منہ کھلا تھا جسے پارہ سے بھرے ہوئے کٹورے کے نیچے رکھا گیا۔ جو پارہ ٹیوب میں تھا وہ گرتا چلا گیا حتی کہ وہ تیس (30) انچ کٹورے کے پارے سے اوپر تھا۔ اگر ٹیوب کو جھکایا جائے تو پارہ اوپر تک آجاتا تھا۔ اور نالی کو بھر دیتا تھا۔ ٹیوب میں سوائے پارہ کے اور کچھ نہ تھا اور ٹیوب میں کچھ اور چیز داخل بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ لہٰذا جو جگہ پارے سے اوپر تھی اس میں کچھ نہیں تھا یعنی وہاں خلا تھا۔

اب سوال یہ تھا کہ پارے کو کون کسی شے اوپر اٹھاتی ہے۔ اور اٹھائے رکھتی ہے اس کا جواب تھا ہوا کا دباؤ۔ اسے ثابت کرنے کے لئے یہ اپریٹس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچایا گیا جہاں ہوا کم تھی۔ اب پارہ کوئی 27 انچ گر گیا۔ اس نے ثابت کر دیا کہ ہوا ہی پارہ کو اٹھاتی ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے تجربوں نے ثابت کردیا کہ خلا بھی ہے اور کرہ ہوائی کا دباؤ بھی ہے اسے پہلے کسی شخص نے دریافت نہیں کیا تھا۔

ٹیوب پر خلا کی صفات کا مطالعہ ممکن نہ تھا اس لیے جب آٹووان گریے (Von Gueriche Otto) نے ائر پمپ 1650ء میں بنالیا تو یہ بڑا کارنامہ تھا۔ پہلے اس نے کوشش کی کہ پیپے (Barrel) سے بذریعہ ائر پمپ ہوا خارج کر دے۔ لیکن پیپے کی پٹیوں سے ہوا داخل ہوگئی۔ اس لیے پیپے کی بجائے اس نے تانبے کا گلوب لیا لیکن یہ دھماکے سے پھٹ گیا۔ اس کے بعد اس نے ایک پمپ بنایا جو کامیاب ثابت ہوا۔

ہوا کا دباؤ ثابت کرنے کی غرض سے جو تجربہ اس نے کیا وہ بہت مشہور ہے اس نے دو کرسے کانسی کے بنوائے۔ ان کا قطر کوئی 18 انچ تھا اور وہ ایک دوسرے پر بالکل فٹ بیٹھتے تھے اور ایک گولہ سا بنا ڈالتے تھے۔ اس نے دونوں کو جوڑا اور پمپ سے ہوا خارج کردی پھر اٹھ گھوڑے ادھر اور اٹھ گھوڑے ادھر اس گولے کے جوت دیے گئے اور انہیں ہانک دیا گیا تاکہ وہ ان کرسیوں کو علیحدہ کر دیں لیکن ایسا نہ ہوسکا۔

اس پمپ کی مزید اصلاح رابرٹ بائل (Robert Boyle) نے کی۔ اب تمام سائنسدانوں کو خلا اور ہوا کے دباؤ سے واقفیت ہوگئی تھی اور اب وہ ان دونوں انکشافات سے سسٹم انجمن بنانے کو سوچ رہے تھے۔

گلیلیو نے ایک اور اہم دریافت کی۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر مقررہ لمبائی کا لٹکن لیا جائے تو وہ مقررہ وقت میں ایک جتنے جھولے لے گا خواہ اس کے جھولے کی وسعت کچھ ہی ہو۔ یہ چیز بالکل صحیح نہیں لیکن اتنی غلط بھی نہیں تھی اس لیے گھڑیوں میں لٹکن لگے اور وقت صحیح معلوم ہونے لگا۔ کہتے ہیں گلیلیو نے چرچ کی چھت سے لیمپ لٹکتے ہوئے دیکھا اور اس کے ادھر ادھر جھولنے کو ہاتھ کی نبض سے پیائش کی۔ اگرچہ یہ وقت ملانے کا اچھا طریقہ نہ تھا لیکن کام ضرور چل گیا۔ بعد میں گلیلیو نے وقت ملانے کے بہتر طریقے استعمال کیے۔ اس سے پتہ چلا کہ ہر جنبش کتنا وقت لیتی ہے۔ اور یہ بھی کہ وقت ایک جیسا لگتا ہے خواہ جنبش لمبی ہو یا چھوٹی۔ گلیلیو نے اس لٹکن کلاک کا ڈیزائن تیار کیا لیکن بنایا نہیں۔ اس کو بنانے والا کرسچین ہیوجنز (Huygens Christian) تھا۔ اس کا طریقہ مختلف تھا۔

گلیلیو پہلا شخص تھا جس نے تھرما میٹر سے ٹمپریچر کی تبدیلیاں نوٹ کیں۔ اس نے ایک شیشہ کی ٹیوب لی۔ ایک سرے پر بلب تھا جس میں ہوا بھری ہوئی تھی۔ دوسرا سرا خالی تھا اور پانی کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ گلیلیو نے اس تجربے کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا۔ یہ کام سٹوریو (Santorio) نے کیا۔ اس نے بھی گلیلیو جیسی چیز تیار کی۔ اس کا مقصد جسم کی گرمی ناپنا تھا۔ سٹوریو کے پاس کوئی چیز گرمی کا درجہ ناپنے کی نہیں تھی۔ اس نے گرمی کا درجہ پانی گرنے کی شرح سے ناپا اور پھر ہوا کے تھرما میٹر کے ساتھ یہ سکیل لگا دیا گیا۔ لیکن کام نہیں بنا کیونکہ ہوا کا ٹمپریچر اور اس کا دباؤ اس سکیل کو متاثر کرتے تھے اس لیے جب فرڈی نینڈ (Ferdinand) نے 1641ء میں ٹمپریچر ناپنے کے لئے ایک سر بمہر تھرما میٹر بنایا اور اس کے پانی کا پھیلاؤ اور سکڑنے سے ٹمپریچر کا اندازہ لگایا تو یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ یہ وہی تھرما میٹر ہے جو آج کل استعمال ہوتا ہے۔ ٹمپریچر کو ناپنا کوئی آسان کام نہ تھا اس کام پر برسوں لگے تب کہیں جا کر سٹینڈرڈ تھرما میٹر بنا۔ 1693ء میں جاکر سائنسدان اس میں کامیاب ہوئے کہ وہ یخ بستہ اور ابلتے پانی کے درمیان پانی کی حرارت کو مساوی درجوں میں تقسیم کرلیں۔ ایسے تھرما میٹر 1720ء میں رائج ہوئے۔

1609ء کے بعد گلیلیو کی دلچسپی کا مرکز فلکیات بن گئی یہی وجہ تھی کہ ایجادات کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ ایک لمبے عرصہ تک گلیلیو کوپر لیکس کے نظریہ فلکیات کو تسلیم کرتا رہا۔ اور ارسطو کے نظریہ حرکت کو رد کرتا رہا۔ اتفاقاً" اسے پتہ چلا کہ ایک ڈچ مین (Dutchman) نے لینز (Lense) سے ایسا آلہ بنایا ہے جس سے دور کی چیزیں نزدیک دکھائی دیتی ہیں۔ یہ اشارہ پاتے ہی اس نے فوراً" دوربین بنائی۔ اس سے نہ صرف چیزیں بڑی ہو جاتی تھیں بلکہ صاف بھی دکھائی

دیتی تھیں۔ یہ ایجاد جہاز رانی میں مفید ثابت ہوسکتی تھی لیکن گلیلیو نے اس کا رخ آسمانوں کی طرف کیا اور کئی مفید مشاہدے کیے۔

گلیلیو نے پہلے تو چاند دیکھا۔ ارسطو کے مطابق اسے بالکل ہموار اور جیومیٹری کی رو سے بالکل صحیح قسم کا کرہ ہونا چاہئے تھا۔ اور اس پر پانچواں عنصر ہونا چاہیے تھا جو زمین پر موجود نہیں۔ گلیلیو نے چاند کے روشن اور تاریک پہلو کی حد کا مطالعہ اس وقت کیا جبکہ وہ بالکل آدھا نہیں تھا۔ اس نے تاریک پہلو میں روشنی کی لکیریں اور دھبے دیکھے اور اس کے خیال میں یہ دھبے تو چاند کے پہاڑ تھے اور لکیریں وادیاں تھیں جن کے کناروں پر روشنی پڑ رہی تھی۔ چاند اور زمین کا موازنہ کرنے کے بعد اس نے قیاس کیا کہ چاند بھی زمین کی طرح ٹھوس ہوگا اور اس کے اجزاء بھی وہی ہوں گے جو زمین کے ہیں۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ چاند غالباً" ایک اور زمین ہے۔ اس سے لوگوں میں چاند کے بارے میں بڑی دلچسپی پیدا ہوئی۔

یہ دور بین اتنی طاقتور نہ تھی کہ اس سے دور دراز کے سیارے نظر آسکیں۔ لیکن جب اس نے دوربین کا رخ مشتری (Jupiter) سیارے کی طرف کیا تو اسے چار چھوٹے چھوٹے ستارے دکھائی دیئے جو ہمیشہ مشتری کے ساتھ رہتے تھے۔ لیکن ہر دوسری رات اپنا مقام بدلتے تھے۔ گلیلیو نے کہا کہ یہ ستارے مشتری کے گرد اسی طرح چکر لگاتے ہیں جیسے کوپر نیکس کے مطابق چھوٹے سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں نہ کہ سورج ان کے گرد گھومتا ہے۔

گلیلیو پہلا شخص ہے جس نے آفتاب کے داغ (Sunspots) دیکھے۔ یہ داغ کسی نقص کی علامت نہیں بلکہ صرف تغیرات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ خیال بھی ارسطو سے مختلف تھا۔ ارسطو کے مطابق اجرام فلکی پر کوئی چیز نہیں نہ تو پہاڑ نہ وادیاں۔

اس کے بعد گلیلیو نے ثابت کیا کہ زہرہ (Venus) سیارے کے چاند کی مانند مختلف پہلو ہیں۔ جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ چاند اور زمین کی طرح غیر شفاف (Opaque) ہے اور اس میں کوئی رومانی چمک نہیں۔ گلیلیو کہتا ہے کہ اگر زہرہ اور چاند زمین کی مانند ہیں تو کیوں نہ کوپر نیکس کا نظریہ مان لیں کہ زمین' زہرہ کی طرح ایک سیارہ ہے اور کوئی مرکزی حیثیت نہیں رکھتی۔ ان نتائج کو مسیحی دنیا تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی لہٰذا نئی سائنس کو ملحدانہ قرار دیا گیا گلیلیو پر مقدمہ چلایا گیا اور بطور سزا کے اسے زندگی کے باقی ماندہ سات سال گھر کی چار دیواری میں گزارنے پڑے۔ انہی سزاؤں کے ڈر سے فلکیات کا مرکز اب یورپ کے شمالی ممالک بن گئے جہاں پوپ کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا۔

ارسطو کی طرح گلیلیو کو یقین کامل تھا کہ اجرام فلکی گول دائرے میں حرکت کرتے ہیں لیکن اس وقت کوئی شخص اس قابل نہ تھا کہ وہ ان حقائق کی بناء پر سیاروں کی پوزیشن کے بارے میں پیش گوئی کرسکے۔ لیکن جب کیپلر (Kepler) نے ایک سیارہ کا راستہ معلوم کرلیا اور اس کے مختلف مقامات کے بارے میں پیش گوئی بھی کردی تو اب کوئی شبہ نہ رہا کہ سورج ہی نظام شمسی کا مرکز ہے۔ اس نے کہا کہ اگر کوپر نیکس نظام میں تھوڑی تبدیلی کرلی جائے اور سیاروں کا گول دائرے کی جائے بیضوی (Elliptical) مدار مان لیا جائے تو ان کی حرکات کا تعین ریاضیاتی طریقہ سے ہوسکتا ہے۔ کئی مشاہدوں اور تجربوں کے بعد کیپلر اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام سیارے بیضوی مدار میں گھومتے ہیں سورج ایک فوکس (Focus) پر رہتا ہے۔ تمام سیاروں کی رفتار

میں تبدیلی آتی ہے اس تبدیلی کی نوعیت یہ ہوگی کہ اگر ایک خط کھینچیں جو سیاروں کو سورج سے ملائے تو یہ خط تبدیلی کے وقت مساوی اوقات میں ایک جیسے بیضوی رقبہ (Ellipse) پیدا کرے گا۔ پھر اس نے یہ دریافت کیا کہ اگر کسی سیارے کے گردش کا وقت دگنا کر دیا جائے تو وہ اس کی سورج کی دوری کے مکعب کے متناسب ہوگا۔

ان مشاہدات اور نتائج کی موجودگی میں اب یہ تسلیم کرنے میں کوئی دقت باقی نہ رہ گئی تھی کہ زمین اور باقی سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلا کارنامہ کوپر نیکس کا تھا۔ دوسرا گلیلیو کا اور تیسرا کیپلر کا۔ چوتھا نیوٹن کا ہے۔ نیوٹن کا کہنا ہے کہ اگر اس کا اصول کشش ثقل (Law of Gravitation) مان لیا جائے جو ریاضیاتی زبان میں بیان کیا گیا ہے تو کیپلر کے تمام اصول ریاضیاتی طریقوں پر بیان ہو سکیں گے۔ اس مطلب کے لئے پہلے نیوٹن نے یہ بتلانا تھا کہ زمین کی سطح پر اجسام کیسے حرکت کرتے ہیں۔ یعنی اسے میکانیات (Mechanics) کا نظام استوار کرنا تھا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس ضمن میں کچھ پیش رفت کر رکھی تھی۔ لیکن نیوٹن نے پہلے پہل کمیت (Mass) معیار حرکت (Momentum) طاقت (Force) جمود (Inertia) وغیرہ کی تعریف کی۔ بعینہ اسی طرح جیسے یوکلڈ نے جیومیٹری کے آغاز میں چند بنیادی تصورات کی تھی۔ اس کے بعد نیوٹن نے حرکیات (Dynamics) کی سائنس بنائی اور اس میں چند ایک لازمی قضایا اخذ کیں جیسے یوکلڈ نے جیومیٹری میں کی تھیں۔ وہ کشش کو تجربی طور پر ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس کے سو سال تک کوئی تجربہ اس ضمن میں نہیں ہوا لیکن وہ فرض کر سکتا تھا کہ چاند کی حرکت جو آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہے کشش کی وجہ سے ہے۔ یہ سب کچھ اس نے اپنی کتاب Mathematical Principles of Natural Philosophy میں کھول کر بیان کیا ہے۔ فلکیات کے سلسلہ میں اس کے مشاہدات اتنے اہم نہیں جتنا کہ اس کا یہ ثابت کرنا کہ حرکت کے کچھ اصول ہیں۔ جو ہر متحرک شے کے لئے صحیح ہیں خواہ وہ شے زمین پر حرکت کر رہی ہو یا آسمانوں پر۔

دنیا نے نیوٹن کے نظام فلکیات میں اس کے اصولوں کو 1730ء تک قبول کر لیا۔

جاندار اشیاء کے بارے میں ابھی تک انسانی علم ارسطو سے آگے نہیں بڑھا تھا کچھ تھوڑا سا علم جسمانی ساخت کے بارے میں موجود تھا لیکن تفصیل کسی چیز کی موجود نہ تھی۔ کیونکہ کوئی ایسا آلہ نہ تھا جس سے انسانی آنکھ چھوٹی چیزوں کو دیکھ سکے۔ بیکن (Bocan) البتہ کہا کرتا تھا کہ ہر شے میں کئی ایسے عمدہ، نفیس اور چھوٹے اجزا موجود ہیں کہ اگر ان کا علم ہو جائے تو کائنات کے کئی راز منکشف ہو جائیں گے۔

دوربین بنانے کے بعد گلیلیو نے معلوم کر لیا کہ اگر دو لینز (Lens) صحیح ماسکی (Focal) لمبائی کے لئے جائیں تو ایک ایسا آلہ دستیاب ہو جائے گا جو چھوٹی چیزوں کو بڑا بنا دے گا یہ آلہ خوردبین (Microscope) کہلاتا ہے۔ گلیلیو نے اس دریافت سے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا اور عرصہ تک اس کا پتہ دنیا کو نہیں لگا۔ اچھی خوردبین کے لئے مضبوط منحنی لینز بنانے زیادہ مشکل تھے بنسبت ایک اچھی دوربین کے لئے لمبے ماسکی لینز بنانے کے یہ کام رابرٹ ہک (Robert Hooke) نے کیا۔ ہک کا پیشہ ہی تجربے کرنا تھا۔ رائل سوسائٹی میں اس کا کام ہر میٹنگ سے پہلے تجربے کا سامان جس کی سائنسدانوں کو ضرورت ہو تیار رکھنا تھا۔ اس کام سے اسے اپنی ریسرچ میں بھی مدد ملی۔ اس کی پہلی کتاب Micrographia جو 1664ء میں شائع ہوئی اس امر کو ظاہر کرتی ہے۔ اس

کتاب میں خوردبین کا ذکر آتا ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کا جس کا اس نے مشاہدہ کیا تھا۔ اس میں کئی ایسے سائنسی تصورات ملتے ہیں جن سے آج فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ ہک نے خوردبین تو بنا لی لیکن اس نے جاندار اشیاء کا باقاعدہ مطالعہ نہیں کیا۔ ہک کے علاوہ ایک ولندیزی انٹونی وان لیوون ہاک (Antony Van Leeuwen Hock) تھا۔ اس نے بڑی عمدہ دوربین بنائی۔ اب یہ معلوم ہوگیا تھا کہ جتنی شیشے کی منحنی زیادہ ہوگی اتنا ہی وہ شے کو بڑا کرسکے گا۔ اس میں کئی چھوٹے اجرام جن میں بیکٹیریا شامل تھے خوردبین کی مدد سے مشاہدہ کیے۔ اس کی زبردست دریافت منوی حوینات (Speromatozoa) تھی جس سے جانوروں کی تولید کے بارے میں نیا باب کھل گیا۔

خوردبین سے چھوٹی چیزوں کی اہمیت بڑھ گئی۔ ارسطو کا کہنا تھا کہ گوشت شیشہ یا مکھن کی طرح ایک مسلسل مادہ ہے لیکن کمزور سے کمزور خوردبین نے یہ ثابت کر دیا کہ گوشت تو ایک مولف (Complex) ہے۔ جس میں ریشے، عروق خون وغیرہ ہیں۔ ان دریافتوں سے انقلاب پیدا ہوگیا۔ لوگ اپنے جسم کو مشین سمجھنے لگے پہلے وہ اسے ایسی چیز (Stuff) سمجھتے تھے جسے روح کنٹرول کر رہی ہو۔

اس دریافت کا تعلق دوران خون سے ہے۔ قدما کو یہ علم تھا کہ خون کو حرکت میں لانے والا دل ہے۔ لیکن وہ سمجھتے تھے کہ یہ حرکت محض خون گرنے اور رواں رہنے کا نام ہے۔ لیکن جن لوگوں نے جسم کی تشریح کی انہیں بھی خیال نہ آیا کہ خون سارے جسم میں رواں دواں رہتا ہے۔ یہ دل سے نکل کر شریانوں (Artries) تک پہنچتا ہے۔ پھر مختلف اعضا سے ہوتا ہوا وریدوں کے ذریعہ واپس دل کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں کوئی ایسا راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جس سے خون اعضاء سے گزر سکے۔ شریان اور وریدیں چھوٹی ہوکر باریک دھاگے بن جاتی تھیں۔ لیکن ان میں سے عروق خون گزرتی دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ اس چیز کا علم تو اب ہمیں ہوا ہے۔ چھوٹی چھوٹی عروق ہیں جنہیں عروق شعری (Capillaries) کہتے ہیں۔ یہ شریانوں سے وریدوں میں آتی ہیں۔ لیکن خوردبین کے بغیر دکھائی نہیں دیتیں۔ لیکن اگر یہ دکھائی نہیں دیتیں تو کیا استنباط بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ولیم ہاروے (William Harvey) نے یہی کچھ کیا اور بغیر دیکھے ہوئے 1616ء کے قریب اس نے دوران خون کا نظریہ پیش کر دیا۔ ہاروے نے کچھوے کا دل جسم سے باہر بھڑ بھڑاتا دیکھا۔ اس نے دل اور شریانوں کے والوو (Valve) دیکھے اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ خون صرف ایک ہی سمت بہہ سکتا ہے۔ اس سے قدما کا خیال کہ خون گرتا اور رواں ہوتا ہے غلط ثابت ہوگیا۔ پھر اس نے دل کی قوت سے اندازہ لگایا کہ ایک دھڑکن میں کتنا خون گزرتا ہوگا اور کہا کہ ایک گھنٹہ میں جتنا خون گزرتا ہے اتنا تو سارے جسم میں نہیں ہوتا۔ اس قسم کے حقائق سے اسے یقین آگیا کہ خون گردش کرتا ہے۔ لیکن اسے ان گزرگاہوں کا علم نہ ہوا جن کے ذریعہ خون پٹھوں اور دیگر اعضا میں سے گزرتا ہے۔ یہ ٹازل بیگی (Malpighi) اور لی ون ہاک (Leewenhock) نے خوردبین سے دیکھی۔ خوردبین نے بتلایا کہ خون عروق شعری سے گزرتا ہے۔

سائنس نے ایک اور قدم بڑھایا جب نیوٹن نے روشنی کے متعلق معلومات فراہم کیں۔ اس نے پہلے روشنی کا مطالعہ جیومیٹری سے ہوتا تھا۔ یونانیوں اور عربوں نے یہی موقف اختیار کر

تھا تھا۔ روشنی کا انتقال یعنی اس کا انعکاس اور انعطاف جیومیٹری کے مسائل تھے۔ اور روشنی کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنا فلسفہ کے مسائل تھے۔ سترہویں صدی میں روشنی کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہوگیا۔ اس کے متعلق کئی سوالات اٹھائے گئے۔ چند ایک یہ ہیں۔

1- کیا روشنی روحانی قسم کی شے ہے۔ کیا یہ ایک قوت ہے ایک ذروں کی ندی یا کوئی ارتعاش (Vibration)

2- کون سی چیز لال روشنی کو نیلی سے جدا کرتی ہے۔

3- کیا روشنی کی قابل پیمائش رفتار (Velocity) ہے یا فوراً" ہی اس کا انتقال (Transmission) ہو جاتا ہے۔

اس امر کا تو علم تھا کہ سفید روشنی سے قوس قزح کے رنگ پیدا ہوسکتے ہیں۔ راجر بیکن نے سترہویں صدی اور ابن ہیثم نے اس سے بھی بہت پہلے یہ کہا تھا کہ سورج کی روشنی میں پانی کے قطرے قوس قزح کے رنگ پیدا کرتے ہیں۔ لیکن نیوٹن پہلا شخص تھا جس نے اس پر تجربے کیے اکیس سال کی عمر میں ہی اس مسئلہ کا حل اسے سوجھ گیا۔ ایک سال میں اس کے دماغ میں ثنائی کلیہ (Binomid Theorem)' احصائے تفرقی (Calculus Differential) احصائے تکمیلی (Interal Calculus) نظریہ کشش ثقل (Theory of Gravitation) اور نظریہ روشنی پیدا ہوئے۔ ان عظیم خیالات پر کئی سالوں تک اس نے کام کیا۔ نیوٹن کی دلچسپی قوس قزح کے رنگوں میں پیدا ہونے کا سبب یہ تھا کہ اس کے دوربین کے لینز (Lens) ایسی تصویریں پیش کرتے تھے جن کے کنارے رنگدار ہوتے تھے اور اس حد تک وہ تصویریں صاف نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے اس نے منشور (Prism) لیا۔ کیونکہ یہ قوس قزح کے رنگ دیتا ہے۔ اس نے ایک تاریک کمرے کے تختہ میں سوراخ کیا تاکہ سورج کی شعاع داخل ہوسکے۔ شعاع کے راستے میں اس نے منشور رکھ دیا تاکہ سامنے دیوار پر شعاعیں منعطف ہوسکیں۔ اس نے دیکھا کہ دیوار پر روشنی کا گول دائرہ نہیں پڑ رہا بلکہ قوس قزح رنگوں کی لمبی لکیریں ہیں۔ اس کے ہر رنگ کو نیوٹن نے الگ الگ کیا اور ثابت کیا کہ ان رنگوں کی مزید تحلیل ممکن نہیں اس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ سفید روشنی تو مرکب ہے لیکن یہ رنگ مرکب نہیں بلکہ یک رنگ (Homogenal) ہیں۔ لہٰذا اس کا کہنا ہے کہ سورج کی روشنی کئی رنگوں سے مل کر بنی ہے اور اس کے مختلف رنگ منشور سے پیدا ہوتے ہیں۔

جس کتاب میں یہ چیزیں تحریر تھیں وہ اس کی پہلی کتاب تھی۔ لیکن لوگوں نے اس کتاب کی اس قدر مخالفت کی کہ نیوٹن نے سائنس کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہنا چاہا۔ البتہ روشنی کے متعلق سوچتا رہا۔ اسے یقین نہیں آتا تھا۔ کہ روشنی آواز کی طرح موجی حرکت (Wave-motion) ہے۔ کیونکہ آواز تو کونوں کے گرد گھومتی ہے۔ لیکن روشنی ایسا نہیں کرتی۔ اس کا اپنا خیال تھا کہ روشنی چھوٹے چھوٹے ذرات کی ندی ہے جو بہت تیز چلتی ہے۔ لیکن اس میں اہتزاز (Oscillations) ضرور ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس کے بغیر فلم کے رنگوں کی توجیہہ نہیں کی جاسکتی تھی۔ ہک (Hooke) نے پہلے ہی ان حقائق کی تشریح امواج کے نظریے سے کر رکھی تھی نیوٹن نے ایک اور کارنامہ سرانجام دیا۔ اس نے ایک محدب عدسہ (Convex lens) کو شیشے کی ہموار سطح پر دبایا اس سے یکے بعد دیگرے سیاہ اور سفید دائرے نمودار ہوئے۔ یہ سیاہ اور سفید دائرے

ایک دوسرے کے بعد آتے تھے حالانکہ عدسے یا شیشے یا ہوا میں جو ان کے درمیان تھی کوئی ایسی بات نہ تھی جو ایک دوسرے کے بعد ظاہر ہو۔ پس اگر روشنی لہروں سے بنی ہوئی ہوتی تو ان کا ایک دوسرے کے بعد واقع ہونا اس تواتر کی توجیہ بن سکتا تھا اسی وقت ایک اور سائنسدان نے جس کا نام کرسچین ہوگنز (Hugens Christian) تھا اور جو ہالینڈ کا رہنے والا تھا' اس نے روشنی کا نظریہ تموج (Wave-theory) پیش کردیا۔ لیکن اس کا خیال تھا کہ آواز کی طرح یہ امواج طولی (Longitudinal) ہیں۔ حالانکہ یہ امواج سمندری لہروں کی طرح عرضی (Transverse) ہوتی ہیں۔

لوگوں نے نیوٹن کی تھیوری پر یقین کرلیا اور 1800ء تک روشنی کو ذرات کا مجموعہ خیال کیا۔ 1800ء سے 1900ء تک لوگوں نے روشنی کو لہروں کے طور پر لیا۔ اور 1600ء کے بعد یہ مان لیا گیا کہ روشنی میں امواج اور ذرات دونوں کے خواص پائے جاتے ہیں۔

رنگوں کے نئے نظریے سے ایک بڑے کام کی چیز پیدا ہوگئی۔ نیوٹن نے خیال کیا کہ چونکہ مختلف رنگ جن سے سفید رنگ تشکیل پاتا ہے وہ کبھی کسی حد تک منعطف (Refract) ہوتے ہیں۔ لہٰذا عدسے جو کہ روشنی کو منعطف کرتے ہیں' ضرور ایسی تصویریں پیش کریں گے جو رنگوں کے حاشیے کی بدولت دھندلی ہو جاتی ہوں گی۔ اس لیے اس نے عدسوں کی جگہ منحنی شیشے استعمال کیے۔ یہ شیشے عام رنگوں کو ایک ہی سمت منعکس کرتے تھے۔ اس مطلب کے لئے اس نے انعکاسی دوربین بنائی۔ جو کہ بعد کی صدی میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ پھر یہ معلوم ہوا کہ اگر مختلف شیشوں سے بنے ہوئے عدسوں کو جوڑ لیا جائے تو حاشیے کے رنگ اس قدر کم ہو سکتے ہیں کہ ان سے تصویر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا عدسے جنہیں عدیم اللون عدسے (Achromatic lens) کہا جاتا ہے۔ 1760ء کے بعد دوربینوں میں استعمال ہونے لگے۔ خوردبین میں ایسے عدسے 1850ء کے بعد استعمال ہوئے۔

چونکہ پہلی خوردبینوں میں عدسے نقائص سے خالی نہ تھے لہٰذا وہ کسی چیز کو بہت بڑا نہیں دکھا سکتے تھے۔ اس لیے انیسویں صدی میں جب خوردبین مضبوط اور طاقتور بن گئی اس وقت ممکن ہوگیا کہ جاندار اشیاء کے چھوٹے چھوٹے اجزاء کا مطالعہ کیا جاسکے۔ 1760ء سے 1820ء تک کی خوردبینیں کمزور تھیں ان سے تصویروں کو 100 قطر تک بڑا کیا جاسکتا ہے۔ اس سے بھی جانوروں کی ساخت کے بارے میں کافی معلومات فراہم ہوگئیں۔ اس وقت کیڑے مکوڑوں اور تالابوں میں رہنے والے کئی جانوروں کے جسموں اور اعضا کی تشریح کرلی گئی۔ اس سلسلہ میں سوئمرڈیم (Swammerdam) کا نام قابل ذکر ہے۔

سترہویں صدی میں سائنس کے عروج کے کئی وجوہات ہیں۔ اول تو سائنسدان میز کرسی پر بیٹھ کر ایک کتاب یا کتابوں سے دوسری کتاب تیار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ لیبارٹری بناتے تھے اور خود تجربے کرتے تھے۔ دوم یہ سائنسدان صرف تجربے ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ہر چیز کو ناپتے تولتے تھے اور وقت نوٹ کرتے تھے۔ پھر وہ ان کا ذکر سوسائیٹیوں میں کرتے تھے جہاں ان پر بحث ہوتی تھی۔ انہیں کتب اور رسائل میں بیان کیا جاتا ہے تاکہ لوگ بھی ان تجربوں کو دہرا سکیں اور ان کا صدق و کذب خود معلوم کرسکیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ پہلے سائنسدانوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اول تو سائنسدان ہی کم تھے اور جو تھے انہیں سائنسی کام کا کوئی معاوضہ نہیں ملتا تھا۔ ان کے الات

بڑے بھونڈے اور قیمتی تھے۔ ان کی لیبارٹریوں میں نہ بجلی ہوتی تھی نہ گیس اور نہ پانی کا نل۔ انہیں اپریٹس بھی خود ہی بنانا ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں کبھی وہ کامیاب ہوتے تھے اور کبھی ناکام۔ لہٰذا جب ٹول یعنی آلات بنانے والے پیدا ہوگئے تو سائنس نے بڑی ترقی کی۔ سولھویں صدی اور اس سے پہلے کوئی اکا دکا اوزار بنانے والا تھا اور جو تھا وہ ریاضیات یا فلکیات کے لئے بناتا تھا۔ وہ بڑے خوبصورت اصطرلاب' دھوپ گھڑیاں یا پیمائش کرنے کے اوزار بنا لیتے تھے اور جب لوگوں کی مانگ سائنسی اوزاروں کے لئے بڑھی تو کئی کاریگر میدان میں آگئے۔ لڑھکن کی وجہ سے گھڑیاں بھی عام ہوگئیں کیونکہ لڑھکن سے وقت ٹھیک ملتا تھا۔ اس لیے گھڑی سازوں کی مانگ پیدا ہوگئی۔ جو لوگ گھڑیاں بناسکتے وہ اور بھی کئی چیزیں بنا سکتے تھے۔ اس صدی کے آخر تک آلات سازی ایک اہم انڈسٹری کی صورت اختیار کرگئی اور ہر آدمی دوربین' خوردبین' گھڑی یا مخراج الہوا (Air-pump) خرید سکتا تھا۔ اب جو بھی چاہے وہ لیبارٹری کھڑی کرسکتا تھا ان تمام چیزوں سے اٹھارہویں صدی کے سائنس دانوں کا کام آسان ہوگیا۔

---

www.KitaboSunnat.com

☆ باب 29

مکتبہ طبعی قانون

(SCHOOL OF NATURAL LAW)

عقل و دانش، طبعی قانون اور ترقی۔ ان لفظوں کو اٹھارھویں صدی کے ذخیرہ الفاظ میں، جسے عہد تنویر کہتے ہیں، کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اس دور میں اکثر آدمیوں کا عقیدہ تھا کہ انسانی عقل و دانش عام انسانیت کو بہت سی بیماریوں سے نجات دلا سکتی ہے اور اسے یقینی طور پر دائمی امن، مثالی حکومت اوز کامل و اکمل معاشرے پر پہنچا سکتی ہے۔ عقل طبعی قوانین دریافت کرے گی، جو بقا کے لیے ضوابط بنیں گے۔ اس طرح انسانی نسل کی ترقی زیادہ سے زیادہ یقینی ہو جائے گی۔

رجائی عقیدے کے ان داعیوں کو فرانسیسی میں فلسفی کہتے تھے۔ اگرچہ وہ سب فرانسیسی نہ تھے اور ان میں سے صرف چند اشخاص ایسے تھے۔ جنہیں حقیقی معنی میں فلسفی کہا جاسکتا تھا۔ ان میں مقالہ نگار، ماہرین اقتصادیات، سیاسی سائنس دان اور مجلسی مصلحین سب شامل تھے۔ انہوں نے بنیادی اصول سترھویں صدی کے بڑے پیشروں، خصوصاً انگریز مفکروں اور سائنس دانوں سے بھی لیے تھے۔ انسانی عقل کی قوتوں پر اعتقاد انہوں نے جان لاک سے اور طبعی قانون پر اعتقاد سر آئزک نیوٹن سے لیا۔

لاک اور نیوٹن کی میراث : جان لاک 89-1688ء کے شاندار انقلاب کا سب سے بڑا مداح تھا۔ اس نے حکومت پر دو رسالے لکھے۔ مطلق العنان بادشاہی کے خلاف اپنے نقطہ نگاہ کو مستحکم کرنے کے لئے لاک نے نئی نفسیات کا خاکہ تیار کیا۔ جو لوگ سیاسی اور مذہبی مطلق العنانی کے حامی تھے، وہ کہتے تھے کہ بادشاہی خدا کی طرف سے ہے اور یہ انسانوں کے لئے ایسی میراث ہے، جس سے انہیں مفر نہیں۔ مطلق العنان اقتدار کے سامنے جھکنا ایک فطری رجحان ہے جو پیدائش کے ساتھ ہی انسان میں موجود رہتا ہے۔ اس نے 1690ء میں اپنی مشہور کتاب مرتب کی، جس کا نام تھا "انسانی فہم کے متعلق مقالہ" اس کتاب میں لاک نے فطری املاک سے انکار کردیا۔ اس نے بتایا کہ نومولود کا قلب ایک سادہ لوح ہوتا ہے۔

"فرض کیجئے کہ قلب ایک سفید کاغذ ہے، جو حروف سے بالکل خالی ہے۔ اس میں افکار قطعاً" موجود نہیں۔ پھر یہ سب کچھ کہاں سے آتا ہے؟ ..... اس کا جواب ایک لفظ میں ہے۔ تجربے سے "ہمارا مشاہدہ بیرونی محسوس چیزوں یا قلب کے اندرونی اعمال کے متعلق کارفرما رہتا ہے۔ اس طرح جو کچھ ہمارے قلب پر منعکس ہوتا ہے، وہی ہمارے فہم کے لیے غور و فکر کا سرمایہ بہم پہنچاتا ہے۔ یہی دو چیزیں علم کا سرچشمہ ہیں، جن سے ہمارے تمام افکار پیدا ہوتے ہیں اور طبعاً" انہیں پیدا ہونا چاہیے۔"

دوسرے لفظوں میں علم کے دو سرچشمے ماحول سے متعلق تھے۔ ان کا تعلق عقیدے سے

نہیں' بلکہ میراث اور عقل سے ہے۔ لاک کا عملی نقطہ نگاہ اور اس کے تجربیت (تجربے پر انحصار) کے باعث وہ عقلیت پسندوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ اگرچہ انسانی عقل کائنات کی ہر چیز کے متعلق توجیہات پیش نہیں کرسکتی ہے' لیکن انہیں انسان کو جن چیزوں کے جاننے کی ضرورت ہے' وہ ضرور پیش کردیتی ہے۔ جو قندیل ہمارے اندر رکھ دی گئی ہے' وہ ہمارے مقاصد کو واضح کرنے کے لئے خاص روشنی بہم پہنچاتی رہتی ہے۔

لاک نے نظام قدیم کے اقتصادی جائزے کا طریقہ بتایا۔ فلسفیوں نے حکومت کے متعلق اس کے رسالے اور انسانی فہم کے متعلق اس کے مقالوں کا مطالعہ کیا اور اس سے متاثر ہوئے۔ پھر لاک نے عقل عامہ کے لیے جو معیار پیش کر دیا تھا۔ اس سے مروجہ سیاسی و اقتصادی ...وں میں کام لیا اور وہ انہیں پر پیچ و مہمل معلوم ہوئے۔ لاک کی نفسیات نے یہ طریقہ بتا دیا تھا کہ معلمین ابھرتی ہوئی نسل کے فکر کو نئے سانچے میں ڈھال لیں تو انسانی ادارے تیار ہوسکتے ہیں۔ فلسفیوں نے اس کھربا مٹی کی تلاش کی جو نوجوان قلوب کے اندر اثر پذیر سادہ الواح پر لکھنے میں کام آسکتی تھی۔ نیوٹن کی عالمی مشین کے تصور میں انہوں نے اپنا مطلوب پالیا۔

نیوٹن نے اپنی کتاب پرنسپیا 1687ء میں فلسفے کے متعلق استدلال کے چار اصول بتائے تھے۔

1- ہمیں طبعی اشیاء کے اسباب میں صرف انہیں قبول کرنا چاہئے' جو درست بھی ہیں اور صورت حال کی صحیح توجیہ بھی کرسکتے ہیں اور کسی سبب کو قبول نہ کرنا چاہئے۔

اس سلسلے میں فلسفی کہتے ہیں کہ فطرت کا کوئی کام عبث نہیں کرتی۔ اگر تھوڑے سے کام چل سکے تو زیادہ پر زور دینا عبث ہے۔ فطرت سادگی کو پسند کرتی ہے۔ اسے فالتو اسباب و علل کا شکوہ درکار نہیں۔

2- لہٰذا ہمیں ایک قسم کے طبعی معلولات کے ساتھ تا بہ حد امکان ایک ہی قسم کے علل وابستہ کرنے چاہئیں۔

"مثلاً انسان اور حیوان کا سانس لینا' ہمارے باورچی خانے کی آگ کی حدت اور سورج کی حدت' زمین پر روشنی کا انعکاس اور سیاروں میں روشنی کا انعکاس۔

3- "ہمارے تجربے کے دائرے میں جتنے اجسام آتے ہیں' ان میں ایک ہی قسم کی خصوصیات پائی جاتی ہیں' لہٰذا ان خصوصیات کو تمام جسموں کی عالمی خصوصیات سمجھنا چاہئے۔

"اگر تجربے اور ستاروں کے مشاہدے سے یہ ظاہر ہو کہ زمین کے آس پاس کے تمام اجسام زمین کی طرف کھنچے آتے ہیں اور چاند کی کشش بھی زمین ہی کی طرف ہے۔ اسی طرح سیارے ایک دوسرے کی طرف کھنچے آتے ہیں اور چاند کی کشش بھی زمین کی طرف ہے اسی طرح سیارے ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہیں اور ٹوٹنے والے سیاروں کی کشش سورج کی طرف ہے تو ہمیں اس عالمی قاعدے کے پیش نظر مان لینا چاہئے کہ تمام اجسام میں ایک دوسرے کی طرف کشش کا اصول ودیعت ہے۔

4. تجربی فلسفے میں ہمیں ان قضیوں پر' جو مظاہر سے بہ وسیلہ استقراء عام فراہم کیے جائیں' اس لحاظ سے غور کرنا چاہیے کہ وہ دوست ہیں یا انہیں زیادہ سے زیادہ قرین صحت سمجھا جاسکتا ہے۔ اگرچہ بعض مفروضات ان کے خلاف قیاس میں آسکیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہنا چاہیے۔ جب تک دوسرے ایسے مظاہر سامنے نہ آجائیں' جن سے ان کی مزید تصدیق ہوسکے یا وہ غلط ثابت ہو جائیں۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ استقراء کی دلیل سے مفروضات کی بناء پر اعراض نہیں کیا جاسکتا۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی دنیا پر جو قوانین حاوی ہیں' وہ بہت سادہ ہیں (قاعدہ نمبر1) وہ مستقیم ہیں۔ (قاعدہ نمبر2) انہیں استقراء اور استنباط کے قاعدوں سے بہ حیثیت مجموعی کام لے کر ثابت کیا جاسکتا ہے (قاعدہ نمبر3 نیز نمبر4) پہلے کسی قابل مشاہدہ شے سے عام اصول کے لئے استدلال کیا جائے (استقراء) پھر اس قاعدے کو ان مثالوں پر استعمال کیا جائے' جن کا مشاہدہ براہ راست ممکن نہیں (استنباط)

فلسفیوں نے نیوٹن کو ان قواعد استدلال اور سائنٹیفک اکتشافات کو قطعی حقائق سمجھ لیا۔ جو لوگ نیوٹن کے ریاضیاتی احصار کو سمجھ سکتے ہیں۔ انہوں نے اس کا مطالعہ ابتدائی لاطینی یا اس کے ترجمے میں کیا۔ جو لوگ یہ صلاحیت نہیں رکھتے تھے' انہوں نے وہ کتابیں پڑھ لیں۔ جن میں پرنسپیا کے مطالب کو عام فہم طریق پر پیش کیا گیا تھا۔ جس حد تک اصول کشش ثقل کا تعلق ہے' نیوٹن نے اس طبعی قوت کو پالیا تھا۔ جس نے پوری کائنات کو یکجا کر رکھا ہے۔ گویا اس نے کائنات کو قابل فہم بنا دیا۔ اٹھارھویں صدی کے لوگوں کو یقین تھا کہ اور نیوٹن پیدا ہوں گے' جو انسانی سرگرمیوں کے تمام پہلوؤں پر مادی قوانین دریافت کرلیں گے۔ فلسفیوں نے اپنے آپ کو ملکداری' انصاف اور اقتصادیات کا نیوٹن سمجھ لیا' جو اداروں کے نہایت پیچ معاملات کو اسی قسم کے فارمولوں کی شکل دے سکتے تھے' جیسے نیوٹن نے اپنے ریاضیاتی قوانین و اصول میں پیش کیے تھے۔

فلسفی کہتے تھے کہ دنیا و مافیہا ایک بہت بڑی مشین سے مشابہ ہے۔ اب تک انسانوں نے اس مشین کے عمل کو روکے رکھا' کیونکہ وہ اسے سمجھتے نہیں تھے' جب وہ بنیادی قوانین سمجھ میں آجائیں گے' جن کے مطابق یہ چل رہی ہے تو اس مشین کے اطمینان سے کارفرما رہنے کی صورت پیدا ہو جائے گی اور وہ افادی حیثیت میں کام کرے گی۔ اس عہد کے رجائیت کا خلاصہ ایک کتاب میں پیش کر دیا گیا' جس کا نام تھا۔ "ذہن انسانی کی ترقی" 1794ء یہ کتاب ایک فلسفی نے لکھی تھی' جس کا نام کنڈورسٹ تھا۔ یہ ایسے حالات میں لکھی تھی' جب وہ قید خانے میں تھا۔ انقلاب فرانس کی دہشت انگیز حکومت کی طرف سے اسے موت کی سزا سنائی جاچکی تھی۔ کنڈورسٹ نے پوچھا۔

"اگر انسان تقریباً" کامل یقین سے ان مظاہر کے متعلق پیشگوئی کرسکتے ہیں' جن کے قوانین سے وہ واقف ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ تاریخ انسانی کے نتائج کا مطالعہ کرکے عالم انسانیت کی آئندہ تقدیر کا نقشہ زیادہ سے زیادہ یقین کے ساتھ کھینچ

دینے کو فعل عبث سمجھا جائے؟ طبعی سائنس میں عقیدے کی بنیاد صرف یہ فکر ہے کہ معلوم و نامعلوم عام قوانین' جن پر مظاہر کائنات کا انحصار ہے' باقاعدہ اور مستقیم ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس اصول کو انسان کے اخلاقی و ذہنی قوی کی نشوونما میں ہر لحاظ سے درست نہ سمجھا جائے۔ جس طرح فطرت میں اس کی کارفرمائی درست سمجھی جاسکتی ہے۔"

کنڈورسٹ نے آخر میں لکھا۔ فطرت نے انسانی قویٰ کی تکمیل پر کوئی پابندی عائد نہیں کی اور اس ترقی کی تکمیل صرف اس کرے کی مدت حیات ہے' جس پر فطرت نے ہمیں جگہ دی ہے۔

اٹھارھویں صدی میں سائنس : اٹھارھویں صدی میں فنی اور سائنٹیفک اقدامات نے طبعی قانون اور ترقی کے عقیدے کو مزید استحکام بخشا۔ فلسفیوں نے صنعت و زراعت میں عملی کارناموں اور خالص علوم کی تیزی سے پھیلتی ہوئی سرحدوں کا خیر مقدم کیا۔ حیاتیات اور کیمیا نے دور حاضر کا نقطہ نگاہ اختیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ لنائیوس 1707ء - 1778ء سویڈن کا باشندہ تھا۔ اس نے حیاتیات میں خاندانی تعلقات کے اندر طبعی قوانین کی کارفرمائی واضح کردی۔ اس کے ہر معلوم پودے اور جانور کو لے کر بہ لحاظ انواع ان کی درجہ بندی کردی۔ پھر مختلف انواع کو جنسوں کے اعتبار سے ترتیب دیا۔ اسی طرح اس نے جنسوں سے طبقوں تک درجہ بندی کا ایک سلسلہ قائم کر دیا۔ یوں ماہرین حیاتیات نے ہر نمونے کے لئے دو لاطینی نام تجویز کرنے کا کام شروع کردیا' اول جنس' دوم نوع۔ لنائیوس پسالہ (نزد سٹاک ہالم) کی یونیورسٹی میں لکچر دیتا تھا۔ وہاں طلبہ اس تیزی سے کھنچے چلے آئے کہ یونیورسٹی میں ان کی تعداد تنگ ہوگئی۔ لنائیوس نے درجہ بندی کے لئے جو جوش و خروش پیدا کیا تھا' اس سے غیر فنی آدمی نباتیات میں دلچسپی لینے لگے اور پیشہ ور ماہرین نباتات و حیوانات نے نئی انواع کی دریافت شروع کردی۔

کیمیائی تجزیے کا نیا علم بلیک اور لیوزیر سے شروع ہوا۔ جوزف بلیک 1728ء - 1799ء سکاٹ لینڈ کا ایک پروفیسر تھا۔ اس نے یہ پرانا نظریہ غلط ثابت کردیا کہ ہوا صرف ایک عنصر سے بنی ہے۔ اس نے ہوا کی مانند متعدد مادے یا گیسیں ثابت کردیں۔ لیورزیر 1743ء - 1764ء کیمیا اور طبعیات کا ایک فرانسیسی ماہر تھا۔ بلیک نے گیسوں کا جو مطالعہ شروع کیا۔ لیوازیر نے اسے جاری رکھا اور ایک گیس کا نام آکسیجن تجویز کیا۔ ساتھ ہی ثابت کر دیا کہ پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے۔ اس کا دعوی یہ تھا کہ تمام مادے چند بنیادی کیمیائی عناصر سے مرکب ہوتے ہیں۔ ان میں سے تئیس عناصر کا سراغ لیوازیر نے لگا لیا۔

اس اثناء میں ہیئت اور طبعیات ان بڑے اقدامات کو مستحکم کر رہے تھے۔ جو سترھویں صدی میں کیے گئے تھے۔ اسے غیر معمولی ذکاوت کی صدی کہا جاتا ہے۔ لیپلیس (1749ء - 1828ء) کو فرانس کا نیوٹن کہا جاتا ہے۔ اس نے سماوی میکانکیات کے متعلق نیوٹن کے بڑے اکتشافات میں اضافے کیے۔ اٹھارھویں صدی کے آٹھویں اور نویں عشرے میں لیپلیس نے نظام شمسی کی حرکات ریاضیاتی فارمولوں اور ہندسی شکلوں کے ایک سلسلے میں پیش کیں۔ امریکہ کے متنوع العلوم فاضل بنجمن فرینکلن 1706ء - 1790ء) نے یہ ثابت کیا کہ برق اور صاعقہ ایک چیز ہے۔ اس نے فلاڈلفیا کے اندر ایک طوفان رعد میں پتنگ اڑائی اور پتنگ کی ڈور سے جو کنجی باندھ

رکھی تھی اس نے بجلی کی ایک لہر اخز کرلی۔ اس تجربے نے اوقیانوس پار وسیع دلچسپی پیدا کی۔ فرانس کے شاہی خاندان کو دکھانے کے لئے یہ تجربہ دہرایا گیا۔

غرض ہر شخص نے خواہ اس کی حقیقت کچھ تھی' تجربے شروع کردیئے یا کم از کم وہ سائنس میں حصہ لینے لگا۔ والٹیئر نے کیمیا کو اپنا خاص مشغلہ بنایا۔ موٹسیک نے طبیعیات کا مطالعہ کیا۔ ایک امیر فرانسیسی خاتون کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنی گاڑی میں ایک لاش رکھ لی تھی تاکہ سیر و سیاحت کے دوران میں اس پر قطع و برید کا عمل جاری رکھ سکے اور علم تشریح کے متعلق ضروری معلومات فراہم کرے۔ یورپ کی تقریباً" ہر مملکت میں فلسفی موجود تھے۔ شاہی انجمنیں بن گئی تھیں یا علم دوست افراد نے علوم کی ترقی کے لئے مجلسیں بنا دی تھیں۔ نیوٹن اور فرینکلن نے بین الاقوامی شہرت حاصل کرلی۔ سویڈن کے سائنس دان لنائیوس کو دولتمند ولندیزوں کی سرپرستی حاصل رہی۔ اس نے لائیڈن (ہالینڈ) کی یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ آکسفورڈ اور دربار ہسپانیہ میں کام کے لئے اسے پیشکش کی گئیں۔ سائنسدان اور فلسفی قومی سرحدوں کی چنداں پروا نہیں کرتے تھے۔ جب ان ملکوں کے درمیان جنگیں چھڑ جاتی تھیں تو اس حالت میں بھی وہ آتے جاتے رہتے تھے۔ یا کم از کم باہم خط و کتاب رکھتے تھے۔ اٹھارھویں صدی کی آفاقیت کے باب میں یہ ایک ممتاز مثال ہے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس صدی کا مزاج عام کاروبار جاری رکھنے کے حق میں تھا۔

فرانس کی قیادت : دور تنویر کی جڑیں انگلستان میں سترھویں صدی تک پہنچی ہوئی تھیں۔ اس کی شاخیں سکاٹ لینڈ' جرمنی' اٹلی' ہسپانیہ اور نئی دنیا تک پھیل گئیں اور اسی کے ذریعے سے صدی کے آفاقی اوصاف و خصائص پوری طرح نمایاں ہوئے۔ بہ ایں ہمہ سب نہیں تو اکثر فلسفی فرانسیسی تھے۔ فرانسیسی قیادت کی چھاپ پورے دور تنویر پر ناقابل محو طریق میں لگی ہوئی ہے۔ دور عقیت فرانس کی ثقافتی برتری کا اعلیٰ ترین نقطہ تھا اور ایک عظیم القدر امریکی فلسفی ٹامس جیفرسن کا قول تھا کہ ہر انسان کے دو وطن ہیں' ایک اس کا اپنا وطن اور دوسرا فرانس۔ فرانسیسی زبان نے دور تنویر کے لئے ذریعہ مخابرت مہیا کردیا۔ پیرس کے سیلونوں نے دور تنویر کی تحریر کا اسلوب معین کیا۔ جو عظیم القدر انسائیکلو پیڈیا فرانس میں مرتب ہوکر شائع ہوا۔ وہ فکر روشن کا ایک عمدہ ذریعہ تھا۔

اٹھارھویں صدی تک فرانسیسی کو بین الاقوامی زبان مان لیا گیا تھا۔ لوئی چہار دہم نے ڈپلومیسی میں اس کا درجہ بہت بلند کردیا۔ ریسین اور دوسرے کلاسیکیت پسند مصنفوں نے اسے ادبیات میں بلند حیثیت پر پہنچا دیا۔ ایک مثل مشہور تھی کہ فرانسیسی زبان میں ایک خطرناک تصنیف پورے یورپ کے اندر اعلان جنگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مثل خالی از حقیقت نہ تھی۔ دور افتادہ روس تک ہر جگہ حکمران امراء اور علم دوست اصحاب فرانسیسی زبان کو دیسی زبان پر ترجیح دیتے تھے۔ فریڈرک ولیم اول شاہ پروشیا فرانسیسی ثقافت سے نفرت کے اظہار میں بہت بلند بانگ تھا۔ لیکن اسے جرمن زبان اتنی کم آتی تھی کہ جو کچھ لکھتا' فرانسیسی زبان میں لکھتا اور الفاظ کے خاتمے پر جرمن زبان کا کوئی پیوند لگا دیتا۔ اس کا بیٹا فریڈرک اعظم شاذ ہی جرمن زبان استعمال کرتا تھا۔ 1783ء میں برلن کی اکیڈیمی نے ایک مقابلے کا انتظام کیا۔ مقابلہ اس سوال کے متعلق تھا: "کس چیز نے فرانسیسی زبان کو عالمی بنا دیا؟" "جس شخص نے انعام حاصل کیا' اس نے

ایک فقرے میں جواب دیا۔ کیونکہ یہ زبان غیر مبہم، واضح، ہر دلعزیز اور معقول ہے۔ یہ اب فرانسیسی نہیں رہی بلکہ انسانیت کی زبان بن گئی ہے۔

پیرس کے سیلونوں نے مصنفوں کو دقیقہ سنجی اور معقولیت سکھائی، نیز ان میں ہر دلعزیزی کا رنگ پیدا کیا۔ سیلون بڑے نجی مکانوں میں استقبال کرتے تھے، جہاں بعد دوپہر یا شام کو مہمان جمع ہوتے اور مہماندار خاتون کی رہنمائی میں بات چیت کرتے۔ یہ خاتونیں دولتمند ہوتیں۔ ان کا تعلق امراء کے طبقے یا بالائی تاجر طبقے سے ہوتا۔ یہاں جولی دا لیسپناسی کے سیلون کے متعلق ایک معاصر روداد پیش کی جاتی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ سیلونوں کی کیفیت کیا تھی:

"——یہ حلقہ ان افراد پر مشتمل تھا، جن میں باہم کوئی تعلق نہ تھا۔ جولی نے ادھر ادھر سے انہیں جمع کرلیا تھا، لیکن ان کا انتخاب نہایت عمدہ طریقہ پر کیا گیا تھا۔ جب یہ لوگ جمع ہوتے تو اس طرح ہم آہنگ نظر آتے، جس طرح کوئی مشاق ساز نواز رباب کے تاروں سے ہم آہنگی پیدا کرتا ہے..... جولی اس رباب کو ایسی پرکاری سے بجاتی، جو بالکل اعجاز معلوم ہوتی۔ معلوم ہوتا تھا، اسے علم ہے کہ جس تار پر وہ انگلی رکھنے والی ہے، اس سے کون سا سر نکلے گا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جن قلوب اور کرداروں سے واقف تھی، اس کے ایک لفظ کہنے سے وہ گفتگو شروع کردیتے۔ اس سے زیادہ دلاویز اور دل کش گفتگو کہیں نہ ہوتی اور اس سے بہتر ضبط و نظم کا نقشہ بھی کسی جگہ نظر نہ آتا..... جن قلوب سے یہ خاتون کام لیتی تھی، وہ نہ سطحی تھے اور نہ ضعیف۔ کانڈی لیک اور ترگو اس مجلس میں شریک ہوتے تھے اور جولی کے نزدیک وا المبرت بیٹھا تھا، جو ایک سادہ لوح اور فرماں بردار بچہ معلوم ہوتا تھا۔ جولی کو کوئی نہ کوئی خیال پیش کرنے میں کمال حاصل تھا اور اس وضع کے لوگ اس خیال پر بحث کرتے تو لطف آجاتا۔ وہ خود بھی اس پر بڑی دقیقہ سنجی اور بعض اوقات فصاحت کے ساتھ گفتگو کا موضوع بدلتا رہتا..... میں کہتا ہوں کہ یہ کمالات ہر خاتون کو نصیب نہیں ہوتے۔ روزانہ چار گھنٹے تک گفتگو جاری رہتی اور اس کا اسلوب عامیانہ یا نمائش علم کا نہ تھا۔ پھر اس گفتگو سے طبیعت کبھی بیزار نہ ہوتی اور اس میں کوئی چیز ایسی نہ آتی، جو بے سود یا فضول ہوتی۔ جولی کا علم تھا کہ ان ارباب کمال کے لیے دلایزی پیدا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔"

اگرچہ ان سیلونوں میں اکثر امارت پرستی اور مطمیت کا بھی اظہار ہوتا رہتا، تاہم ان میں ایک نوع کی جمہوریت پر عمل ہوتا تھا۔ اگر نئے آدمیوں اور نئے افکار کی ضرورت پیش آجاتی تو ان کا خیر مقدم کیا جاتا۔ نوجوان فلسفیوں کو موقع مل جاتا کہ اچھا کھانا کھائیں اور جو کچھ سننا چاہتے ہیں، سنا لیں۔ ان کے دباؤ سے فرانسیسی اکیڈیمی کے نتائج انتخابات پر اثر پڑتا، جو اٹھارھویں صدی کے ساتویں عشرے میں فلسفیوں کے زیر اثر آگئے تھے۔ سب سے آخر میں یہ کہ سیلونوں کی مالک خاتونیں فلسفیوں کو ذہنی مستعدی اور ادبی سہل نگاری کی ترتیب دیتیں۔

فلسفیوں کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ انسائیکلو پیڈیا تھا، جس کی متعدد جلدوں میں سے پہلی 1751ء میں شائع ہوئی۔ اگرچہ نہ یہ سب سے پہلا انسائیکلو پیڈیا تھا اور نہ یہ سب سے بڑھ کر

درست تھا' تاہم یہ مشہور کتاب ہر لحاظ سے حد درجہ ذی اثر ثابت ہوگئی۔ اس کے مقالہ نگار ایک سو ساٹھ تھے۔ ان سے دور تنویر کے اکثر افراد کا علم ہو سکتا ہے۔ ان میں والٹیئر' مونٹسکیو' روسو' کنڈورسٹ' کوینسے اور ترگو شامل تھے۔ سالہا سال تک ڈینس دیدرو 1713ء - 1784ء اس کا مدیر اعلیٰ رہا۔ وہ روزانہ چودہ گھنٹے کام کرتا اور ہر گھنٹہ عقل و ترقی کے لئے جہاد میں صرف ہوتا۔

دیدرو اور اس کے رفیقوں کا ارادہ ہرگز یہ نہ تھا کہ حقیقی معلومات کا ایک بے جان ذخیرہ مہیا کر دیں۔ جب کہ دیدرو نے انسائیکلوپیڈیا پر مقابلے میں واضح کر دیا تھا' ان کا مدعا یہ تھا کہ علم یکجا کر دیں۔

"..... تاکہ گزشتہ صدیوں کی محنت و مشقت آئندہ صدیوں کے لئے بیکار ثابت نہ ہو۔ ہمارے اخلاف کو بہتر معلومات حاصل ہو جائیں' نیز وہ زیادہ خوش اور زیادہ نیک بن سکیں۔"

انسائیکلو پیڈیا کا مقصد بند و موعظت تھا' یعنی مروجہ نظام کے عیوب کی پردہ داری' خصوصاً" مذہبی توہمات اور ناروا داری کی مخالفت۔ عوام کو طبعی قوانین کے فوائد اور سائنس کے عجائبات سے آگاہ کرنا' مثلاً دیدرو نئی صنعتی مشینوں سے کام لینا سیکھ چکا تھا اور وہ ہر مشین کو الگ الگ کرکے اس کی ساخت اور عمل کی تفصیلات بیان کر سکتا تھا۔ قابل توجہ امر یہ ہے کہ جرابیں بننے کی مشین پر انسائیکلو پیڈیا پر جو مقالہ لکھا گیا' وہ گرجوں پر مقالے سے دس گنا لمبا تھا۔

خوف ناک مخالفت کے باوجود انسائیکلو پیڈیا نے اس مقصد کو پورا کر دیا۔ کلیسا نے اس کی مادیت پسندی اور مذہبی معاملات کے متعلق حد درجہ انتقادی اور تشکک آمیز مقالوں کی مذمت کی۔ لوئی پانزدہم نے کوشش کی کہ یہ کتاب نہ چھپ سکے۔ اور نہ شائع ہو سکے۔ انسائیکلو پیڈیا کے ناشروں نے دیدرو در سے پوچھے بغیر مختلف فیہ مقالے کم کرکے بے معنی بنا دیئے' کیونکہ چھاپنے والوں کو ایک عام حکم بھیج دیا کہ جن تحریرات سے کسی طبقے کے ناراض ہونے کا خیال ہو' انہیں حذف کر دیا جائے۔ لیکن دیدرو نے اس پر سخت خفگی کا اظہار کیا۔ فلسفیوں نے مختلف حصے حذف کر دینے والوں کا مذاق اڑایا۔ انسائیکلو پیڈیا کے خریداروں کو ان چیزوں سے کتاب کے ساتھ حد درجہ دلچسپی پیدا ہوئی۔ پھر وزیر خارجہ کوئیزیوں اور مادام وا بمپا دور نے ایڈیٹروں کی امداد کی۔ بمپا دور خود بھی دور تنویر کی ایک روح تھی۔ ان امور نے مل کر احتساب کو درہم برہم کر دیا اور کتاب کی تکمیل میں سہولتیں پیدا ہو گئیں۔ 1786ء میں ایک چھوٹے سے صوبائی شہر ڈائیجون کے اندر انسائیکلو پیڈیا کی ساٹھ جلدیں موجود تھیں۔

حصہ ہفتم

روشن خیالی کا دور

(THE AGE OF ENLIGHTMENT)

☆ باب 30

روشن خیالی کا دور۔ فلسفے

(AGE OF ENLIGHTMENT - PHILSOPHES)

فرینکوائس لیسنے (1694ء - 1774ء) نے انسا لیکلیو پیڈیا کے لئے جو مقالے لکھے تھے' ان میں دور روشن خیالی کے اقتصادی پروگرام کا اعلان کر دیا تھا۔ کولیسنے متنوع العلوم شخص تھا۔ اسے حیاتیات میں مہارت تھی۔ وہ اعلیٰ درجے کا سرجن تھا۔ لوئی پانز دہم اور مادام پمپا دور نے اسے ذاتی طبیب مقرر کرلیا تھا۔ وہ مفکروں اور ناشروں کے ایک گروہ کا رئیس تھا' جنہیں اقتصادیات کے فلسفی کہا جاتا تھا۔ انہوں نے آگے چل کر اپنے لیے فزیوکریٹ کا نام اختیار کرلیا' یعنی وہ لوگ جو قدرتی حکومت پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اس نام سے ان کے دبستان فکر کا بنیادی نقطہ نگاہ آشکارا ہوتا ہے۔ ان کا یہ احساس یقین کامل کی حد پر پہنچا ہوا تھا کہ وہ اقتصادیات کے نیوٹن تھے اور کولیسنے بار بار اعلان کر چکا تھا کہ ہم اقتصادیات کے ایسے فطری قوانین دریافت کرلیں گے' جنہیں علم الہندسہ یا جبر و مقابلہ کے قواعد و اصول کی طرح پختہ اور ناقابل تردید ثابت کیا جاسکے۔

"بادشاہ اور حکومت کو کبھی یہ حقیقت نظر انداز نہ کرنی چاہئے کہ زمین ہی دولت کا واحد ذریعہ ہے اور کھیتی باڑی سے دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یوں کولیسنے نے طبعی دولت کا نیا تصور پیش کیا' جو فطری حکومت کے حامیوں نے اختیار کر رکھا تھا اور تجارتی نظریہ زر کو تقریباً" فی الجملہ گلدستہ طاق نسیان بنا دیا۔ کولیسنے نے روپے کی اہمیت کو کم کرتے ہوئے کہا: "لوگوں کو معاش کے لئے جس دولت کی ضرورت ہے' وہ روپیہ نہیں' بلکہ وہ سامان ہیں' جو جینے کے لئے ضروری ہیں' نیز ضروری ہے کہ ان سامانوں کی سالانہ پیداوار کا سلسلہ جاری رہے۔ کولیسنے نے کہا جن مملکتوں نے تجارتی نظریہ زر اختیار کیا۔ ان سے پے در پے غلطیاں سرزد ہوئیں' کیونکہ انہوں نے نقد روپے پر حد سے زیادہ زور دیا۔ انہوں نے تجارت کو ضبط و نظم میں لانے کی کوشش کی' حالانکہ اسے آزاد چھوڑ دینا چاہئے تھا پھر انہوں نے برف اور بعض دوسرے بالواسطہ محاصل عائد کرکے سامانوں کو گراں خرچ بنا دیا' حالانکہ انہیں صرف ایک محصول لینا چاہئے تھا' یعنی وہ محصول' جو زمین کی اصل پیداوار پر عائد تھا۔

غرض فطری حکومت کے حامیوں نے عدم مداخلت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ زندہ رہو اور زندہ رہنے دو اور فطرت کو اپنا کام کرنے دو۔ اسی وجہ سے تجارتی نظریہ زر کی اقتصادیات کو رد کر دیا۔ جس پر حکومت کو ضبط و نظم حاصل تھا اور آزاد اقتصاد کا کلاسیکی یا لبرل نظریہ پیش کیا۔ وہ کہتے تھے۔ "مملکت کو طبعی اقتصادی قوتوں کی آزادانہ کار فرمائی میں خلل نہ ڈالنا چاہیے۔ سب سے بڑھ کر یہ اسے نجی املاک کے لئے خطرہ پیدا نہ کرنا چاہئے' جو زرعی دولت پیدا کرنے کے لئے حد درجہ ضروری ہے۔"

عدم مداخلت کی کلاسیکی ترتیب ایڈم سمتھ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "ثروت اقوام" میں پیش کی۔ (1776ء) فطری حکومت کے طرفداروں نے تجارتی نظریہ زر کے نظری ڈھانچے پر جو حملہ

کیا تھا' ایڈم سمتھ نے پورے زور سے اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا اور کہا کہ ملکی صنعتوں کی حفاظت کے لئے ٹیرف لگا کر درآمد کو محدود کرنا غیر طبعی بھی ہے اور خلاف اقتصادیات بھی۔

"کنبے کے ہر محتاط رئیس کا یہ اصول ہے کہ گھر میں کوئی ایسی چیز بنانے کی کوشش نہ کی جائے جس کے بنانے پر خریدنے سے زیادہ خرچ ہو۔ درزی اپنے جوتے بنانے کی کبھی کوشش نہیں کرتا' بلکہ موچی سے خرید لیتا ہے۔ موچی کبھی کوشش نہیں کرتا کہ اپنے کپڑے خود سیئے وہ درزی سے سلا لیتا ہے.....

"ہر کنبے کے نزدیک جو طرز عمل احتیاط کہلاتا ہے وہ کسی بڑی سلطنت میں حماقت نہیں بن سکتا۔ اگر ایک غیر ملک ہمیں وہ جنس سستی مہیا کر دیتا ہے اور ہم خود اتنے پیسوں میں نہیں بنا سکتے تو بہتر یہی ہے کہ اپنی پیدا کردہ صنعتوں کا ایک حصہ دے کر اسے خرید لیں.....

سمتھ نے روپے کو اس بلند سطح سے بھی نیچے اٹھا پھینکا' جس پر تجارتی نظریہ زر کے حامیوں نے اسے بٹھا دیا تھا۔

"اس امر کو سنجیدگی سے ثابت کرنے کی کوشش حد درجے مضحکہ خیز ہوگی کہ دولت نقد روپیہ یا سونا یا چاندی نہیں' بلکہ قوت خرید ہے اور روپیہ اس لحاظ سے قیمتی ہے کہ اس سے چیزیں خریدی جا سکتی ہیں..... یورپ کو امریکہ کی دریافت نے سونے اور چاندی کی درآمد کے باعث دولتمند نہیں بنایا..... صرف اس لیے دولتمند بنایا کہ یورپ کے سرو سامان کے لئے نئی اور لامتناہی منڈیاں پیدا ہو گئیں۔ اس طرح یورپ نے از سر نو تقسیم محنت پر عمل کیا اور فنون کی اصلاح کی اور قدیم تجارت کے تنگ حلقوں میں یہ چیزیں کبھی بروئے کار نہیں آ سکتی تھیں' کیونکہ اپنی مصنوعات کا بڑا حصہ لے جانے کے لئے منڈیاں بھی موجود نہ تھیں۔"

دیکھئے' یہاں تقسیم محنت پر زور دیا گیا۔ فطری حکومت کے حامیوں کی طرح ایڈم سمتھ قوموں کے سامان بنا لینے کو ان کی دولت قرار دیتا تھا۔ برطانیہ اس زمانے میں ممتاز تجارتی اور صنعتی مملکت تھا۔ اس مملکت کے شہری کی حیثیت میں سمتھ نے معاملے کو زرعی حیثیت پر چنداں توجہ نہ کی۔ ایڈم سمتھ کے نزدیک پیداوار زیادہ تر زمین پر نہیں (جو فطری حکومت کے حامیوں کا نقطہ نگاہ تھا) بلکہ کسانوں' کاریگروں اور کارخانوں کے مزدوروں کی محنت پر موقوف تھی۔ سب سے آخر میں "ثروت اقوام" کی مشہور ترین عبارت کے مطابق ایڈم سمتھ نے حکومتوں کو صرف پولیس کی حیثیت دے دی۔ وہ کہتا ہے۔

"طبعی آزادی کے نظام کے مطابق بادشاہ کو صرف تین فرائض پر توجہ رکھنی چاہیے..... اول دوسرے آزاد معاشروں کے حملے اور تشدد سے اپنے معاشرے کی حفاظت کا فرض' دوم حتی الامکان معاشرے کے ہر رکن کو دوسرے ارکان کی بے انصافی اور ظلم و جور سے محفوظ رکھنے کا فرض یا بخشش عدل کا ایک صحیح نظام قائم کرنے کا فرض۔ سوم ایسے امور عامہ یا ادارہ ہائے عامہ کے قیام و بقا کا

فرض جو کوئی فرد یا افراد کی چھوٹی سی تعداد قائم کرنے اور محفوظ رکھنے پر آمادہ نہیں ہو سکتی۔"

نظریہ زر کے حامیوں نے مملکت کو فرد سے بہت بلند سطح پر رکھ دیا تھا اور قوموں کے درمیان ایک لامتناہی تجارتی جنگ کا اعلان کر دیا تھا۔ ایڈم سمتھ اور فطری حکومت کے حامیوں نے اس صورت حال کو الٹ دیا۔ یعنی فرد کی اقتصادی آزادی اور قوموں کے درمیان تجارتی آزادی کو طبعی قوانین قرار دیا۔ دور تنویر میں عدم مداخلت کا یہ پروگرام اقتصادی فکر میں ایک انقلابی تغیر کا نشان تھا اور انیسویں صدی میں صنعتی انقلاب کی انفرادیت نے اسی سے نشوونما پائی' لیکن اس سے بڑی طاقتوں کے اقتصادی مسلک میں کوئی انقلاب پیدا نہ ہوا۔ یورپ بھر میں سے صرف برطانیہ نے عدم مداخلت کی پوری آزمائش کی۔ براعظم میں اقتصادی نظریہ زر کو بدستور خاصی قوت حاصل رہی' جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ ترگو فطری حکومت کے اصول کا سب سے بڑا شارح تھا۔ اس نے فرانسیسی زراعت اور فرانسیسی کاروبار کو اپنے مختصر سے عہد وزارت عظمیٰ میں الگ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ یہ اٹھارھویں صدی کے آٹھویں عشرے کا واقعہ ہے۔

فطری حکومت کے حامی بھی وہ چیز فراموش کر گئے۔ جو بہت سے فلسفیوں نے فراموش کر دی' یعنی وہ سیاسیات کی پیچیدگیوں اور فطرت انسانی کی حقیقتوں کے درمیان فطری قانون نے سادہ و معقول تقاضوں کے مطابق مطابقت کی مشکلات کو نظر انداز کر گئے۔ اس نقطے کو فرانسیسی معاصرین کے مقابلے میں ایڈم سمتھ نے زیادہ واضح صورت میں بھانپ لیا تھا۔ ایک سکاٹ کی روایتی ہوشیاری و دور بینی کے ساتھ اس نے پیشگوئی کی۔

"یہ امید رکھنا کہ برطانیہ عظمیٰ میں تجارت کی آزادی پوری طرح بحال ہو جائے گی۔ اتنا ہی مضحکہ ہے' جتنا یہ توقع رکھنا کہ ایک اوشیانا یا یوٹوپیا وہاں قائم ہو جائے گا۔ عوام کے تعصبات ہی نہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر بہت افراد کے نجی مفاد اس کے سخت خلاف ہیں اور انہیں مسخر کرنا بڑی حد تک ناممکن ہے۔"

انصاف : اقتصادی عدم مداخلت میں فطرت کو اس کے حال پر چھوڑ دینے کی روش بہت نمایاں ہے۔ دور تنویر میں یہی نقطہ نگاہ مسائل تعلیم و انصاف کے متعلق نمایاں رہا۔ فلسفیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ ہر انسان کو آزادی ہونی چاہئے' اگرچہ وہ تنویر کا کھلا دشمن ہو۔ وہ سمجھتے تھے کہ انسان نے جو قانون بنائے' وہ فطرت کے قوانین انصاف کے اجراء میں مانع ہیں۔ قدیم نظام کے غیر منصفانہ اور دقیانوسی ضوابط اور پر پیچ عدالتی کاروائیاں فلسفیوں کے نزدیک ہولناک تھیں۔ ان کو ایک نئے حسنیین کی ضرورت تھی' جو مجموعہ ہائے قوانین کو سہل بنا دیتا اور انہیں سہل و نرم بنا دیتا۔ ایک نئی سائنس کی ضرورت تھی تاکہ جرم کی سزا میں زیادہ ملایمت اور اثر پیدا کر دیتی یہ نیا سائنس' جو دور حاضر کے اجتماعیات کا پیش خیمہ تھی۔ سیزر بکاریا 1738ء - 1794ء کے ذریعے سے فروغ پذیر ہوا۔ یہ اطالوی فلسفی تھا اور اس کی شہرت کا مدار ایک کتاب ہے' جس کا نام ہے "جرائم و تعزیرات پر ایک مقالہ 1794ء - بکاریا نے انصاف کے تین طبعی قانون وضع کیے۔

1- سزا کا مقصد یہ ہونا چاہئے :

کہ مجرم کے لیے معاشرے کو مزید نقصان پہنچانا ناممکن بنا دے اور دوسرے کو ایسے جرائم کے ارتکاب سے روک دے' لہٰذا ایسی سزائیں انتخاب کرنی چاہئیں جو دوسروں کے دل پر زبردست اور حد درجہ پائدار اثر چھوڑیں۔ ساتھ ہی مجرم کے جسم کو کم سے کم تکلیف پہنچے۔

2۔ انصاف جلد سے جلد ہونا چاہئے:

"کیونکہ سزا اور جرم کے درمیان جتنا کم وقفہ ہوگا' اتنا ہی دونوں کے درمیان تعلق زیادہ مستحکم اور پائدار سمجھا جائے گا۔

3۔ جرموں کو زیادہ موثر طریق پر سزا کی سختی کے ذریعے سے نہیں' بلکہ اس کی قطعیت کے ذریعے سے روکا جاتا ہے..... چھوٹی سی سزا کی قطعیت زیادہ سخت سزا کے خوف کے مقابلے میں بہت پائدار اثر کرے گی۔

..... اگر سزائیں بہت سخت ہوں گی تو آدمی طبعاً" دوسرے جرائم کے ارتکاب پر مائل ہوں گے تاکہ پہلی سزا سے بچے رہیں....."

بکاریا نے تعذیب اور سزائے موت دونوں کی سخت مخالف کی' کیونکہ یہ دونوں چیزیں طبعی قانون سے بالکل متفادت تھیں۔ اس نے کہا: تعذیب کے متعلق یہ غلط چیز فرض کرلی گئی ہے کہ درحقیقت کی آزمائش ہے۔ گویا حقیقت اس بدبخت کے رگ و پے میں بستی ہے' جو زیر تعذیب ہو۔ قید کی سزائیں دینی چاہئیں نہ کہ موت کی۔ ایک مجرم کی موت بڑا ہی خوف ناک مگر وقتی منظر ہے' لہٰذا یہ دوسروں کو جرائم سے باز رکھنے کا کم موثر طریقہ ہے۔ زیادہ موثر طریقہ یہ ہے کہ ایک انسان کو آزادی سے محروم کر دیا جائے۔ بار برداری کے جانور کی طرح اس سے محنت لی جائے۔ تاکہ اس طرح اس نقصان کی تلافی ہو جائے' جو اس نے معاشرے کو پہنچایا۔ بکاریا کا دعوی یہ تھا' صرف سزا کافی نہیں' جرائم کے انسداد کا بہترین طریقہ ہے کہ آزادی کو علم پر متوجہ کیا جائے اور نظام تعلیم مکمل کرلیا جائے۔

تعلیم - روسو : تعلیم میں بھی نظام قدیم عقل اور طبعی قانون کے امتحان میں ناکام رہا۔ فلسفی اس امر کا ماتم کرتے رہے کہ تقریباً" پورا نظام تعلیم مذہبی طبقے کے ہاتھ میں ہے' جو زیادہ تر زور دینیات' یونانی و لاطینی زبان اور تاریخ پر دیتا ہے۔ فلسفیوں کی رائے تھی کہ انسان پرستی کی یہ تعبیر وحشیانہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سائنس موجودہ دور کی زبانوں اور موجودہ دور کی تاریخ پر خاص توجہ کرے۔ دیدرو نے اعلان کیا:

"خطابیات کے نام سے تقریر کا فن سکھایا جاتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے غور و فکر کا فن سکھانا ضروری ہے اور جب تک اظہار کے لئے افکار موجود نہ ہوں' اچھا اسلوب یا حسن گفتگو کیا فائدہ دے سکتی ہے؟

طبیعات کے نام سے مادے کے عناصر اور ارضی نظاموں کے متعلق تھکا دینے والی بحثیں سکھائی جاتی ہیں' لیکن تاریخ طبعی یا صحیح کیمیا کے متعلق ایک حرف نہیں بتایا جاتا۔ یہاں کیفیت اجرام سماوی کی حرکت اور ان کے سقوط کے متعلق ہے۔ اس سلسلے میں بہت کم تجربے کیے جاتے ہیں۔ علم تشریح اور جغرافیے کی

حالت اور بھی خراب ہے۔"

ژین جیکوے روسو 1712ء - 1778ء نے تعلیم میں حد درجہ وسیع اصلاح کی تجویز پیش کی۔ روسو ایک باغی تھا۔ اس نے اپنا مقام پیدائش یعنی کیلون کے ہمنوا جینوا کے نہایت پابند اور منظم معاشرے کے خلاف بغاوت کی اور اوائل شباب میں اسے کتابوں کے وسیع مطالعے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ پھر پیرس کے سیلونوں میں اسے بعض مہذب مراسم سے سابقہ پڑا۔ ان دونوں کے خلاف بھی اس نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ اس بغاوت کا نتیجہ ایمیل نام ایک کتاب تھی جو 1762ء میں لکھی گئی۔ یہ نصف رسالہ اور نصف رومان ہے۔ اس میں ترقی پذیر تعلیم کے لئے بڑی طویل اور پرجوش اپیل کی گئی ہے۔

ایمیل کتاب میں دو ہیرو رکھے گئے تھے' اول ایمیل' جو طالب علم تھا' دوسرا روسو' جسے معلم کہنا چاہئے۔ روسو نے اپنے شاگرد کی تعلیم و تربیت کے لئے جو کچھ تجویز کیا' وہ اٹھارھویں صدی کے عمل سے بہ ہمہ وجود مختلف تھا۔

> "میں اسے سکھاؤں گا کہ زندگی ایک پیشہ ہے جب وہ تعلیم سے فارغ ہو جائے گا' تو میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ نہ تو مجسٹریٹ بنے گا' نہ سپاہی' نہ پادری' بلکہ صرف انسان ہو گا۔

روسو نے اپنے شاگرد کے متعلق عدم مداخلت کی پالیسی پر عمل کیا۔ روسو نے ایمیل کو کبھی مجبور نہ کیا کہ ابتدائی دور ہی میں تعلیم شروع کردے۔ ایمیل نے دنیائے فطرت کا مطالعہ کتابوں سے نہیں' بلکہ براہ راست تجربے سے کیا۔ اس نے خود جنگلوں میں راستے پیدا کرکے جغرافیہ سیکھا اور کھیتوں میں کام کرکے زراعت سیکھی۔ جب وہ تیرہ چودہ سال کا ہوا تو پڑھ سیکھ لیا۔ اسے سب سے پہلے ڈیفو کی کتاب "روبنسن کروسو" پڑھائی گئی' جو فطری اعتبار سے تعلیم کے متعلق بہترین کتاب ہے۔

روسو کے تعلیمی پروگرام میں متعدد نقائص تھے۔ ایمیل میں اس نے مروجہ درسگاہوں کی سخت مذمت کی تھی' لیکن وہ ان کا بدل تجویز کرنے میں کوئی واضح بات نہ کہہ سکا۔ وہ عملی ضرورتوں سے بے بہرہ تھا' کیونکہ اس نے فرض کرلیا تھا' ہر بچے کو ہر روز چوبیس گھنٹے کے لیے اتالیق کی غیر منقسم توجہ کا مرکز بنے رہنا چاہئے۔ نیز اس نے معلم پر شاگرد کے بہ ظاہر مستقل اور کامل انحصار کی پرورش کی۔ چنانچہ جب ایمیل نے شادی کرلی اور اس کے بچہ پیدا ہوا تو اس حالت میں بھی اس نے اتالیق کو خدمت پر بحال رکھا اور کہا۔ اب میں انسانیت کے فرائض سنبھال رہا ہوں اور مجھے پہلے سے زیادہ آپ کی ضرورت ہے۔"

بہ ایں ہمہ ایمیل ایک بلند پایہ کتاب تھی۔ روسو نے اس کے ذریعے سے آفاقی انسان کا وہ تصور تازہ کیا' جو دور احیاء علوم میں پیدا ہوا تھا۔ ساتھ ہی سلامت قلب اور سلامت جسم کے متعلق یونانی نصب العین کو زندہ کردیا۔ پیسٹالوزی 1746ء - 1827ء کی کوشش سے' جو سوئزرلینڈ کا ایک معلم اور انسانیت پرور تھا' ایمیل میں پیش کردہ مثالی پروگرام تعلیم کے عملی تقاضے پیش نظر رکھتے ہوئے اختیار کرلیا۔ پیسٹالوزی نے جغرافیے' ڈرائنگ اور دوسری نئی اور مفید چیزوں کی تعلیم اپنے تجرباتی سکول میں بڑے عمدہ طریق پر پیش کردی۔ پیسٹالوزی کو اس امر سے سخت اختلاف تھا کہ طلبہ کو بارکوں میں رکھ کر ڈرل کرائی جائے۔ اس طرح لامتناہی طریق پر ورزشوں کا

اعادہ ہوتا رہے اور جسمانی سزائیں دی جائیں۔ بیسویں صدی کے طلبہ کو اٹھارھویں صدی کے مصلحین تعلیم کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ انہوں نے یہ طبعی قانون دریافت کرلیا کہ بچوں کے ساتھ بچوں کا سا سلوک ہونا چاہئے۔ نہ کہ چھوٹے درجے کے بالغوں کا سا۔

مذہب کے متعلق روش : پادریوں کے طریق تعلیم پر نکتہ چینی کا سلسلہ تیزی سے بڑھتا رہا۔ یہ دراصل اس کردار پر حملہ تھا' جو نظام قدیم کے پادریوں نے ادا کیا تھا۔ فلسفیوں نے نعرہ لگایا کہ اس مکروہ شے کو کچل دو۔ مذہبی تعصب اور نارواداری کو پاؤں تلے روند ڈالو۔ انہوں نے یسوعی نظام پر بالتخصیص حملے کیے' جسے جنگجو کیتھولزم کا حربہ اور نشان سمجھا جاتا تھا۔ یسوعیوں کا نظام توڑ دینے کے لئے دباؤ اتنا بڑھ گیا تھا کہ پوپ کلیمنٹ ہفتم کو یہ مطالبہ ماننا پڑا۔ 1773ء میں اس نے انجمن یسوع مسیح ختم کردی۔ پھر نصف صدی تک اس کا احیاء نہ ہوسکا۔

اکثر فلسفی نہ صرف روا داری کے سرگرم حامی تھے۔ بلکہ انہوں نے مذہب کے سلسلے میں وہ روش اختیار کی' جسے عموماً" مسلک فطرت کہا جاتا ہے۔ حامیان مسلک فطرت کے نظریات سترھویں صدی کے انگلستان میں پیدا ہوئے تھے۔ یعنی اس انگلستان میں جہاں خانہ جنگیاں ہوتی رہیں اور جہاں نیوٹن سائنس نے جنم لیا۔ خانہ جنگیوں کی کثرت نے مسلک فطرت کے حامیوں کو اس امر پر آمادہ کیا کہ مذہبی جھگڑوں کا فیصلہ تلوار کے بجائے عقل سے کرلیں۔ وہ کہتے تھے کہ تمام انسان چند بڑے بڑے مذہبی اصولوں پر متفق ہوسکتے ہیں۔ نیوٹن کی کائناتی مشین سے واضح ہوتا تھا کہ کسی نہ کسی نوع کی میکانیت موجود ہے۔ مسلک فطرت کے حامی خدا کو کائنات کا خالق مانتے تھے اور کہتے تھے کہ انسانی کردار کا آخری موازنہ اسی کے ہاتھ میں ہے' مگر وہ اس سے انکار کرتے تھے کہ خدا دعاؤں کا جواب دیتا ہے یا اپنی رحمت سے لوگوں کو نوازتا ہے۔ اگر کامل افکار نہیں تو اس میں انہیں شبہ ضرور تھا۔ ان کے نزدیک کائنات کی مشین خدا کی براہ راست مداخلت کے بغیر خوش اسلوبی سے جاری تھی۔ حامیان مسلک فطرت کے نزدیک خدا کو یا تو ماضی بعید میں کچھ کرنا پڑا یا مستقبل بعید میں وہ کچھ کرے گا۔ حال میں اس کے لئے کوئی کام نہ تھا۔

جان لاک نے مسلک فطرت کی کیفیت اپنی کتاب "فہم انسانی کے متعلق مقالے" میں پیش کر دی۔ لاک کا استدلال یہ تھا کہ "ایمان کا تعلق صرف ان چیزوں سے ہے' جو ہمارے فطری قوی کی گرفت سے باہر اور عقل سے بالاتر ہیں۔" ایمان عقل سلیم کے خلاف نہیں جاسکتا" جو چیز عقل کے صاف اور بدیہی تقاضوں کے مطابق نہ ہو' اسے نہ ایمان قرار دیا جاسکتا ہے' نہ بطور ایمان قبول کیا جاسکتا ہے۔

والٹیر (1694ء - 1778ء) فرانس میں مسلک فطرت کا سب سے بڑا داعی تھا اور اسی نے پادریوں کے خلاف "کچل دو" کا نعرہ ایجاد کیا۔ وہ بجائے خود تنویر کا مرکز تھا۔ وہ پیشہ ور مصنف تھا۔ اس نے اپنی بے پناہ سرگرمیوں اور گوناگوں صلاحیتوں کو نئے افکار کی اشاعت کے لئے وقف کردیا۔ اس کے قلم سے ڈرامے' کہانیاں' رزمیہ نظمیں' تاریخیں' مقالے اور خطوط پے در پے نکلتے رہے۔ چونکہ اس کی تحریر ہر اعتبار سے واضح' بذلہ سنجی سے لبریز اور بعض اوقات حد درجہ طنز آمیز ہوتی' اس لیے اسے غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی۔ بعض اوقات اسے اپنی کتابیں فرانس سے باہر چھپوانی پڑیں اور ان میں مصنف کا نام فرضی اختیار کرلیا گیا' تاکہ احتساب سے محفوظ رہیں۔ مگر ان باتوں نے اس کی ہر دلعزیزی میں کمی نہ آنے دی۔ والٹیر ہی --

فرانسیسیوں کو نیوٹن' لاک اور شیکسپیر سے آگاہ کیا۔ اس نے تاریخ نگاری کا نیا نمونہ پیش کیا' کیونکہ اس میں سیاسیات اور جنگوں کے علاوہ اقتصادیات اور ثقافت پر بھی بحثیں کرتا تھا۔ اس طرح اس کی تاریخ نگاری بیسویں صدی کی نئی تاریخ یا تہذیبوں کے جائزے کا پیش خیمہ بنی۔

والٹیئر کو خود براہ راست ناروا داری کا تجربہ ہوا۔ اوائل شباب میں اسے ایک سال کے قید خانے میں اور تین سال انگلستان کی جلاوطنی میں گزارنے پڑے کیونکہ اس نے فرانسیسی حکومت پر نکتہ چینی کی تھی اور مخصوص حقوق والے امراء میں سے ایک فرد کو ناراض کر دیا تھا۔ اس کے مقابلے میں برطانیہ کے اندر نسبتاً" مذہبی اور سیاسی آزادی نظر آئی تو اس پر گہرا اثر پڑا۔

"اگر انگلستان میں صرف ایک مذہب ہوتا' تو مطلق العنانی کا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ اگر دو مذہب ہوتے تو دونوں کی پیرو ایک دوسرے کا گلا کاٹتے' لیکن یہاں تیس مذہب ہیں' لہٰذا وہ پرامن طریق پر اور خوش خوش ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

فرانس واپس آکر والٹیئر نے زندگی بھر رواداری کا سلسلہ قائم رکھا۔ 1762ء میں ایک پروٹسٹنٹ تاجر جین کیلس پر یہ الزام لگا کہ اس نے اپنے بیٹے کو کیتھولک بن جانے سے روکنے کے سلسلے میں قتل کر دیا۔ کیلس نے بڑی بری حالت میں وفات پائی' کیونکہ اسے پہیے سے باندھ کر اعضا شکنی کی سزا دی گئی تھی۔ والٹیئر کو پتا لگ گیا کہ کیلس کے خلاف جو الزام عائد کیا گیا تھا۔ وہ افواہ پر مبنی تھا اور جس عدالت نے اسے موت کی سزا دی تھی' اسے متعصب کیتھولک عوام کے دباؤ نے مجبور کر دیا تھا۔ والٹیئر نے تین سال تک اس کے لئے جہاد جاری رکھا' یہاں تک کہ ابتدائی فیصلہ الٹ دیا گیا اور کیلس کا نام ایک غلط الزام سے پاک ہوا۔

شر کا وجود۔ یعنی ایسی بے انصافیوں کا وجود' جنہوں نے کیلس کو تباہ کیا۔ دور عقل میں ایک بہت بڑا مسئلہ بن کر پیش ہوا۔ فلسفیوں میں سے بہت کم لوگ اس روایتی مسیحی تعلیم کو مانتے تھے کہ شر ابتدائی گناہ سے پیدا ہوا۔ اس کا تعلق آدم و حوا کے ہبوط سے ہے۔ وہ پوچھتے تھے کہ اگر خدا فیاض و مہربان ہے تو اس نے ایسی دنیا کو کیوں پیدا کیا' جس میں شر کو غلبہ حاصل ہے؟ کیا خدا' جو ہر اعتبار سے کامل و اکمل ہے' کسی ناقص تخلیق کا ذمہ دار ہو سکتا ہے؟ انگریز انڈر پوپ والٹیئر کا عظیم القدر انگریز معاصر تھا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ دنیا ممکن دنیاؤں میں بہترین ہے:

"پوری فطرت فن ہے' مگر تو نہیں جانتا
تمام اتفاقات ہدایت ہیں' مگر تو نہیں دیکھتا
تمام نزاعات ہمہ آہنگی ہے' مگر تو نہیں سمجھتا
تمام جزوی برائیاں آفاقی اچھائیاں ہیں
اور تکبر یا غلط کار عقل کے باوجود
ایک حقیقت روشن ہے' یعنی جو کچھ ہے' حق ہے۔"

مگر پوپ کبڑا تھا۔ والٹیئر نے پوچھا کہ پوپ اس بدصورتی کو کیونکر آفاقی اچھائی کی شہادت قرار دے سکتا ہے؟ والٹیئر نے کینڈیڈ کے نام سے ایک مشہور کہانی لکھی تھی' جس میں رجائیوں کا مذاق اڑایا اور نہایت تلخ طنزیہ انداز میں ان تباہ کاریوں پر نکتہ چینی کی جن سے ممکن دنیاؤں میں یہ بہترین دنیا لبریز تھی۔ کینڈیڈ کی تصنیف کا باعث ایک بہت بڑی تباہی ہوئی تھی' یعنی ایک خوف

ناک زلزلے اور بحری طوفان نے پرتگال کی مرکز لزبن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ (یکم نمبر 1755ء) اس طرح تیس ہزار سے زائد انسان مارے گئے۔

مسلک فطرت نے والٹیئر کے دل میں کامل و اکمل خدا اور ناقص دنیا کے درمیان اک گونہ مفاہمت پیدا کردی۔ والٹیئر کا ایمان تھا کہ خدا ہی دنیا کا خالق ہے۔

"جب میں ایک گھڑی پر نظر ڈالتا ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ ایک دانشمند وجود نے اس کی مشینری کے کل پرزے ترتیب دیے' تاکہ سوئیاں صحیح وقت بتاتی رہیں۔ اسی طرح جب میں انسانی جسم کے کل پرزوں کو دیکھتا ہوں تو اس کے نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ ایک دانشمندانہ حکیم ہستی نے اس کے تمام اعضا ترتیب دیئے جو نو مہینے تک ماں کے رحم میں رہ کر پرورش پاتے ہیں۔ پھر دیکھنے کے لئے آنکھیں' گرفت کے لئے ہاتھ وغیرہ وجود میں آئے۔"

مگر والٹیئر اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ خدا اس تخلیق کو کبھی مکمل کرنے کی کوشش کرے گا کہ نہیں؟ ایک نکتے کے متعلق والٹیئر کو کوئی شبہ نہیں تھا' یعنی اس نے مذہب کی عمرانی افادیت میں کبھی شبہ نہ کیا۔ اس نے لکھا۔ "انسان کو ہر حال میں ایک روک کی ضرورت تھی اور عوام کے لئے کوئی بھی مذہب خواہ کتنا ہی قدیم کیوں نہ ہو' دہریت سے بہتر ہے۔"

بیرن دا ہولباش (1723ء - 1759ء) : دور تنویر کا نہایت صاف گو اور بے باک دہریہ تھا' جس نے افادیت پر مبنی تمام دلائل مذہب کے خلاف الٹ دیئے۔ اس نے کہا کہ مذہب ایسی روک نہیں' جس کی ضرورت انسان کو ہے۔ اور خدا محض خیال کا ایک دھوکا ہے اور اس دنیا میں جو شر موجود ہے' وہی اس کے وجود سے انکار کی دعوت دیتا ہے۔ ہولباش کہتا تھا کہ محض خود غرضی ہی انسانوں کو اخلاقی اعتبار سے خوش رفتار بنا دینے کے لئے کافی ہے۔ اگر منظم مذاہب کی جڑ کاٹ دی جائے۔ عقل اور طبعی قانون کی حکمرانی جاری ہو جائے تو یہ دنیا یقیناً" ممکن دنیاؤں میں سے بہترین بن جائے گی۔

ہولباش دولت مند آدمی تھا اور اس کے سیلون میں جو بھی آتا' اس کی مہمانداری کی جاتی۔ ان میں وہ نسوی پناہ گیر بھی شامل تھے' جو پادریوں کے مخالفوں کی سختیوں کا ہدف بنے ہوئے تھے۔ اس کی روا داری نے دہریت سے بھی بڑھ کر معاصرین پر اچھا اثر ڈالا۔ زیادہ تر فلسفیوں نے مسلک فطرت ہی کو ترجیح دیئے رکھی' جو ایمان اور عدم ایمان کا درمیانی مقام تھا۔ مسلک فطرت کے الہامات اور بے یقینیاں دور تنویر کی پوری مذہبی روش پر چھائی رہیں۔ فلسفی تنگ نظری تعصب اور ظلم و تشدد کے خلاف تھے۔ باقی رہا یہ سوال کہ وہ روا داری کے اہم اصول کے سوا اور کس چیز کے حامی تھے؟ تو یہ واضح نہ تھا۔

سیاسی پروگرام : مونٹسک : والٹیئر نے کہا: مذہب کی طرح سیاسیات میں بھی روا داری ضروری ہے' یہی وجہ ہے کہ اس کے نزدیک انگلستان مثالیت سے قریب تر ہے۔ والٹیئر نے برطانوی دستور کو نہایت اعلیٰ خراج تحسین ادا کیا' جب کہا کہ یہ دستور لاک' نیوٹن یا ارشمیدس نے ترتیب دیا۔ اس نے ستائش ضرور کی' مگر اس کی توضیح نہ کی۔ مونٹسک نے برطانیہ کے سیاسی

محاسن کا تجزیہ بھی کیا اور ان کی تفصیل بھی پیش کی۔

مونٹسک (1689ء - 1755ء) ایک فرانسیسی قانون دان اور فلسفی تھا' جس کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ علم سیاست کا نیوٹن بن جائے۔ اس کی سب سے بڑی کتاب کا نام "روح قوانین" ہے جو 1748ء میں لکھی گئی۔ اس میں برطانوی دستور اور عام حکومتوں کے بنیادی اصول واضح کیے گئے ہیں۔ مونٹسک نے ابتدا ایک نہایت معقول تمہید سے کی' یعنی یہ کہ کوئی ایک نظام حکومت تمام ملکوں کے لئے موزوں نہیں۔ اس نے لکھا کہ قوانین:

"..... کو ہر ملک کی فضا اور آب و ہوا کے مطابق ہونا چاہئے۔ انہیں زمین کی حیثیت' موقع و محل اور وسعت کے مطابق رہنا چاہئے۔ اس سلسلے میں باشندوں کے بڑے پیشے کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے یعنی وہ کاشت کار ہیں یا شکاری یا گڈریے۔ قوانین کو آزادی کے اس درجے کے مطابق ہونا چاہئے۔ جو دستور تجویز کرے گا۔ اس سلسلے میں باشندوں کے مذہب' رجحانات' مال و ثروت' تعداد' تجارت اور اوضاع و مراسم کا خیال رکھنا ضروری ہے۔"

مونٹسک نے اس مفروضے کے خلاف انتباہ کر دیا تھا کہ پرانی رسموں اور روایتوں کو محض قانون بناکر مٹایا جاسکتا ہے یا ان کی جگہ سادہ تر طبعی قوانین جاری کیے جاسکتے ہیں۔ اس نے پیٹراعظم کی ناکامی کی نہایت برمحل مثال پیش کی' جس نے روس میں مغربی اوضاع کے نظام کا فرمان جاری کر دیا تھا۔ حکومت کی شکلوں پر میراث اور ماحول کے اثر کی توضیح کرتے ہوئے اس نے کہا کہ جمہورتیں چھوٹے اور بنجر ملکوں کے لئے نہایت موزوں ہیں' متوسط درجے کے زیادہ خوشحال ملکوں کے لیے محدود بادشاہیاں مناسب ہیں۔ وسیع سلطنتوں کے لئے مطلق العنانی لازم ہے۔

برطانیہ چونکہ متوسط درجے کا ملک ہے اور خوش حال ہے' اس لیے وہاں امراء نے جو محدود بادشاہی قائم کردی' وہی مناسب تھی۔ موروثی امراء پارلیمنٹ کے ایوان بالا میں بیٹھے' جن لوگوں کو قابلیت کے اعتبار سے بلند حیثیت حاصل تھی' نیز جو نمائندے چنے جاتے تھے ان سے "دارالعوام مرتب ہوا۔ مونٹسک کی راہ میں یہ سب کچھ قابل قدر تھا۔ اسے جمہوریت پر اعتماد تھا۔ وہ کہتا تھا کہ عوام حکومت کے لئے حد درجہ ناموزوں ہیں۔ اگر فرانس میں امراء کے پرانے سیاسی وظائف قائم رہتے تو وہ کبھی پستی میں نہ گرتا۔

مونٹسک کے نزدیک برطانیہ کی سیاسی برتری کی ایک کلید امراء کا غلبہ تھی۔ دوسری یہ کہ جابجا روک تھام اور توازن کا خیال رکھا گیا۔ پارلیمنٹ میں امراء اور عوام ایک دوسرے پر روک کا کام دیتے اور حکومت میں توازن کے قیام کا ذریعہ اختیارات کی علیحدگی تھی۔

"جب قانون سازی اور تنقید کے اختیارات ایک ذات میں جمع ہوجاتے ہیں یا ایک ہی مجسٹریٹ ان کا حامل بن جاتا ہے تو آزادی باقی نہیں رہ سکتی' کیونکہ خطرے پیدا ہوسکتے ہیں' بہادر بادشاہ یا سینٹ ظالمانہ قوانین بنائے اور ان پر ظالمانہ طریق سے عمل کرائے۔ مزید برآں اگر عدالتی اختیار قانون سازی اور تنقید کے اعتبار سے الگ نہ کیا جائے تو بھی آزادی باقی نہیں رہتی۔ یہاں پر یہ اختیار قانون ساز مجلس سے مشترک ہو جائے گا۔ تو رعایا کی زندگی اور آزادی

من مانی کاروائیوں کی زد میں آجائے گی۔ کیونکہ جج خود ہی قانون سازی کرے گا۔ اگر اس اختیار کو تنقیدی اختیار سے ملا دیا جائے گا تو جج ظلم و جبر کا ارتکاب کرسکے گا۔"

مونٹسک یہ نہ دیکھ سکا کہ برطانوی دستور اختیارات کی علیحدگی کی طرف نہیں' بلکہ انہیں پارلیمنٹ کے ہاتھ میں دے دینے (خصوصاً" دارالعوام کے ہاتھ میں) کے لیے سرگرم ہے۔ کابینہ قانون سازی کی برتری تنقید پر قائم کرنے کا آلہ کار تھی۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ یہ بھی بتا دیا جائے' یہ امور 1748ء تک بالکل واضح نہ تھے۔ جب "روح قوانین" پہلے پہل منظر عام پر آئی تھی۔

مونٹسک کو ایک اور مشکل اس وقت پیش آئی' جب اس نے اپنے عام اصول سے انسانی اداروں پر آب و ہوا اور جغرافیے کے اثرات کے متعلق خاص لوازم پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس کا دعوی یہ تھا کہ مطلق العنانی اور کیتھو سزم بحیرہ روم کی مملکتوں میں فروغ پذیر ہیں' کیونکہ ان کی آب و ہوا گرم ہے اور طبعی ذخائر بہت زیادہ ہیں۔ اس کے برعکس معتدل حکومت اور پروٹسٹنٹزم کے لیے شمالی یورپ کو زیادہ سخت ماحول اور زیادہ سرد آب و ہوا درکار ہے' لیکن تاریخی حقائق شمال و جنوب کے متعلق اس قاعدے کی ہر وقت توثیق نہیں کرتے۔ ہالینڈ اور برطانیہ پروٹسٹنٹ ملک تھے۔ ان کے باشندوں کو آزادی سے پیار تھا' لہٰذا انہوں نے شمالی انداز کے متعلق روش اختیار کرلی۔ لیکن اگر مونٹسک کا دعوی سچا ہوتا تو پروشیا بھی -- جو شمالی حصے میں واقع تھا' بنجر تھا اور پروٹسٹنٹ تھا۔ براعظم میں آزادی کا بہت بڑا حصار ہوتا۔ ہوبز و لرن مطلق العنانی کا گڑھ نہ ہوتا۔

ناکافی شہادت کے باوجود نتائج اخذ کرنے کے لئے مضطرب ہوکر مونٹسک نے وہی غلطیاں کیں' جو دور تنویر میں عام تھیں' لیکن اس عہد کی ایک اور غلطی سے وہ محفوظ رہا۔ اسے یہ حقائق کا بہتر اندازہ تھا' لہٰذا اس نے یہ قبول نہ کیا کہ حکومتیں ہر جگہ یکساں تھیں یا یکساں ہونی چاہئیں۔ شمال و جنوب کے متعلق اس کے غلط لوازم اس اہم نظریے کو غلط ثابت نہ کرسکے۔ کہ ایک قوم کے ماحول و میراث اس کے اداروں کی حیثیت متعین کرنے میں بڑی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ آگے چل کر سیاسی مفکروں نے "روح قوانین" کے بتائے ہوئے تقابلی طریقوں سے بہت اچھا کام لیا اور جغرافیے' مذہب اور سیاسیات کے باہم تعلقات کے متعلق مونٹسک کے فیصلوں کو معقول تر بنالیا۔ امریکہ میں جن لوگوں نے دستور کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے علیحدگی اختیارات کے متعلق مونٹسک کا تصور اختیار کرلیا۔

سیاسی پروگرام: روسو : امریکی تاریخ کے نقطہ نگاہ سے مونٹسک اور لاک دور تنویر کے اہم ترین سیاسی مفکر ہیں۔ یورپی نقطہ نگاہ سے اہم ترین حیثیت ژان ژاک روسو کو حاصل ہے' جس کے انکار نے انقلاب فرانس کے انتہا پسندوں میں جوش عمل پیدا کیا۔ روسو نے اپنے اصول کی ابتدا ایک ہمہ گیر تعمیم سے کی اور اس قسم کی تعمیمات دور تنویر میں عام تھیں۔ اس نے کہا کہ فطرت انسان کو شرف بخشتی ہے اور اس کا درجہ بلند کرتی ہے۔ تہذیب و تمدن اسے بگاڑتے ہیں۔ اگر تہذیب و تمدن کے ادارے فطری قوانین کی زیادہ سے زیادہ پیروی کریں تو انسان کی تخریب کا سلسلہ گھٹ جائے۔ یہی مضمون روسو کی اکثر بڑی تصانیف میں نمایاں رہا۔ ایمیل میں

اس نے اس مضمون کو اپنی تعلیمی اصلاح کے پروگرام کا بنیادی نقطہ قرار دیا ہے اس کی ایک اور کتاب ہے۔ "فنون و علوم کے اخلاقی اثرات پر مذاکرہ" (1750ء) یہ ڈاہیجون اکیڈیمی کے مقابلے میں انعام حاصل کرنے کے لئے پیش کی گئی تھی۔ اکیڈیمی نے موضوع یہ رکھا تھا: "آیا فنون، علوم کی بحالی سے اخلاقی پاکیزہ تر ہوگئے ہیں؟" انعام پانے والے نے جواب دیا: قطعاً" نہیں' بلکہ یہ تباہی کے قریب پہنچ گئے ہیں۔"

اس نے ایک اور مذاکرہ "انسانی نامساوات کے مبادی" پر لکھا (1755ء اس میں روسو نے نجی جائداد پر تہذیب و تمدن کے برے اثرات کو مجرم ٹھہرایا۔

"پہلا آدمی' جس نے زمین کے ایک ٹکڑے کو گھیر کر کہا کہ یہ میرا ہے اور سادہ لوح لوگوں نے اس کا یہ دعوی درست سمجھ لیا' اصل میں معاشرے کا بانی تھا۔ اگر لوگ ڈنڈے اٹھا لیتے' خندقیں بھر لیتے اور ساتھیوں سے کہتے۔" خبردار! اس جھوٹے کی بات پر کان نہ دھرنا۔ اگر تم نے ایک مرتبہ یہ حقیقت نظر انداز کردی کہ اس زمین سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے' وہ ہم سب کا ہے اور خود زمین کی ملکیت نہیں تو ہمیشہ کے لئے برباد ہو جاؤ گے۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو عالم انسانیت کتنے جرموں' لڑائیوں' قتلوں' خوف ناک مصیبتوں اور بدنصیبوں سے محفوظ ہو جاتا۔"

انسان نے قوانین اور حاکم اپنی جائداد کی حفاظت کی خاطر قبول کرلیے۔

"..... ان میں بے شمار جھگڑے پیدا ہوئے اور ٹالثوں کے بغیر گزارہ نہ تھا۔ لالچ اور حرص نے اتنی ترقی کرلی تھی کہ آقا ہی انہیں حدود کے اندر رکھ سکتے تھے۔ تمام لوگ آزادی حاصل کرنے کی امید میں زنجیریں پہننے کے لئے سرگرم عمل ہوگئے۔ ان میں اتنی عقل باقی تھی کہ سیاسی اداروں کے فوائد کا اندازہ کرلیتے' لیکن اتنا جوہر نہ تھا کہ اس کا خطرہ بھانپ لیتے۔"

روسو نے آخر میں کہا' حکومت ایک شر ہے' لیکن ایسا شر' جس سے مفر نہیں. سوال یہ ہے کہ کیا کیا جائے؟ کیا معاشروں کو بالکل ختم کر دیا جائے؟..... کیا ہمیں جنگلوں میں چلے جانا چاہئے تاکہ ریچھوں میں زندگی بسر کریں؟ ہرگز نہیں۔ متمدن انسان بہت پیچھے چھوڑی ہوئی اور ابتدائی عہد کی زندگی دوبارہ اختیار نہیں کرسکتے: "وہ پودوں اور شاہ بلوط کے پھلوں پر گزارہ نہیں کرسکتے۔ وہ قوانین اور مجسٹریٹوں کے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

روسو نے اپنی بڑی سیاسی تصنیف "معاہدۂ عمرانی" (1762ء) میں مثبت جواب دینے کی کوشش کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ فرد کی آزادی اور حکومت کے اداروں کے درمیان مفاہمت کی ایک نئی اور انقلابی شکل پیدا کردے۔ یعنی حکومت نظریۂ معاہدہ کے مطابق ہو۔ اس سے پیشتر قرون وسطی سے جان لاک تک معاہدے کے جو نظریے پیش ہوئے۔ ان میں ایک فریق محکوم عوام ہوتے' دوسرا فریق ایک حاکم کا ایک چھوٹا سا گروہ ہوتا۔ ان نظریوں میں سیاسی معاہدہ فرض کرلیا جاتا۔ روسو کا پیش کردہ معاہدہ عمرانی تھا' جیسا کہ کتاب کے نام سے واضح ہوتا ہے' یعنی پورے معاشرے نے اپنے ارادے سے محکومیت پر اتفاق کرلیا۔

"ہم میں سے ہر شخص اپنی ذات اور اپنے تمام اختیارات کا مشترکا" ایک اعلی

ہدایت کے تابع کر دیتا ہے اور ہم اجتماعی حیثیت میں انفرادا" کل کے غیر منقسم حصے بن جاتے ہیں۔"

روسو کہتا ہے: "ہر فرد کی ایک خاص رائے ہو سکتی ہے' جو رائے عامہ سے مختلف یا مخالف ہو اور یہ رائے وہ ایک شہری کی حیثیت میں پیش کرتا ہے۔" اگر فرد ذاتی مفاد کو جماعتی مفاد پر مقدم رکھنے کے لئے اصرار کرتا ہے تو اسے مجبور کرنا ضروری ہے کہ وہ رائے عامہ کا احترام کرے۔ اس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں کہ اسے آزادی پر مجبور کیا جائے گا۔"

"معاہدہ عمرانی" کا مرکزی تصور رضائے عامہ تھا۔ نوعیت کے اعتبار سے یہ تصور اخلاقی بھی تھا اور سیاسی بھی' کیونکہ اس ذریعے سے وہ چیز سامنے آئی' جو پوری قوم کے لیے بہترین تھی اور قوم کا فرض تھا کہ اس پر عمل پیرا ہوتی۔ یہ انسان کے نیک عمرانی وجدانات کے اظہار کا آلہ ہے اور اس ذریعے سے اس کے مذموم خود غرضانہ جذبات پر پابندی عائد ہوتی ہے۔

رضائے عامہ کے ترتیب کے سلسلے میں روسو کا عقیدہ تھا کہ یہ ہر شخص کا کام ہے۔ قانون سازی کا اختیار عوام سے کسی ادارے کی طرف (مثلاً برطانوی پارلیمنٹ) ٹھیک ٹھیک منتقل نہیں ہو سکتا۔

> "عوام کے مندوبین نہ عوام کے نمائندے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ ان کی حیثیت صرف نگرانوں کی ہے اور وہ کوئی قطعی عمل اختیار نہیں کر سکتے۔ ہر وہ قانون جس کی تصدیق عوام شخصا" نہ کریں' کالعدم سمجھنا چاہئے۔ دراصل وہ قانون ہی نہیں ہوتا۔ انگلستان کے عوام سمجھتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ وہ صرف اتنی مدت کے لئے آزاد ہوتے ہیں' جب پارلیمنٹ کے ممبر چنے جاتے ہیں' جب انتخاب ہو چکتا ہے تو عوام پر محکومی مسلط ہو جاتی ہے اور وہ بے حقیقت رہ جاتے ہیں۔"

رائے عامہ کی تنقید ایک چھوٹے سے گروہ کا کام ہو سکتی ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مونتسک کی طرح روسو کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ حاکموں کی تعداد مملکت کے رقبے اور وسائل کے مطابق ہونی چاہئے۔

> "شہنشاہی ... صرف دولتمند قوموں کے لئے موزوں ہے۔ امراء کی حکومت صرف ان مملکتوں کے لئے موزوں ہے' جن کا رقبہ اور دولت درمیانے درجے کے ہوں۔ جمہوریت چھوٹی اور غریب مملکتوں کے لئے موزوں ہے۔"

روسو کی رائے تھی کہ کوئی بھی مملکت انتہا درجے کی جمہوریت کے لئے تیار نہیں' جس میں بہت سے لوگ قانون نافذ کرتے ہیں۔ "جہاں عوام دیوتاؤں کی صورت اختیار کر لیں' وہاں جمہوری حکومت قائم کی جا سکتی ہے۔ ایسا مکمل نظام حکومت انسانوں کے لئے موزوں نہیں۔" روسو کو علم تھا کہ "معاہدہ عمرانی" عملی سیاسیات کا دستور العمل نہیں۔ ایک اور موقع پر اس نے پولستانی حکومت میں اصلاح کی تجاویز پیش کیں اور جتنے مشورے دیئے۔ بڑی معتدل بلکہ قدامت پسندانہ تھے۔ اس نے ویٹو کی تنسیخ کے حق میں رائے دی' باقی اداروں کے متعلق اس کا مشورہ یہ تھا کہ تدریجا" انہیں بدلا جائے۔ بادشاہ کے انتخاب کا اصول قائم رکھا جائے۔ امراء کے اکثر

حقوق محفوظ رہیں۔ تعلیم کے ذریعے سے انہیں فرض کا نیا احساس دلایا جائے۔ زرعی غلام ضرور آزاد کیے جائیں مگر صرف اس وقت جب ذمہ داریاں ان پر واضح کر دی جائیں۔

لیکن روسو کا اثر معاہدہ عمرانی سے پیدا ہوا اور یہ اثر اعتدال اور قدامت پسندی کے حق میں نہ تھا۔ گزشتہ دو صدیوں میں جو بھی انتہا پسندانہ سیاسی نظریہ بروئے کار آیا۔ وہ کسی نہ کسی حیثیت میں روسو ہی سے پیدا ہوا تھا۔ محبان وطن اور قوم پرور اسے اس عقیدے کا ابتدائی داعی قرار دیتے ہیں کہ قوموں میں اختلاف ہونا چاہیے۔ وہ اپنی تحریرات میں بار بار ملک سے محبت کا ذکر کرتا رہا۔ پولستانیوں کو تنبیہہ کرتے ہوئے اس نے خاص زور اس بات پر دیا کہ وہ تعلیم اور حب وطن کو ترقی دینے والے تہواروں کے ذریعے سے اپنی قومی روح کی تجدید کریں۔ "معاہدہ عمرانی" کا خاتمہ اس پر ہوا کہ ایک مذہب قائم ہو جانا چاہیے۔ روسو نے اجازت دے دی کہ ابتدائی مسیحیت کا اخلاقی ضابطہ قائم رکھا جائے۔ لیکن مملکت کو شہریوں کی وفاداری حاصل کرنے کے لئے کلیسا سے مقابلے کی کوئی ضرورت نہیں۔

غرض روسو کے افکار کی تعبیریوں کی جاسکتی ہے کہ وہ مملکت کا انتہائی احترام کرتا تھا اور قومی بہبود کو انفرادی مفاد سے برتر رکھتا تھا۔ اس نے نجی جدائداد کی برائیوں پر جو نکتہ چینی کی اور زمین کی اور زمین کی پیداوار سب کے لئے ہونے جو اصرار کیا۔ اس کے پیش نظر سوشلسٹوں اور اشتراکیوں نے سمجھ لیا کہ یہ اجتماعیت کے لئے وجہ جواز تھی۔ ڈکٹیٹروں نے رضائے عامہ کے اصول کو سامنے رکھ کر پولیس کے ذریعے سے نظم و نسق جاری رکھنے کے طریقوں کی تصدیق کردی۔ ڈکٹیٹر اس چکر میں نہیں پڑتا کہ رائے عامہ دریافت کرے۔ وہ فرض کرلیتا ہے کہ اسے تمام معاملات کے متعلق خاص علم حاصل ہے اور ہٹلر کے متعلق معلوم ہے کہ وہ اپنے "وجدان" پر زور دیتا تھا۔ ڈکٹیٹر اپنے احکام نافذ کرتا ہے تو وہ روسو کے اصول کے مطابق انہیں جبراً" آزادی دلاتا ہے۔

لیکن روسو جمہوریت اور انفرادیت کا بھی داعی تھا۔ اس کی تحریرات سے مطلق العنانی کی تعبیرات نکالنے والے لوگ نظام قدیم کے خلاف بغاوت کے متعلق روسو کے ذاتی اقتصاد اور اس کی تحریرات کے زبردست مثالی رجحان کو نظر انداز کر دیتے ہیں: "جہاں عوام دیوتا ہوں' وہاں جمہوری حکومت قائم ہوسکتی ہے۔" رامو کے جمہوری شاگردوں کے نزدیک یہ اعلان نہ تو انسانی فطرت کے نیک ہونے سے انکار کی دلیل ہے اور نہ یہ قنوطیت پر مبنی ہے۔ انقلاب فرانس سے آج تک سب یہی کہتے رہے کہ روسو دور تنویر کی رجائیت میں حصہ دار تھا۔ اسے یقین تھا کہ عوام ایک روز واقعی دیوتا بن جائیں گے۔ "ا میلی" سے یہ واضح ہوگیا تھا کہ تعلیم کس طرح اس معاملے میں معاون ہوسکتی ہے۔ معاہدہ عمرانی میں بتایا گیا تھا کہ انسان کسی وقت اتنے نیک اور پارسا ہو جائیں گے کہ وہ خوشی خوشی رضائے عامہ کی پیروی کرتے رہیں اور انہیں جبراً" راہ آزادی پر لگانے کی ضرورت نہ رہے گی۔

تنویری مطلق العنانی : نظام قدیم میں جو خرابیاں موجود تھیں' ان سے جلد رہائی پانے کی امید نہ تو روسو کی مثالی جمہوریت نے پیدا کی اور نہ مونٹسک کی محدود و متوازن بہشت نے۔ بہت سے فلسفیوں نے قریب ترین راستے سے مثالی نظام پر پہنچنا چاہا۔ یہ طریقہ ادارہ شاہی کے لئے عملی اور ہمدردانہ تھا۔ انہیں اس سے ایک ساحرانہ فارمولا مل گیا۔ یعنی یہ کہ مطلق العنانی کو

روشن خیال ہونا چاہئے۔

روشن خیال مطلق العنانی کے بڑی مخالف حامیان مسلک فطرت تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ مونٹسک اور روسو دونوں نے وضع قوانین کے اختیارات کے متعلق جو کچھ کہا ہے' وہ محض الفاظ کا ضیاع ہے۔ خدا قانون دینے والا تھا۔ فطرت نے اس آسمانی قانون کو محفوظ رکھا اور حکومت کا فرض محض یہ رہ گیا کہ ان طبعی قوانین سے کام لے۔ جمہوریت یا حکومت امراء دونوں میں یہ مہلک کمزوری موجود ہے کہ نظم و نسق کے اختیارات افراد کے حوالے کردیتے ہیں جن کے عارضی ذاتی مقاصد قوم کی مستقل بہبود سے متصادم ہوتے ہیں۔ حامیان مسلک فطرت نے مقابلہ کرکے دکھا دیا کہ موروثی بادشاہوں کا ذاتی مفاد قومی مفاد کے عین مطابق ہوتا ہے' کیونکہ ان کے زیر حکومت جو علاقے ہوتے ہیں۔ انہیں قوم اور بادشاہ دونوں کی ملکیت سمجھنا چاہئے۔ لہٰذا بادشاہوں کو مطلق العنان ہونا چاہئے۔ اس سے مراد نامناسب مطلق العنانی نہیں بلکہ ایسی مطلق العنانی ہے' جو قدیم یونان میں رائج تھی یا جیسے دور احیاء علوم کے مطلق العنان تھے۔ ضرورت ہے کہ کوئی نیا نپولین پیدا ہو۔ روشن خیال مطلق العنان خدا کے جاری کیے ہوئے طبعی قوانین دریافت کرلیں۔ انسانوں کے بنائے ہوئے مصنوعی قوانین کو ختم کر دیا جائے جو ترقی کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی تجارتی نظریہ زرغائب ہو جائے گا۔ زراعت اپنی اصل حیثیت اختیار حاصل کرے گی۔ اور قانون کے مجموعے دوبارہ مدون ہو جائیں گے۔ یوں یکایک اور معجزنما طریق پر یورپ کی کایا پلٹ جائے گی۔

چنانچہ روشن خیال مطلق العنانی کی فوری اور پر جوش تائید یورپی بادشاہوں کی طرف سے حاصل ہوئی اور یہ تعجب کا مقام نہیں۔ اس طرح ان بادشاہوں کو موقع مل گیا کہ اپنے آپ کو عقل و ترقی کے مجاہد قرار دیں۔ ساتھ ساتھ اپنے اقتدار کو زیادہ سے زیادہ مطلق العنان مانتے جائیں' جس کے لئے وہ مدت سے لڑتے چلے آ رہے تھے۔ اٹھارھویں صدی کے اواخر میں خود ساختہ روشن خیال مطلق العنان اکثر یورپی تختوں کی زیب و زینت بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے تین بہت بڑے تھے' یعنی فریڈرک اعظم والی پروشیا' ملکہ کیتھرائن والیہ روس اور جوزف دوم فرمانروائے آسٹریا۔ ان کی زمینیں عقل کے اقتصادی عمرانی اور مذہبی پروگراموں کے لئے بڑی سازگار ثابت ہو رہی تھیں۔

☆ باب31

روشن خیالی دور کی ثقافت

(AGE OF ENLIGHTMENT - CULTURE)

روشن خیالی یا دور تنویر میں ایسے خوش گوار سیاسی نتائج شاذ ہی رونما ہوئے۔ جن سے ریاست ہائے متحدہ مشرف ہوئیں۔ بہ حیثیت عمومی فلسفیوں کو امید تھی کہ جب لوگوں سے کہا جائے گا کہ صدیوں کے عادات ترک کردو اور اپنی روش پر قانون طبعی کے مطابق نظر ثانی کرلو تو وہ فوراً" حقیقت حال کا اندازہ کرلیں گے' لیکن انسانوں نے ہمیشہ عقل سے کام نہیں لیا۔ جوزف ثانی (ہیسبرگ شہنشاہ) کو رنج و غم سے اعتراف کرنا پڑا کہ وہ غیر معقول مراسم اور غیر طبعی روایات سے چمٹے رہتے ہیں۔ تنویر کی عقلیت اپنے اندازوں کی بناء پر فطرت انسانی کی پیچیدگیوں کو نظر انداز کرتی رہی۔

اس بڑی کوتاہی کی ذمہ داری ایک حد تک سترھویں صدی کی کلاسیکی روح پر عائد ہوتی ہے' جو اٹھارھویں صدی کے دور تنویر کو میراث میں ملی۔ لوئی چہار دہم کے عہد میں جتنے مصنف ہوئے۔ انہوں نے اپنے کلاسیکی نمونوں میں مروجہ معیاروں کی توثیق نہیں کی تھی' بلکہ بہتر اور سادہ تر معیار پیش کیے تھے' جنہیں اٹھارھویں صدی کے فلسفیوں نے بہ آسانی فطرت کے سادہ منصوبے کے تصورات کے مطابق بنالیا۔ سترھویں صدی کے ڈراما نگار مولیار نے اپنے ڈرامے "بخیل" میں ہارپاگون کردار پیدا کیا' تو وہ کسی یگانہ شخصیت کا مرقع نہ تھا یعنی بڑا بخیل تھا' بہت بڑا بخیل۔ اس میں شبہ نہیں کہ بڑے بڑے مصنف ذہنی مجردات کو بھی زندگی کا لباس پہنا دیتے ہیں اوراس طرح جزئی و کلی کے درمیان مفاہمت پیدا کرلیتے ہیں۔ لیکن چھوٹے درجے کے مصنف صرف ایسے نمونے پیش کرتے ہیں' جن میں زندگی اور روح نہ ہو اور اپنے سامعین و قارئین میں۔ مرد اور عورتیں جو مجلسی و عمرانی تغیرات کا موجب ہوتی ہیں۔ اس عقیدے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ یہ سادہ سی ذہنی تخلیقات دراصل زیادہ حقیقی اور مطلوب ہیں۔ وہ حقیقی وجوذ مطلوب و مرغوب نہیں' جن سے رات دن انہیں زندگی میں سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ کلاسیکی روح کی طرح طبعی سائنس کی روح بھی حد سے آگے بڑھ گئی' جب اسے سوچے سمجھے بغیر انسانی روابط کے مسائل پر استعمال کیا گیا۔ اس سے لوگوں کے دل میں یہ التباس پیدا ہوتا ہے کہ جو کچھ ان کے دل میں ہے' وہی کچھ مدت بعد حقیقت بن جائے گا۔

ایک چھوٹے درجے کا فلسفی ایبی میبلی اس مرکزی مسئلے کی حقیقت پاگیا اور اس نے اسے ایک سوال کی صورت میں پیش کیا' یعنی کیا معاشرہ طبیعات کی ایک شاخ ہے؟ اکثر فلسفیوں اور ان کے پیروؤں کا عقیدہ یہی تھا۔ انہوں نے انسان کی ان سرگرمیوں کے تعلق میں' جن کی نسبت پیشگوئی نہیں کی جاسکتی' ریاضیات کے وہ محکم طریقے استعمال کیے' جن سے علوم طبعی میں کام لیا جاتا تھا۔ حامیان مسلک فطرت نے کوشش کی کہ اقتصادی پیچیدگیوں کو کم کرتے کرتے سادہ زرعی قوانین کی شکل دے دیں۔ مونٹسک کی کوشش یہ تھی کہ حکومت کی پیچیدگیوں کو گھٹاتے گھٹاتے

آب و ہوا کے فارمولے کی شکل پر لے آئیں۔ جس طرح سیارے اپنے مدار پر گھوم رہے ہیں، اس طرح انسانوں کو نیوٹن کی عالمی مشین میں پیوست کردینے کی کوشش کی گئی۔

فلسفہ : اٹھارھویں صدی کے اکابر میں سے بہت کم نے باہم اختلاف کیا۔ ڈیوڈ ہیوم 1711ء - 1776ء سکاٹ لینڈ کا ایک درخشاں فلسفی تھا۔ اس نے یہ فرض کرلینا قرین یقین نہ سمجھا کہ معاشرہ علوم طبعی کی شاخ ہے، بلکہ اس نے ہر شے میں شک کیا۔ اس کے متشکک قلب و ذہن کو اصرار تھا کہ تمام اصول مشاہدۂ حقائق کی کسوٹی پر کسے. اس نے کہا کہ فلسفیوں کے اغلاط و التباسات صرف اس کوتاہی کا نتیجہ ہیں کہ وہ حقائق کا مشاہدہ نہیں کرتے، بلکہ وہ مجرد اصول طبعی قانون پر ایمان اور عقل پر یقین سے ایسے نتیجے اخذ کرلیتے ہیں، جن کا امتحان کبھی نہیں کیا۔

فلسفیوں نے فطرت کی طرف توجہ کی دعوت دی تھی۔ ہیوم نے انہیں بے بنیاد ثابت کردیا۔ اس کا استدلال یہ تھا کہ قوانین انصاف ہرگز فطرت اور خدائے فطرت مطلق اور غیر متبدل قوانین نہیں!

"فرض کرلیجئے کہ ایک معاشرہ عام ضروریات سے محرومی کی ایسی حالت پر پہنچ جاتا ہے کہ انتہائی کفایت شعاری اور محنت و مشقت کے باوجود لوگوں کی بڑی تعداد کو تباہ ہونے سے بچایا نہیں جاسکتا اور پورا معاشرہ انتہائی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، بے تامل اعتراف کرلیا جائے گا کہ قوانین انصاف کی پوری پوری پیروی ایسے مجبور کن حالات میں معطل ہو جائے گی اور اس کی جگہ ضرورت و حفاظت نفس کے محکم تر محرکات لے لیں گے۔ اگر جہاز سمندر میں تباہ ہو جائے تو کیا یہ جرم ہے کہ ہر انسان اپنے بچاؤ کا جو بھی ذریعہ یا وسیلہ مناسب سمجھے، اس سے کام لے اور ملکیت کے سابقہ حدود کو بھی نظر انداز کر دے یا اگر کوئی محصور شہر بھوک سے تباہ ہو رہا ہو تو کیا ہم سمجھ سکتے ہیں کہ لوگ اپنے بچاؤ کا کوئی ذریعہ سامنے ہوتے ہوئے بھی زندگیاں ضائع کردیں گے اور محض اس خیال کی بناء پر کہ دوسرے حالات میں انصاف و مساوات کے قاعدوں کا تقاضا کیا ہوتا ہے؟"

دراصل انسانی روش کا تجزیہ اس طریق پر کیا ہی نہیں جاسکتا جس طرح ہم ہندسہ یا جبر و مقابلہ کے حقائق عقل کے ذریعے سے دریافت کرتے ہیں۔

"یہ حقیقت سب پر آشکارا ہے کہ انسانی اعمال کے حقیقی مقاصد کا جائزہ کسی کی حالت میں عقل کی بناء پر نہیں لیا جاسکتا بلکہ وہ کاملا جذبات اور انسانی مالوفات سے متعلق ہوتے ہیں، عقلی اوصاف پر منحصر نہیں ہوتے کسی سے پوچھو کہ وہ ورزش کیوں کرتا ہے؟ جواب ملے گا کہ وہ صحت بحال رکھنا چاہتا ہے۔ اگر آپ پوچھیں کہ صحت بحال رکھنے کا کیوں خواہاں ہے؟ فوراً" جواب ملے گا کہ بیماری تکلیف دہ ہے۔ اگر آپ اسی طرح استفسار کرتے جائیں گے اور پوچھیں گے کہ اسے درد و الم سے کیوں نفرت ہے؟ تو ناممکن ہے کہ وہ کوئی جواب دے سکے۔ غالبا" آپ کے دوسرے سوال (صحت کا کیوں خواہاں ہے) کا جواب وہ یہ

دے کہ صحت پیشے میں مصروف رہنے کے لئے ضروری ہے۔ اگر آپ پوچھیں کہ وہ پیشے میں مصروف رہنے کے لئے کیوں مضطرب ہے؟ جواب دے گا کہ اسے اور مال کی خواہش ہے۔ اگر آپ پھر پوچھیں کیوں؟ وہ کہے گا کہ راحت کا وسیلہ یہی ہے۔ اس سے آگے سوالات کرنا سراسر مہمل ہوگا۔"

ہیوم ہی کے خیالات و افکار سے آگے چل کر افادیت پسندوں کا دبستان پیدا ہوا' جو تمام اعمال کا فیصلہ لذت کی تقویت اور الم کے ازالے میں افادیت کی بناء پر کرتے ہیں۔ ہالباش کے علاوہ ہیوم کے لئے بھی یہ واضح کرنا مشکل ہوگیا کہ جس دنیا پر فیاض اور حاضر و ناظر خدا کی حکومت ہے۔ اس میں شر کہاں سے آیا۔ ہالباش کو اس مسئلے کا حل دہریت میں ملا' کیونکہ وہ آسمان پر خدا اور زمین پر شر کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت نہ نکال سکا۔ ہیوم کی رائے یہ نہ تھی۔ اگرچہ وہ خدا کے وجود کے کوئی ثبوت نہ دے سکا' لیکن یہ بھی ثابت نہ کرسکا کہ خدا موجود نہیں۔ متشکک قلب و ذہن کے لئے صرف ایک شے یقینی تھی اور وہ یہ کہ حامیان مسلک فطرت کی محض عقل مذہبی حقیقت کی طرف رہنما نہیں ہوسکتی اور متصوفین کے سوا کوئی شخص معمائے کائنات کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

"جو شخص عقل طبعی کی خامیوں کے احساس سے پوری طرح بہرہ ور ہو وہ الہامی حقیقت پر انتہائی تیزی سے اڑ کر پہنچے گا۔"

ڈیوڈ ہیوم دور عقلیت کے اولیں نقادوں میں سے تھا اور زبردست نقاد تھا۔ آئندہ نسل کے رومانیت پسند عقل کی خامیوں کے متعلق اس کے انتباہات دہراتے رہے اور جذبات' نیز انسانی مالوفات کے متعلق اس کی التجاؤں کا اعادہ کرتے رہے۔ ہیوم کو زندگی میں مدح و ستائش کا زیادہ خراج نہ مل سکا تاہم اس کے اقوال صدا بہ صحرا نہ تھے۔ روسو اور کانٹ کو بھی تقریباً" ویسے ہی مسائل پریشان کر رہے تھے۔

روسو دور تنویر کا بھی نمائندہ تھا اور اس کے خلاف اس نے بغاوت کی بھی داغ بیل ڈال دی۔ کسی فلسفی نے قانون طبعی کی مدافت روسو کے برابر گرمجوشی سے نہ کی اور کسی رومانیت پسند نے جذبے اور ایمان کی حمایت روسو سے زیادہ دل نشین انداز میں نہ کی۔ وہ ایمیل میں لکھتا ہے۔ "عقل ہمیں اکثر دھوکا دیتی ہے۔ ہمارے پاس معقول وجہ موجود ہے کہ اس پر شک کریں لیکن ضمیر ہمیں کبھی دھوکا نہیں دیتا۔ وہی انسان کا سچا رہنما ہے۔ جو شخص ضمیر کی پیروی کرتا ہے' وہ فطرت کا پیرو ہے اور اسے گمراہی کا کوئی خوف نہ ہونا چاہیئے۔"

عمانویل کانٹ (1724ء - 1804ء) کو انگز برگ (مشرقی پروشیا) کی یونیورسٹی میں فلسفے کا پروفیسر تھا۔ اس نے روسو کے استدلال کو ماورائے طبیعت کی سطح پر پہنچا دیا۔ کانٹ ایک حقیقت عالیہ پر اعتقاد رکھتا تھا۔ جو آخر خدا تک پہنچاتی تھی۔ اسے بھی ایک ایسی ہی دنیا تصور کرنا چاہیئے' جیسے افلاطون کا عالم اعیان تھا۔ کانٹ اس عالم اعلیٰ کے دائمی حقائق کو مادی دنیا کے "فی نومینا" کے مقابلے میں نومینا قرار دیتا تھا۔ کانٹ کا اعتقاد یہ تھا کہ نومینا کی دنیا کا علم انسان عقل کے ذریعے سے کرسکتے تھے' لیکن وہ عقل نہیں' جو تنویر کی مصطلحہ تھی۔ عقل عامہ بھی نہیں' جسے وجدان یا تقریباً" تصوف سمجھنا چاہیئے۔ کانٹ کی عقلیت کا اعلیٰ ترین مظہر ضمیر کا حکم آخر تھا۔ یہی اخلاقی قانون تھا' یعنی ضمیر' جسے خدا نے انسان کی فطرت میں ودیعت فرمایا۔ یہ فرد کے اندر

حقیقت کا ایک ایسا ناگزیر جوش و انفجار تھا کہ اگر اس کے سامنے اخلاقی انتخاب کا موقع آجائے تو وہ یقیناً" خیر کو اختیار کرے گا اور شر سے گریزاں رہے گا۔

کانٹ نے عقل کی از سر نو تعبیر کر دی اور ضمیر کو پھر اس کی اصل جگہ بٹھا دیا۔ اس سے بعد کے فلسفے کی پوری تاریخ متعین ہوگئی۔ لیکن کانٹ کا فوری اثر محدود تھا' کیونکہ اس کے پر پیچ استدلال کو ذہن نشین کرنے کے لئے انتہائی صبر و علم درکار تھا۔ دور تنویر کے غلبہ تعقل کے خلاف ذہنی ردعمل کانٹ کے ساتھ نقطہ عروج پر پہنچ گیا۔ اس کے عوامی نتیجے نے تبلیغ انجیل کے احیاء کی شکل اختیار کرلی' جو اٹھارھویں صدی کے جرمن "داعیان تقوی" سے شروع ہوئی۔

تبلیغ انجیل کا احیاء : داعیان تقوی سولھویں صدی کے ان مسیحیوں کے روحانی وارث تھے' جو ہر مسیحی کے بالغ ہونے پر بپتسمے کی تجدید کے قائل تھے۔ وہ لوگ اس امر کی مذمت کرتے تھے کہ لوتھر نے مذہب کے ظاہری پہلوؤں کے لحاظ پر بہت زور دیا ہے۔ اسی طرح حامیان مسلک فطرت کا زور طبعی قانون کی طرف منتقل ہوگیا' ان کی بھی مذمت کرتے تھے۔ داعیان تقوی کا فیصلہ یہ تھا کہ مذہب کا تعلق دماغ سے نہیں' دل سے ہے۔ ان کا خدا دنیا کا خالق و موجد ضرور تھا' مگر وہ دنیا سے دور تھا۔ ان لوگوں کا سب سے بڑا لیڈر ایک جرمن امیر کاؤنٹ زنزن ڈارف 1700ء - 1760ء تھا جس نے موریویائی انجمن اخوت کی بنیاد رکھی۔ اہل موریویا نے مسیحی اصول کی بناء پر ایک مثالی معاشرے کی بنیاد رکھی تھی اور جو اہل موریویا امریکہ پہنچے' انہوں نے پنسلوینیا کے ایک مقام بیت اللحم میں ایک نو آبادی قائم کی اور کفایت شعاری' سخت محنت اور مذہبی احکام کی پابندی کے متعلق ولندیزی روایات پنسلوینیا میں زندہ کردیں۔ انگلستان میں زنزن ڈارف اور دوسرے حامیان تقوی کی مثال نے جان و یسلے پر گہرا اثر ڈالا۔

جان و یسلے (1703ء 1791ء) کلیسائے انگلستان کا ایک پادری تھا۔ ابتدا میں اس نے مذہب کے رسمی پہلو پر خاص زور دیا' لیکن جارجیا کی نو آبادی مین دو سال تک 1736ء - 1737ء) پادری کی خدمات انجام دینے کے بعد کچھ کامیابی نہ ہوئی تو اسے یقین ہوگیا کہ مذہب کی رسمی حیثیت چنداں موثر نہیں' جو آنکھوں سے پردہ دور ہوا تو و یسلے کو خود اپنا ایمان بھاپ کی طرح اڑتا نظر آیا۔ وہ کہتا ہے۔ "میں اس غرض سے امریکہ گیا تھا کہ وہاں کے قدیم باشندوں کو مسیحی بناؤں' مگر میرے دل میں احساس ہوا کہ آہ! خود مجھے کون مسیحت کا پابند بنائے گا؟ وہ کون ہے اور کیا حیثیت رکھتا ہے' جو مجھے نامومن قلب کی بے یقینی سے نجات دلائے گا۔ تحریک تقوی نے و یسلے کو از سر نو ایمان پر پختہ کیا۔ اس کی ملاقات انگلستان اور امریکہ میں موریویائی برداری کے ارکان سے ہوئی تھی۔ ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے و یسلے نے اندرونی وجدانی یقین کے ذریعے سے ایمان کی دولت پالی۔

و یسلے پچاس سال سے بھی زیادہ مدت تک اپنی دریافت دوسروں تک پہنچانے کے لئے ان تھک محنت کرتا رہا۔ وہ جزائر برطانیہ کے طول و عرض میں پھرا۔ کلیساؤں' کھیتوں' کانوں' بلکہ جیلوں میں بھی وعظ کہے۔ لوگ غصے سے بھرے ہوئے آتے کہ اس کا مذاق اڑائیں۔ باتیں سنتے تو اس کے ساتھ دعا میں شریک ہونے کے لئے ٹھہرے رہتے۔ جن مناظر سے و یسلے کو سابقہ پڑتا رہتا تھا' ان میں سے ایک کی کیفیت اس نے یوں پیش کی۔

"میں شام کے وقت گھر واپس ہوا۔ گاڑی سے جونہی قدم باہر نکالا' لوگوں کی بڑی

تعداد میرے دروازے پر جمع ہو چکی تھی۔ انہوں نے مجھے گھیرے میں لے لیا۔ میں خوش ہوا۔ خدا کی تمجید کی۔ مدت سے مجھے ایسے ہی موقع کا انتظار تھا۔ جو لوگ مجھ سے قریب تھے' انہیں راستبازی اور آنے والے فیصلے کے متعلق باتیں سنانی شروع کیں۔ ابتدا میں بہت کم لوگوں نے میری باتیں سنیں' کیونکہ آس پاس شوروغل بہت زیادہ تھا' لیکن رفتہ رفتہ سکون و سکوت کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ پورا مجمع خاموش ہو کر میری باتیں سننے لگا۔ جب میں نے وعظ ختم کیا تو وہ لوگ میرے ساتھ بڑی محبت کا اظہار کرنے لگے اور میرے لیے برکت کی دعائیں کیں۔"

1791ء میں وسلے نے وفات پائی تو اس کے پیروؤں کی تعداد ایک لاکھ سے بڑھ چکی تھی۔ انہیں میتھوڈسٹ کہتے تھے' کیونکہ وہ منظم طریق پر تقوی و پرہیز گاری کے لئے وقف تھے۔ اور پیورٹنوں کے اصول کے مطابق سادہ لباس پہنتے اور سادہ طریق پر زندگی بسر کرتے۔ اگرچہ وسلے اپنے آپ کو کلیسا نے انگلستان کا ایک خوش عقیدہ رکن سمجھتا تھا' لیکن اس کے پیروؤں یعنی میتھوڈسٹوں نے اپنی جداگانہ تنظیم قائم کرلی۔ ان کا کلیسا قائم شدہ کلیسائے انگلستان کے برعکس کسی کی تقلید نہیں کرتا تھا۔ اس نئے فرقے کو تمام پیرو زیریں اور متوسط طبقوں سے ملے۔ یہ لوگ مذہبی جذبے اور تسکین کے خواہاں تھے۔ یہ چیزیں انہیں فطرت کے حامیوں اور کلیسائے انگلستان کی سخت رسم پرستی میں نہیں ملتی تھیں۔

میتھوڈزم کو روشن خیال عقلیت سے تصادم پیش آگیا۔ فلسفیوں کا مشورہ یہ تھا کہ عوامی طور طریقوں کی اصلاح کی جائے۔ میتھوڈسٹ کی نجی خیر پر زور دیتے تھے۔ فلسفیوں کی دعوت یہ تھی کہ مجلسی و عمرانی برائیوں کے اسباب پر حملہ کیا جائے۔ میتھوڈسٹ ان برائیوں کو خدا کے ناقابل فہم منصوبے کا ایک حصہ سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان برائیوں کے آثار و علائم میں تخفیف کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے شراب نوشی' بردہ فروشی' قیدیوں' بیماروں اور دیوانوں سے وحشیانہ سلوک کے خلاف سعی و جہد شروع کردی۔ عام تعلیم کی اشاعت پیش نظر رکھتے ہوئے جان وسلے نے کارکنوں کے بچوں کے لئے سکول قائم کردیے۔ اس نے ایسے ڈاکٹروں کو لعن طعن کی' جو غریب بیماروں سے سنگدلی کا برتاؤ کرتے تھے۔ ساتھ ہی لندن اور برسٹل کے غریبوں کے لئے دواخانوں کی بنیاد رکھ دی۔ اس نے طب پر گھریلو استعمال کے لئے ایک کتابچہ لکھا' جسے اس کے داعیوں نے جابجا تقسیم کردیا۔ اس کا نام تھا "قدیم طبعیات یا اکثر بیماروں کے علاج کے طبعی طریق پر ایک مقالہ" میتھوڈسٹ بھی پیورٹینوں کی طرح کسی کے مقلد نہ تھے۔

ان کی کامیابی جزوا" مجلسی پروگرام پر موقوف تھی۔ جزوا" جان وسلے اور اس کے قابل رفیقوں کو مقناطیسیت کا نتیجہ تھی۔ جان کے بھائی چارلس وسلے نے ساڑھے چھ ہزار بھجن مرتب کیے۔ وسلے کا ایک واعظ جارج وائٹ فیلڈ میسو پوٹیمیا کا تلفظ اس خوبی و خوش اسلوبی سے ادا کرتا تھا کہ مشہور ایکٹر گیرک نے یہ تلفظ سنا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ امریکہ میں میتھوڈسٹوں کے جو مشنری آئے' ان کے سرگرم رئیس فرانسس آسبری تھا۔ نیو جرسی میں اس کے نام پر آسبری پارک بنایا گیا۔ اسی مقام پر ایک زمانے میں میتھوڈسٹ خیمے لگا کر جلسے منعقد کیا کرتے تھے۔ وسلیوں کے قائم کیے ہوئے جو کالج جو گرجے اور جو بازار آسبری کے نام

سے موسوم ہیں وہ امریکہ کی تاریخ میں میتھوڈزم کی اہمیت کی شہادت دے رہے ہیں۔

ادب : متوسط طبقے کے جو لوگ میتھوڈزم کی طرف کھنچے چلے آئے تھے' انہوں نے انگریز مصنف سیموئل رچرڈسن 1689ء - 1761ء کے ناولوں کا خیر مقدم کیا۔ رچرڈسن پیشے کے اعتبار سے پرنٹر تھا۔ زندگی کے آخری دور میں لکھنے کی طرف مائل ہوگیا اور تین ضخیم ناول لکھے' جن کے بڑے کردار خطوط کی شکل میں اپنے افکار پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے کلیریسا ہارلو (1748ء) بہترین ناول ہے۔ اس کا ذیلی نام تھا: ایک نوجوان خاتون کی سرگزشت' جس میں نجی زندگی کے نہایت اہم معاملات درج ہیں اور خصوصیت سے وہ تکلیفیں اور مصیبتیں واضح کی گئی ہیں' جو شادی کے متعلق والدین اور بچوں کے غلط طرز عمل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ رچرڈسن نے باریک ٹائپ کے دو ہزار چار سو صفحات میں کلیریسا کے مصائب بیان کیے ہیں' جس کا عاشق ایک بدمعاش تھا اور اس کے رشتہ دار حریصوں کا ایک گروہ تھا۔ وہ ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ غریب کلیریسا کی جائداد ہتھیا لیں۔ اسے کوئی نشہ اور چیز پلا کر بیہوش کرلیا گیا اور اس کی رسوائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ آخر وہ ہر چیز کھو بیٹھی اور زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی۔ لیکن آخر میں اس کے اندر اتنی صلاحیت باقی رہی کہ اپنے مصائب کو لباس تحریر پہنا دے۔ اگر کلیریسا ہارلو میں کسی سے کوئی پہلو نظر انداز ہو جائے تو چاہیے کہ رچرڈسن کا دیباچہ ایک نظر دیکھ لے۔

> "پیش نظر کتاب میں جو خاص مقصد سامنے رہا' یہ تھا کہ ایک صنف کے بے خیالوں اور غیر مال اندیشوں کو دوسری صنف کے کمینے حریلوں اور عیاریوں سے آگاہ کیا جائے۔ والدین کو بتایا جائے کہ بچوں پر شادی کے بڑے معاملے کے سلسلے میں طبعی اقتدار کا استعمال حد سے نہ بڑھنا چاہیے۔ یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ایک خوش باش آدمی کو دیانتدار آدمی پر اس خطرناک اور عام تصور کے مطابق ترجیح نہ دینی چاہیے کہ ایک اصلاح یافتہ رمز بہترین شوہر ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کتاب میں محض اخلاقیات ہی نہیں' بلکہ مسیحیت کے بھی نہایت اہم اعلیٰ اصول کی چھان بین مقصود ہے۔ زیبا اور شایاں کرداروں میں اس اصول پر عمل کا نقشہ واضح کیا گیا ہے اور جن غیر شایاں کرداروں نے ان اصول کی مخالفت کی' انہیں انجام کار کیے کی سزا ملی۔"

ممکن ہے دور حاضر کے قارئین کو کلیریسا ہارلو بے کیف اور جذباتیت پر مبنی معلوم ہو' لیکن اٹھارھویں صدی کے لوگ اسے پڑھ کر بے خود ہوگئے تھے۔ جب کنبے کے لوگ یکجا ہوتے تھے تو کہا جاتا ہے کہ ناول کلیریسا بلند آواز سے پڑھا جاتا تھا اور جب اس کی کسی نئی مصیبت کا ذکر پڑھ کر دلوں پر اثر ہوتا تھا تو کنبے کے تمام لوگ اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے تھے' تاکہ الگ بیٹھ کر اچھی طرح رولیں۔ اگرچہ جذباتیت میں مبالغہ امیزی سے کام لیا گیا' تاہم رچرڈ نے ضمیر اور جذبات کی کشمکش کے جو واضح نقشے پیش کیے' ان سے لوگوں کے دل میں جذباتی اور نفسیاتی یقین پیدا ہوگیا۔ روسو نے اپنے ناول "لانو دل ہیلائز" 1761ء میں انہیں خصوصیات کا اظہار کیا۔ اس کی ہیروئن نے بھی کلیریسا کے نمونے پر ضمیر ہی کو انسانیت کا سچا رہنما قرار دیا۔ روسو کی ہیروئن کلیریسا سے زیادہ خوش نصیب تھی' کیونکہ اس نے ناجائز محبت کا راستہ چھوڑ کر شادی اوز اسومت میں شادمانی حاصل کی۔

ناول کی اولی شکل اٹھارھویں صدی میں پیدا ہوئی' خصوصاً" انگلستان میں انگریزوں کے کامل الفن افسانہ نگار سب کے سب جذباتیت کے پیرو نہ تھے۔ ٹوبیاس سمولت نے راڈرک رینڈم 1748ء میں جیسا کہ ہم گزشتہ باب میں دیکھ چکے ہیں۔ بحری زندگی کے متعلق صحیح روداد پیش کی تھی' جس میں بتایا تھا کہ بحریات کے کارکنوں پر کیا کیا ظلم ہوتے ہیں اور انہیں کیسی کیسی مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ ہنری فیلڈنگ نے اسلوب تحریر میں طنز کی آمیزش کرلی۔ اور رچرڈسن کی لغویات کا مذاق اڑایا۔ ٹام جونز 1749ء فیلڈنگ کا شہکار تھا۔ اس میں انگلستان کی پوری مجلسی و عمرانی زندگی کے نقشے پیش کیے گئے۔ ان نقشوں میں دیہاتی امیر بھی شامل تھے' جو سواری کے بڑے مشتاق تھے اور شہر کے گندے حصوں میں رہنے والے پست کردار بھی۔ رچرڈسن نے انگریزی ناول میں جذباتی اور اخلاقی خلوص پیدا کیا۔ سمولٹ اور فیلڈنگ نے حقیقت پسندی کا اضافہ کردیا۔

غرض دور تنویر نثرنگاری کا دور تھا۔ چند مستثنیات کے ساتھ۔ خصوصاً" الگزانڈر پوپ (1688ء 1744ء) اس دور میں کوئی بڑا شاعر پیدا نہ ہوا۔ اس زمانے کی ادبی یادگاریں یا تو انگریزوں کے بڑے بڑے ناول تھے یا واسنہ کے مقالات و حکایات یا فلسفیوں کے خطوط اور متفرق تحریرات۔ سب سے آخر میں مکمل کی ہے لمتر نہیں' بلکہ ایک کتاب آتی ہے یعنی سلطنت روما کے زوال و ہبوط کی سرگزشت (1788ء) ایڈورڈ گبن نے تاریخ کے ذریعے سے والٹیر کے انداز میں مسیحی تعصب پر حملہ کیا اور سرد کے اسلوب نثرنگاری کے کمال پر پہنچا دیا' جس کا توازن اور نظم دور عقلیت کے کلاسیکی مزاج کے عین مطابق تھا۔ روشن خیال فضلاء نے فرانس میں بڑا انسائیکلوپیڈیا تیار کیا اور ڈاکٹر جانسن نے انگلستان میں ڈکشنری مرتب کی (1755ء)

ڈاکٹر سیموئل جانسن کی حیثیت ایک مستبد و خود مختار کی سی تھی۔ وہ انگریزی زبان میں نیوٹن کا درجہ حاصل کرنے پر تل گیا۔ ڈکشنری کی تمہید میں اس نے اعلان کیا۔

"جب میں نے پیش نظر کام کا ابتدائی جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ہماری زبان بڑی وسیع ہے' مگر اس میں کوئی نظم اور کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ میں نے جس طرف نظر دوڑائی' یہی معلوم ہوا کہ کسی نہ کسی پیچیدگی کی عقدہ کشائی ضروری ہے اور کسی نہ کسی پریشانی کو ضبط و نظم میں لانا لازم ہے۔ میرے سامنے تنوع کا ایک بیکراں سمندر موجود تھا' اس میں سے مختلف چیزیں منتخب کرتی تھیں اور انتخاب کے کوئی قائم شدہ اصول موجود نہ تھے۔ تصرفات کا سراغ لگانا تھا' لیکن اخلاص و پاکیزگی کا کوئی مسلمہ معیار موجود نہ تھا۔ مختلف اسالیب بیان موجود تھے' جن کے بارے میں رد و قبول کا فیصلہ کرنا تھا۔ مگر کوئی ایسی دستاویز موجود نہ تھی' جو کلاسیکی شہرت یا مسلمہ سند کے کسی مصنف کی طرف سے موجود ہوتی۔"

ڈاکٹر جانسن نے جن مشکلات کا ذکر کیا' ان سے بڑی حد تک وہ قابلیت کے ساتھ عہدہ برآ ہوا' اگرچہ بعض اوقات دانش فروشی اور تعصب اس پر غلبہ پاتا رہا۔ مثلاً اس نے کھانسی کی تعریف یوں کی ہے۔ پھیپھڑوں کا تشنج جس سے اضطراراً" تر پانی نکلتا ہے۔ "ظاہر ہے کہ یہ تعریف لاطینی کے کم معلوم الفاظ کے استعمال کی نہایت خوف ناک مثال ہے۔ جانسن خود ٹوری تھا۔ لفظ وگ اس کی ڈکشنری میں آیا تو لکھ دیا کہ یہ ہمارے ہاں تفرقے کی ایک نہایت ناخوشگوار

اصطلاح ہے۔

اس کے برعکس لفظ ٹوری کی تشریح کی: "وہ شخص جو مملکت کے قدیم دستور سے وابستہ ہو" اور جہاں اسے موقع ملتا' وہ اپنے محبوب ہدف یعنی اہل سکاٹ لینڈ پر گولہ باری کرنے سے کبھی نہ چوکتا۔ مثلاً جوکی تعریف یوں کی: "ایک غلہ' جسے انگلستان میں عموماً" گھوڑوں کو کھلاتے ہیں' مگر سکاٹ لینڈ میں لوگ کھاتے ہیں۔"

فن : دور تنویر کی کلاسیکیت نے فن پر بھی گہرا اثر ڈالا - گبن کی طرح عظیم القدر تاریخ ماہرین آثار قدیمہ اور فضلاء کی چھان بین 1748ء میں قدیم رومی پومپی آئی کے محفوظ کھنڈروں کی برآمد (جو ویسوویس کے لاوے میں دبے ہوئے تھے) نے کلاسیکی قدامت کے متعلق دلچسپی اعلیٰ پیمانے پر قائم رکھی۔ یونانی اور رومی معبدوں کا توازن و تناسب دور تنویر کے نزدیک عمارتوں میں طبعی قوانین کی پابندی کی ایک مثال تھا۔ ماہرین تعمیرات باروئی اسلوب سے ہٹ گئے تھے' جس میں آرائش پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جاتا تھا اور انہوں نے کلاسیکی نمونے اختیار کرلیے تھے' جن میں ہنرمندی اور تنوع کے کرشمے دکھائے۔ شہر لندن کے مقاموں کی نفاست' پیرس میں پلیس والا کنکو رد کے آس پاس کی عمارتوں کی عظمت و شان' مونٹ وزلون میں جارج واشنگٹن کے مکان کی دیہاتی جاذبیت جیسی چیزیں پیدا ہوئیں۔ بیسویں صدی میں نو آبادیاتی اور جارجی نمونوں کی ہر دلعزیزی اٹھارھویں صدی کی نئی کلاسیکیت کے پائیدار اثر کی شہادت ہے۔

اس صدی کا ایک اور کارنامہ یہ تھا کہ مکانوں کی آرائش کے لئے سادہ' خوش وضع' مگر اچھا طریقہ اختیار کیا گیا۔ فرانسیسی کاریگروں نے وہ نمونے تیار کیے' جنہیں لوئی پانزدہم اور "لوئی شانزدہم" کہتے ہیں۔ پیل وھائٹ اور شراٹن نے انگریزی مکانوں کے لئے نئی کلاسیکی وضع کا فرنیچر تجویز کیا۔ یوشیا و بجوڈ 1730ء 1795ء نے چینی کے نہایت عمدہ ظروف تیار کر دیے' جو واجبی قیمت پر بکنے لگے۔ بجوڈ نے قدیم نمونوں اور نقشوں کا بھی احترام قائم رکھا۔ پھر نومولود صنعتی انقلاب کی نئی تکنیک بھی استعمال کی۔ اس نے ظروف بنانے کے لئے دخانی انجن سے کام لیا۔ ساتھ ہی کاریگر مزدور کام میں لگائے۔ لیکن چینی کے برتنوں پر یونانی اور رومی وضع کی آرائشیں کیں۔ اس نے اپنے کارخانے کا نام اتروریا رکھا۔ یہ قدیم رومی زمانے میں گلی ظروف بنانے کا خاص مقام تھا۔

انگریزی مصوری بھی نئے کلاسیکی اثر سے باہر نہ رہی۔ جارج کے زمانے کے انگلستان میں سرجوشوا نیلڈز 1723ء - 1792ء) کو فن میں سب سے اونچا مرتبہ حاصل تھا۔ وہی رائل اکاڈمی کا پہلا صدر تھا۔ اس نے اکاڈمی کو بتایا کہ جمال فطرت کے یکساں' دائمی اور غیر متبدل قوانین پر مبنی ہے۔ اس کی چھان بین عقل کے ذریعے سے کی جاسکتی ہے اور اسے مطالعے سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اس نے بتایا کہ جن تصاویر میں تناسب نہیں' وہ سب باطل ہیں۔

> "اعضاء کا عدم تناسب درست نہیں' کیونکہ یہ حقیقت کا نمائندہ نہیں ہوسکتا' جب تک یہ طے نہ کرلیا جائے کہ اعضاء یا اجزاء کو کل سے کوئی تعلق نہیں۔ رنگ اسی وقت صحیح ہوتا ہے' جب چمک دمک' ملایمت' ہم آہنگی اور مشابہت میں آنکھ سے طبعی مطابقت پیدا کرلے..... اور تصویر ریاضیاتی شکل کی مانند درست ہو۔ اس کی درستی کا فیصلہ وہی لوگ کرسکتے ہیں' جو ایسی چیزوں کا مطالعہ

کرتے رہتے ہیں۔"

سرجوشوا اور اس کے معاصرین اگرچہ مدلل جمالیات کی دعوت دیتے رہتے تھے۔ مگر دولتمند انگریز امراء کی جو تصویریں انہوں نے بنائیں' ان میں گرمجوشی اور زندگی پیدا کرتے رہے۔ یہ رینلڈز' لارنس' گینز بارو' دومنی اور بہت سے دوسرے لوگوں کا دور تھا' جسے انگریزی مصوری کا عہد زریں کہنا چاہیے۔

یہ ولیم ہوگارتھ 1697ء - 1764ء کا بھی دور تھا' جس نے نئی کلاسیکیت کی داستانی پابندیوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی تاکہ فن میں وہی کارنامے انجام دے' جو فیلڈنگ کے ناول میں انجام دیے تھے۔ وہ چند دولتمند سرپرستوں کے لئے تصویریں بنانے کے بجائے کھدی ہوئی تصویروں کی منڈی تلاش کر رہا تھا اور اس نے ان کی ہزاروں نقلیں تیار کرلیں۔ اس نے لندن کے تناسب اور ہم آہنگی کے بجائے انتہائی بے تکلفی سے لندن کے مصائب کے خاکے پیش کیے۔ اس کی تصویر "میرج آلا موڈ" دی ریکس پروگریس' دی ہارلٹ پروگرس' بیرسٹریٹ اور جن لین معاشرے پر طنز اور عبرت کی حیثیت رکھتی تھی' خصوصاً" معاشرے کے شراب نوشوں اور تعیش پسند لوگوں کے لئے۔

نئے کلاسیکی فن کے عام رجحان کے خلاف ہوگارتھ کی خصوصیت محض حقیقت پسندی تک محدود نہ تھی۔ شرقی' طبعی اور گاتھی آثار نے انیسویں صدی کے اوائل کی رومانیت پسندی میں اہم عناصر کی حیثیت حاصل کرلی تھی۔ ان کی ابتدا ہوگارتھ ہی کے زمانے میں ہوئی۔ بیرونی چیزوں کا ذوق زیادہ ہوگیا تھا' اس وجہ سے چینیوں کی پیروی میں دیواروں پر کاغذ لگانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ٹامس چینڈیل نے چینی فرنیچر تیار کیا اور پلیٹوں پر چینیوں کے عام طریقے کے مطابق بیل کے نقش بننے لگے۔ باغوں میں پگوڈے' مینار اور چھوٹی چھوٹی مسجدیں تعمیر ہونے لگیں۔ باغبانوں نے لوئی چہار دہم کے زمانے کی طرح ہندسی نمونے اور جھاڑیوں کی مصنوعی ساخت ترک کردی اور اس کی جگہ انگریزی وضع کے باغ عام ہوگئے' جن میں کئی ہندسی نمونے اور جھاڑیوں کی مصنوعی ساخت ترک کردی اور اس کی جگہ انگریزی وضع کے باغ عام ہوگئے' جن میں کوئی خاص ترتیب اور تراش خراش نظر نہ ہوتی تھی۔ باغ جتنا زیادہ سے زیادہ بے ترتیب ہوتا اور اس سے قلب پر طبعی اثر پڑتا' اتنا ہی اسے اچھا سمجھا جاتا۔

نئے کلاسیکی فن تعمیر کی عظمت بھی خطرے میں پڑگئی۔ انگلستان کے مشہور وزیراعظم رابرٹ والپول کے بیٹے ہاریس والپول نے سٹرابیری ہل (نزد لندن) میں ایک مکان بنوایا۔ جس میں گاتھی طرز تعمیر کے احیاء کے بدترین خط و خال جمع کردیئے گئے۔

بڑے بڑے موسیقار : اٹھارھویں صدی کی ثقافت کا تاج عظمت موسیقی کو حاصل ہوا۔ صدی کا نصف اول باغ ہینڈل کا دور تھا اور نصف دوم میں ہاون اور موزارت کا دور دورہ رہا۔ جوہین سیلسٹین باخ 1685ء نے 1750ء نے سترھویں صدی کے نغمہ نگاروں کی باروقی تکنیک کمال پر پہنچا دی۔ اس نے فوگ کے مشکل فن پر عبور حاصل کیا۔ یہ دورہ خوانی کی ایک پیچیدہ تعبیر ہے' جس میں نوائے اصلی کی ہر آواز از سر نو شروع ہوتی ہے اور باقی آوازوں کی تکرار ہوتی رہتی ہے۔ اس نے ریاضیات موسیقی کے پر پیچ مسئلے کو شش بحری فوگ کی ایجاد سے حل کردیا۔ یہی چیز اس نے اپنے ہدیہ موسیقی کے لئے اختیار کی' جس کی اساس نوائی فریڈرک اعظم

شاہ پروشیا کی نوا پر مبنی تھی۔ باخ کی مذہبی موسیقی ڈرامائی حیثیت رکھتی تھی اور اس کا اثر بہت گہرا تھا۔ یہ دور تنویر کے خلاف مذہب مزاج سے ایک جداگانہ دنیا تھی۔

باخ ایک جرمن ارغنون نواز اور مذہبی گانوں کا کامل الفن استاد تھا۔ جارج فریڈرک ہینڈل 1685ء - 1759ء نے ہنگامہ خیز بین الاقوامی کردار ادا کیا۔ وہ جرمنی میں پیدا ہوا۔ اٹلی میں تعلیم حاصل کی۔ پھر جوانی کا زیادہ وقت انگلستان میں صرف کیا۔ جہاں وہ اوپیرا کمپنی کی تنظیم کے لئے سرگرم کوششیں کرتا رہا' لیکن سازشوں' طباع کے اختلاف اور مالی پریشانیوں نے جو فن میں ناگزیر ہیں' اسے تباہ کردیا۔ پھر بھی اس نے چالیس تمثیلیں لکھیں' جن میں در کیسز بھی شامل تھی۔ اس نے بائیبل کے رزمیہ مضامین تمثیلوں کے لئے منتخب کیے۔ انہیں میں مسیح بھی شامل ہے۔ یہ تمثیلیں بڑے بڑے مجمول میں گانے بجانے کے ساتھ پیش کی گئیں۔ یہ سترھویں صدی کے اٹلی کی تمثیلوں سے مختلف تھیں۔

اگرچہ باخ اور ہینڈل نے آلات موسیقی سے بہت سے نغمات و سرود پیدا کئے' لیکن صدی کے نصف دوم میں آرکیسٹرا کی موسیقی نے نمایاں حیثیت حاصل کی۔ پھر نئے آلات بروئے کار آگئے' جن میں سے پیانو کو سب سے بلند حیثیت حاصل تھی۔ اس کی وجہ سے پردوں والے قدیم آلات کا محدود حلقہ بہت وسیع ہوگیا۔ گیت اور ہم آہنگی کی نئی شکلیں پیدا ہوئیں اور ہم آہنگی کو زیادہ تقویت جوزف ہاون (1732ء - 1809ء) نے دی۔ ہاون نے پچاس سے زیادہ پیانو کے لئے مختلف گیت لکھے' جن میں دو متبادل مضمون باری باری آتے ہیں اور انہیں اس طرح باہم ملا دیا کہ وہ ایک خاص چیز بن گئی۔ ہاون نے آخر کے آرکسٹرا میں گیت استعمال کیے۔

اوپیرا ہم آہنگی اور متعلقہ چیزوں نے اوج کمال ولف گینگ امادیوس موزارت 1756ء - 1791ء کے عہد میں حاصل کیا۔ طفلی کی حالت میں موزارت سے اس کے باپ نے بیدردی کے ساتھ کام لیا۔ اسے یورپ بھر میں پھرایا' تاکہ نغمہ نگاری کے متعلق اس کی حیرت انگیز قابلیت سب پر نمایاں ہو جائے۔ اسے عمر بھر بے حد کام کرنا پڑا اور آخری دور میں قرضوں کے بوجھ سے دب گیا۔ پینتیس برس کی عمر میں وفات پائی' اس وقت وہ قلاش محض تھا۔ بچپن ہی میں ہونہاری کے بہترین جوہر اس سے آشکارا تھے' لیکن دوسرے غیر معمولی بچوں کی طرح وہ خرابیوں سے محفوظ رہا۔ اس کی صلاحیت موسیقی جلد اوج کمال پر پہنچ گئی' خصوصاً" سہولت اور تنوع میں اس نے بہت اعلی درجہ حاصل کیا۔ اس نے متعدد تمثیلیں لکھیں' جن میں سے "جادو کی بانسری" آخری تمثیل ہے۔ اس میں عام اطالوی انداز چھوڑ کر اس نے اسے جرمن انداز بخشا۔ موسیقی بڑی پرلطف اور خوش گوار ہے۔ البتہ اس میں مبہم سیاسی اہمیت کا ایک پہلو موجود ہے' جس میں جوزف دوم کی روشن خیالی کی حمایت اور میزیا تھیریسا کی قدامت پسندی کی مذمت واضح ہوتی ہے۔

ان بڑے بڑے نغمہ نگاروں میں انسانیت کا پہلو بھی موجود تھا۔ جو دور عقلیت میں اکثر ناپید نظر آتا ہے۔ ان لوگوں نے عوامی سروں اور نغموں سے بھی بے تکلف استفادہ کیا۔ وقت کی ہر دلعزیز موسیقی بھی پیش نظر رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی موسیقی عام بازاروں میں پہنچ گئی۔ موزارت کی تمثیلیں' ہاون کی سمفونی' باخ اور ہینڈل کے مذہبی گیت آج بھی عوام میں ہر دلعزیز ہیں۔ ان میں سامعین کے جذبات کو ابھارنے کی جو صلاحیت ابتدا میں موجود تھی' وہ اب تک باقی چلی آتی ہے۔ اس لحاظ سے موسیقی نے اٹھارھویں صدی کی تہذیب و تمدن کے بڑے تنازع۔

عقل و جذبات کے درمیان تنازع' دور تنویر کے مجردات اور انسانی زندگی کے حقائق کے درمیان تنازع کو خوشگوار طریق پر حل کے قریب پہنچا دیا۔

صدی اختتام کے قریب پہنچی' تو دوسرے دائروں میں تنازع کو سرگرمی سے جاری رکھنے کے لئے محاذ تیار کر لیے گئے۔ افکار کی دنیا میں کانٹ اور ہیوم کے نظریات فلسفیوں کی عقلیت کو چیلنج کر رہے تھے۔ رومانیت پسند فن کار اور رومانیت پسند اہل قلم کلاسیکیت کے محافظوں پر حملے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ سیاسیات میں صدی کے اختتام پر قوتیں انقلاب فرانس کی روک تھام کے لئے کوشاں تھیں۔ انقلاب فرانس کو روئے زمین پر دور تنویر کے عقلی و طبعی قانون اور ترقی کے خواب کی تعبیر کے لئے سب سے بڑی کوشش سمجھنا چاہیے۔

☆ باب 32

روشن خیال مطلق العنان فرمانروا

ENGLIGHTEND DESPOTISM)

پروشیا' فریڈرک اعظم : اٹھارھویں صدی کے تمام بادشاہوں میں سے فریڈرک ثانی والئی پروشیاء 1740ء - 1786ء جو اعظم کے لقب سے مشہور ہے' دور تنویر کے لئے سب سے بڑھ کر موزوں معلوم ہوتا تھا۔ نوجوانی کے عالم میں اس نے اپنے زبردست باپ فریڈرک ولیم اول کے غیر موزوں نقطہ نگاہ اور تحکمانہ طریقوں کے خلاف بغاوت کی۔ اسے موسیقی سے خاص دلچسپی تھی۔ وہ بانسری بجاتا' جسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا۔ جنگی مہموں میں بھی اسے نہ چھوڑتا اور اس نے بانسری کے لئے ایک سو سے زیادہ گیت لکھے حالانکہ اس آلے پر گیت گانا مشکل ہے۔ اس نے فلسفیوں کی تمام کتابیں بڑی توجہ سے پڑھیں۔ ان سے خط و کتابت جاری رکھی۔ والٹیر کو دعوت دے کر اپنے ہاں بلایا اور پنشن دے کر پاٹسڈم میں جو برلن سے قریب ہے' اس کے لئے سکونت کا انتظام کیا گیا۔ وہ میکیاولی کا سخت مخالف تھا۔ اس کے خلاف ایک رسالہ لکھا۔ جس میں "کتاب الملوک" کی بداخلاقی کی مذمت کی۔ خود اس نے روشن خیال مطلق العنان کے بنیادی اوصاف وضح کیے۔

> "امیر شہنشاہ اور بادشاہ اس لئے اعلی اختیار کے مالک نہیں بنائے جاتے کہ وہ عیش و عشرت اور بدکاری میں ڈوبے رہیں۔ ہر بادشاہ کو بار بار یہ حقیقت سامنے رکھنی چاہئے کہ وہ بھی ویسا ہی انسان ہے' جیسے رعایا کے حقیر ترین افراد ہیں۔ اگر اسے قوم میں اعلی جج' اعلی سپہ سالار' اعلی ماہر مالیات اور اعلی وزیر کا منصب ملتا ہے۔ تو غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ان فرائض کو احسن طریق پر پورا کرے۔ جو یہ ممتاز عہدے اس پر عائد کرتے ہیں۔ وہ مملکت کا سب سے بڑا خادم ہے۔ اسے چاہئے کہ عدل و انصاف' عقل و دانش اور بے غرضی سے کام کرے۔ ہر لحظ خیال رکھے کہ اسے نظم و نسق کے سلسلے میں شہریوں کے سامنے پورا حساب پیش کرنا ہے۔"

فریڈرک متعدد اعتبارات سے اپنی ضروریات کے عین مطابق تھا۔ اسے بدکاری اور عیش و عشرت سے احتراز تھا۔ اسے عموماً" معمولی اور میلا پہنتا۔ یقیناً" وہ مملکت کا سب سے اعلی خدمت گزار تھا۔ بڑی لمبی مدت تک اپنی میز پر بیٹھا محنت و مشقت سے کام کرتا رہتا۔ میدان جنگ میں بھی ہمیشہ محنت و مشقت میں مصروف رہتا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا وہ عدل' عقل و دانش اور بے غرضی پر کاربند تھا؟ اس سلسلے میں اس کا عمل ناہموار تھا۔ بے شک اس نے میکیاولی کی مخالفت کی تھی لیکن اس نے اپنی خارجہ پالیسی اور فوجی مہارت میں میکیاولی کا حقیقی طرز عمل برابر قائم رکھا۔ اس نے جن حرافیوں سے کام لے کر سلیشیا پر حملہ کیا وہ جیسے شخص کے لئے ہی باعث رشک تھیں۔ پاٹسڈم کے محل میں بیٹھ کر وہ خط و کتابت سے مملکت کا کاروبار انجام دیتا۔

لیکن اپنے ماتحتوں سے غلاموں کا سا سلوک کرتا تھا۔ سپہ سالار ڈپلومیٹ اور پروشیائی نظم و نسق کے کامل الفن میکانک کی حیثیت میں فریڈرک اعظم بڑا قابل اور کامیاب تھا' لیکن وہ روشن خیال' مطلق العنان بادشاہ نہ تھا۔ دور تنویر کے لئے شہرت کی بلندی اور پستی کا انحصار اس پر ہے کہ اس نے کون کون سی عمرانی اور اقتصادی اصلاحات نافذ کیں۔

حامیان مسلک فطرت میں سے کسی نے بھی اتنا کام نہ کیا' جتنا فریڈرک نے پروشیائی زراعت کی اصلاح کے لئے کیا۔ اس نے انگلستان سے تپیتا گھاس باری باری فصلوں کی کاشت اور لوہے کا ہل منگوایا۔ لوہے کی ہل سے زمین بہت اچھی طرح جوتی جاتی تھی۔ پرانا لکڑی کا ہل اتنا کام نہیں دے سکتا تھا۔ اس نی زیریں وادی اور ڈر کی دلدلیں خشک کرائیں۔ میلیشیا اور دوسرے مقامات پر نئے مزرعے قائم کیے۔ تین لاکھ آدمی باہر سے لاکر نئی زمینوں پر بسائے۔ "ہفت سالہ جنگ" سے بڑی تباہی پھیلی تھی۔ فریڈرک نے کسانوں کو آلات کشاورزی دیئے۔ جانور مہیا کیے اور بیج دیا تاکہ تباہ شدہ کھیت پھر سے آباد ہو جائیں۔ اس زمانے میں جنگلات کی حالت بہت معمولی تھی۔ فریڈرک نے جرمنی کی شاندار روایات کے مطابق جنگلات کی حفاظت اور پرورش کا انتظام سائنٹیفک طریق پر کیا۔

تاہم وہ تجارتی نظریہ زر کا حامی تھا۔ اور حامیان مسلک فطرت کے اصول عدم مداخلت کا سخت مخالف تھا۔ اس نے فوجی مصارف کے لئے روپیہ بچانے کی غرض سے درآمد بالکل بند کردی۔ اس کی اقتصادی پالیسی نے پروشیائی صنعت کی نشوونما میں مدد دی۔ خصوصاً فوج کی ضرورت کے لئے کپڑے اور ہتھیار خاصے بننے لگے۔ فریڈرک کی وجہ سے رعایا پر محاصل کا ایسا بوجھ پڑ گیا' جس کے زیر اثر وہ تڑپھڑانے لگی۔ اسی طرح متعدد اقتصادی تجویزیں بروئے کار لایا جو بالکل مہمل تھیں۔ فریڈرک نے ملک میں ریشم کی صنعت کو ترقی دینے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ اس نے پروشیا کی ضرورت کے مطابق تمباکو کاشت کرانا چاہا' حالانکہ اس کے لئے آب و ہوا موزوں نہ تھی۔ جرمن قوم قہوے کی بڑی رسیا تھی' قہوہ منگوانے کے لئے خاص رقمیں باہر بھیجی جاتی تھیں۔ فریڈرک نے اصرار کیا کہ قہوے کی جگہ بیئر پی جائے اور باہر سے قہوے کے جو بن آتے تھے' ان پر بھاری محصول درآمد عائد کر دیا اور فرانس سے وہ لوگ بلائے جو سونگھ کر بتادیتے تھے کہ قہوہ ہے یا نہیں۔ انہیں اس غرض سے مقرر کیا کہ کوئی شخص ناجائز طریق پر قہوہ درآمد نہ کرسکے۔

فریڈرک کی مذہبی اور عمرانی پالیسی بھی عقلیت پسندی کے دور اور نظام قدیم کا مجموعہ تھی۔ یعنی ایک اعتبار سے نہایت معقول اور ایک اعتبار سے کم ازکم روشن خیال۔ فریڈرک خود مسلک فطرت کا پابند تھا اور مذہبی رواداری پر فخر کیا کرتا تھا۔ اس نے کیتھولک کی اقلیت کو پروٹسٹنٹوں کی بہت بڑی اکثریت میں محفوظ رکھا۔ ان سے اصرار کرکے گرجے کے مینار زیادہ سے زیادہ اونچے بنوائے۔ اس نے یسوعیوں کو دعوت دے کر بلالیا جس پر کیتھولک ملکوں میں ظلم و جور ہو رہا تھا' کیونکہ اسے یسوعیوں کی ذہنی قابلیت کا اعتراف تھا۔ وہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ اگر مسلمان برلین میں آبسیں تو میں ان کے لیے ایک مسجد تعمیر کرواؤں گا' لیکن وہ سامیوں کا سخت مخالف بھی تھا۔ اس نے سکے کی قیمت گھٹانے کا غیر ہر دلعزیز کام یہودیوں کے ذریعے سے پورا کرایا۔ ساتھ ہی یہودی رعایا پر خاص بھاری محصول بھی لگا دیا' نیز انہیں ملازمتوں اور پیشوں سے محروم رکھنے کی انتہائی

کوشش کی۔ وہ کہتا تھا کہ یہودی مملکت کے لئے بالکل بے کار ہیں۔

فریڈرک نے عدالتی اصلاحات سے اہل پروشیا کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔ جب وہ تخت پر بیٹھا تو عدالتیں سخت سزائیں دیتی تھیں۔ اور متلون تھیں۔ پھر مقدمات پر روپیہ بہت خرچ ہوتا تھا۔ فریڈرک نے تعذیب سے کام لینے کا دائرہ محدود کردیا۔ پہلے یہ عجیب طریقہ رائج تھا کہ عدالتوں میں جو فیصلے ہوتے' ان کی اپیلیں یونیورسٹی کی فیکلٹیز کے پاس کی جاتیں' فریڈرک نے اپیل کی عدالتوں کا باقاعدہ نظام قائم کیا۔ ججوں کو رشوتیں دی جاتی تھیں۔ فریڈرک نے حکم دے دیا کہ ایسی تمام رقمیں ایک جگہ جمع رہیں۔ پھر ہر جج اپنے حصے کے مطابق رقم لے لے

یہی فریڈرک ہے' جس نے عمرانی ذاتوں کے مشفق ازمنہ وسطیٰ کا سا مسلک اختیار کیا۔ اس نے زرعی غلاموں کی زنجیریں ڈھیلی کرنے کے لئے کچھ نہ کیا اور پروشیا کے کسانوں کا بہت بڑا حصہ انہیں زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ جب اس نے کسانوں کو مادی امداد دی تھی تو اس کا مقصد صرف فائدہ تھا۔ کسانوں کو معمولی نوشت و خواند کے سوا کچھ سیکھنے کا موقع حاصل نہ تھا اور وہ اپنی حالت پر غیر مطمئن رہ سکتے تھے۔ طبقہ اوسط سے بھی اسے نفرت تھی۔ وہ صرف زمیندار امراء و شرفاء کا احترام کرتا تھا۔ جنہیں کہ خاص حیثیت حاصل تھی' بہ ایں ہمہ وہ بھی فریڈرک کے کچوکوں سے بچ نہ سکے۔ اگرچہ فوجی افسر صف بندوں سے لیے جاتے تھے' لیکن فریڈرک کی کوشش یہ تھی کہ وہ ثاریاں سے نہ ہوں' کیونکہ افسر میدان جنگ میں مارے جاتے تو ان کی بیویاں مملکت کی طرف سے پنشن کی حقدار بن جاتیں اور مملکت پنشن نہیں دے سکتی تھی۔

ایک انگریز ڈپلومیٹ' جو فریڈرک سے بخوبی واقف تھا' اس کی بربریت اور انسانیت کے تضاد سے بہت متاثر ہوا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

> "میں نے اسے المناک واقعات پر روتے دیکھا ہے۔ وہ ایک بیمار کتے کی ویسی ہی دیکھ بھال کرتا ہے جیسی ماں پیارے بچے کی' لیکن اگلے ہی دن وہ بے تکلف ایک صوبے کی بربادی کا حکم دے دیتا ہے یا خوامخواہ محاصل بڑھا کر پورے علاقے کو برباد کر دیتا ہے۔ وہ اتنا محتاط ہے کہ شاذ ہی کسی مجرم کو موت کی سزا دے گا' لیکن پچھلی جنگ میں اس نے فوجی ڈاکٹروں کو حکم دے دیا' سپاہیوں کا مرجانا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ ان کے عضو کاٹ کاٹ کر بیماروں کی تعداد اور ان پر خرچ بڑھایا جائے۔"

فریڈرک دستور کے اعتبار سے عوام کے ساتھ چل نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنے دوستوں سے بھی جھگڑ پڑا' خصوصاً" والٹیئر نے یہ عظیم القدر فرانسیسی' جو روا داری کا سرگرم حامی تھا' فریڈرک سے روزانہ ملاقات کی زحمت برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ ایک مرتبہ فریڈرک نے والٹیئر سے کہا کہ میں نے جو متفرق نظمیں لکھی ہیں' انہیں ترتیب دے دو۔ والٹیئر نے کہا کیا مجھے بادشاہوں کے نجس کپڑے دھونے پڑے ہیں۔ فریڈرک نے اپنے مہمان کو ایک نارنگی سے تشبیہ دی' جسے چوس کر پھینک دینا چاہیئے۔ آخر ان دونوں کے درمیان دوستی کے رشتے پھر سے قائم ہوگئے' لیکن یہ سلسلہ صرف خط و کتابت تک جاری رہا۔ فریڈرک کو اپنی بیوی سے سخت نفرت تھی اور وہ اس سے تغافل برتتا تھا۔ جب وہ مرا تو رعایا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے وصیت کر دی تھی کہ مجھے محبوب کتوں کے پاس دفن کیا جائے۔ ایک فرانسیسی معتبر نے خوب کہا کہ انسانیت سے نفرت

کا یہ آخری نشان ہے۔

اس سخت رائے کی بناء پر فریڈرک کے متعلق منصفانہ جائزے پر اثر نہ پڑنا چاہیے۔ درحقیقت فریڈرک میں دو سیاسی فلسفے جمع تھے جو اکثر متصادم ہوتے ہیں۔ اول تنویر کے انسانی اصول' دوم ہوہنز ولرن خاندان کی سخت و شدید روایات۔ عام زندگی میں غالباً" وہ پہلے ہوہنزولرن تھا۔ پھر ایک روشن خیال مطلق العنان اور بھی اس وقت جب عہد عقلیت کے اصول کو جو ہنزولرن بادشاہی کے حقائق سے مطابقت دی جاسکتی تھی۔

روس' ملکہ کیتھرائن : فریڈرک اعظم کے مداحوں میں سے اولیں مقام روس کے گرانڈ ڈیوک کو حاصل تھا' جو ملکہ ایلزبتھ 1741ء - 1762ء کا ضدی بھانجا اور جانشین تھا۔ پیٹر نے بچپن گزار کر ہی بچپن کی عادتیں نہ چھوڑیں۔ اس نے سپاہیوں کی شکل کے کھلونے بنوا رکھے تھے' انہیں سے کھیلتا رہتا اور کبھی کبھی اپنے سپاہیوں کو قواعد کرانے لگتا۔ اس کی پوری تربیت جرمنی میں ہوئی تھی اور عمر بھر اس کا نقطہ نگاہ جرمنوں کا رہا۔ شاہ پروشیا کا وہ انتہائی عقیدت مند تھا۔ یہ عقیدت اس عہد میں بھی قائم رہی۔ جب پروشیا ہفت سالہ جنگ میں روس کے خلاف لڑ رہا تھا۔ ایلزبتھ کی وفات (جنوری 1762ء) کے بعد وہ تقریباً" چھ مہینے تک پیٹرسوم کی حیثیت میں روس پر حکمران رہا۔ اس نے فریڈرک کے ساتھ صلح کرلی' جو فریڈرک کے لئے بہت فائدہ مند تھی اور پروشیائی فوج کا شدید ضبط و نظم روسی فوج پر عائد کر دیا بلکہ وہ آرتھوڈکس کلیسا کو بھی جرمنی کے لوتھری کلیسا کے لے آنے کی تجویزیں سوچ رہا تھا۔ اس کی بیوی کیتھرائن کے حامیوں نے ایک سازش کی جولائی 1762ء میں پیٹرسوم مارا گیا اور کیتھرائن کی بادشاہی کا اعلان ہوگیا۔

نئی ملکہ جرمنی کے ایک غیر معروف رئیس کی بیٹی تھی۔ اس میں وہ تمام صلاحیتیں' عملی گرم جوشی موجود تھی' جس سے اس کا شوہر محروم تھا۔ کیتھرائن نے اپنی روشن خیالی کی خوب نمائش کی۔ اس نے بڑی کتابیں پڑھیں۔ ڈرامے' طنزیہ نظمیں اور مقالے لکھے۔ لوگ چیچک کے ٹیکے کو سہمے کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کیتھرائن نے اس شعبے کا خوب مزاق اڑایا اور انگلستان سے ایک ڈاکٹر صرف اس لیے بلایا کہ اسے اور لوگوں کے ٹیکے لگائے۔ فریڈرک اعظم قہوے کے خلاف جس تعصب کا اظہار کر رہا تھا' کیتھرائن اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ وہ ہر صبح قہوے کی خاص مقدار نوش کرلیتی۔ اس نے قہوہ تیار کرنے کا ایک خاص طریقہ دریافت کرلیا تھا' یعنی پانچ پونڈ پانی میں ایک پونڈ قہوہ شامل کرتی۔ جب وہ ملکہ بن گئی تو نشر و اشاعت کے فطری جذبے کے تحت فلسفیوں کو ساتھ ملالیا' تاکہ اس کی طرف سے حمایت کا فرض انجام دیتے رہیں۔ اس نے لوگوں کو پھانسنے کے خاص طریقے اختیار کر رکھے تھے۔ وہ ان کی زیادہ سے زیادہ خوشامد کرتی۔ اپنی صلاحیت کے متعلق عجز و انکسار پر عمل پیرا رہی اور مناسب موقعوں پر ان کے لیے وظیفے مقرر کر دیتی۔ چنانچہ فلسفی اس پھندے میں پھنس گئے اور وہ برابر اعلان کرتے رہے۔ کیتھرائن نئی میزوا ہے' نئی جونو ہے' نئی سیرس ہے۔ وولٹیر کی زبان سے بھی انتہائی مدح و ستائش کے کلمے نکلے وہ لکھتا ہے۔

> "—— اب سب کی نگاہیں قطب تارے کی طرف متوجہ ہو جانی چاہیں۔ اب علیا حضرت نے عظمت و شان کا ایک ایسا راستہ دریافت کر دیا ہے' جس سے تمام دوسرے فرمانروا بے خبر تھے —— آپ واقعی یورپ کی محسن بن گئی ہیں۔ آپ نے

اپنی روح کی عظمت و برتری کی بدولت اس سے زیادہ رعایا حاصل کرلی ہے' جو دوسرے فرمانروا اسلحہ کے بل پر بھی مسخر نہیں کرسکے۔"

کیتھرائن یقیناً" کوئی بڑی ہستی نہ تھی۔ وہ حوصلہ مند' منچلی اور حصول مقاصد میں جائز و ناجائز سے بے پروا تھی۔ اس کی فطرت میں مطلق العنانی ودیعت کی گئی تھی اور وہ پیدائشی سیاست دان تھی۔ جس وقت سے اس کی شادی ہوئی۔ تمام اعمال میں اس کا انداز سیاسی رہا۔ پیٹر کے برعکس اس نے کھلم کھلا اپنے آپ کو جرمن کے بجائے روسی بنالیا تاکہ عوام کی حمایت حاصل ہو جائے۔ روسی زبان پر عبور حاصل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور روس کے ذی اثر امیر خاندانوں میں اس نے بہت سے دوست اور بہت سے عاشق چن لیے۔ وہ آرتھوڈکس کلیسا سے عقیدت کا اظہار بہت کرتی تھی اور نجی طور پر کہتی رہتی تھی کہ میں نے لوتھر کے طریقے کو صرف سیاسی تدبیر کے طور پر چھوڑا ہے' جس طرح ہنری والی ناوار نے کیتھولک مذہب اختیار کرلیا تھا۔ وہ کہتی تھی کہ سینٹ پیٹرز برگ کے لئے بھی لاریب اس قسم کا ایثار کیا جاسکتا ہے۔

کیتھرائن یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرسکتی تھی کہ سلطنت اس نے غصب کی تھی اور تاج اسے ان امراء کی بدولت ملا تھا' جو اس کی حمایت میں سرگرم تھے۔ اسے ہر لحظہ اضطراب تھا کہ اپنی حیثیت محفوظ رکھے۔ پھر اسے یہ بھی اندازہ ہوچکا تھا کہ روس میں کوئی تغیر پیدا کرنا حد درجہ مشکل ہے' اس لیے وہ ایسی وسیع اصلاحات جاری کرنے پر بھی آمادہ نہ ہوئی' جو روشن خیال مطلق العنانی کے ذریعے میں شمار تھیں۔ محتاط قدامت پسندی اور مطلق العنانی اس کی داخلی پالیسی کی خصوصیات تھیں۔

داخلی معاملات میں تدبر کا پہلا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ایک کمیشن قوانین کی ترتیب کے لیے مقرر کردیا۔ سرکاری افسروں قصبوں کے باشندوں اور آزاد کسانوں' پادریوں اور زرعی غلاموں کے سوا روس کے ہر اہم عمرانی گروہ نے کمیشن کے لیے نمائندے بھیجے۔ ان لوگوں کے فائدے کے لئے بلکہ خود مفصل ہدایات مرتب کرنے کی غرض سے تین سال محنت و مشقت کرتی رہی اور ان ہدایت میں مونٹسک اور بکاریا کے بہت سے ترقی پذیر تصورات شامل کر دیئے۔ لوئی پانزوہم کے وزراء نے کیتھرائن کا اعزازیوں کیا کہ ہدایات کا کوئی نسخہ فرانس میں لانے کی ممانعت کردی' مگر ان ہدایات میں کیتھرائن نے مطلق العنانی کے متعلق اپنے پختہ عقیدے کا صاف اظہار کردیا اور روس کے سب سے بڑے عمرانی مسئلے یعنی ایک کروڑ زرعی غلاموں پر اظہار رائے سے دانشمندانہ اعراض کیا اور قوانین کی ترتیب دینے والے کمیشن کا اجلاس ہوا تو واضح ہوگیا کہ یہ انقلابیت سے منزلوں دور ہے۔

جو لوگ کمیشن میں نمائندے بن کر آئے تھے' انہیں خزانے سے رقمیں ملتی تھیں اور سزائے موت سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ ہر نمائندے کا فرض قرار دے دیا گیا تھا کہ اپنے ساتھ ہمسایوں کی طرف سے تحریری دستاویزیں لائے' جن میں ان کی شکایتیں اور تغیر کے متعلق مطالبات درج ہوں۔ ان دستاویزوں کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ روس میں جو مطلق العنانی رائج تھی' اس پر بہت کم اطمینانی کا اظہار کیا گیا۔ عوام کی خواہش یہ تھی کہ مقامی خود اختیاری حکومت کے متعلق انہیں زیادہ حقوق و فرائض مل جائیں اور جو کچھ ان پر واجب قرار دیا جائے' اس کی ٹھیک ٹھیک وضاحت کر دی جائے تاکہ انہیں اپنے موقف کے متعلق پوری آگاہی حاصل

ہوجائے۔ کمیشن میں جو بحثیں ہوئیں' ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ نمائندوں کو صرف اپنے طبقے سے دلچسپی تھی۔ مثلاً آزاد کسان چاہتے تھے کہ انہیں زرعی غلام رکھنے کی اجازت دی جائے۔ ڈیڑھ سال کی بحث و تمحیص کے بعد 1768ء میں کیتھرائن نے کمیشن کو ختم کردیا۔ اس نے قوانین مدون نہیں کیے تھے' لیکن خود کیتھرائن کے نقطہ نگاہ سے یہ بڑا مفید تھا' کیونکہ اس میں روس کے تمام طبقوں نے مطلق العنانی کی بنیادی حمایت کا مظاہرہ کر دیا تھا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ غور و فکر کے متعلق بعض خامیوں کے باوجود یہ کمیشن زاروں کی حکومت کی طرف سے آخری اقدام تھا' جس میں عوام سے مشورہ کیا گیا۔ پھر ایک سو اڑتیس سال تک کبھی ان سے پوچھا نہ گیا' یہاں تک کہ انقلاب نے 1906ء میں پہلی مرتبہ دوما (پارلیمنٹ) قائم کرائی۔

کیتھرائن نے قانون سازی کی کمیشن کے ابتدائی کام کے بعد کی اصلاحات کے سلسلے میں خاصا فائدہ اٹھایا۔ یہ اصلاحات پوگاشیف کے زیر قیادت کاسلوکی بڑی بغاوت (1773ء - 1775ء) کا نتیجہ تھیں۔ پوگاشیف نے سرحدی قبائلیوں کو اس لیے کیتھرائن کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا تھا کہ قبائلیوں کے خاص حقوق منسوخ کر دیئے گئے تھے۔ اس نے زار پیٹر سوم ہونے کا دعویٰ کر دیا اور زرعی غلاموں کو زمین اور آزادی دے دینے کا وعدہ کرلیا اور وہ پوگاشیف کی فوجوں میں بھرتی ہوگئے۔ جنوبی و مشرقی روس میں پوگاشیف نے خاص بڑا علاقہ پامال کر ڈالا' پھر ماسکو کا رخ کیا۔ سترھویں صدی کے ہنگاموں کی طرح پوگاشیف کی بغاوت سے بھی یہ ظاہر ہوا کہ روس کے اندر سخت بے چینی موجود ہے' جس کا مدعا یہ نہیں کہ مطلق العنانی کے مرلز کا تختہ الٹے بلکہ اس بے چینی کے ذمہ دار زمینوں کے مالک اور مقامی افسر تھے۔ روس میں کسان نظام کے انہیں کارندوں کو اپنا دشمن سمجھتے تھے جن سے انہیں سابقہ پڑتا تھا اور وہ جب بھی بغاوت برپا کرتے تو اپنے آقا کا نام لیتے۔ ان کا احساس یہ تھا کہ آقا بہت دور رہتا ہے اور بدطینت مالکان اراضی' نیز افسر اسے حقیقت سے بے خبر رکھتے ہیں۔ اپنے بہت سے پیشروؤں کی طرف پوگاشیف کو بھی حمایت حاصل کرنے کے لئے زار بننے کی ضرورت پیش آئی۔

پوگاشیف کی بغاوت کے زیر اثر صوبائی نظم و نسق کا پورا ڈھانچا درہم برہم ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ احکام مقامی حکام تک دیر سے پہنچے اور حکومت کی مدافعت کے لئے سپاہی بہت سستی سے اقدامات کرتے۔ جب بغاوت ختم کر دی گئی اور پوگاشیف کو لوہے کے ایک پنجرے میں بند کرکے شمالی جانب لے گئے تاکہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیں تو کیتھرائن نے عملی قدم اٹھایا۔ اس نے مقامی حکومتوں کی تنظیم نو میں بیس صوبوں کی جگہ پچاس صوبے بنا دیئے۔ 1775ء یوں اس نے تعداد میں کم' لیکن رقبے میں بڑے بڑے علاقوں کی جگہ تعداد میں زیادہ اور رقبے میں کم علاقے پیدا کرلیے' جن کا انتظام سہل تھا۔ ہر صوبے میں تین لاکھ سے چار لاکھ تک باشندے آباد تھے۔ 1775ء کی اصلاح کے مطابق امراء کو صوبائی مناصب میں زیادہ سے زیادہ حصہ مل گیا۔ لیکن مرکزی حکومت کی ہدایت و نگرانی پر قائم کر دی گئی اور مرکز کی طرف سے ہر صوبے میں انتظامی' مالی اور قانونی نمائندے بھیجے گئے۔

دس سال بعد کیتھرائن نے امراء کے لئے تازہ مراعات کا انتظام کیا۔ 1785ء میں جو منشور شائع ہوا' اس میں امراء کو فوجی خدمت اور محاصل سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ زرعی غلاموں کی تقدیر ان کے ہاتھ میں دے دی گئی اور جاگیروں پر انہیں پورے اختیارات حاصل ہوگئے۔ انہوں

نے ہر صوبے میں اپنی ایک مشترکہ مجلس بنائی۔ جس کی خاص تنظیم تھی اور امراء مین ایک مارشل اس کا رئیس منتخب ہوتا تھا۔ انہوں نے ہر صوبے میں اپنی ایک مشترکہ مجلس بنائی۔ جس کی خاص تنظیم تھی اور امراء میں ایک مارشل اس کا رئیس منتخب ہوتا تھا۔ اسی طرح قصبوں کو منشور ملا' جس کے مطابق کیتھرائن نے تھوڑے سے' مگر ترقی پذیر طبقہ اوسط کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ اسی طرح بلدیاتی معاملات میں خود امتیازی کا اصول قائم ہوگیا' لیکن یہ اصول عملاً" بے اثر رہا' کیونکہ روس کے پسماندہ شوری مرکزوں میں طبقاتی امتیازات بڑے سخت تھے۔ چھوٹے چھوٹے قصبوں میں زیادہ تر آبادی ان پڑھ کان کنوں اور مزدوروں کی تھی' جو اس وقت بھی غلامی کے جرے کے نیچے کراہ رہے تھے اور جمہوریت کے لیے شاذ ہی موزوں تھی۔

زرعی غلاموں کے لیے یقیناً" کوئی فرمان شائع نہ ہوا۔ کیتھرائن نے سرکاری زمینیں نجی مالکوں کو دے دیں' جن سے اسے سیاسی امداد ملی تھی۔ ان زمینوں میں آٹھ لاکھ انسان آباد تھے' وہ سب کے سب زرعی غلام بن کے گویا قومی غلامی روس کے ان قصبوں میں بھی پہنچ گئی جہاں پہلے اس کا کوئی اثر نہ تھا اور جو قواعد و ضوابط بنے ان کے تحت زمینداروں نے زرعی غلاموں پر اور بھی بندشیں عائد کر دیں۔ مثلاً 1760ء میں زرعی غلام کو آقا کے خلاف شکایت پیش کرنے کی ممانعت تھی۔ گویا وہ تلافی مافات کے لیے بھی ہاتھ پاؤں نہیں مار سکتا تھا۔ یوں زرعی غلامی یورپ کے روس میں پھیل بھی گئی اور اس نے شدت بھی اختیار کرلی اور یہ سب کچھ ایسے وقت میں ہوا جب بعض روشن خیال مطلق العنان بادشاہ اسے منسوخ کر رہے تھے یا کم از کم اس کی حیثیت گھٹا رہے تھے۔ اس وقت تک بہ حیثیت ادارہ زرعی غلامی کے خلاف عوام میں کوئی خاص جذبہ نہ تھا جس ملک کے آزاد کسان چاہتے تھے کہ زمینوں کے مالک بن جائیں اور کسانوں پر انہیں اقتدار حاصل ہوجائے' جو زرعی غلام تھے' ظاہر ہے کہ اس کے باشندوں میں زرعی غلامی کی تنسیخ کے لئے محکم جذبہ عامہ پیدا کرنا خاص تعلیم اور مغربی طور طریقوں کے اختیار کرنے پر مبنی تھا۔ جب ایسا جذبہ پیدا ہوا تو اس کا اظہار سب سے پہلے مالکان اراضی میں ہوا۔

ملکہ کیتھرائن کی خارجہ پالیسی سے اس امر کو تقویت پہنچتی ہے کہ روشن خیال مطلق العنانی ڈپلومیسی کے لیے کچھ معنی نہیں رکھتی تھی۔ کیتھرائن کو مغربی جانب پولینڈ میں روس کی توسیع مطلوب تھی اور یہ اس نے حاصل کرلی۔ اسی طرح جنوبی جانب وہ ترکی میں قدم بڑھانا چاہتی تھی۔ کیتھرائن کو تخت نشین ہوئے صرف ایک سال ہوا تھا کہ پولینڈ کا تخت خالی ہوگیا اور ملکہ نے ایک ایسے شخص کو بادشاہ منتخب کرالیا۔ جو روس کا حامی تھا یعنی سٹینسلاس پونیا ٹوسکی جو پولینڈ کا ایک امیر تھا اور پہلے ملکہ کا عاشق رہ چکا تھا۔ فریڈرک اعظم بھی ملکہ کیتھرائن کے ساتھ اس مہم میں شریک ہوگیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ کیتھولک پولینڈ میں آرتھوڈکس اور لوتھری اقلیتوں کو حقوق دیے جائیں جو بہت مظلوم تھیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ دونوں حکمران اصول رواداری کو آگے بڑھانا چاہتے تھے' لیکن پولینڈ کی آزادی کے متعلق ان کے دل میں جو عزائم تھے ان کے لیے اس اصول کو ایک مفید پردہ بھی بنالیا تھا۔ پولینڈ کے امراء کیتھولک مذہب میں بڑے سخت اور جاگیردارانہ حب وطن میں بڑے بے پناہ تھے۔ انہوں نے رواداری کے اصول کی مخالفت کی اور فرانس و آسٹریا سے امداد حاصل کرلی۔ فرانس و آسٹریا نے یہ تدبیر اختیار کی کہ ترکی کو روس سے بھڑا دیا تاکہ کیتھرائن کی توجہ پولینڈ سے ہٹ جائے۔

یہ تدبیر بری طرح ناکام رہی۔ کیتھرائن نے روس و ترکی کی جنگ 1768ء - 1774ء میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پولینڈ کو سانس لینے کا موقع بھی نہ ملا۔ آزادی مملکت کی حیثیت میں اس کی موت قریب تر آگئی۔ ابھی کیتھرائن نے ترکی سے صلح نہیں کی تھی کہ اس کی کامیابیوں نے فریڈرک کو چونکا دیا' حالانکہ فریڈرک پولینڈ کی سازش میں کیتھرائن کا شریک تھا۔ اب اسے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اس نے اگر جلد کوئی قدم نہ اٹھایا تو روس پولینڈ کا بڑا حصہ لے جائے گا۔ اسے ایک اندیشہ یہ بھی تھا کہ ممکن ہے پولینڈ اور ترکی کے تجزیے پر آسٹریا اور روس میں جنگ چھڑ جائے' اس لیے فریڈرک نے کوشش کی کہ پہلے پولینڈ کی تقسیم کا فیصلہ ہو جائے (1772ء) چنانچہ پولینڈ کا ایک تہائی علاقہ اور نصف آباد اس بین الاقوامی رہزنی میں پروشیا' آسٹریا اور روس کے حوالے ہوگئی' جسے ایک شرمناک فعل سمجھا جاتا ہے' اس لوٹ میں سے فریڈرک کو مغربی پروشیا ملا جو اگرچہ بہت چھوٹا تھا لیکن موقع و محل کے اعتبار سے بہت اہم تھا' کیونکہ اس میں پولینڈ کی وہ زمینیں آگئی تھیں۔ جو مشرقی پروشیا کو برینڈن برگ سے جدا کیے ہوئے تھیں۔ ہیبرگ ملکہ تھیریسا نے بادل نخواستہ اپنے ترک اور پوشانی حلیفوں کو چھوڑ دیا۔ تاکہ اس لوٹ میں حصہ دار بن جائے۔ فریڈرک نے طعن آمیز انداز میں لکھا کہ میریا تھیریسا رو رہی تھی۔ مگر اس نے حصہ نہ چھوڑا۔

1772ء میں جو کچھ ہوا تھا۔ وہ آگے چل کر ایک عادت بن گیا۔ اس تباہی نے امراء پر برا اثر ڈالا اور ملک کے جاگیردارانہ اصول کو زیادہ مستحکم کرنے پر آمادہ ہوگئے' حالانکہ یہ سب کچھ بعد از وقت تھا۔ یہ اصلاح آئندہ دو تقسیموں 1793ء اور 1795ء کو روک نہ سکی' جن کے باعث پولینڈ نقشے سے بالکل محو ہوگیا۔

کیتھرائن نے ترکی سے جو پہلی جنگ کی' وہ کوچک کینر جی کے معاہدے پر ختم ہوئی۔ 1774ء) اس سے مشرق قریب کے توازن قوی میں نمایاں تغیر پیدا ہوگیا۔ کیتھرائن نے اس معاہدے کے مطابق وہ ترکی مقبوضات کے لئے جو بحیرہ اسود کے شمال میں واقع تھے۔ نیز ایک مہم سا وعدہ حاصل کرلیا کہ جو آرتھوڈکس مسیحی روس میں رہتے ہیں۔ ان کی حفاظت کی اجازت روس کو ہوگی۔ اس آخری دفعہ نے آگے چل کر روس کے لیے ترکی کے معاملات میں مداخلت کا ایک موزوں عذر بنا دیا۔ اب کیتھرائن کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ پرانی بیزنطینی سلطنت کو روس کے زیر سرپرستی از سر نو زندہ کر دیا جائے۔ اس نے اپنے ایک پوتے کا نام کانسٹائن رکھا اور اسے بالاہتمام تیار کیا کہ بیزنطینی میراث کا حامل بن جائے۔ قسطنطنیہ سے اس کے لئے انائیں طلب کیں۔ آسٹریا کو اس بڑے منصوبے میں شرکت کی دعوت دی کیونکہ اندیشہ تھا کہ اگر اس نے تنہا عثمانی سلطنت کے انہدام کی کوشش کی تو ہیبرگ خاندان کی طرف سے سخت مخالفت ہوگی۔

1783ء میں کیتھرائن نے جزیرہ نمائے کریمیا پر قبضہ کرلیا' جسے 1774ء میں یہ ظاہر ایک آزاد مملکت بنایا گیا تھا۔ وہاں اس نے ایک نئی اہم بندرگاہ اور ایک عظیم الشان مرکز بنایا یعنی سباسٹوپول۔ ترکوں نے نئی جنگ (1787ء - 1792ء) میں ان تصرفات کی مخالفت کی۔ اس جنگ میں آسٹریا اور روس ترکوں کے خلاف متحد تھے۔ ان دونوں میں پھر ایک مرتبہ جھگڑا ہوگیا۔ جیسا کہ اٹھارھویں صدی کے عشرہ چہارم کی جنگ میں ہوا تھا اور ترکی کی دوبارہ تباہی سے محفوظ رہ گیا۔

آسٹریا نے جنگ ختم ہونے سے پیشتر ہی دستکشی اختیار کرلی۔ اگرچہ کیتھرائن نے بحیرہ اسود کے ساتھ ساتھ مزید ترکی علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا' لیکن وہ اپنا بڑا منصوبہ پورا نہ کرسکی۔

کیتھرائن نے ترکی اور پولینڈ کے علاقے ہتھیا کر توسیع کی اس پالیسی کو پورا کرنے کا خاصا انتظام کرلیا تھا' جو پیٹراعظم نے شروع کی تھی بلکہ کہنا چاہئے کہ کیتھرائن اپنے مسلک کے اعتبار سے پیٹر کی زیادہ صحیح جانشین تھی۔ اس نے ملک کو مغربی ثقافت کی روشن خیالی کے زیر اثر لانے کا کام برابر جاری رکھا۔ ساتھ ہی ساتھ کوئی ایسی غلطی بھی نہ کی کہ نئے انتظامات کے بہت سے لقمے ایک دم روس کے حلق میں اتارے۔ اسے پورا احساس تھا کہ انگریزوں کے مجلسی عمرانی اور سیاسی ادارے روس میں نہیں لائے جاسکتے' جنہیں فلسفی بہت پسند کرتے تھے۔ کیتھرائن نے مقامی خود اختیاری حکومت میں جو اصلاحات کی تھیں۔ ان میں سے اکثر پر پیٹر نعرہ ہائے تحسین بلند کرتا' لیکن امراء پر جو نوازشیں کی تھی۔ انہیں کبھی پسند نہ کرتا۔ اگرچہ یہ سب کچھ حالات کی مجبوری کے باعث عمل میں آیا تھا۔ حقیقی روشن خیال مطلق العنان حکمران میں اتنی عقل اور سمجھ ہونی چاہئے تھی کہ کیتھرائن نے تاج اور امراء میں جو اتحاد کیا تھا' اس کے آئندہ برے اثرات کا پہلے سے اندازہ کرلیتا۔

آسٹریا: میریا تھیریسا اور جوزف دوم : آسٹریا میں تاج نے امراء کے جاگیردارانہ حقوق پر حملہ کیا۔ یہ حملہ اس بڑے منصوبے کا ایک جزو تھا جس کا مدعا یہ تھا کہ ہیبسبرگ خاندان کے تمام متفرق علاقوں کو ملا کر ایک سیاسی وحدت بنا دیا جائے۔ اٹھارھویں صدی کے عشرہ پنجم میں آسٹروی تاج و تخت کی جنگ شروع ہوئی تو اس میں ہیبسبرگ اقتدار کی بنیادی کمزوری عالم آشکارا ہوگئی اور ملکہ میریا تھیریسا (1740ء - 1780) نے فوراً" اصلاحات شروع کردیں۔ اس سلسلے میں اس نے ان اداروں کو مطمع نظر بنایا' جو اس کے مقہور مگر کامیاب حریف فریڈرک والی پروشیا نے اختیار کر رکھے تھے۔ میریا تھیریسا نے محاصل میں اضافہ کردیا' خصوصاً" امراء پر مرکزی حکومت کو مقامی مجلس امراء کے اختیارات گھٹا کر مستحکم کرلیا اور غیر جرمن صوبوں کو مجبور کیا کہ وی آنا کے جرمن افسروں اور جرمن زبان کی برتری قبول کرلیں۔ میریا تھیریسا نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے قوت بھی استعمال کی اور لوگوں کے دل موہ لینے کی کوشش کی۔ جنگوی کے امراء نے جب دیکھا کہ آسٹروی تاج و تخت کی جنگ میں نازک حالت پیدا ہوگئی ہے۔ حسین و جمیل اور بہادر ملکہ خود اپنے شیر خوار بچے کو لے کر مدد مانگنے کے لئے آگئی ہے تو وہ وقتی طور پر جرمن روایات کی مخالفت کو نظر انداز کرگئے۔

ملکہ پوری سلطنت کے لئے گھریلو زندگی کا پہلا نمونہ تھی۔ ساتھ ہی مملکت کی پہلی خادمہ تھی۔ وہ سولہ بچوں کی ماں تھی اور اپنے متلون شوہر فرانس سے انتہائی محبت رکھتی تھی۔ فرانس نے اپنے وصیت نامے میں داشتاؤں کے لیے ۔ ور میراث جو کچھ لکھ دیا تھا۔ میریا تھیریسا نے حرفاً" حرفاً" اسے پورا کیا' تاہم وہ روشن خیال مطلق العنان فرمانروا نہ تھی۔ بلکہ ایک خوش عقیدہ مخلص مسیحہ تھی اور دور عقلیت سے اسے بالطبع کوئی ہمدردی نہ تھی۔ کیتھرائن ملک روس نے اسے ایسی خاتون قرار دیا تھا' جس کا کام دعاو عبادت کے سوا کچھ نہ تھا۔ میریا تھیریسا نے روس اور والیٹر کی تصانیف اپنی مملکت میں ممنوع قرار دے دیں' بلکہ کیتھولکوں نے ممنوع کتابوں کی جو فہرست شائع کر دی تھی' اس کی اشاعت بھی روک دی' تاکہ کہیں رعایا کے کسی شخص کو وہ

فہرست دیکھ کر ممنوع کتابیں دیکھنے کا خیال نہ پیدا ہوجائے۔ ہیبسبرگ خاندان میں سے جوزف دوم' روشن خیال مطلق العنانی کا نمائندہ تھا۔ وہ میریا تھیریسا کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ 1765ء میں فرانسس نے وفات پائی تو میریا نے بیٹے کو شہنشاہ نامزد کر دیا تھا اور اپنا شریک کار بنا لیا تھا۔ فریڈرک اعظم نے نئے شہنشاہ کی کیفیت والٹیئر کو یوں لکھی۔

"وہ ایک متعصب و تنگ نظر دربار میں پیدا ہوا اور اوہام کی زنجیریں توڑ کر پھینک دیں۔ اس کی تربیت جاہ و جلال میں ہوئی۔ مگر خود سادہ طریقے اختیار کرلیے۔ تندخوئی میں تربیت پائی' مگر وہ منکسرالمزاج ہے۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ عظمت و شان حاصل کرے۔ وہ اپنے عزائم کو بیٹے کی حیثیت میں ماں کے لیے قربان کرتا رہتا ہے اور اپنے فرائض فرزندی بڑے اہتمام سے ادا کرتا ہے۔ اسے صرف نمائش پسند اتالیق ملتے رہتے لیکن اس میں اتنا ذوق ہے کہ والیٹئر پڑھے اور اس کے محاسن کا صحیح اندازہ کرے۔"

اس سلسلے میں فریڈرک نے تھوڑا سا مبالغہ کیا۔ جوزف فریڈرک کے فنی ذوق سے بالکل محروم تھا (اس نے شکایت کی موزات کے اوپر انیس سر بہت زیادہ ہیں) تاہم وہ عقلیت پسندی کے دور کا حقیقی شاگرد تھا۔ حد درجہ سرگرم اور محنتی تھا اور وہ چاہتا تھا کہ فلسفے کو اپنی سلطنت میں قانون سازی کا مبنی بنالے۔ میریا تھیریسا اپنی وفات تک 1780ء جوزف کی مزاحمت کرتی رہی۔ پندرہ سال تک ماں اور بیٹے کے درمیان کش مکش جاری رہی' خصوصاً پادریوں کے خلاف جوزف کے خیالات و رجحان پر ماں سے حد درجہ پیار کرنے والے بیٹے کی حیثیت میں جوزف نے میریا تھیریسا کی موت کا ماتم کیا لیکن فلسفی کی حیثیت میں وہ بہت خوش ہوا کہ اس کے تسلط سے نجات ملی۔ یہ بے صبر شہنشاہ آسٹریا کا واحد حکمران بنا تو سرگرمیوں میں غرق ہوگیا۔ دس سالہ حکومت (1780ء - 1790ء) میں اس نے گیارہ ہزار قوانین اور چھ ہزار شاہی فرمان وی آنا سے جاری کیے۔ جوزف نے اپنی ماں کی مذہبی پالیسی بالکل الٹ دی۔ اپنے دلنديز طبیب کو لکھا کہ آئندہ' تعصب و تنگ نظری میری مملکت میں صرف اس حیثیت سے یاد رکھے جائیں گے کہ مجھے ان سے انتہائی نفرت ہے۔ کیلون اور لوتھر کے پیروؤں لیکن آرتھوڈکس مسیحیوں کے لیے کیتھولک آسٹریا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پوری رواداری کا اہتمام ہوا۔ شہنشاہ نے یہودیوں کے لئے جداگانہ آباد کا سلسلہ ختم کرنے کے لئے بھی تدبیریں کیں اور یہ فیاضی ہیبسبرگ خاندان کے مذاکرات میں بالکل بے مثال تھی۔ اس نے یہودیوں کو خاص محاصل ادا کرنے سے نجات دے دی اور یہ حکم بھی جاری کردیا کہ آئندہ وہ زرد رنگ کی پٹی نہ باندھیں' جو نشان کمتری کے طور پر اس کے لئے تجویز کی گئی تھی۔

جوزف کیتھولک کلیسا کو سلطنت کے زیر اثر لے آیا۔ اپنے آپ کو آسٹریا کی کلیسائی سرگرمیوں میں پوپ سے بھی بڑا آمر بنا لیا۔ کیتھولک مذہب میں جو کچھ عمرانی اعتبار سے مفید تھا' اس کی پوری حوصلہ افزائی کی' لیکن جو کچھ نقصان رساں تھا' اسے سختی سے روک دیا۔ اس نے سینکڑوں گرجے قائم کر دیئے۔ ساتھ ہی مذہبی تعطیلات کم کردیں۔ رہبانیت کے خلاف شہنشاہ نے بار بار سختی سے نکتہ چینی کی وہ کہتا تھا کہ راہب نہایت خطرناک ہیں اور ہر مملکت میں یہ بے کار لوگ ہیں۔ وہ فیصلہ کرچکا تھا کہ راہبوں کو مفید شہری بنا کر رہے گا۔ چنانچہ راہبوں اور راہباؤں کی

تعداد گھٹا کر نصف کردی۔ آسٹریا میں دو ہزار ایک سو خانقاہیں راہبوں اور راہباؤں کے لیے موجود تھیں' ان میں سے سات سو توڑ دیں۔ زیادہ تر خانقاہیں وہ تھیں جن میں صرف گیان دھیان ہوتا تھا۔ جن خانقاہوں کے ذریعے سے تعلیمی یا خیراتی کام ہوتا تھا' انہیں بالکل نہ چھیڑا گیا' جو خانقاہیں توڑ دی گئی تھیں' ان کی زمینیں حکومت نے فروخت کر دیں یا ٹھیکے پر دے دیں۔ اس طرح جو روپیہ وصول ہوا۔ وہ ہسپتالوں کی امداد پر صرف کیا گیا' جن کی بدولت آسٹریا کو یورپ میں طبابت کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔

فریڈرک اور کیتھرائن کے برعکس جوزف مجلسی مساوات اور تعلیم عام کا معتقد تھا۔ اس کی حکومت نے پرائمری سکولوں کے لیے معلموں اور نصاب کا انتظام کیا۔ سکول جانے کے قابل بچوں میں سے کم از کم ایک چوتھائی ضرور پڑھتے تھے۔ اٹھارھویں صدی کے اواخر میں یورپ کے اندر یہ بہترین ریکارڈ تھا۔ پرٹیر وی آنا میں بہترین باغ عامہ ہے۔ اس میں شہر کے چھوٹے بڑے اعلیٰ اور ادنیٰ کو دعوت دی گئی۔ دروازے پر یہ عبارت مرقوم تھی۔ یہ تفریح کی جگہ ہے' جو تمام آدمیوں کے لئے ان کے دوست نے مہیا کی۔ امراء میں سے ایک خاتون نے یہ غلطی کی کہ اپنے بیٹے کے لئے فوج میں کمیشن حاصل کرنے کی خاطر جوزف سے امداد طلب کی۔ شہنشاہ نے جو سخت جواب دیا' وہ اس کے عمرانی و مجلسی نقطہ نگاہ کا اچھا آئینہ دار ہے' اس نے لکھا۔ "مادام! میں نہیں سمجھتا کہ بادشاہ پر اپنی رعایا میں سے کسی کو صرف اس بناء پر ملازمت دینا لازم ہے کہ وہ پیدائشی امیر ہے۔ کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ آپ کا متوفی شوہر بڑا قابل سپہ سالار تھا۔ اسے سالاری میں اونچا درجہ حاصل تھا اور اس کا تعلق ممتاز گھرانے سے تھا۔ نیز آپ کے خاندان کے لئے میرے فیاضانہ رجحانات کے باعث آپ سمجھ رہی ہیں کہ آپ کے دوسرے بیٹے کے لئے فوج میں عہدہ مل جائے گا' جو ابھی سیر و سیاحت سے واپس آیا ہے۔

"مادام! ممکن ہے کوئی شخص صرف سالار کا بیٹا ہونے کے اعتبار سے افسر بن جائے' اگرچہ اس میں افسری کا کوئی وصف موجود نہ ہو۔ ممکن ہے کوئی شخص اچھے خاندان کا ہو' مگر استحقاق کے بغیر اونچا عہدہ حاصل کرلے' لیکن کوئی امیر محض پیدائش کے اتفاق کی بناء پر عہدہ نہیں لے سکتا۔

میں آپ کے بیٹے کو جانتا ہوں اور ایک افسر کے ضروری اوصاف سے بھی آگاہ ہوں۔ اس علم کی بناء پر مجھے یقین ہے کہ آپ کے بیٹے میں فوجی بننے کی کوئی خصوصیت نہیں اور وہ اپنی خاندان کی بلندی کے فخر و غرور میں اتنا منہمک ہے کہ میں اس سے کسی ایسی خدمت کا متوقع نہیں ہوسکتا جو کسی دن ملک کے لئے باعث فخر بن سکے۔

مادام! مجھے آپ پر اس لیے افسوس ہے کہ آپ کا بیٹا نہ فوج میں افسر بننے کے لائق ہے نہ مدبر بن سکتا ہے اور نہ پادری۔ غرض وہ کچھ بھی نہیں بن سکتا۔ البتہ امیر ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ صمیم قلب سے امیر ہے۔

آپ اپنی خوش نصیبی کا شکریہ ادا کیجئے کہ آپ کا بیٹا ہر قابلیت سے محروم ہوا' لیکن آپ کو خاصی بڑی جاگیر ملی ہوئی' جو اس کی ضرورتوں کی تلافی کرسکتی ہے۔ اس حالت میں میری خدمت انجام دینے کی چنداں ضرورت نہیں۔"

جوزف نے ہتک آمیز الفاظ پر قناعت نہ کی بلکہ اس باب میں ایک قانون بھی نافذ کردیا۔ آسٹریا میں جونیا مجموعہ قوانین مرتب ہوا تھا۔ اس میں بکاریا کے اصول کی پیروری کرتے ہوئے موت کی سزا کے علاوہ زیادہ تر تعذیبات منسوخ کر دی گئیں اور قانون کی نگاہ میں سب کو مساوات کا درجہ دے دیا گیا۔ اگر امراء سے بھی کوئی جرم سرزد ہوتا تو انہیں بھی عوام کی طرح شکنجے میں کسا جانے کی سزا دی جاتی اور ان سے وی آنا کے بازاروں میں جھاڑو دلائی جاتی۔ کسانوں کے متعلق جوزف نے جو پالیسی اختیار کی۔ وہ اس کی مساوات پسندی کا سدرۃ المنتہی تھی۔ اس نے زرعی غلاموں کو آزاد کردیا۔ مالکان اراضی کی طرف سے ان کے ذمے جو واجبات تھے' ان میں سے اکثر منسوخ کر دیئے۔ مالکان اراضی سے ازمنہ وسطی کا یہ حق چھین لیا کہ اپنے کسانوں کے مقدمات کی خود سماعت کریں۔

جوزف کی اقتصادی پالیسی میں حامیان مسلک فطرت کے نئے اصول اور تجارتی نظریہ نور کے پرانے معمولات' دونوں چیزیں شامل تھیں۔ اس نے درآمد پر بھاری محصول عائد کردیئے اور کولبنے کی سفارش کے مطابق اراضی پر ایک ہی محصول کرنے کا تجربہ کیا۔ سیاسیات میں وہ اپنی والدہ کے پروگرام پر عمل پیرا رہا' جس کا مدعا یہ تھا کہ پوری رعایا کو جرمن بنا دے۔ وہ عموما جرمن زبان میں بات چیت کرتے' جرمن مصنفوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا اور وی آنا میں فرانسیسی ڈراموں کا جو تھیٹر تھا' اسے جرمن زبان کا تھیٹر بنا دیا۔ بوہیمیا' بلجیم اور ہنگری کے خود اختیار حقوق اس نے پامال کر دیئے۔ جب ہنگری کے امراء نے غصے میں احتجاج کیا تو بالکل ساکت وصامت بیٹھا رہا۔ اس نے کہا۔

> "جرمن میری سلطنت کی عام زبان ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کسی ایک صوبے میں قانون کے مطابق عمل یا معاملات عامہ کا انتظام خود اس کی زبان میں ہو۔ جرمن سلطنت کا شہنشاہ ہوں اور جتنی مملکتیں میرے قبضے میں ہیں' ان کی حیثیت صوبوں کی ہے' جو مل کر ایک سلطنت بنتے ہیں اور میں اس کا رئیس ہوں۔ اگر ہنگری کی بادشاہی سب سے بڑھ کر اہم ہوتی اور میرے مقبوضات میں اسے اولیں مقام حاصل ہوتا تو میں اسی کی زبان پورے مقبوضات کی خاص زبان بنا لیتا' لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔"

جوزف کی اصلاحات نے مخالفت کا جو جوش پیدا کر دیا تھا۔ اس کے ازالے کے لئے تیز الفاظ لکھ دینے سے کچھ زیادہ فائدہ سعی و کوشش درکار تھی۔ جاں نثار کسان اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ شہنشاہ ان کے مجلسی و اقتصادی درجے میں اصلاح کے لئے نیک نیتی سے کوشاں ہے' مگر وہ قدیم مذہبی مراسم میں مداخلت سے بہت ناراض تھے۔ اس نے مساوات کے لیے جو قانون بنائے تھے۔ امراء ان کے خلاف شور مچا رہے تھے۔ اراضی پر ایک محصول کے تجربے کی مخالفت اس شدت سے ہوئی کہ جوزف کو ایک مہینے کے بعد اپنا جاری کردہ فرمان منسوخ کرنا پڑا۔ اس نے مرکزیت پیدا کرنے کے لئے جتنی کوششیں کیں' ان سے ہنگری اور بیلجیم میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس وجہ سے وہ مجبور ہوا کہ ان کے خود اختیار حقوق کی ازسرنو تصدیق کردے۔

خارجہ پالیسی میں بھی اس کی بڑی بڑی تجویزیں' جو یقیناً" روشن خیالی پر مبنی نہ تھیں' الٹا

اثر پیدا کرنے کا باعث ہوئیں۔ اس نے سلطنت ترکی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے تقسیم کر لینے کے سلسلے میں ملکہ کیتھرائن کے بڑے منصوبے میں شرکت کرلی۔ بعد ازاں اٹھارہویں صدی کے نویں عشرے میں ترکی کے ساتھ جنگ ہوگئی۔ اس سلسلے میں آسٹریا کو بلقان میں سے ایک چھوٹا سا خطہ ملا اور جوزف نے اس اثناء میں جنوبی جرمن ریاست بویریا کے اہم علاقوں کو ملحق کرلینے کی کوشش کی۔ وہاں کا حکمران خاندان ختم ہوچکا تھا اور جانشینی کے لئے جھگڑے پیدا ہوگئے تھے جو اٹھارھویں صدی میں عموماً" پیدا ہوتے رہے۔ دونوں موقعوں پر فریڈرک اعظم کی طرف سے جوزف کی مزاحمت ہوئی' کیونکہ فریڈرک جرمنی میں ہیبسبرگ کی پیش قدمی روکنے کا فیصلہ کیے بیٹھا تھا۔ آٹھویں عشرے میں آسٹریا اور پروشیا کے درمیان جنگ ہوئی' جس میں فوجوں نے زیادہ تر وقت خوراک مہیا کرنے میں صرف کیا۔ اس سلسلے میں جوزف کو بویریا کی میراث میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا ملا۔ 1785ء میں اس نے پورے بویریا کو لے لینے کوشش کی۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ جو شخص بویریا کا وارث بنتا ہے' وہ آسٹروی ندرلینڈز لے لے۔ فریڈرک نے اس مبادلے کے لیے جرمنی کے تمام رنگوں کی ایک جمعیت مرتب کرلی۔ یہ زندگی میں اس کی آخری ڈپلومیٹک فتح تھی۔

جوزف کے ایک دوست نے خوب کہا کہ وہ حکمرانی پر بہت زیادہ توجہ کرتا رہا اور نظم و نسق کی دوستی پر کم توجہ کی۔ شہنشاہ نے حکومت کے تمام معاملات میں شخصی مداخلت کی عادات کو یوں حق بہ جانب ثابت کیا۔

> "جو ملک ذہن و ضم' روح' جوش اور خلوص سے محروم ہے' اس میں میرے لیے چارہ کار کیا ہے؟ میں اپنی جان مار رہا ہوں۔ کیونکہ جن لوگوں سے کام لینا چاہتا ہوں۔ ان میں کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا' لیکن مجھے امید ہے کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا' جب تک مشین کو اس پیمانے پر درست نہ کروں کہ دوسرے اس میں خلل ڈال سکیں' اگرچہ وہ اس کے لیے کتنی ہی کوششیں کریں۔"

جوزف مشین کو ٹھیک ٹھیک درس نہ کرسکا۔ وہ آسٹریا کی غیر روشن خیالی دفتری حکومت میں پروشیائی ضبط و نظم پیدا نہ کرسکا جو عام انسانی کوششوں سے بالا تھا۔ اور اسی کی آسٹریا کو ضرورت تھی۔ دوسرے لفظوں میں وہ وی آنا کو دوسرا برلین نہ بناسکا۔

جوزف نے اس حالت میں وفات پائی کہ اسے یقین کامل تھا۔ وہ صحیح راستے پر گامزن رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی اس پر واضح تھا کہ وہ کچھ نہیں کرسکا۔ آنے والی نسل نے صورت حال منقلب کردی۔ اب واضح ہوچکا تھا کہ جوزف واقعی سچا مطلق العنان حکمران تھا۔ اس نے دس سال میں اتنا کام کیا کہ فریڈرک یا کیتھرائن اس سے تگنے وقت میں بھی نہ کرسکے۔ اگرچہ اس کی بعض بڑی اصلاحات۔ مثلاً زرعی غلامی کی تنسیخ - اس کی وفات کے بعد منسوخ کردی گئیں' مگر دوسری اصلاحات قائم رہیں اور ان کی وجہ سے ہیبسبرگ کی سلطنت دور حاضر کی مرکزیت ماب مملکت بن گئی' تاہم جوزف ثانی کے آسٹریا کو ایک ایسے لائحہ عمل سے سابقہ پڑا' جو روشن خیال میں بھی انتہا پسندانہ تھا اور اس کے طور طریقے بھی حد درجہ جابرانہ اور مطلق العنان تھے۔

سویڈن اور ہسپانیہ : کم درجے کے روشن خیال حکمرانوں میں سویڈن کے گٹاوس سوم

اور ہسپانیہ کے چارلس سوم کی حیثیت بلند تھی۔ دونوں نے اپنے ملکوں کو بے حیثیتی کے طویل سالوں سے عارضی طور پر نکالنے کی کوشش کی۔ گٹاوس سوم 1771ء - 1792ء اس صدی کا حد درجہ نمائشی اور ڈرامائی بادشاہ تھا۔ اس نے سویڈن کی مختلف پارٹی کے لیڈروں کو ایک شام اوپیرا میں مصروف رکھا اور اس کے سپاہیوں نے ہمت کرکے ایسے اقدامات کیے' جن کی وجہ سے شاہی اقتدار کے بعض ختم شدہ حقوق ازسر نو زندہ ہوگئے۔ اور اس نے ہیٹ اور کلاہ کے زبردست فریقوں کو درہم برہم کرڈالا۔ اس طرح کامیاب گٹاوس نے پارٹیوں کی وہ کشمکش ختم کردی' جس نے سویڈن کی خارجہ پالیسی برباد کردی تھی اور خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ اس طرح سویڈن سکنڈے نیویا کا پولینڈ بن جائے گا۔ اس نے پیرس کے سیلونوں سے حاصل کئے ہوئے افکار میں تربیت پائی تھی۔ چنانچہ وہ بڑی پرزور تقریروں میں اپنے آپ کو دور عقلیت کا فدائی قرار دیتا رہا۔ اقتصادیات اور مذہب میں اس کی روشن خیالی اس کے چچا فریڈرک اعظم سے بھی آگے نکل گئی۔ اس نے عدم مداخلت کی پالیسی پر اس حد تک عمل کیا کہ اندرونی اور بیرونی تجارت کے راستے کی تمام مشکلات ختم کردیں۔ یہودیوں کے لئے نیز مختلف مسیحی فرقوں کے لئے رواداری کا برتاؤ کیا۔ ان کامیابیوں سے گٹاوس سوم کا سر پھر گیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ مطلق العنان ہوگیا۔ تو امراء نے فیصلہ کرلیا کہ اپنے گم شدہ اختیارات واپس لے کر رہیں گے۔ سٹاک ہالم میں نقاب پوشی کی ایک تقریب ہوئی 1792ء اس میں گٹاوس مارا گیا اور سویڈن میں روشن خیال مطلق العنانی کی جو شمع تھوڑی دیر کے لئے روشن ہوئی تھی وہ جھلملا کر گل ہوگئی۔

چارلس سوم 1759ء 1788ء ایلزبتھ فارنیس کا بیٹا کارلوس تھا۔ اسے ہسپانوی تاج بڑے بھائی کی وفات کے بعد ملا۔ وہ حد درجہ بے تکلف بادشاہ تھا اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے بادشاہی کی کوئی خصوصیت نظر نہ آتی تھی۔ لیکن مدت تک شاہ نیپلز کی حیثیت میں وہ جاگیرداروں اور پادریوں کی قدامت پسندی کے خلاف جدوجہد میں خاصا تجربہ حاصل کرچکا تھا۔ ہسپانیہ میں چارلس سوم نے بڑی سرگرمی سے وہ ترقی پزیر مسلک ازسر نو زندہ کردیا' جس کی ابتداء اس کے باپ فلپ چہارم نے کی تھی۔ اگرچہ وہ خود مخلص کیتھولک تھا' مگر کلیسا کے سیاسی اثر پر اس نے سخت اعتراض کیا اور یسوعیوں کو بانی کے وطن سے خارج کردیا۔ نیز اس نے تاج کا اقتدار مستحکم کرلیا اور امراء کے اختیارات گھٹا دیئے۔ جو لوگ بھیڑوں کے بڑے بڑے گلوں کے مالک تھے اور انہیں چرائی کے وسیع حقوق حاصل تھے' جن کی وجہ سے ہسپانیہ کی زراعت کو سخت نقصان پہنچا اور غریب کسان قابل کاشت اراضی سے محروم ہوگئے۔ چارلس نے ان کے حقوق پر پابندیاں عائد کردیں۔ پھر زمینوں کی درستی اور آبیاری کے منصوبے شروع کردیئے گئے۔ نئی سڑکیں اور نہریں بنیں۔ بینک قائم ہوئے۔ سوتی پارچے کے کارخانے بن گئے' جن سے ہسپانیہ کی نیم خوابیدہ اقتصادیات میں بیداری کے آثار ہوئے۔ ان سرگرمیوں سے حیرت انگیز نتیجے نکلے۔ ہسپانیہ کی تجارت چارلس کے عہد حکومت میں پانچ گنا بڑھ گئی۔ بدقسمتی سے چارلس سوم کے جانشینوں نے دور اندیشی کا یہ مسلک ترک کردیا۔

روشن خیال مطلق العنانی کی حد بندیاں : مطلق العنان حکمرانی کے پورے نظام میں سب سے بڑا نقص جانشینی کے مسئلے نے پیدا کیا۔ پروشیا میں فریڈرک اعظم کی میراث اس کے بھتیجے فریڈرک ولیم دوم 1786ء - 1789ء نے سنبھالی' جو سراسر بیوقوف شہنشاہ تھا۔ روس میں

کیتھرائن کا بیٹا پال اول 1796ء - 1801ء بادشاہ بنا۔ اس نے ماں کے تدبر کا تو کوئی اظہار نہ کیا۔ البتہ پیٹر سوم کی ضد ہر موقع پر اس سے نمایاں ہوتی رہی۔ گسٹاؤس سوم کے قتل کے بعد سویڈن میں پھر چند افراد برسر اقتدار آگئے اور انہوں نے اپنے کمزور طریق عمل جاری رکھا۔ صرف آسٹریا کو اس سلسلے میں مستثنیٰ حیثیت حاصل رہی۔ وہاں پھر ایک روشن خیال حکمران برسرکار آگیا یعنی لیو پولڈ دوم (1790ء 1792ء* وہ ٹسکنی میں طویل مدت تک حکمرانی کی تربیت حاصل کرچکا تھا اور اس نے اپنے بھائی جوزف دوم کی بعض اصلاحات از سر نو نافذ کیں۔

اگرچہ نہایت معمولی روشن خیال بادشاہوں نے بھی نظام قدیم کے بعض قبیح خط و خال کی اصلاح کردی۔ لیکن ان میں سے بہترین بھی روشن خیالی اور مطلق العنانی کے درمیان ناخوش گوار توازن پیدا نہ کرسکے۔ جوزف دوم اصول پرست تھا اور اس کا عزم حد درجہ متزلزل تھا۔ اس لیے وہ دور عقلیت کے پورے اصلاحی پروگرام میں کام نہ لے سکا۔ اس کے برعکس کیتھرائن اور فریڈرک پر یہ خواہش غالب رہی کہ تاج کا اقتدار زیادہ سے زیادہ مستحکم کرلیں۔ گو امراء اور جنکروں پر حد سے بڑھ کر بھروسا کرتے رہے۔ اس طرح ان عناصر کے اقتدار نے قدم جمالیے جو روشن خیالی کے دشمن تھے۔

☆ باب 33

امریکن انقلاب

(AMERICAN REVOLUTION)

جارج سوم شاہ انگلستان (1760ء - 1820ء) کا سوداوی کردار روشن خیال مطلق العنانی کے خطرات کی مزید شہادت مہیا کرتا ہے۔ ہینو ور خاندان کا یہ پہلا بادشاہ تھا۔ جو انگلستان میں پیدا ہوا اور وہیں تربیت پائی۔ وہ اس کند ذہن خاندان میں پہلا شخص تھا' جس نے اپنی مملکت کے معاملات میں حقیقی دلچسپی لی۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ شاہی اختیارات میں سے جتنے اختیارات پہلے دو جارجوں کے زمانے میں چھن چکے تھے' انہیں بحال کرلے۔ اس نے ایسی پالیسی اختیار کرنے کی کوشش کی' جسے تھوڑے سے مبالغے کے ساتھ روشن خیال مطلق العنانی کی ایک حد درجہ ترمیم شدہ شکل قرار دیا جا سکتا ہے. جارج کو عموماً" کسان جارج کہتے تھے. اس کی حقیقی روشن خیالی کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع نہ تھا کہ وہ آرتھرینگ کی "سرگزشت زراعت" کے لئے شلجموں کی کاشت پر مقالے لکھا کرتا تھا۔ یقیناً" وہ مستبد نہ تھا۔ لیکن اس نے دارلعوام کا ضبط و نظم وگ پارٹی کی مختصر جماعت سے چھین لینے کی کشش کی' جو مدت سے مسلط چلی آ رہی تھی اور یہ ضبط و نظم وگ پارٹی ہی کی تدبیروں سے کام لے کر اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کی' جہاں ضرورت سمجھی' کسی کی سرپرستی اختیار کرلی اور جہاں کوئی اور تدبیر کارگر نہ ہوئی' وہاں رشوت دے دی۔ گویا اس نے وگ پارٹی کو خود اسی کے حربوں سے کام لے کر شکست دینے کی کوشش کی۔

وہ شخصاً" نیک تھا۔ خاندان سے اسے بڑی محبت تھی۔ بادشاہ ہونے کے لحاظ سے وہ ضدی اور تنگ نظر تھا۔ اس لیے آخر میں ناکام رہا۔ ابتداء اسے وگ پارٹی کے داخلی اختلافات سے فائدہ اٹھانے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ 1761ء میں اس نے پٹ کو باہر نکال دیا۔ اپنے دوست اور اتالیق لارڈ بیوٹ کو کابینہ بنا دیا۔ بیوٹ اور جارج معاہدہ پیرس میں فرانس کو جزائر غرب الہند کے ان علاقوں سے محروم کر دینے میں ناکام رہے۔ جہاں گنا بہ کثرت پیدا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ان علاقوں کو کھانڈ کے مرکز سمجھا جاتا ہے۔ اس ناکامی کی وہ کوئی وجہ جواز پیش نہ کرسکے۔ دارالعلوم نے معاہدے کی تصدیق کردی لیکن 1763ء میں بیوٹ کو برطرف کردیا' تاکہ برطانوی ڈپلومیسی کے نکتہ چینیوں کی زبان بندی کی جاسکے۔

سخت ترین نکتہ چینی جان ولکس نے کی' جو دارالعوام کا رکن تھا۔ اس نے معاہدہ پیرس کو معاہدہ خدا قرار دیا۔ کیونکہ وہ فہم سے بالاتر تھا۔ یہ نکتہ چینی ورکس نے اپنے اخبار "نارتھ برٹن" میں کی تھی۔ بادشاہ کو اس پر سخت غصہ آیا۔ دارالعوام نے بادشاہ کے غصے کا احترام کرتے ہوئے "نارتھ برٹن" کی وہ اشاعت نذر آتش کردی' جس میں یہ نکتہ چینی شائع ہوئی تھی۔ ورکس پہلے بھاگ کر فرانس چلا گیا۔ پھر تین مختلف اوقات میں پارلیمنٹ کا ممبر منتخب ہوا۔ دارالعوام نے بادشاہ کے دباؤ کے تحت تینوں مرتبہ اس کا انتخاب منسوخ قرار دے دیا۔ 1774ء میں ورکس

پارلیمنٹ کے اندر پہنچا تو وہ عوام کے نزدیک ہیرو بن گیا۔ ورکس اور آزادی مترادف سمجھے جانے لگے۔ اگر بادشاہ دانشمند ہوتا تو پہلو بچا جاتا۔ مگر جارج سوم نے ورکس کے معاملے کو ٹھنڈا نہ پڑنے دیا اور اس کا یہ عزم کمزور نہ ہوا کہ پارلیمنٹ اور کابینہ دونوں کو درست کرے۔ سات سال تک 1763ء 1770ء تھوڑی تھوڑی مدت کے لئے نااستوار وزارتیں قائم ہوتی رہیں۔ آخر جارج نے بیوٹ کی جگہ لارڈ ناتھ کو اپنا پرانا کام سونپا۔ نارتھ کی وزارت کے زمانے میں 1770ء 1782ء شاہی لعنتوں کا مرجع وہ رہا۔ باہر بادشاہ شمالی امریکہ کی تیرہ نو آبادیوں سے محروم ہوا اور وطن میں اس نے نادانستہ پارلیمنٹ کا اقتدار بڑھنے کے لئے راستہ صاف کردیا۔

انقلاب کا پس منظر : امریکہ کے اعلان آزادی میں کہا گیا تھا۔

> "برطانیہ عظمیٰ کے موجودہ بادشاہ کی تاریخ بار بار زخم لگانے' نقصان پہنچانے اور غضب کرنے کی تاریخ ہے۔ اس کی ہر تدبیر کا واضح مقصد یہ ہے کہ ان ریاستوں پر کامل استبدادی حکومت قائم کرے۔"

اعلان میں مبالغے سے کام لیا گیا۔ جارج سوم نے اٹھارھویں صدی کے آٹھویں عشرے میں امریکیوں کو مراعات دینے سے انکار کر دیا اور وہ قوت کے استعمال پر تل گیا۔ لیکن یہ امور برطانیہ اور نو آبادیاں کے درمیان بڑھتے ہوئے اختلاف کے آخری واقعات میں سے ہیں۔ اختلاف نے پہلے "ہفت سالہ جنگ" کے بعد نازک صورت اختیار کی تھی۔ جب برطانیہ نے خوشگوار تغافل کی پرانی پالیسی میں ترمیم کا آغاز کیا۔ 1763ء تک نو آبادیاں اپنے معاملات کا انتظام خود کرنے کی عادی چلی آتی تھیں' اگرچہ ان کی مجلسوں کے قوانین گورنروں یا بادشاہ کی منظوری کے تابع تھے۔ جو وسیع علاقے برطانیہ نے 1763ء میں کینیڈا کے اندر اور ایکھینیز کے مغرب میں حاصل کیے تھے۔ ان سے وسیع پیمانے پر فائدہ اٹھانے کے مزید مواقع میسر آگئے اور حکومت و دفاع کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوا۔ 1763ء میں مقامی باشندوں نے پونٹیاک کی سرکردگی میں بغاوت کی اور وادی اوہیو نیز بڑی جھیلوں کے علاقے میں تقریباً" ہر سرحدی چوکی پر قبضہ کرلیا یا اس کے لیے خطرہ پیدا کردیا۔ نو آبادیوں کی ملیشیا کوئی متحدہ اور موثر اقدام نہ کرسکی' لہٰذا پونٹیاک کو دبانے کے لئے باقاعدہ برطانوی فوج بلائی گئی۔ مقامی باشندوں کی طرف سے خطرہ جاری رہا۔ اس لیے اکتوبر 1763ء میں ایک شاہی فرمان جاری ہوا۔ جس میں بادشاہ نے اپنی محبوب رعایا کو اس خطے کے مغرب میں آباد ہونے کی ممانعت کردی' جو ایکھینز کی چوٹی کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ نو آبادیوں کی محبوب رعایا کے نزدیک بادشاہ کے اس اعلان کا مقصد یہ تھا کہ مغرب میں تجارت کے جو نفع بخش ممکنات نظر آتے تھے' ان سے محروم رکھا جائے۔

نو آبادیوں کے باشندوں کو پارلیمنٹ کی اس کوشش پر سخت رنج تھا کہ شمالی امریکہ سے زیادہ روپیہ حاصل کیا جائے۔ حکومت برطانیہ کے نزدیک نو آبادیوں کے محاصل میں اضافے کے قوی وجوہ موجود تھے۔ قومی قرضہ ہفت سالہ جنگ میں تقریباً" دوگنا ہوگیا تھا' نو آبادیاں سپاہی دینے یا محاصل بڑھانے کے لئے تیار نہ تھیں۔ اس وجہ سے جنگ کا خرچ برطانوی باشندوں پر بہت بڑھ گیا تھا۔ برطانیہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لئے مسلسل مصارف پر مجبور تھا۔ یقیناً" اہل امریکہ بڑھے ہوئے محاصل کی معقولیت کا اعتراف کرسکتے تھے۔

گروہ اس اعتراف کے لیے تیار نہ تھے۔ محاصل بڑھانے کے لئے پہلے پہل 1764ء میں

قانون شکر منظور ہوا۔ مشرقی ساحلی علاقے کے تاجروں کو اس قانون سے چونکا دیا۔ کیونکہ چنگی وصول کرنے والے افسر شیرہ' راب' کھانڈ اور دوسری درآمدی جنسوں پر محصول وصول کرنے کے لئے تلے بیٹھے تھے اور جو ناجائز مال درآمد کرتے تھے ان کے خلاف قانونی کارروائی کے لئے مستعد تھے۔ اس طرح اس پر اپنی پالیسی سے انحراف ہوا' میں خوشگوار تغافل کے ذریعے سے نو آبادیوں کو خاصی سہولتیں ملی ہوئی تھیں۔ نو آبادیوں کے اقتصادی حالات کے لئے ایک خطرہ یہ پیدا ہوا کہ درآمدی محاصل نو آبادیوں ہی کے محدود سکوں کی شکل میں ادا ہونے ضروری تھے۔ پھر پارلیمنٹ نے 1765ء میں اشٹام کا قانون منظور کیا' جس کی رو سے جنسوں کی متعدد اقسام پر محصول عائد کر دیئے گئے۔ ان میں عدالتی اور تجارتی کاغذات شراب کے لائسنس' تاش' شطرنج' اخبارات' کیلنڈر اور علمی ڈگریاں بھی شامل تھیں۔ ان محاصل کی وجہ سے بھی نو آبادیوں کے نقد روپے پر بوجھ پڑتا تھا اور ان کے پاس نقد روپیہ اتنا کم تھا کہ بعض تاجر دیوالیے کی نوبت پر پہنچے ہوئے نظر آتے تھے۔

رقمیں وصول کرنے کی یہ تدبیریں بڑے تنازع کا باعث بن گئیں۔ نئی دنیا کے غضب آلود تاجروں نے محاصل ادا کرنے کے بجائے درآمد روک دی۔ اکتوبر 1765ء میں تیرہ نو آبادیوں میں سے نو کے نمائندے نیویارک شہر میں جمع ہوئے۔ اس اجتماع کو "اشٹام کی کانگرس" قرار دیا گیا۔ کانگرس نے یہ شکایت کی کہ نئے محاصل کے ذریعے سے آباد کاروں کے حقوق اور واجبات کو پس پشت ڈالنے کا بدیہی رجحان ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا۔

"ان آبادیوں میں ملک معظم کی وفادار رعایا ان طبعی حقوق و واجبات سے استفا دے کہ حقدار ہے' جو مملکت برطانیہ عظمیٰ کی رعایا کو محاصل ہیں۔

لوگوں کی آزادی کے لئے یہ بھی ناگزیر ہے اور ہر انگریز کا قطعی حق ہے کہ اس پر رضا مندی کے بغیر کوئی محصول عائد نہ کیا جائے اور رضا مندی شجبا" حاصل کی جائے یا نمائندوں کے ذریعے سے۔

ان نو آبادیوں کے باشندے برطانیہ عظمیٰ کے دارالعوام میں نہ نمائندے بھیجتے ہیں اور نہ مقامی حالات کے پیش نظر بھیج سکتے ہیں۔

ان آبادکاروں کے نمائندے صرف وہی لوگ ہیں' جنہیں وہ خود چنتے ہیں اور ان پر کوئی محصول عائد نہیں ہوا اور آئینی اعتبار سے عائد نہیں ہو سکتا' مگر وہ جو ان کے نمائندوں کے اتفاق سے منظور ہوا۔"

اس طرح اشٹام کی کانگرس نے یہ اصول پیش کر دیا کہ نمائندگی کے بغیر کوئی محصول وصول نہیں کیا جا سکتا۔ برطانیہ نے خاص اس مسئلے میں آبادکاروں کا مطالبہ قبول کر لیا۔ مگر اصول نہ چھوڑا۔۔ امریکیوں نے برطانوی مال کا مقاطعہ کر دیا تھا۔ اس وجہ سے لندن کے تاجر تباہی کے قریب پہنچ گئے۔ ان کی التجاؤں پر اشٹام کا قانون 1765ء میں منسوخ کر دیا گیا' تاہم آئندہ سال پارلیمنٹ نے ایک توضیحی قانون منظور کیا' جس میں کہا گیا۔

"امریکہ کی نو آبادیاں اور مزرعے ہمیشہ سے برطانوی تاج اور برطانیہ عظمیٰ کی پارلیمنٹ کے تابع چلے آتے ہیں' تابع ہیں اور ازروئے استحقاق تابع رہنے چاہیں اور ملک معظم کو روحانی و دینی آمراء اور برطانیہ عظمیٰ کے عوام (جو

پارلیمنٹ میں شامل ہیں) کی رضا مندی اور مشورے سے پورا حق اور اختیار حاصل تھا' حاصل ہے اور ازروئے استحقاق حاصل رہنا چاہیے کہ ایسے زبردست اور قوی قوانین و ضوابط بنائے' جن کے مطابق نو آبادیاں اور باشندگان امریکہ تمام معاملات میں برطانیہ عظمیٰ کے تاج کی تابعیت میں رہیں۔"

آئندہ دس سال کے لیے برطانیہ تو نیچی قانون کے اصول کاربند رہا اور نو آبادیاں کے انتہا پسند ویسی ہی استقامت سے نمائندگی کے بغیر محاصل کی مخالفت کرتے رہے۔ پارلیمنٹ نے پھر روپیہ وصول کرنے کے لئے تدبیریں اختیار کیں۔ اس مرتبہ وہ محاصل عائد کیے گئے جو ٹاؤ شینڈ کے نام سے منسوب ہیں۔ 1767ء یہ 'محاصل چائے' کاغذ' روغنیات اور سیسے کی درآمد پر عائد کئے گئے تھے۔ فلاڈلفیا' نیویارک اور بوسٹن کے تاجروں نے ان کے مقاطعے کا انتظام کیا۔ 1770ء میں لارڈ نارتھ کے کابینہ نے ٹاؤ شینڈ کے تمام محاصل واپس لے لیے' صرف ایک محصول باقی رہ گیا۔ یعنی فی پونڈ چائے پر تین پنس کا محصول۔ اسے نو آبادیوں پر پارلیمنٹ کے اقتدار کا نشان قرار دے کر باقی رکھا گیا۔ تین سال کے بعد انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حالت دیوالے تک پہنچ گئی کیونکہ اس کے افسر سخت بدعمل اور رشوت خوار تھے۔ کمپنی نے لارڈ نارتھ سے چائے کی فالتو مقدار شمالی امریکہ بھیجنے کی اجازت لے لی اور وہ متوقع خطرہ برداشت کرنے کے لئے تیار ہوگئی۔ اسے امید تھی کہ اگر چائے کی فی پونڈ قیمت ناجائز طور پر برآمد شدہ ولندیزی چائے سے بہت گھٹا دی گئی تو اہل مریکہ تین پنس کا محصول گوارا کرلیں گے' جس سے وہ سخت نفرت کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بوسٹن میں ایک جماعت تیار ہوگئی' جس کا مقصد یہ تھا کہ چائے کی درآمد روک دی جائے۔ 16 دسمبر 1773ء کو اہل بوسٹن کا ایک گروہ امریکہ کے سرخ فام انڈینز کا بھیس بدل کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے تین جہازوں پر جا پہنچا اور چائے کے تمام صندوق' جن کی قیمت ہزاروں پونڈ تھی' اٹھا کر سمندر میں پھینک دیے' ہزاروں افراد کنارے پر کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اور نعرے لگا رہے تھے۔ جن لوگوں نے اس ہنگامے میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا' انہوں نے ولندیزی چائے ناجائز طریق پر درآمد کرنے میں سرمایہ لگا رکھا تھا۔

برطانیہ نے مزاحمت کو توڑنے کے لئے جبر استعمال کیا۔ آباد کاروں نے جبر کے مقابلے میں مزاحمت تیز تر کردی۔ 1774ء میں ایک قانون منظور کیا گیا' جسے قانون کوبیک کہتے ہیں۔ اس کے مطابق کوہستان اپلجنی کے آگے کی تمام زمینیں کینیڈا میں شامل کرلی گئیں۔ گویا نو آبادیوں کے لئے مغربی جانب توسیع کا دروازہ بند کردیا۔ ان ناقابل برداشت قوانین کا نتیجہ یہ نکلا کہ بوسٹن کی بندرگاہ میں تجارت روک دی گئی۔ اسی طرح میسا چوسٹس میں انتخابات معطل کر دیئے گئے۔ اپریل 1775ء میں میسا چوسٹس کے صف آرا کسانوں نے لکسنگٹن اور کنکورڈ تھے کے مقامات پر گولیاں چلائیں۔ یہ جنگ و آزادی کی پہلی آتشباری تھی۔ 4 جولائی 1776ء کو پوری نو آبادیوں کے نمائندے فلاڈلفیا میں جمع ہوئے اور برطانیہ سے امریکہ کی آزادی کا رسمی اعلان کر دیا گیا۔

انقلاب کے لوازم: برطانیہ : برطانیہ کے لیے امریکی انقلاب کے لوازم صرف تیرہ نو آبادیوں کی علیحدگی تک محدود نہ تھے۔ اس انقلاب میں برطانیہ کو چھوٹے پیمانے پر عالمی جنگ پیش آگئی' جس کی وجہ سے اس کا بیرونی اقتدار خطرے میں پڑگیا۔ اور جارج سوم کا اقتدار و وقار برطانیہ میں کمزور ہوگیا۔ شمالی امریکہ کے اندر نہایت نازک جنگ ابتدائی دور ہی میں پیش آگئی۔

یعنی 1777ء میں برگائن کی برطانوی فوج نے سیراٹوگا کے مقام پر حوالگی قبول کرلی۔ برگائن مونٹ ریل سے جنوبی جانب پیشقدمی کررہا تھا۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ وادی ہڈسن کے زیریں حصے میں پہنچ جائے۔ اس طرح نیو انگلینڈ اور دوسری باغی نو آبادیوں کے درمیان ایک حد فاصل قائم کردے۔ وہ اس مقصد ہی میں ناکام رہا۔ بلکہ اس کی حوالگی نے فرانسیسیوں کو یقین دلادیا کہ امریکی آباد کاروں کی حمایت کی گئی تو فرانس کو برطانیہ کے خلاف عالمگیر جدوجہد تازہ کرنے کا عمدہ موقع مل جائے گا۔ اور 1763ء کی ذلت کا بدلہ لیا جاسکے گا۔ چنانچہ 1778ء میں فرانس بھی شریک جنگ ہوگیا۔ پھر اس نے ہسپانیہ کی اعانت بھی حاصل کرلی اور آگے چل کر اکثر دوسری یورپی مملکتوں سے امداد لے لی یا کم از کم انہیں دوستانہ غیر جانبداری پر آمادہ کرلیا۔

شمالی امریکہ میں فرانس کی مداخلت' خصوصاً" فرانسیسی بیڑے کی آمد نے جارج واشنگٹن کی فوجوں کے لئے فتح کا راستہ ہموار کر دیا اور آخر 1781ء میں جارج ٹاؤن کے مقام پر برطانوی فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ باقی رہی "بحری جنگ تو برطانیہ کے تین ہزار تجارتی جہاز تباہ ہوگئے۔ پھر برطانیہ کی بحری قوت بہت بڑی تباہی سے بچاؤ کے لئے حرکت میں آئی۔ پیرس میں صلح نامے پر دستخط ہوگئے۔ (1783ء) برطانیہ نے اپنی سابقہ نو آبادیوں کی آزادی تسلیم کرلی۔ فلوریڈا ہسپانیہ کو واپس کر دیا گیا جو 1763ء میں اس سے لیا گیا تھا۔ ساتھ ہی بحیرہ روم میں جزیرہ منورقہ دوبارہ ہسپانیہ کو مل گیا' جسے اہم جنگی حیثیت حاصل تھی' البتہ جبل طارق اپنے پاس رکھا۔ ہسپانیہ اسے بھی واپس لے لینے کا امیدوار تھا۔ فرانس کو بہت معمولی علاقے دیئے گئے۔

جنگ کے ابتدائی دور میں برطانوی عوام عموماً" امریکیوں پر ڈاکٹر سیموئل جانسن کی تحریرات سے متفق رہے۔ جانسن نے کہا تھا۔ "جناب! اہل امریکہ مجرموں کی اولاد ہیں اور ہم پھانسی دینے سے کمتر ان سے جو بھی سلوک کریں اس کے لئے انہیں شکر گزار ہونا چاہیے۔ مگر جب امریکیوں کی قوت مزاحمت آشکارا ہوئی' برطانوی حکومت کی غلطیاں پے در پے سامنے آنے لگیں اور اہل یورپ باغی نو آبادیوں کے حامی بن گئے تو یہ رائے بدل گئی۔ 1780ء میں جارج سوم اور اس کی پالیسی کا وقار اتنا کم ہوگیا کہ دارالعوام کو ایک قرار داد منظور کرنی پڑی جس میں اعلان کیا گیا کہ تاج کا اثر بڑھا رہا اور بڑھ رہا ہے' اسے کم کرنا چاہیے۔

تاج کا اثر یقیناً" گھٹ گیا تھا۔ لارڈ نارتھ تین سال سے التجائیں کر رہا تھا کہ میرا استعفاء قبول کرلیا جائے۔ آخر 1782ء میں اس کے لئے جارج سوم کا سیاسی ترجمان ہونے کی ناقابل تحفظ حیثیت اور بھی نازک ہوگئی اور اس کے منصب چھوڑ دیا۔ آئندہ سال وزیراعظم کا منصب "ہفت سالہ جنگ" کے بہادر پٹ کے بیٹے ولیم پٹ صغیر کے حوالے کیا گیا۔ نیا وزیراعظم صرف پچیس سال کا تھا لیکن وہ بڑا تجربہ کار پارلیمانی تھا اور آئندہ اٹھارہ سال تک کابینہ کا رئیس رہا۔ پٹ کے آجانے سے برطانوی سیاسیات کا ضبط و نظم بادشاہ کے ہاتھ سے نکل کر پیشہ ور مدبروں کے قبضے میں چلا گیا۔ جارج سوم تھوڑی مدت تک تاج و تخت سے دست برداری کا ارادہ کرتا رہا۔ پھر اس نے رفتہ رفتہ دستوری بادشاہ کے بیرنگ کردار پر قناعت کرلی۔ 1788ء میں پہلی مرتبہ اس پر جنون کا سخت حملہ ہوا۔ اس کی وجہ سے اس کے عہد حکومت کا نصف ثانی برابر متاثر رہا۔ برطانیہ میں روشن خیال مطلق العنانی سے دکھاوے کی محبت کا جو سلسلہ جاری ہوا تھا وہ بھی ختم ہوگیا۔

انقلاب کے لوازم: امریکہ : باغی نو آبادیوں میں رائے عامہ بالاتفاق انقلاب کے حق

میں نہ تھی۔ بہت سے آباد کار' جن میں جنوبی کے مالکان اراضی اور پنسلوینیا کے خوشحال کو یکر بھی شامل تھے یا تو برطانیہ کے حامی تھے یا انہوں نے جنگ میں غیر جانبداری اختیار کرلی۔ نیو یارک نے جارج واشنگٹن کے بجائے جارج سوم کو زیادہ رنگروٹ دیے۔ جب آزادی حقیقت ناہنہ بنتی نظر آئی تو یہ "وفا شعار" یا توڑی بھاگ کر کینیڈا چلے گئے۔ اندازہ کرلیا گیا ہے کہ تمام آبادکاروں میں سے صرف ایک تہائی نے گرمجوشی سے انقلاب کی حمایت کی۔

انقلابی اقلیت جزوا" ان عمرانی گروہوں سے تعلق رکھتی تھی' جو ہر قائم شدہ اقتدار پر اعتراضات کے عادی تھے' یعنی سرحدوں پر بسنے والے علمدار آباد کار بے شمار پر سبیلڈی کلیسائی خود مختاری کے حامی اور دوسرے اولوالعزم پروٹسٹنٹ طبقے۔ لڑکے بالغ ہو جاتے ہیں تو وہ کسی کے تابع نہیں رہنا چاہتے۔ اسی طرح آباد کار بھی آبائی وطن کی فرمانبرداری پر آمادہ نہ تھے' لیکن کنبے سے وابستگی کا سلسلہ انہوں نے قائم کر رکھا تھا۔ اشٹام کے قانون سے متعلق جو کانگرس منعقد ہوئی تھی اس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ ملک معظم کی جو رعایا نو آبادیوں میں موجود ہے' وہ بھی طبعا" ان تمام حقوق و مقاصد کی حقدار ہے' جو برطانہ عظمی کی مملکت کے باشندوں کو حاصل ہیں۔ امریکہ کے انقلابیوں کا دعوی تھا کہ وہ اس مثال کی پیروی کر رہے ہیں' جو انگریزوں نے 1688ء میں پیش کی تھی اور جسے جان لاک نے حق بہ جانب ثابت کیا تھا۔

لاک اور نیوٹن کے افکار سب کو معلوم تھے اور یورپ کی طرح شمالی امریکہ میں بھی ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ اعلان آزادی کی تہ میں وہمی خیالات کارفرما تھے۔

> "جب انسانی وقائع کے دور میں کسی ایک قوم کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ ان سیاسی بندھنوں کو توڑ دے' جو اسے دوسری قوم سے وابستہ کیے ہوئے ہیں اور دنیا کی قوتوں کے درمیان وہ جداگانہ اور مساوی مقام اختیار کرے' جو فطرت اور خدائے فطرت کے قوانین کے رو سے اسے ملنا چاہئے تو عالم انسانیت کی آراء کے مناسب احترام کا تقاضا یہ ہے کہ ان اسباب کا اعلان کرایا جائے۔ جو علیحدگی کے موجب ہوئے۔"

اعلان آزادی کے اس ابتدائی حصے میں عالمی مشین کا تصور پیش نظر رکھا گیا ہے جس میں فطرت اور خدائے فطرت کے قوانین کی حکمرانی ہے۔ دوسرے حصے میں لاک کے نظریہ معاہدہ اور جوان انقلاب کے اصول کا اطلاق نو آبادیوں پر کیا گیا ہے۔

> "ہم ان حقائق کو بدیہی سمجھتے ہیں کہ تمام انسان یکساں حیثیت لے کر پیدا ہوئے اور خالق نے انہیں بعض ایسے حقوق دے دیئے' جو قطعا" چھینے نہیں جاسکتے۔ ان حقوق میں زندگی' آزادی اور سعی راحت شامل ہیں۔ انہیں حقوق کے حصول کے لئے انسانوں کے درمیان حکومتیں بنتی ہیں۔ وہ اپنے تمام جائز اختیارات محکوموں کی رضا مندی سے حاصل کرتی ہیں۔ جب حکومت کی کوئی شکل ان مقاصد کے لئے تباہی کا باعث بن جاتی ہے تو لوگوں کا حق ہے کہ اسے بدل دیں یا ختم کردیں اور اس کی جگہ نئی حکومت قائم کرلیں ....."

انقلاب امریکہ میں دور تنویر کے انگریز داعیوں سے جتنا فائدہ اٹھایا گیا' اس کا اظہار اعلان آزادی میں کیا گیا۔ نئی جمہوریت کا دستور بنا تو فرانسیسی فلسفیوں' خصوصا" مونٹسک کا احساس

نمایاں ہوگیا۔ 1787ء میں دستوری کنونشن بمقام فلاڈلفیا منعقد ہوئی۔ اس کے باشندوں نے "روح قوانین" سے "تنفیذیہ' مقننہ اور ادبیہ کے اختیارات کی علیحدگی کا نظریہ مستعار لیا۔ صدر جمہوریہ کو ویٹو کے ذریعے کانگرس پر اختیار دے دیا گیا۔ کانگرس کے لئے تنفیذیہ اور عدلیہ پر اقتدار قائم کر دیا گیا' کیونکہ کانگرس غلط کاموں کی مزمت کرسکتی تھی۔ تقررات کی توثیق کا حق اسی کو تھا۔ کانگرس پر یوں پابندی عائد کی گئی کہ جب تک دونوں ایوان کسی قانون پر راضی نہ ہوں۔ وہ قانون نہیں بنے گا۔ یہ تمام تدبیریں امریکی دستوں میں توازن قائم رکھنے کے لئے اختیار کی گئیں اور یہ سب مونٹسک سے لی گئی تھیں۔ صدر اور کانگرس کے درمیان بار بار جو اختلافات پیدا ہوتے رہے' ان کا اصل سبب یہ تھا کہ اہل امریکہ نے برطانیہ کے ایک دستوری معمول کے مطابق اٹھارھویں صدی کے فرانس کی ایک تعبیر قبول کرلی' جو غلط فہمی پر مبنی تھی۔ دستور سازوں نے تیرہ نو آبادیوں کے دساتیر سے بھی بعض چیزیں لیں اور انگریزی معمولات بھی پیش نظر رکھے۔ 1793ء میں دستور کے اندر پہلی مرتبہ دس ترمیمیں ہوئیں۔ جن میں مذہب و مطابع کی آزادی اور دوسرے بنیادی حقوق کی توثیق کی گئی۔ وہ انگریزوں کے حقوق نامے سے لی گئی تھیں' جو 1686ء میں منظور ہوا۔

دستور میں بہ کثرت سمجھوتوں سے کام لیا گیا تھا۔ کوشش یہ کی گئی تھی کہ ریاستوں کے حقوق اور وفاقی حکومت کے مرکزی اختیارات میں' نیز دارالمندوبین۔ جس کے نمائندے براہ راست چنے جاتے تھے۔ کے جمہوری اصول اور قدامت پسند سینٹ۔ جس کے نمائندوں کا انتخاب بالواسطہ ہوتا تھا۔۔۔ کے امرائی اصول میں توازن پیدا ہو جائے۔

جیمز میڈیسن نے دستور بنانے میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اس نے سمجھوتوں کے دفاع میں جو کچھ کہہ دیا' اس میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا دفاع دو قوتوں پر مبنی تھا۔ ایک جائداد' دوسری روح حزب۔ اس کے نزدیک یہ دونوں قوتیں انسانی فطرت میں مضمر تھیں۔

> "..... جب تک انسانی رائے میں غلطی کا امکان موجود ہے' وہ اس سے کام لینے میں آزاد ہے۔ مختلف رائیں قائم کی جائیں گی ... انسانوں کی صلاحیتوں میں تنوع موجود ہے۔ اس سے ملکیت کے حقوق پیدا ہوتے ہیں۔ مفاد کی یکسائی میں یہ کوئی معمولی شکل نہیں۔ حکومت کا پہلا مقصد یہ ہے کہ ان صلاحیتوں کی حفاظت کرے۔ ملکیتیں حاصل کرنے کی مختلف اور غیر مساوی صلاحیتوں کی حفاظت سے مختلف قسموں اور مختلف درجوں کی ملکیتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان سے متعلقہ مالکوں کے آراء و جزبات پر جو اثر پڑتا ہے' اس سے معاشرے میں مختلف مفادوں اور فریقوں کی تقسیم چلتی ہے۔
>
> ....
>
> "مفاد مختلف قسم کے ہیں' مثلاً زمین کا مفاد' صنعت و حرفت کا مفاد' تجارتی مفاد' روپے کا مفاد اور بعض چھوٹے چھوٹے مفاد ہیں' جو متمدن قوموں میں ضرورت کے مطابق پیدا ہوتے ہیں اور قوموں کو مختلف طبقوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ یہ مختلف جذبات و آراء سے پیدا ہوتے ہیں۔ دور حاضر کی قانون سازی کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ ان مختلف النوع اور ایک دوسرے میں مداخلت کرنے

والے مفادوں کے درمیان نظم و ترتیب پیدا ہو جاتے اور حکومت کے ضروری
اور عام کاروبار میں احزابی روح پیدا کردے۔"

گویا امریکی دستور سمجھوتے پر مبنی تھا' جس کا مقصد یہ تھا کہ دولتمندوں اور غریبوں' طبقہ امراء اور طبقہ جمہور کی امداد حاصل کرلی جائے۔ ابتدا میں اس سے کوئی بھی فریق خوش نہ ہوا اور سمجھوتوں کی کیفیت یہی ہوتی ہے لیکن اس عمل سے واضح ہوگیا کہ جمہوریہ امریکہ بخوبی کام کرنے لگی اور ابتدائی دستور ساز فلسفیوں کے نظریات اور عملی سیاسیات کے حقائق میں مطابقت پیدا کرسکے۔

نصاب برائے ایل ایل بی

سال اول

- پرچہ نمبر1: ماسٹر گائیڈ "انگلش اصول قانون" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر2: ماسٹر گائیڈ "قانون معاہدہ و بیع مال" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر3: ماسٹر گائیڈ "اصول قانون اسلام" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر4: ماسٹر گائیڈ "قانون ٹارٹ و قانون آسائش" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر5: ماسٹر گائیڈ "تعزیرات پاکستان" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر6: ماسٹر گائیڈ "دستور برطانیہ و امریکہ" از تنویر بخاری

سال دوم

- پرچہ نمبر1: ماسٹر گائیڈ "دستور پاکستان" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر2: ماسٹر گائیڈ "اصول نصفت" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر3: ماسٹر گائیڈ "قانون تجارت' بیع' شرئ' شراکت" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر4: ماسٹر گائیڈ "قانون انتقال جائیداد" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر5: ماسٹر گائیڈ "اسلامی شخصی قانون" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر6: ماسٹر گائیڈ "قانون بین الاقوام" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر7: ماسٹر گائیڈ "خصوصی مقامی قوانین" از تنویر بخاری

سال سوئم

- پرچہ نمبر1: ماسٹر گائیڈ "قانون ضابطہ دیوانی" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر2: ماسٹر گائیڈ "ضابطہ فوجداری و طبی اصول قانون" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر3: ماسٹر گائیڈ "قانون شہادت و قانون ضابطہ اخلاق" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر4: ماسٹر گائیڈ "قانون عرضی دعوئ و توضیح تحریری قوانین" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر5: ماسٹر گائیڈ "تنظیمی قوانین" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر6: ماسٹر گائیڈ "قانون خورد" از تنویر بخاری
- پرچہ نمبر7: ماسٹر گائیڈ "قوانین لیبر و ٹیکس قوانین" از تنویر بخاری

نیو بک پیلس

اردو بازار' لاہور (فون: 7224925)

ایم اے سیاسیات کے لیے ہماری کتب

-1	مشرق و مغرب کے سیاسی افکار	از سید اصغر علی شاہ جعفری
-2	مغربی سیاسی افکار	از " الیر. ایم شاہد
-3	مسلمانوں کے سیاسی افکار	از " باوید اقبال
-4	مسلمانوں کے سیاسی افکار و ادارے	از " الیس ایم شاہد
-5	تقابلی سیاسی نظام	از " الیس ایم شاہد
-6	حکومت اور سیاست	از " مجاہد فاروق
-7	پاکستان، نظریہ حکومت و سیاست	از " الیس ایم شاہد
-8	تحریک پاکستان	از " اصغر علی شاہ جعفری
-9	تعبیر پاکستان	از " الیس ایم شاہد
-10	پاکستان کی خارجہ پالیسی	از " زاہد حسین انجم
-11	امام غزالی اور ابن خلدون کے سیاسی افکار	از " الیس ایم شاہد
-12	شاہ ولی اللہ اور اقبالؒ کے سیاسی افکار	از " الیس ایم شاہد
-13	افلاطون، ارسطو کے سیاسی افکار	از " مجاہد فاروق
-14	مقامی حکومتیں و ادارے	از " الیس ایم شاہد
-15	نظم و نسق عامہ	از " الیس ایم شاہد
-16	جدید دساتیر عالم	از " الیس ایم شاہد
-17	بین الاقوامی تنظیمیں	از تنویر بخاری
-18	سیاسیات عالم	از " الیس ایم شاہد
-19	بین الاقوامی تعلقات	از " صفدر حیات صفدر
-20	بین الاقوامی تعلقات	از " نعیم اکبر یٰسین
-21	جدید مسلم مفکرین	از " الیس ایم شاہد
-22	تقابلی سیاست	از " الیس ایم شاہد
-23	تقابلی و ترقیاتی سیاست	از " عمانول یونس
-24	جدید تقابلی سیاست	از " الیس ایم شاہد
-25	بڑی طاقتوں کی خارجہ پالیسی	از " مسعود احمد خاں
-26	قانون بین الاقوامی معہ مسلم قوانین	عبداللہ صدیق از " الیس ایم شاہد

ماسٹر گائیڈ ایم۔اے سیاسیات جمیل پال

پبلشر نیو بک پیلس چوک اردو بازار، لاہور۔ فون: 7224925

سٹاکسٹ فاروق سنز الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

www.KitaboSunnat.com

ایم اے اسلامیات کے نئے نصاب کے مطابق سوالاً جواباً کتب

سال اول

پرچہ اول:	تفسیم القرآن	از پروفیسر غلام رسول
	تفسیم الحدیث	از " نویر بخاری
پرچہ دوئم:	اسلام اور جدید سیاسی و عمرانی افکار	از " ایس۔ ایم۔ شاہد
	اسلام اور جدید سیاسی و عمرانی افکار	از " نویر بخاری
پرچہ سوئم:	تاریخ اسلام مکمل	از " بشیر احمد تمنا
	تاریخ اسلام مکمل	از " ایس۔ ایم۔ شاہد
پرچہ چہارم:	عربی زبان و ادب	از " نویر بخاری

سال دوئم

پرچہ اول:	اسلام اور مذاہب عالم	از " اسرار الرحمٰن بخاری
	تعارف مذاہب عالم	از " ایس ایم شاہد
پرچہ دوم:	تفسیم اللہ	از " ڈاکٹر اسلم خاکی
پرچہ سوئم:	اسلام اور جدید معاشی تصورات اور تحریکیں	از " ایس ایم شاہد
	اسلامی معیشت	از " مہر محمد نواز خان و فرزانہ بخاری
پرچہ چہارم:	اسلام اور سائنس	از " ایس ایم شاہد
	اسلام اور سائنس	از " نویر بخاری
	یا	
	اسلام اور فلسفہ	از " ایس۔ ایم۔ شاہد
پرچہ پنجم:	عالم اسلام کے مسائل و وسائل	از " زاہد حسین انجم
	یا	
	اسلامی اخلاق و تصوف	از " نویر بخاری
	یا	
	دعوت و ارشاد	از " ایس ایم شاہد
	زبانی امتحان کے لئے اسلامی فلسفہ حیات	از " ایس ایم شاہد

ماسٹر گائیڈ اسلامیات ایم اے

نیو بک پیلس چوک اردو بازار لاہور

فون نمبر : 7224925

لنڈا کسٹ فاروق سنز الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

معلومات کے لئے جوابی خط ضرور ارسال فرمائیں

ایم اے تاریخ کے لئے سوالا "جوابا" کتب

1-	تاریخ اسلام	از	پروفیسر چشتی اور نعمانی
2-	مطالعہ تاریخ	از	• الیس ایم شاہد
3-	مطالعہ تاریخ	از	• حضور حیات حضور
4-	اسلامی ہند کے تہذیبی و سیاسی گوشے	از	• حضور حیات حضور
5-	عہد حنفیہ کے تہذیبی و سیاسی گوشے	از	• فرانسیسی ایم پی سید
6-	مسلمانان دہلی اور حنفیہ حکمرانوں کا نظم و نسق	از	• پروفیسر اشفاق حسین ملک
7-	تاریخ پاکستان 1947ء تا حال	از	• زاہد حسین انجم
8-	مغربی تہذیب کا پس منظر	از	• فضل کریم شیخ
9-	عہد تنظیم	از	• الیس ایم شاہد
10-	سلاطین دہلی	از	• پروفیسر غلام رسول
11-	عہد حنفیہ	از	• حضور حیات حضور
12-	تاریخ ہندو پاک	از	• حضور حیات حضور
13-	تاریخ پنجاب	از	• اصغر علی شاد بھٹی
14-	جدید دنیا کے اسلام	از	• فضل کریم شیخ
15-	اسلامی ادارے تہذیب و تمدن	از	• الیس ایم شاہد
			تنویر بخاری
16-	تاریخ یورپ	از	• الیس ایم شاہد
17-	تاریخ انگلستان	از	• الیس ایم شاہد
18-	تاریخ ترکیہ	از	• پروفیسر خالد فرہاد
19-	تاریخ انگلستان	از	• زاہد حسین انجم
20-	تاریخ امریکہ	از	• زاہد حسین انجم
21-	تاریخ وسط ایشیا	از	• حضور حیات حضور
22-	جغرافیہ عالم	از	

ایم اے کے امتحان کی تیاری کیلئے آپ کی بہترین مددگار و معاون

ماسٹر گائیڈ ایم اے تاریخ از تنویر بخاری

پبلشر نیو بک پیلس چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبر 7224925

اسٹاکسٹ: فاروق عنز الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور